اردو دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

ستمبر 2017



سمیرا حمید کا مکمل ناول

رہ نوردِ شوق

بانی و مدیر اعلیٰ ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون

مدیر ——— آذر ریاض

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور

بلقیس بھٹی

نفسیات ——— عدنان

اشتہارات ——— خالد جیلانی

خواتین ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER	
APNS	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
CPNE	رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) -----	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ -----	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -----	7000 روپے





پکوان

بیوٹی بکس

رنگا رنگ سلسلے

میری بیاض سے

نفسیات

ستمبر 2017

جلد 45 شمارہ 5

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ۔ 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیر

کچھ باتیں

خواتین ڈائجسٹ کا ستمبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو عزیز رکھتا ہے، ان پر آزمائشیں بھی زیادہ آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اولاد اور مال کے خسارے سے آزماتا ہے۔ اور جو بندے آزمائش میں پورے اترتے ہیں انہیں انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ (اللہ کے دوست) ہیں۔ آپ کی ساری زندگی مسلسل آزمائشوں سے عبارت ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی اور پھر بڑھاپے تک کے سفر میں آپ ہر طرح آزمائے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے سب رشتے ناتے توڑ کر وطن سے ہجرت کی۔ بڑھاپے میں اللہ نے اولاد کی نعمت عطا کی تو حکم ہوا کہ بیوی ہاجرہ علیہ السلام اور معصوم لخت جگر اسماعیل علیہ السلام کو مکے کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئیں۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ ہاجرہ علیہ السلام نے بھی اسے اللہ کی رضا جان کر سر تسلیم خم کر دیا۔ تپتے صحرا میں اسماعیل علیہ السلام پیاس کی شدت سے بلکنے لگے تو ماں سے دیکھا نہ گیا۔ وہ صفا، مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتیں اور پہاڑیوں پر چڑھ کر نظر دوڑاتیں۔

اللہ تعالیٰ نے بے قرار ماں کے اس عمل کو قیامت تک کے لیے حج اور عمرے کا حصہ بنا دیا۔ قیامت تک مسلمان حج اور عمرے کے دوران اس کی یاد تازہ کرتے رہیں گے۔ ہاجرہ علیہ السلام آزمائش پر پوری اتریں یہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے اعزاز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشوں کا سفر جاری رہا۔ بیٹا کچھ بڑا ہوا تو اس بار بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ عزیز فرزند کو قربان کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو خواب سنایا تو سعادت مند اور فرماں بردار فرزند نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا دیا۔ باپ بیٹے اس آزمائش میں بھی پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ انعام دیا کہ اس قربانی کو ہمیشہ کے لیے اپنے خلیل کی سنت بنا دیا اور مسلمانوں کے لیے عیدالاضحیٰ کے دنوں میں قربانی کو واجب کر دیا۔ ہر سال کروڑوں مسلمان قربانی کر کے اس واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جب بندے مصائب کو اللہ کی رضا سمجھ کر صبر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

قارئین کو عیدالاضحیٰ مبارک، ہماری جو قارئین حج کی سعادت سے نوازی گئیں، انہیں حج کی مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں اور قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

دعائے مغفرت،

ہماری والدہ کو دنیا سے رخصت ہوئے ایک سال گزر گیا لیکن دل آج بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ ہر دم ہمارے لیے دعا کرنے والی، ہماری سلامتی کے لیے فکرمند رہنے والی ہستی ہمارے درمیان نہیں رہی۔ ماں کا سایہ رحمت و برکت ہے۔ اس کے قدموں میں بیٹھ کر سارے غم ہلکے ہو جاتے ہیں۔ اس کے سائے سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے۔

نو ستمبر کو والدہ محترمہ کی برسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

گواہی

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی روح ہیں اور جنت اور دوزخ حق ہیں، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، جس عمل پر بھی وہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے "جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم حرام فرما دی۔"

فوائد و مسائل : 1۔ اس میں رسولوں کی عبدیت کا بیان اور ان لوگوں کے عقائد کی نفی ہے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو الوہی صفات سے متصف کیا یا انہیں کسی اعتبار سے اللہ کا جز قرار دیا، اس میں یہ بھی بتایا گیا کہ جنت بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

3۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمۃ اللہ ہونے کا مطلب ہے کہ وہ اسباب عادیہ سے ہٹ کر بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے اور روح اللہ (اللہ کی روح) انہیں شرف و عزت کے طور پر کہا گیا ہے، جیسے اونٹنی کی اور خانہ کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف شرف و تکریم کے طور پر کی گئی ہے، ناقتہ اللہ، بیت اللہ، یہ اضافت تشریفی کہلاتی ہے۔

4۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب ایک مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے، بلکہ وہ مومن ہی رہتا اور اس کا استحقاق جنت برقرار رہتا ہے، تاہم یہ دخول جنت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہے تو گناہ گار مومن کے گناہ معاف فرما کر پہلے مرحلے ہی

میں جنت میں داخل فرمادے اور اگر چاہے تو کچھ عرصہ بطور سزا جہنم میں رکھنے کے بعد۔۔۔ گویا مومن پر جہنم کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے لیے جہنم کی سزا دائمی نہیں ہے' بلکہ اس کے گناہوں کے مطابق عارضی ہے۔ جب وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت لے گا' یا اس کے بغیر بھی جب اللہ چاہے گا یا کسی کی سفارش پر اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

نیکی کا اجر

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ عزّوجل فرماتا ہے۔ جس نے ایک نیکی کی' اس کے لیے دس گنا اجر ہے یا اس سے بھی زیادہ میں دوں گا۔ اور جس نے برائی کی تو برائی کا بدلہ اس کی مثل ہو گا' (زیادہ نہیں) یا میں بخش (ہی) دوں گا۔ جو مجھ سے ایک بالشت کے برابر (نیکیوں کے ذریعے سے) قریب ہو گا' میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوں گا۔ اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہو گا' میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوں گا۔ جو میرے پاس چل کر آئے گا' میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔ اور جو مجھ سے زمین (بھر) برائی لے کر ملے گا (لیکن) وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اس سے اسی قدر بخشش لے کر ملوں گا۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے اس فضل و کرم کی وسعت کا بیان ہے جس کا اظہار اس کی طرف سے اپنے اطاعت گزار بندوں کے لیے ہوتا رہتا ہے اور قیامت والے دن بطور خاص ہو گا اور وہ ایک ایک نیکی پر کم از کم دس دس گنا اجر ضرور دے گا اور اس سے زیادہ بھی جتنا وہ چاہے گا' حتیٰ کہ سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ مومن اس کے عفو و مغفرت کی امید رکھے اور اس کی مغفرت سے مایوس نہ ہو۔

2۔ اللہ تعالیٰ کا قریب ہونا' چل کر آنا اور دوڑ کر آنا' اس کے حقیقی معنی پر محمول ہو گا اور یہ ایسے ہی ہو گا جیسے اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ اس کی تشبیہ اور تمثیل ناجائز ہے۔

دو چیزیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا' وہ جنت میں جائے گا۔ اور جسے اس حال میں موت آئی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔''

(مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ مومن و موحد بالآخر جنتی ہے' چاہے وہ ابتداہی میں جنت میں چلا جائے یا سزا بھگت کر۔ وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ خلود فی النار (دوزخ میں ہمیشہ رہنے) کا مستحق صرف کافر اور مشرک ہے۔

2۔ اس امر کی ترغیب ہے کہ ایمان لاکر اس پر قائم رہنا چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنی چاہیے۔

دل کی سچائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے' جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سواری پر سوار تھے' فرمایا۔

''اے معاذ!''

انہوں نے عرض کیا' ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! حاضر ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے معاذ!''

انہوں نے عرض کیا: "حاضر ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!"

تین مرتبہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے معاذ!" انہوں نے عرض کیا۔ حاضر ہوں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

(آپ نے انہیں پکارا اور معاذ نے لبیک وسعدیک کہا۔ اس کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو بندہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، بشرطیکہ یہ گواہی دل کی سچائی سے ہو تو اللہ اسے جہنم کی آگ پر حرام فرما دیتا ہے۔"

حضرت معاذ نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ بات میں لوگوں کو نہ بتلاؤں تاکہ وہ خوش ہو جائیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تب وہ اسی پر بھروسا کر لیں گے (اور عمل سے غافل ہو جائیں گے۔)"

چنانچہ حضرت معاذ نے (اس بات کو اپنے تک محدود رکھا اور) اپنی موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے اس فرمان نبوی کو بیان فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: 1۔ امام طیبی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ (دل کی سچائی سے) کا مطلب ہے "استقامت اور توحید و رسالت کی گواہی کے تقاضوں کا اہتمام۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام طیبی کا مقصد اس وضاحت سے اس اشکال کو دور کرنا ہے۔ جو حدیث کے ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے" اس لیے کہ حدیث میں عموم ہے کہ جو بھی توحید و رسالت کی گواہی دے گا، وہ جہنم میں نہیں جائے گا جب کہ اہل سنت کے نزدیک دیگر دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ گناہ گار مومن جہنم میں بطور سزا جائیں گے اور پھر شفاعت سے نکالے جائیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ دوسرے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مفہوم متعین ہو گا اور وہ یہ ہے کہ اس کا عموم اعمال صالحہ کے ساتھ مقید ہے، یعنی جو توحید و رسالت کی گواہی کے ساتھ احکام و فرائض اسلام کی پابندی اور ایمان و تقویٰ کے تقاضوں کا بھی اہتمام کرے گا، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

2۔ بعض کے نزدیک اس حدیث سے ایسے لوگ مراد ہیں، جنہوں نے کفر و شرک سے تائب ہو کر سچے دل سے توحید و رسالت کا اقرار کر لیا لیکن اس کے فوراً بعد انہیں موت آ گئی اور انہیں عمل کا موقع ہی نہیں ملا۔ یہ لوگ یقیناً "جنتی ہوں گے۔

3۔ بعض کے نزدیک، جہنم پر حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ان کے لیے حرام ہے، "مطلقاً" جہنم میں داخل ہونا حرام نہیں۔ مومن اپنے گناہ کی وجہ سے (اگر اللہ چاہے گا) عارضی طور پر جہنم میں جائے گا اور پھر اسے نکال لیا جائے گا۔

4۔ اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ عام لوگوں کے سامنے ایسی چیزیں بیان نہیں کرنی چاہئیں جن کا صحیح طور پر سمجھنا ان کے لیے مشکل ہو اور اپنی نافہمی کی وجہ سے وہ انہیں اپنی بے عملی اور بد عملی کے لیے وجہ جواز بنا لیں۔

برکت

حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، "جب غزوہ تبوک ہوا تو اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت بھوک لگی۔ انہوں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم اپنے اونٹ نحر (ذبح) کر لیں اور ان کا گوشت کھائیں اور چربی حاصل کریں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(ٹھیک ہے) کر لو۔"

اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے اور انہوں نے (یہ بات سن کر) کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس طرح کریں گے تو سواریاں کم ہو جائیں گی' البتہ آپ یہ کریں کہ ان سے ان کے بچے کھچے کھانے کا سامان منگوالیں' پھر اس پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرما دیں۔ شاید (اس طرح) اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس میں برکت ڈال دے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں' ٹھیک ہے۔"

چنانچہ آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا اور اسے بچھا دیا' پھر آپ نے صحابہ سے ان کے بچے کھچے زاد راہ منگوائے۔ چنانچہ کوئی مکئی کی ایک مٹھی لایا' دوسرا کوئی کھجور کی مٹھی اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا' یہاں تک کہ دستر خوان پر اس سے کچھ چیزیں جمع ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا۔

"(اپنے) اپنے برتنوں میں ڈال لو۔"

چنانچہ صحابہ نے اپنے اپنے برتنوں میں ڈالنا شروع کیا' یہاں تک کہ لشکر میں انہوں نے کوئی برتن ایسا نہیں چھوڑا جسے نہ بھرا ہو (علاوہ ازیں) سب نے کھایا' یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے اور کچھ بچ بھی گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ کوئی بندہ بھی ایسا نہیں جو کلمہ توحید و رسالت کے ساتھ اللہ کو ملے' اس حال میں کہ اسے کوئی شک و شبہ نہ ہو' پھر اسے جنت میں جانے سے روک دیا جائے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کا اور آپ کی دعا کی تاثیر اور برکت کا بیان ہے کہ تھوڑا سا کھانا پورے لشکر کو کافی ہو گیا۔

2۔ غزوہ تبوک کے شرکاء کی تعداد کتنی تھی' کسی مستند روایت میں یہ تعداد بیان نہیں ہوئی' حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ نے "فتح الباری" میں سیر و مغازی کی بعض روایات کے حوالے سے 30 اور 40 ہزار تک کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ روایات اگرچہ محتاج صحت ہیں' تاہم صحیح بخاری کی روایت سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شرکاء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ روایت بخاری کے الفاظ ہیں "اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان کثیر تعداد میں شامل تھے' جنہیں کسی رجسٹر میں شمار کرنا نہایت مشکل تھا' اس میں کسی شخص کی غیر حاضری کا آپ سے مخفی رہ جانا ممکن تھا' اِلّا یہ کہ وحی کے ذریعے سے آپ کو مطلع کر دیا جائے۔

اس سے اتنا بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ اس لشکر میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں شریک تھے۔ اس طرح چند سیر سامان خوراک' ہزاروں افراد پر مشتمل لشکر کو کافی ہو گیا۔

3۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنے سے افضل اور برتر شخص کو مشورہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح افضل شخص کو اپنے سے کم رتبہ لوگوں کے مشورے بھی سننے چاہئیں' ممکن ہے اس میں بہتری کا زیادہ پہلو ہو۔ اس سے نہ افضل کے رتبے میں کمی آتی ہے اور نہ اسے مفضول کی طرف سے افضل کی شان میں گستاخی قرار دیا جا سکتا ہے۔

دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

"اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا۔ میں تجھ پر ایمان لایا۔ میں نے تجھ پر ہی بھروسا کیا۔ تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا اور تیری وجہ ہی سے (دین کے دشمنوں سے) میں نے جھگڑا کیا۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تیرے غلبے کے ذریعے سے میں پناہ مانگتا ہوں' اس بات سے کہ تو مجھے سیدھے راستے سے بھٹکا دے۔ تو زندہ ہے جسے موت نہیں

آ ئے گی اور تمام جن وانس مر جائیں گے۔"
(بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ بخاری نے اسے مختصر بیان کیا ہے۔)

فوائد و مسائل : 1۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے' اس لیے اعمال خیر کے انجام دینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگنی چاہیے اور جس قدر یقین پختہ ہو' دعا اسی قدر جلد درجہ قبولیت حاصل کر لیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان رکھتا ہے۔

2۔ ایمان لانا' اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا وغیرہ نیک اعمال ہیں جن کا واسطہ دے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کا واسطہ دے کر دعا کرنا جائز بلکہ زیادہ باعث قبول ہے۔

3۔ دل اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے وہ جیسے چاہے پھیرتا ہے' کیونکہ شیطان ہر وقت انسان کو راہ مستقیم سے ہٹانے پر لگا ہوا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ کی ہر وقت ضرورت ہے کہ کہیں دل طاعت الٰہی سے پھر کر غلط راہ پر نہ لگ جائے اور انسان کی ساری محنت رائیگاں جائے۔

توکل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حسبنا اللہ و نعم الوکیل (ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے۔) اس وقت کہا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا۔

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ کلمہ اس وقت کہا جب (کافر) لوگوں نے کہا" بے شک لوگ تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہو گئے ہیں' ان سے ڈرو۔" چنانچہ اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور انہوں نے کہا۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ (بخاری)

(ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے)

اور بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے' جو ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے' اس میں انہوں نے کہا" جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کی آخری بات یہ تھی حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

فائدہ : سخت سے سخت ترین حالات میں بھی اللہ ہی پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیے۔ انبیاء علیہ السلام کا اسوہ بھی یہی ہے۔

جنت میں جانے والے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" ایسے لوگ جنت میں جائیں گے جن کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں گے۔" (مسلم)

بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ (پرندوں کی طرح اللہ پر) بھروسا کرنے والے ہوں گے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے کہ ان کے دل نرم ہوں گے۔

فوائد و مسائل : 1۔ توکل علی اللہ اور رقت قلب کی فضیلت' کہ یہ دونوں باتیں جنت میں لے جانے کا سبب ہیں۔

2۔ مومن کے دل میں رزق و معیشت کی زیادہ فکر نہیں ہونی چاہیے بلکہ ان کے دل پرندوں کی طرح ہونے چاہئیں جو اپنے لیے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے بلکہ ہر روز صبح تلاش رزق میں نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں' جیسے دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ پر صحیح معنوں میں توکل کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں پرندوں کی طرح روزی عطا فرمائے گا جو صبح جب گھونسلوں سے نکلتے ہیں تو بھوکے ہوتے ہیں اور شام کو ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔

آپ خیریت سے ہیں

انشا جی

ایک شخص کے پاوں کے انگوٹھے پر ایک گومڑ نکل آیا تھا۔ کسی نے کہا' اسپتال جا کر اسے کٹوا دو۔ معمولی سا آپریشن ہوگا۔ پس وہ اسپتال چلا گیا۔ آپریشن کے لیے اسے بے ہوش کرنے کی دوا دی گئی۔ جس سے اس کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ اسے آکسیجن ٹینٹ میں رکھا گیا۔ جس میں ہڈیوں کی سوزش کے جراثیم پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ اسے وہ بیماری لگ گئی۔ اسے اسٹریچر پر لے جا رہے تھے کہ اسٹریچر الٹ گیا۔ جس سے اس کی ٹانگ اور ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اس ضرب سے اس کو دل کا ایک اور دورہ پڑ گیا۔ دم تحریر وہ اس عالم میں ہے کہ اس کے ایک نلکی سانس لینے کے لیے لگی ہے ایک نلکی پیشاب خارج کرنے کے لیے۔ ٹانگ پلاسٹر میں جکڑی ہے۔ اور بازو پٹی میں بندھا گلے کا ہار ہو رہا ہے۔ اب رہا وہ گومڑ۔ اسے سب بھول گئے ہیں۔ وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔

یہ خبر ارجنٹائن کی ہے اور کسی کے بارے میں ہے۔ لیکن یہ یہاں کی بھی ہو سکتی تھی اور ہم خوش قسمت نہ ہوتے تو ہمارے بارے میں بھی ہو سکتی تھی کیونکہ اپنی ٹانگ کو لیے۔۔۔ ہم ایک مقامی اسپتال میں بھی ہو آئے ہیں۔ جہاں ہر کوئی ہر کسی سے شاکی تھا۔ زیادہ تفصیل میں اس لیے نہیں جاتے کہ ہمیں تجربے نے بتا دیا ہے کہ کبھی اسپتالوں کے بارے میں نہیں لکھنا چاہیے۔ کبھی پولیس اور تھانے کے بارے میں نہیں لکھنا چاہیے۔ کسی حاکم وقت کے بارے میں نہیں لکھنا چاہیے۔ بلکہ جیسا کہ قدرت اللہ شہاب کے مشہور افسانے "رپورٹ پٹواری مفصل ہے۔" میں ہے' کسی پٹواری کے بارے میں بھی لکھنے کی حماقت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہر پھر کر واسطہ ان ہی لوگوں سے پڑتا ہوتا ہے۔ شہاب صاحب کے سائل نے جس کی زمین پٹواری نے کسی اور کے کھاتے میں ڈال دی تھی۔ شکایت تو گورنر کے نام بھیجی تھی' انہوں نے اپنے سیکریٹری کو برائے ضروری کارروائی بھیج دی۔ سیکریٹری نے کمشنر کو' کمشنر نے ڈپٹی کمشنر کو' ڈپٹی کمشنر نے تحصیل دار کو اور تحصیل دار نے

اسی پٹواری کو منتقل کردی کہ اس پر "ضروری کارروائی کی جائے"

پٹواری نے درخواست دہندہ کو بلایا۔ ایک جوتا لگاتا تھا اور درخواست دکھاتا تھا کہ اور دے درخواست گورنر کو۔ بڑا آیا ہماری شکایتیں کرنے والا۔ اس "ضروری کارروائی" کے بعد درخواست یہ لکھ کر گورنر صاحب کو لوٹا دی کہ مناسب تحقیق کی گئی۔ مدعی جھوٹا ہے۔ جھوٹی درخواستیں دینے کا عادی ہے۔ شکایت داخل دفتر کی جائے۔

☼ ☼ ☼

ہم کوئی دس دن سے اپنی ٹانگ سمیت بستر پر پڑے ہیں۔ ہمارے دوست ڈاکٹر منیر الحق ہمیں دیکھ جاتے ہیں اور دلاسا دیتے ہیں کہ چند روز اور مری جان' فقط چند ہی روز۔ انہوں نے نصیحت بھی کی کہ پرائے پھٹے میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے۔ ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب ہم نے نہیں اڑائی' لیکن اگر پرایا پھٹا خود آکر ہماری ٹانگ میں اڑ جائے تو کیا کر سکتے ہیں۔

ایک اور دوست نے فرمایا کہ یہ جو تم دعوے کرتے پھرتے ہو کہ تم کو دولت مل رہی تھی' تم نے اس پر لات ماردی' کوئی بڑا عہدہ مل رہا تھا' اس پر لات ماردی۔ تو ایسے کاموں کا تو یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

ہم نے کہا' نہیں صاحب یہ بات نہیں' زبان سے کہنے کی بات اور ہے۔ ہم عزت' شہرت یا عہدے پر لات مارنے والے آدمی نہیں ہیں۔ بات فقط اتنی ہے کہ 31 جنوری کو ریڈیو پاکستان کے سامنے ٹیکسی

لینے کے لیے ہم سڑک پار کر رہے تھے کہ غلط سائڈ سے آکر ٹیلی فون کے محکمے کی ایک جیپ نے ہمیں ٹکر مار دی اور دور اچھال دیا۔ رپورٹ ہم نے اس لیے نہیں کی کہ اس مقام پر جہاں پانچ طرف سے ٹریفک آتا ہے اور سڑک عبور کرنے میں پندرہ منٹ لگتے ہیں۔نہ کوئی زیبرا کراسنگ ہے' نہ کوئی ٹریفک کا آدمی ہوتا ہے۔ ہوتا بھی تو رپورٹ کا کچھ مقام نہ تھا۔ قصور ہمارا تھا۔ ہم کیوں گھر سے باہر نکلتے ہیں۔ الٹا ہم نے جیپ والے کا شکریہ ادا کیا کہ ہمیں زندہ رہنے دیا۔ خبر اس واردات کی اس لیے کسی کو نہ ہوئی کہ ہمارے شہر میں اگر کوئی گاڑی کسی آدمی کو ٹکر مار دے تو یہ خبر نہیں ہے۔ ہاں کوئی آدمی کسی گاڑی کو ٹکار مارے تو خبر بنتی ہے۔

✡ ✡ ✡

عباسی شہید اسپتال بہت بڑا عالی شان اسپتال ہے۔ وہاں کے ڈاکٹروں نے ہمیں پہچان کر ہماری طرف خاطر خواہ توجہ دی۔ لیکن اسپتال صرف سنگ و خشت نہیں ہوتا۔ ایکسرے کرنے والا آدمی پون گھنٹے کی تلاش کے بعد ملا اور ملا تو ہم سے ایمرجنسی کی فیس چارج کی۔ لیبارٹری کا نظام جیسا اس اسپتال میں ہونا چاہیے ویسا نہیں ہے۔ ماہر ڈاکٹروں کی بھی کمی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ اتنے بڑے علاقے کے لیے اتنا بڑا اسپتال بنا ہے تو کچھ ماہرین جناح اسپتال اور سول اسپتال سے یہاں منتقل کردیے جائیں گے۔ لیکن معلوم ہوا کہ جناح اسپتال مرکزی حکومت کا ہے۔ سول اسپتال صوبائی حکومت کا اور عباسی اسپتال میونسپل کارپوریشن کا۔ یہاں اکثر ڈاکٹر نئے ہیں۔ بعض تو شاید اسی سال فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ تجربہ کم رکھتے ہیں' لیکن ایک صاحب نے کہا کہ چند سال چیر پھاڑ کرتے رہیں گے اور دوائیں آزماتے رہیں گے تو ان کو بھی تجربہ ہو جائے گا۔ انسان گاتے گاتے ہی کلاونت ہوتا ہے' ویسے ان طالب علم نما ڈاکٹروں کو دیکھ کر ہمیں وہ مریض یاد آیا جو آپریشن ٹیبل پر لیٹا تو کہنے لگا' ڈاکٹر صاحب مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے' کیونکہ یہ میرا پہلا آپریشن ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا بھی تو یہ پہلا آپریشن ہے۔ میں کوئی گھبرا رہا ہوں؟

✡ ✡ ✡

ویسے تو ہم خیریت سے ہیں' لیکن اس تقریب سے بستر پر پڑے سارا سارا دن یہ سوچتے رہتے ہیں کہ ہم اپنے اہل وطن کی کس طرح خدمت کرسکتے ہیں۔ اور ہمارے اہل وطن ہماری کیا خدمت کرسکتے ہیں۔ چونکہ ہم مشرقی تہذیب کے آدمی ہیں۔ "پہلے آپ" کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں بھی پہل کرنے کا موقع اہل وطن ہی کو دینا چاہتے ہیں۔ قومی خدمت کا جذبہ ہم میں ایک تو فراغت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کچھ یار عزیز الحاج جمیل الدین عالی کی صحبت سے جو ہمیں برابر دیکھ رہے ہیں۔ حج کرنے کے بعد سے ہم ان میں نمایاں فرق دیکھ رہے ہیں۔ لہو و لعب کی طرف ان کو رغبت مطلق نہیں رہی۔ خیالات فاسدہ ان میں پہلے بھی نہیں تھے' اب تو اور بھی نہیں رہے۔ غزلوں' دوہوں کو لاصاصل قرار دے کر انہوں نے عزم کیا ہے کہ آئندہ صرف قوالوں کی فرمائش گراموفون کمپنیوں کے لیے لکھا کریں گے۔ ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے دنیا بالکل ٹھیک ہو جائے۔ ہر طرف عربی ہی عربی رائج ہو جائے اور مسلمانوں میں کسی قسم کی کوئی خرابی باقی نہ رہے۔ تبلیغی تقریریں اس جذبے سے کرتے ہیں کہ بے اختیار جی چاہتا ہے۔ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیں۔ پھر خیال آتا ہے کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ اگر آپ کو کوئی شخص عربی لباس میں رجز پڑھتا ہوا ننگی شمشیر ہاتھ میں لیے گھوڑے پر سوار بحر ظلمات کا راستہ پوچھتا نظر آئے تو نام پوچھنے کی ضرورت نہیں اور کون ہو سکتا ہے۔



تمہاری مریم کی مریم

باتیں رمشہ خان سے

شاہین رشید

1. "اصلی نام؟"

"رمشا خان۔"

2. "پیار کا نام؟"

"امی میری بچپن میں مجھے "رمبا" کہتی تھیں۔ میری دوستیں مجھے "راموکا" کہتی ہیں .... تو بس یہی دو نام ہیں۔"

3. "تاریخ پیدائش/شہر؟"

"کراچی میں پیدا ہوئی اور 23 جون 1994ء میں جنم لیا۔"

4. "قد/ستارہ؟"

"پانچ فٹ ساڑھے سات انچ/جیمنائی+کینسر ان دونوں کے اثرات ہیں مجھ پر۔"

5. "بہن بھائی/آپ کا نمبر؟"

"ہم دو بہنیں ہیں۔ بہن مجھ سے چھوٹی ہے۔"

6. "تعلیمی ڈگریاں؟"

"بزنس میں ماسٹرز کرنے کا ارادہ ہے MBA کرنا چاہتی ہوں۔"

7. "شادی؟"

"ابھی یہ سوال قبل از وقت ہے۔ ابھی بہت کچھ کرنا ہے مجھے۔"

8. "آپ کی خواہش ہے کہ؟"

"میں پہلے اپنا گھر بناؤں۔ پھر کچھ اور سوچوں۔"

9. "شوبز میں آمد؟"

"بہت لمبی کہانی ہے۔ ویسے ایک ایجنسی کے ذریعے



سے آئی ہوں۔"

10۔ "پہلا ڈرامہ / وجۂ شہرت؟"

"وہ ایک پل" اور اسی نے شہرت دی۔"

11۔ "پریکٹیکل لائف میں آمد؟"

"کم عمری میں ہی پریکٹیکل لائف میں آ گئی۔ اور کسی مجبوری کے تحت نہیں بلکہ اپنی امی کو جب کام کرتے دیکھتی تھی تو میرا دل چاہا کہ میں بھی کام کروں۔"

12۔ "شوبز کا ماحول؟"

"ابھی تک تو ٹھیک لگ رہا ہے۔ کوئی برائی بھی نظر نہیں آ رہی، سب ہی لوگ بہت اچھے ہیں۔"

13۔ "مارننگ پرسن ہیں؟"

"میں بالکل بھی مارننگ پرسن نہیں ہوں، لیکن پھر اٹھنا پڑتا ہے یہ سوچ کر کہ کام کرنا ہے۔"

14۔ "صبح اٹھ کر پہلا کام؟"

"برف والے پانی سے اپنی آنکھیں دھوتی ہوں، کیونکہ اگر ایسا نہ کروں تو آنکھیں سوجی ہوئی لگتی ہیں۔"

15۔ "رات کو نیند کب آتی ہے؟"

"عموماً جب کام سے آتی ہوں تو پھر دو تو بج ہی جاتے ہیں.... ورنہ عام دنوں میں گیارہ بجے بیڈ پہ ہوتی ہوں۔"

16۔ "بیڈ ٹی کی عادت ہے؟"

"بالکل ہے۔ بیڈ ٹی کے بعد کچھ کھانے کو دل چاہتا ہے۔"

17۔ "گھر کے کام کرنا پسند یا ناپسند؟"

"ناپسند.... بچپن سے ہی مجھے گھر کے کام کرنا پسند نہیں اور اس وجہ سے امی سے ڈانٹ بھی کھاتی ہوں۔"

18۔ "14 اگست منانا کیسا لگتا ہے؟"

"بہت اچھا۔ گو کہ ٹریفک بہت ہو جاتا ہے۔ لوگ ہلا گلا کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر پھر سوچتی ہوں کہ ہم آزاد بھی تو ہوئے تھے اس دن۔"

19۔ "اپنی جسمانی ساخت میں کیا کمی محسوس کرتی ہیں؟"

"کاش میں تھوڑی اور دبلی ہوتی۔ ویسے میں خوش ہوں کہ اللہ نے بہت اچھا بنایا ہے۔"

20۔ "خوش خوراک ہو؟"

"جی بہت زیادہ.... جہاں اچھا کھانا کھانے کو ملے اس پہ ٹوٹ پڑتی ہوں، قسم سے۔"

21۔ "اور جب بھوک میں کھانا نہ ملے تو؟"

"میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے اور میں کہتی ہوں کہ مجھ سے پیسے لے لو مگر مجھے کھانا لا دو۔"

22۔ "آپ کو کس دن کا انتظار ہے؟"

"جب میں بہت مشہور آرٹسٹ بن جاؤں۔ "ٹاپ آف دی ورلڈ آرٹسٹ" بننا چاہتی ہوں۔"

23۔ "فخر کا لمحہ؟"

"جب امی خوش ہوتی ہیں، میں اپنی امی کو بہت خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

24۔ "کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہیں؟"

"میرا ایک منہ بولا بھائی ہے جو سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کا نام "اریب" ہے۔ اس کے یہاں چلی جاتی ہوں۔ چاہے کتنی ہی تھکی ہوئی کیوں نہ ہوں۔"

25۔ "خوشی کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟"

"اپنے دوستوں، اپنی بہن کو اچھا سا کھانا کھلا کر یا تو گھر سے باہر یا پھر گھر پہ کھانا آرڈر کر دیتی ہوں۔"

26۔ "بچپن کی ایک بری عادت جو ابھی تک موجود ہے؟"

"تھوڑی ضدی ہوں۔ اگر کوئی چیز چاہیے تو بس چاہیے ورنہ موڈ خراب ہو جاتا ہے۔"

27۔ "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

"موبائل... کمپیوٹر اور آج کے دور کی سب ایجادات بہت بہترین ہیں۔"

28۔ "دماغ پہ غصہ کب سوار ہوتا ہے؟"

"جب کوئی مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی بلاوجہ برے طریقے سے تنقید کرتا ہے تو پھر بہت غصہ آتا ہے۔"

29۔ "غصے کا ردِ عمل؟"

"کوئی نہیں... غصے میں بھی نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں کہ ایسا نہیں ایسا تھا۔"

30۔ "سات دنوں میں پسندیدہ دن؟"

"ہفتہ... کیونکہ اگلے دن اتوار ہوتا ہے اور مجھے سونے کو ملتا ہے۔"

31۔ "بارہ مہینوں میں پسندیدہ مہینہ؟"

"دسمبر... سردی ہوتی ہے اس لیے۔"

32۔ "لڑکوں میں کیا خوبی ہونی چاہیے؟"

"لڑکوں کو لبرل ہونا چاہیے اور کھلے دل و دماغ کے ہوں۔"

33۔ "مردوں میں کیا بات بری لگتی ہے؟"

"جھوٹ بولنا... جھوٹ بولنے والے مرد بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔"

34۔ "کبھی کسی کو سرِراہ چپل مارنے کی نوبت آئی؟"

ہنستے ہوئے۔ "نہیں اگر کوئی مجھے دیکھ رہا ہو تو میں پوچھ لیتی ہوں کہ کیا مسئلہ ہے یا اگنور کرتی ہوں مگر میری اماں اس معاملے میں کسی کو نہیں بخشتیں... کوئی چھیڑے تو فوراً "چپل نکال لیتی ہیں کہ کیا مسئلہ ہے۔"

35۔ "گھر میں کس کا غصہ تیز ہے؟"

"امی کا۔ ڈرتی ہوں ان کے غصے سے۔"

36۔ "وقت سے پہلے کیا ملا؟"

"عزت... فہم۔"

37۔ "اپنی کمائی اپنے پاس رکھتی ہیں یا؟"

"میں تو امی کو دے دیتی ہوں۔ وہ جو دل چاہے کریں۔"

38۔ "بچت؟"

"میں تو کیش کی صورت میں ہی کرتی ہوں کہ کب ضرورت پڑ جائے۔ مگر بچت ہوتی نہیں ہے۔"

39۔ "کون سا ملک بے حد پسند ہے؟"

"کشمیر... مجھے بے حد پسند ہے اور کاش کہ پورا کشمیر ہمارا ہوتا۔"

40۔ "اپنے ملک کے لیے دو جملے؟"

"ہمارا ملک بہت اچھا ہے۔ مجھے اپنے ملک پہ فخر ہے اور اللہ کرے کہ یہ اور بھی زیادہ اچھا ہو جائے۔"

41۔ "شاپنگ میں پہلی خریداری؟"

"شرٹس خریدتی ہوں۔ کیونکہ میری بہن صاحبہ میری شرٹس پہ قبضہ جما لیتی ہے۔"

42۔ "پیسہ فراخ دلی سے خرچ کرتی ہیں یا سوچ کے؟"

"مجھ میں بہت بری عادت ہے کہ فراخ دلی سے خرچ کرتی ہوں حالانکہ مجھے سوچنا چاہیے خرچ کرتے وقت۔"

43۔ "کس جگہ کا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

"دو دریا کا۔"

44۔ "برا وقت جو آپ نے گزارا؟"

"برا وقت سب پر آتا ہے... مگر الحمد للہ بہت برا وقت نہیں آیا۔ کیونکہ ہماری امی بہت بہادر ہیں... برے وقت کا احساس نہیں ہونے دیا۔"

45۔ "بہترین تحفہ؟"

"پیار اور لائیلٹی۔"

46۔ "کس بات سے موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟"

"جب مجھے پریشان دیکھ کر کوئی کہے کہ کچھ نہیں ہو گا سب ٹھیک ہو جائے گا... مطلب تسلی۔"

47۔ "پسندیدہ پروفیشن؟"

"اداکاری۔"

48۔ "اگر اداکارہ نہ ہوتیں تو؟"

"گیم ڈیولپر ہوتی۔"

49۔ "آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتی ہیں؟"

"نہیں... آنکھ کھلتی ہے تو پندرہ منٹ اور سوتی ہوں۔"



پھر جب اٹھتی ہوں تو پھر اٹھ ہی جاتی ہوں۔"

50۔ "برے وقت میں ساتھ کون دیتا ہے اپنے یا پرائے؟"

"عموماً" پرائے.... مخلص بھی وہی ہوتے ہیں۔"

51۔ "چھٹی کا دن کہاں گزارنا پسند کرتی ہیں؟"

"گھر پہ گزارتی ہوں۔ پورا دن گھر پہ اکیلی بھی رہوں تو میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

52۔ "گھر میں پسندیدہ لباس؟"

"بڑی سی شرٹ اور ٹراؤزر۔"

53۔ "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"

"تو میں اس کے ساتھ وقت گزاروں گی' باتیں کروں گی۔ تب مجھے آئیڈیا ہو گا کہ سامنے والا میرے ساتھ کیسا ہے۔"

54۔ "مرد حسین ہو' ذہین ہو یا کماؤ پوت ہونا چاہیے؟"

"ذہین ہو.... اگر ذہین ہو گا تو اپنی ذہانت سے کما لے گا۔"

55۔ "گھر کے کس کونے میں سکون محسوس کرتی ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔"

56۔ "ایک آرٹسٹ جس کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے؟"

"لمبی فہرست ہے.... ویسے نعمان اعجاز' صبا قمر' آصف رضا میر' ثمینہ پیرزادہ' آمنہ شیخ' سجل علی' احسن خان اور بہت سے۔"

57۔ "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً" دیتی ہیں؟"

"جو کام کے ہوتے ہیں مطلب جن میں کام کی باتیں پوچھی جاتی ہیں۔"

58۔ "بوریت کس طرح دور کرتی ہیں؟"

"مووی دیکھ کر۔"

59۔ "ایک کردار جو کرنا چاہتی ہوں؟"

"نفسیاتی لڑکی کا کردار تو کر لیا۔ تو اس طرح کا کوئی کردار جو بہت مشکل ہو "تمہاری مریم" کا کردار بھی کافی مشکل تھا۔"

60۔ "بلڈ پریشر کب ہائی ہوتا ہے؟"

"جب کوئی مجھ سے چھوٹا بدتمیزی کرتا ہے تب۔"

61۔ "اپنا فون نمبر دے کر پچھتائیں؟"

"کریم والوں کو اپنا نمبر دے کر۔"

62۔ "آپ کے بیگ کی تلاشی لیں تو کیا کیا نکلے گا؟"

"میری ڈائری' میرے میک اپ کا پاؤچ' چار جر اور منٹ۔"

63۔ "کون سی چیز جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"میک اپ جمع کرنے کا شوق ہے تاکہ میں سیٹ پہ لگاتی رہوں۔"

64۔ "اگر آپ پاور میں آجائیں تو؟"

"اپنا ملک ٹھیک کروں گی۔ تعلیم کا نظام ٹھیک کروں گی۔"

66۔ "ایک نصیحت جو بری لگتی ہے؟"

"کہ تم کیا کرو گی' کیونکہ تم میں پوٹینشل نہیں ہے۔"

67۔ "انسان کی زندگی کا سب سے بہترین دور کون سا ہوتا ہے؟"

"میرا خیال ہے اس کی جوانی کا۔"

68۔ "وقت کی پابندی کرتی ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ ہمیشہ لیٹ ہو جاتی ہوں۔ ہمیشہ دیر کر دیتی ہوں۔"

69۔ "منیر نیازی کا ایک مصرعہ ہے 'ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں' تو کیا؟"

"جی۔۔۔ جی میں ہر کام میں دیر کر دیتی ہوں اور پھر بعد میں پچھتاتی ہوں۔"

70۔ "کن لوگوں پر دل کھول کر خرچ کرتی ہیں؟"

"اپنے دوستوں پہ۔"

71۔ "اپنے لیے اپنے پیسوں سے قیمتی چیز کیا خریدی؟"

"موبائل۔"

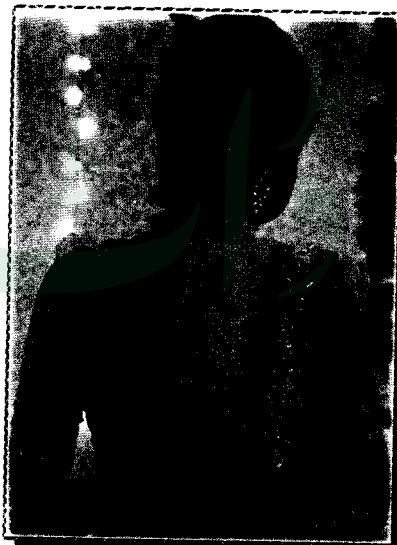
72۔ "کھانے کے لیے بہترین جگہ 'اپنا بیڈ' چٹائی یا ڈائننگ ٹیبل؟"

"اپنا بیڈ۔۔۔ اپنے بیڈ پہ جتنے مزے کے ساتھ آپ کھا سکتے ہو اور کہیں نہیں کھا سکتے۔"

73۔ "ایک کھانا جو آپ روزانہ کھا سکتی ہیں؟"

"بریانی۔"

74۔ "انٹرنیٹ' فیس بک اور انسٹاگرام سے دلچسپی؟"



"ہر چیز سے بہت زیادہ۔"

75۔ "نرم گوشہ کس میں ہوتا ہے مردوں میں یا خواتین میں؟"

"دونوں ہی ہوتے ہیں میرے خیال میں۔"

76۔ "بہترین کک کون ہوتے ہیں مرد یا عورت؟"

"دونوں کے ہاتھ میں ذائقہ ہوتا ہے اور اب کوکنگ کی فیلڈ میں دونوں ہی کام کر رہے ہیں۔"

77۔ "دھوکا کون دیتا ہے مرد یا عورت؟"

"دونوں ہی۔۔۔ نہ مرد کے چہرے پہ کچھ لکھا ہوتا ہے نہ عورت کے۔۔۔ آزمانے سے پتا چلتا ہے۔"

78۔ "کوئی پسندیدہ شخصیت جس کو آپ اغوا کر کے تاوان وصول کرنا چاہتی ہیں؟"

"چھوڑ دیں اس سوال کو۔"

79۔ "کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"چھپکلی سے ڈر لگتا ہے مگر وہ کیڑوں میں شمار نہیں ہوتی۔ اور بڑے بڑے چیونٹے کالے رنگ کے۔"

80۔ "کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟"

ہنستے ہوئے "جی بالکل اندھی ہوتی ہے۔"

81۔ "ڈریس کے لیے بہترین جگہ بوتیک یا درزی کی سلائی؟"

"بوتیک سے ہی لیتی ہوں۔ درزی کے چکر کون لگائے۔"

82۔ "شادی میں پسندیدہ رسم؟"

"مایوں' مہندی کی رسم۔"

83۔ "تحفہ دینے کی قائل ہو یا کیش؟"

"تحفہ دیتی ہوں۔"

84۔ "ناشتہ اور کھانا کس کے ہاتھ کا پسند ہے؟"

"امی کے ہاتھ کا۔۔۔"

85۔ "کن شخصیات سے ملنے کی خواہش ہے؟"

"صائمہ نور کی بہت بڑی فین ہوں۔ شاہ رخ خان اور صبا قمر سے ملنا چاہتی ہوں۔"

86۔ "اپنا فون نمبر کتنی بار تبدیل کیا؟"

"دو تین بار۔"

87۔ "خوفزدہ ہو جاتی ہیں؟"

"بادلوں کے گرجنے سے اور اندھیرے سے۔"

88۔ "کن چیزوں کو لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتیں؟"

"فون اور اپنا بیگ۔"

89۔ "ماں ناراض ہو جائے تو؟"

"سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پہلے معافی مانگتی ہوں پھر کوئی اور کام کرتی ہوں۔"

90۔ "اپنی غلطی کا اعتراف آسانی سے کر لیتی ہیں؟"

"جی بالکل.... بہت آسانی سے۔"

91۔ "بدلہ لیتی ہیں؟"

"نہیں.... معاف کر دیتی ہوں۔"

92۔ "دل کی مانتی ہیں یا دماغ کی؟"

"دل کی مانتی ہوں اور سنتی بھی ہوں۔"

93۔ "بچپن کا ایک کھلونا جو آج بھی محفوظ ہے؟"

"ٹیڈی بیئر.... بچارے میلے ہو چکے ہیں۔"

94۔ "آپ کی اچھی اور بری عادت؟"

"اچھی تو یہ ہے کہ میں ہر چیز میں اچھائی کا پہلو دیکھتی ہوں اور بری بھی یہی ہے کیونکہ میری اس عادت سے لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

95۔ "غصے میں کھانا پینا چھوڑا؟"

"ہاں جی.... بھوک بھی لگ رہی ہوتی ہے مگر غصہ بھی تو دکھانا ہوتا ہے۔"

96۔ "کبھی چھپ چھپ کر باتیں سنیں؟"

"ہاں سنیں (ہنستے ہوئے) مگر سب فضول کی باتیں ہوتی ہیں۔"

97۔ "آپ کی زندگی دوسروں سے مختلف ہے؟"

"مختلف نہیں مگر پُر رنگ ہے۔"

98۔ "لوگ پہچان لیتے ہیں؟"

"جی.... جی بہت آسانی سے اور پھر تعریف بھی کرتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے۔"

99۔ "ایک کام جو اس ملک کے لیے کرنا چاہتی ہوں؟"

"اس ملک سے غربت دور کرنا چاہتی ہوں' اسٹریٹ کرائم ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

100۔ "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"

"اس میں بھی اللہ کی کچھ بہتری ہو گی۔ پھر میری پڑھائی میرے کام آئے گی۔"



معروف شیف

فرح محمد سے ملاقات

شاہین رشید

کسی زمانے میں کھانا پکانے کا ہنر صرف اپنے کچن تک ہی محدود ہوتا تھا۔ مگر اب یہ ہنر باقاعدہ "پروفیشن" بن گیا ہے اور جس طرح دیگر شعبہ جات میں خواتین پیسہ بھی کمارہی ہیں اور نام بھی تو اس طرح اس شعبے میں بھی خواتین پیسہ اور نام دونوں کمارہی ہیں۔ کوکنگ چینل اور مارننگ شوز اور رمضان ٹرانسمیشن نے اس پروفیشن کو بہت تقویت دی ہے۔

پہلے ایک "زبیدہ آپا" تھیں اس شعبے میں اب نوجوان لڑکیاں بھی اس شعبے میں اپنی جگہ بنارہی ہیں۔ ان ہی میں ایک "فرح محمد" بھی ہیں۔ خوب صورت اسمارٹ، شوخ و چنچل اور اپنے ہنر میں ماہر "فرح محمد" سے ملاقات کروا رہے ہیں۔

بقرعید کے حوالے سے خواتین ان کی ٹپس سے فائدہ اٹھائیں۔

"جی فرح! کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمدللہ... بالکل ٹھیک ٹھاک۔"

"کچھ اپنے بارے میں اور اپنی فیملی کے بارے میں بتاؤ... پھر تمہاری فیلڈ کی طرف آتے ہیں؟"

"میرا تعلق کراچی سے ہے۔ 12 مارچ کو پیر کے دن اس دنیا میں آمد ہوئی میری۔ ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ ماشاء اللہ سے والدین حیات ہیں۔ الحمدللہ یہ ہماری مختصر سی فیملی ہے۔ شادی ابھی نہیں ہوئی اور نہ ہی منگنی اور جناب میری تعلیمی قابلیت گریجویشن

ہے۔ اس کے علاوہ میں نے بہت سے کورسز کیے ہوئے ہیں اور میں بہت اچھی شیف کے ساتھ ساتھ ایک اچھی بیوٹیشن بھی ہوں اور فیشن ڈیزائنر بھی ہوں۔"

"کون سی کشش اس فیلڈ میں لے کر آئی۔ پیسہ ' شہرت یا پھر کوکنگ کا شوق؟"

"جب میں طالبہ تھی تو گریجویشن تو مجھے کرنا ہی تھا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کرنے کا مجھے شوق تھا۔۔۔ میرا دل چاہتا تھا کہ کراچی میں جتنے بھی شارٹ کورسز ہیں وہ سب میں کرلوں۔ مجھے شوق تھا کہ مجھے بہت اچھی سلائی کڑھائی آنی چاہیے۔ مجھے شوق تھا کہ میں بہت اچھی کوکنگ اور بیکنگ کروں۔ مجھے شوق تھا کہ میں بہت اچھی مہندی لگاؤں۔ مجھے بہت اچھے ہیئر اسٹائل بنانے اور دلہن سجانے کا شوق تھا۔ مجھے شوق تھا فیشن ڈیزائننگ کا اور میرا دل چاہتا تھا کہ اپنے کپڑوں کی ڈیزائننگ خود کروں 'ٹائی اینڈ ڈائی سب کچھ۔

اور اپنے ان تمام شوق کی تسکین کے لیے میں نے کورسز کیے اور سب کچھ سیکھا۔۔۔ شیف بننا کیوں پسند کیا؟ تو آپ کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ لڑکیوں کے لیے یہ ایک قابل احترام فیلڈ ہے۔ ہر عورت کو کچن کی ضرورت ہے اور شیف وہ اس لیے بھی بنتی ہیں کہ اچھی کوکنگ کرسکیں 'اچھے اچھے پکوان پکاسکیں۔ یہ فیلڈ اس لیے بھی اچھی ہے کہ خواتین اسے اپنا ذریعہ روزگار بنا سکتی ہیں۔ نہ صرف جاب کرکے بلکہ گھر بیٹھے بھی بہت کچھ کرسکتی ہیں اور پیسہ تو میں اب کمارہی ہوں 'لیکن جب میں نے یہ سوچا تھا کہ مجھے شیف بننا ہے ' مجھے ٹی وی پہ آنا ہے اور لوگوں کو اور خاص طور پر خواتین کو بتانا ہے کہ کھانا کس طرح بنانا ہے تو آپ میری آج سے نوسال پہلے کی ویڈیو دیکھ لیں اور آج کے میرے پروگرام دیکھ لیں۔

میں نے کبھی بھی ایسی ریسپی نہیں بتائی جو بہت مہنگی ہو 'یا بہت مشکل ہو۔۔۔ بہت سستی اور آسان



ریسپی ہوتی ہیں میری اور اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ میں سوچتی تھی کہ ہم گھر سے باہر کھانا کھانے جب جاتے ہیں تو ایک ڈش چھ سو یا سات سو کی ہوتی ہے 'ایک غریب بندہ جس کی 4'6 ہزار آمدنی ہے وہ کس طرح افورڈ کرے گا اتنا مہنگا کھانا۔۔۔ آخر انسان تو وہ بھی ہے 'اچھا کھانا کھانے کا اس کا بھی دل چاہتا ہے تو میری دماغ میں یہ بات آئی کہ ہمارے متوسط طبقے کے لوگ خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا پاکستان سے باہر کے 'جو ڈشز کے نام بھی نہیں جانتے' ان کے لیے میں نے ان ریسپیز کو بہت آسان کرکے بنایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ جو باہر کھانا ملتا ہے جو کہ آپ کی دسترس میں نہیں ہوتا' اسے ہم گھر میں بہت کم قیمت میں بنا کر کھا اور مہمانوں کو کھلا سکتے ہیں۔

تو آپ یقین کریں کہ جو لوگ میرا پروگرام دیکھتے ہیں وہ مجھے بہت دعائیں دیتے ہیں۔ کیونکہ جو میں

چاہتی تھی وہ مقصد میں نے پالیا ہے۔ میں نے آج تک کسی بھی کوکنگ شو میں کوئی بھی مہنگی چیز بنانی نہیں سکھائی اور اس لیے کوکنگ شو والے بھی مجھ سے بہت خوش ہیں کہ میں اچھی اور سستی ڈشز بنانا سکھاتی ہوں۔"

"کس سے متاثر ہو کر اس فیلڈ میں آئیں؟ شوق تو تھا ہی مگر پھر بھی کسی کو فالو کیا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ انسان کسی سے متاثر ہو کر کوئی نہ کوئی فیلڈ ضرور اپناتا ہے۔ مگر میرا معاملہ یہاں تھوڑا چینج ہے.... میرے جو پسندیدہ شیف ہیں وہ۔ سنجیو کپور ہیں اور جب میں چھوٹی سی تھی تو ان کے شوز دیکھا کرتی تھی۔ وہ پسندیدہ ضرور ہیں مگر ان سے متاثر ہو کر اس فیلڈ میں نہیں آئی' مجھے ان کی کوکنگ کا اسٹائل بہت پسند تھا۔ تو میری کوکنگ میں تھوڑے سے ان کے اسٹائل کی جھلک نظر آئے گی کہ تھوڑا مذاق کرنا' تھوڑی بے تکلفی تاکہ کسی کو اجنبیت محسوس نہ ہو....

میں جب ان کے پروگرام دیکھتی تھی تو مجھے ایسا لگتا تھا کہ وہ جیسے ہمارے گھر میں آکر کوکنگ کر رہے ہیں۔ تو اس اسٹائل سے ضرور متاثر تھی.... لیکن ٹی وی پہ میرے آنے کا مقصد میرا اللہ جانتا ہے صرف یہ تھا کہ اتنے مہنگے کھانے جن کو اگر پانچ چھ افراد کھاتے ہیں تو دس سے پندرہ ہزار کا بل بن جاتا ہے وہ میں اپنے لوگوں کو سکھاؤں تاکہ وہ اتنے مہنگے کھانے چند روپوں میں آسانی کے ساتھ بنالیں....

کچھ ہی عرصہ قبل میں نے "ہم" ٹی وی پہ ایک شو کیا تھا اور 5 ہزار روپے میں' میں نے 12 ڈشز بنائی تھیں جو کہ 50 افراد کے لیے تھیں' یہ میں نے پروف کر کے دکھایا تھا کہ ہم کم بجٹ میں' بہت اچھے اور مہنگے کھانے گھر پر بہ آسانی تیار کر سکتے ہیں.... اور ایسے بہت سے کمالات میں کر کے دکھا چکی ہوں اور سچ پوچھیں تو آج بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم فلاں جگہ گئے اور اتنا بل بن گیا تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔"

"ماشاء اللہ تمہارے پروگرام دیکھ کر ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ لوگ ملتے ہیں تو تمہارے کھانے کی تعریف کرتے ہیں؟"

"کچھ عرصہ قبل میں کشمیر گئی اور کشمیر کی پہاڑیوں پہ ایک گھر تھا وہاں پہ دو عورتیں تھیں جو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتیں' میں ان کے گھر گئی تو انہوں نے مجھے "نوڈلز" کھلائے' انہوں نے مجھے "پاستا" کھلایا' انہوں نے مجھے فرائڈ رائس کھلائے' انہوں نے مجھے "شاہی ٹکڑے" کھلائے۔ انہوں نے مجھے کیا کچھ نہیں بنا کر کھلایا.... انہوں نے مجھے سبزیوں کے سیخ کباب بنا کر کھلائے تو میں حیران ہوئی کہ آپ پہاڑوں میں رہنے والیاں ہیں' آپ کو یہ سب کچھ بنانا کیسے آیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ہم آپ کے شوز بہت شوق سے دیکھتے ہیں اور ہم نے ساری چیزیں آپ کے شوز سے ہی سیکھی ہیں۔

آپ یقین کریں کہ مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس دن مجھے احساس ہوا کہ جب کشمیر کی پہاڑیوں پہ رہنے والی خواتین شوز دیکھ کر یہ سب کچھ بنا سکتی ہیں تو پھر میں واقعی ایک کامیاب شیف ہوں.... تو میں آپ کے پڑھنے والوں سے بھی کہوں گی کہ وہ مہنگے ریسٹورنٹ میں جانا چھوڑ دیں اور سب کچھ گھر پہ بنائیں۔"

"آپ تقریباً" ہر چینل پہ نظر آتی ہیں۔ کسی ایک چینل سے وابستہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟"

"کسی ایک چینل سے وابستہ میں صرف رمضان المبارک میں ہوتی ہوں اور وہ اے آر وائی ڈیجیٹل ہے۔ تین سال سے میں رمضان ٹرانسمیشن کا حصہ ہوں۔ ٹرانسمیشن کا نام آپ کو پتا ہی ہے "شان رمضان" اور کسی ایک ہی چینل سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کوئی ایک چینل جوائن کر لیتے ہو تو پھر آپ کسی دوسرے چینل پہ نہیں جا سکتے۔

ہر چینل کی ڈیو ورشپ الگ ہوتی ہے' اگر میں کسی ایک چینل کو جوائن کرتی ہوں تو مجھے اندازہ نہیں ہو گا

کہ اندرون ملک اور بیرون ملک اس چینل کو کتنے فیصد لوگ پسند کرتے ہیں۔۔۔ جبکہ سب چینلز میں جانے کا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ میرے پکوان سیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ہر روز مجھے کسی نہ کسی چینل میں دیکھ سکتے ہیں۔ خواہ بیرون ملک کے شائقین و ناظرین ہوں یا اندرون ملک کے۔ بس یہی وجہ ہے کسی ایک چینل کو جوائن نہ کرنے کی۔"

"فرح! آپ جو گھریلو ٹوٹکے بتاتی ہیں' وہ سب آپ کے آزمودہ ہوتے ہیں یا سنے سنائے ہوتے ہیں؟"

"جو گھریلو ٹوٹکے میں بتاتی ہوں' وہ بالکل میرے آزمودہ ہوتے ہیں۔ سیف ہوتے ہیں۔ اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوتا اور پرانے زمانے کی چیزیں جیسے ہلدی' عرق گلاب' شہد جن کا استعمال خوب صورتی کے لیے کیا جاتا تھا آج میں نے ان چیزوں کو پھر سے زندہ کر دیا ہے اور ان کا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔"

"عموماً" خوبصورتی کے لیے جو ٹوٹکے بتائے جاتے ہیں وہ بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں۔ اتنی مقدار میں فلاں چیزیں لیں۔ جڑی بوٹیاں لیں گرائنڈ کریں اور جانے کیا کیا کرنے کے بعد ایک لیپ تیار ہوتا ہے کہ اب اسے لگالیں چند گھنٹوں میں رزلٹ آجائے گا۔۔۔ تو آپ اپنی کوئی پروڈکٹ کیوں نہیں بنالیتیں۔۔۔ کسے فرصت ہے گھر میں ایسا کرنے کی' غریب خواتین کو ضرورت نہیں اور امیر خواتین سب کچھ بنی بنائی چیزیں بازار سے لے لیتی ہیں۔۔۔ پھر وقت کیوں ضائع کیا جاتا ہے؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ بہت سی ماہرین ایسا بتاتی ہیں اور کیا سوچ کے بتاتی ہیں میں تو کچھ نہیں جانتی۔۔۔ لیکن میرے کسی بھی ٹوٹکے میں ایسی چیزیں شامل نہیں ہوتیں بلکہ میں ان ہی چیزوں کا نام لیتی ہوں اور ان ہی چیزوں کو استعمال کرنے کے لیے کہتی ہوں جو آپ کے کچن میں موجود ہوتی ہیں۔ میرا ڈپارٹمنٹ کچن ہے اور کچن کی چیزوں سے ہی خوب صورتی ڈھونڈ کر آپ کو بتاتی ہوں۔



اور آپ کے سوال میں کہ امیر گھرانے کی خواتین خرید لیتی ہیں اور غریب کو ضرورت نہیں کے جواب میں یہ کہنا چاہوں گی کہ آپ کی سوچ بالکل غلط ہے' ہمارے پروگرام میں جو آڈینس آتی ہے وہ ساری ان علاقوں سے آتی ہیں جو مہنگی کریمز افورڈ نہیں کر سکتیں۔ تو جب ہم کچھ بنا رہے ہوتے ہیں تو ان کا اصرار ہوتا ہے کہ ہمیں دے دیں۔ اور میں تو انہیں دے بھی دیتی ہوں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ Remedy کی طرف زیادہ جاتی ہیں کیونکہ ان کے پاس فیشل کرانے کے پیسے نہیں ہوتے اور میں اپنی بات کروں گی کہ میری ساری Remedy میں بہت آسان چیزیں ہوتی ہیں۔ جیسے "چائے کی پتی" "چینی" "لیمن" "ہلدی" اور "بیسن"۔ میں ان چیزوں کا استعمال کرتی ہوں اور یہ ساری چیزیں کچن میں موجود ہوتی ہیں اور جو آئل استعمال کرتی ہوں وہ بھی اسپیشل نہیں ہوتے بلکہ سرسوں کا آئل ہوتا ہے یا ناریل کا۔۔۔ اور میں ہمیشہ اس بات کو فوکس کرتی ہوں کہ آپ نے شادی پہ جانا ہے اور فیشل کے لیے آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ تو

آپ یہ لیپ بنائیں جو کہ ایک یا ڈیڑھ منٹ میں بن جائے گا پھر آپ اسے اپنے چہرے پہ لگائیں اور اپنے گھر کے کاموں میں مصروف ہوں خشک ہونے پر پھر منہ دھولیں آپ کو لگے گا کہ آپ ابھی ابھی فیشل کروا کے آئی ہیں.....

ہاں مشکل جڑی بوٹیاں اگر ہم بتائیں گے تو انہیں مشکل ہوگی... مگر میں ایسا نہیں کرتی اور مجھے خوشی ہے کہ آج تک میری کوئی کمپلین نہیں آئی' الحمدللہ اور یہ جو بڑے گھرانے کی خواتین ہوتی ہیں وہ بھی مجھے SMS کرتی ہیں اور مجھ سے پوچھتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ آپ کی Remedy بہت آسان ہوتی ہے اور الحمدللہ میری تعریف بھی کرتی ہیں۔"

"بقرعید کے موقع پر امی کا ہاتھ بٹاتی ہیں گوشت سمیٹنے میں اور دیگر کاموں میں؟"

"بالکل بٹاتی ہوں ہاتھ... عام دنوں میں میں اتنی مصروف ہوتی ہوں مارننگ شوز میں اور دیگر شوز میں کہ گھر کے کاموں پہ توجہ نہیں دے سکتی' لیکن مجھے جب بھی ٹائم ملتا ہے میں اپنے گھر میں کوکنگ بھی کرتی ہوں' اپنے کمرے کی صفائی بھی کرتی ہوں' اپنی الماری کی صفائی بھی کرتی ہوں' مجھے شوق ہے گھر کے کام کرنے کا' ایسا نہیں ہے کہ گھر کا کام بکھرا پڑا ہے اور میں آرام سے لیٹی ہوئی ہوں' نہ میں اس ٹائپ کی ہوں اور نہ ہی مجھے اس ٹائپ کی خواتین پسند ہیں۔

میں بہت فاسٹ کام کرنے والی کہلاتی ہوں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے تمام شیفس (chefs) میں اور ہربلسٹ میں کہ میں سب سے تیز 'Fast' ہربلسٹ بھی ہوں اور شیف بھی ہوں۔ مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگتا ابھی تک تو الحمدللہ میری جگہ کسی نے بھی نہیں لی ہے۔ بقرعید پہ نہ صرف میں خود بھی کام کرتی ہوں بلکہ چلا چلا کر دوسروں سے بھی کرواتی ہوں۔ گھر میں بھابھی کو بھی کہتی ہوں کہ بھئی جلدی جلدی کام کریں' تو گھر میں کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ "فرح کام کرو جلدی جلدی" مجھ میں پنکچولیٹی بہت ہے۔ اپنے سارے کام وقت پر ختم کرلیتی ہوں۔"

"عیدالاضحیٰ کے گوشت کو سالن کے لیے زیادہ استعمال کرنا چاہیے یا باربی کیو کے لیے؟"

"بقرعید کے گوشت میں چربی بہت ہوتی ہے اور ہم سب کو اس گوشت کے کھانے کی عادت ہے جو ہم بازار سے لے کر آتے ہیں جو کہ بہت ہی روکھا سوکھا ہوتا ہے... لیکن قربانی کا گوشت بہت فریش اور تازہ ہوتا ہے تو جب ہم اسے پکاتے ہیں تو ہمیں اس کا ذائقہ بہت برا لگتا ہے۔ بہت کم لوگ سالن پکا کے کھانا پسند کرتے ہیں کیونکہ ہیک بہت آتی ہے یا چربی کا گھی بہت ہو جاتا ہے یا یوں کہیں کہ چکنائی بہت ہو جاتی ہے تو جب بھی آپ قربانی کا گوشت پکائیں خواہ سالن ہو یا بریانی' پلاؤ ہو۔ اس میں گھی یا آئل عام روٹین سے کم



ڈالیں تو جو پکائیں گی ٹھیک پکے گا۔

باربی کیو زیادہ بہتر رہتا ہے' کیونکہ عام دنوں میں باربی کیو کھانے کا موقع ذرا کم ہی ملتا ہے کیونکہ مہنگا بہت ہوتا ہے۔ بعض لوگ چھ چھ ماہ نہیں کھا سکتے اور جو افورڈ کر سکتے ہیں وہ بھی جلدی جلدی نہیں کھا سکتے۔ تو آپ باربی کیو کے لیے گوشت کی بوٹیاں بنا کر مسالا لگا کر۔ اور پسندے بنا کر رکھ دیں اور دوسرے دن باربی کیو کریں تو باربی کیو زیادہ اچھا بنتا ہے۔

اور گردے کلیجی آپ کے پاس ہے تو اس کا "کٹاکٹ" بنا کر کھائیں یا فرائی کر کے کھائیں اور میری ریسیپی کو فالو کریں تو آپ کو بہت مزے کی چیزیں کھانے کو ملیں گی۔ گوشت کے شامی کباب بنائیں' بہاری کباب بنا کر کھائیں اور بقر عید کے گوشت کو انجوائے کریں۔"

"بکرے کے کس حصے کا گوشت پکنے میں لذیذ ہوتا ہے؟"

"چانپیں بہت لذیذ ہوتی ہیں اگر اس کو کٹوا کے چھوٹے پیس کر کے اس کا سالن بنائیں تو وہ بہت لذیز بنتا ہے۔ ایک تو ہڈی کا شوربہ پھر گوشت بھی نرم ہوتا ہے اور جلدی بھی بن جاتا ہے اور بکرے کی "ران" کو "روسٹ" کروا کے کھائیں تو روسٹ بہت لذیز ہوتا ہے۔

اس طرح گائے کی ران کے گوشت کو کٹوا کر اس کی نہاری بنائیں اور "باربی کیو" کریں تو بہت لذیذ بنتا ہے' بونگ کا گوشت بہت مزے کا ہوتا ہے۔"

"بقر عید کا گوشت دھو کر رکھنا چاہیے یا ایسے ہی رکھ دینا چاہیے؟"

"جی آپ ایسا کریں کہ اسے دھو کر رکھیں اور جب تھوڑی ہوا لگ جائے تو پیکٹ (حصے پکانے کے لیے) بنا کر رکھ دیں اور کوشش کریں کہ گوشت کو زیادہ عرصے کے لیے فریز نہ کریں۔"

"آپ قربانی کے گوشت کی سب سے اچھی ڈش کون سی پکا لیتی ہیں؟"

"یوں تو الحمد للہ میں سب کچھ ہی بہت اچھا پکاتی ہوں... تو میں باربی کیو مسالا بہت اچھا لگاتی ہوں... کڑاہی بہت اچھی بناتی ہوں' کچے قیمے کے کباب ہمارے گھر میں بہت شوق سے کھائے جاتے ہیں۔ وہ بہت اچھے بناتی ہوں۔ چپلی کباب... تو میرے ہاتھ کے پکے ہوئے یہ کھانے بقر عید پر فرمائش کر کے پکوائے جاتے ہیں۔"

"مزاجاً" کیسی ہو؟"

"اگر آپ مجھ سے میرے مزاج کے بارے میں پوچھیں گی تو میں تو اپنی تعریف ہی کروں گی۔ لیکن دوسروں سے پوچھیں گی تو وہ اپنے حساب سے بتائیں گے تو ہمارے مزاج کے صحیح جج دوسرے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے گھر والے یا دیگر اقارب اور دوست وغیرہ۔"

"کھانا تو بہت اچھا پکا لیتی ہیں' کیا کھانا کھانے کی شوقین بھی ہیں؟"

"سچ بتاؤں... مجھے کھانا کھانے کا زیادہ شوق نہیں ہے' لیکن مجھے سی فوڈ اچھا لگتا ہے' جن میں مچھلی اور پران بہت پسند ہیں' سبزیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ بھنڈی میری پسندیدہ سبزی ہے' بریانی اور پلاؤ کی زیادہ شوقین نہیں ہوں اور فاسٹ فوڈ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا' جیسے زنگر برگر اور پیزا وغیرہ جو کہ عموماً "لڑکیوں کو بہت پسند ہوتا ہے... اور باہر جا کر کھانا کھانے کا بہت

زیادہ اتفاق ہوتا ہے تو میں کوشش کرتی ہوں کہ "باربی کیو" کھاؤں اور دوسری چیزیں نہ کھاؤں۔

گھر کا کھانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے' سادا کھانا کھاتی ہوں مگر شرط یہ ہے کہ مزیدار بنا ہوا ہو۔ نمک مرچ بیلنس ہو' پھیکے کھانے بالکل پسند نہیں۔۔۔ مجھے چاٹ اچھی لگتی ہے۔ حلیم بہت پسند ہے' دہی بڑے بہت اچھے لگتے ہیں مگر مسالے دار اور چٹ پٹے ہوں۔۔۔ پھیکے کھانے بالکل بھی پسند نہیں۔"

"ہم ہر بڑی جگہ پر مرد شیف کو دیکھتے ہیں تو کیا مرد کے ہاتھ میں زیادہ ذائقہ ہوتا ہے؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ بڑی بڑی جگہوں پہ خواتین شیف نہیں ہوتیں۔ مطلب زیادہ نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے گھر کو سپورٹ کرتا ہے اس لیے زیادہ نظر آتا ہے۔ اب اگر ایک "ڈھابہ" ہے تو وہاں عورت تو کام نہیں کر سکتی' وہاں لازمی مرد کو ہی کام کرنا ہے۔۔۔ اور خواتین بھی اپنے گھر کو سپورٹ کرتی ہیں اور اب تو وہ بھی بڑے بڑے ہوٹلز میں کام کرتی ہیں۔۔۔ اور میں اس بات کو بالکل بھی نہیں مانتی کہ مرد کے ہاتھ میں ذائقہ زیادہ ہوتا ہے اور عورت کے ہاتھ میں کم۔

جو بھی عورت یا مرد لگن کے ساتھ کھانا پکائے گا اس کے ہاتھ میں ذائقہ آجائے گا۔۔۔ میں نے بڑے بڑے مرد شیف دیکھے ہیں جن کے ہاتھ میں ذائقہ نہیں ہوتا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ مرد شیف اس لیے زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ گھر کو سپورٹ کرتے ہیں۔۔۔ مگر میں یہ کہوں گی کہ اب یہ فیلڈ پروفیشن بن گئی ہے اس لیے اس میں خواتین و حضرات زیادہ آ رہے ہیں۔۔۔ خیر۔ اب چلتے چلتے کوئی بات جو آپ کہنا چاہیں؟"

"جی۔۔۔ پہلے تو آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرا انٹرویو کیا۔۔۔ اور کوئی سوال ایسا نہیں ہے میرے خیال میں جو آپ نے پوچھا نہ ہو' آپ نے فارغ اوقات کی بات کی تو میری کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنا فارغ وقت اپنے گھر پر گزاروں' مجھے زیادہ آؤٹنگ پسند نہیں ہے اور نہ ہی میں زیادہ سوشل ہوں' کام سے فارغ ہو کے میں گھر پہ ہی آجاتی ہوں کیونکہ مجھے گھر پہ رہنا زیادہ پسند ہے۔ اپنی فیملی کے ساتھ گھومنا پھرنا زیادہ پسند ہے۔

مجھے اپنے کام سے بہت محبت ہے اور میں مصروف رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں۔۔۔ اور چلتے چلتے بقر عید کے حوالے سے بھی کہنا چاہوں گی کہ گوشت کا اتنا زیادہ استعمال نہ کریں کہ آپ بیمار پڑ جائیں کیونکہ اس مہنگائی کے دور میں گوشت کھانے کی عادت نہیں ہوتی۔۔۔ تو ہر روز ایک نئی ڈش پکا کر گھر والوں کو کھلائیں تاکہ گھر والوں کو ورائٹی ملے۔

اور خواتین کے لیے ایک بیوٹی ٹپس یہ دوں گی کہ بقر عید کا سارا دن خواتین کا کچن میں ہی گزرتا ہے تو اس کے لیے ایک آسان سی ٹپس بتا رہی ہوں کہ آپ ایک لیٹر پانی لیں' اس میں چند ایک نیم کے پتے ڈالیں' دار چینی کا ایک ٹکڑا ڈالیں' اور ایک چائے کا چمچہ لیمن جوس ڈال کر دو سے تین ابال دینے ہیں' پانی جب ٹھنڈا ہو جائے تو اسے چھان کر اسپرے بوتل میں ڈال دیں۔ یہ آپ کا بہترین اینٹی بیکٹیریا بن جائے گا۔ آپ اسے اپنی اسکن پہ لگا کر گھنٹوں کچن میں کھڑی رہیں گی۔ مطلب کام کرتی رہیں گی تو یہ آپ کی اسکن کو ہیٹ سے بچائے گا اور محفوظ رکھے گا۔

اس طرح جب گوشت باہر صحن میں بن رہا ہوتا ہے تو بار بار آپ کا گزر ہوتا ہے تو آپ اسکن پہ لگالیں تو آپ کی اسکن کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اسے پورے گھر کے لوگوں کے لیے اپلائی کریں خواہ چھوٹا بچہ ہو یا آپ کی امی یا دادی' نانی۔۔۔ کوئی بھی۔

اور شام کے وقت جب آپ سارے کاموں سے فارغ ہو جائیں تو پھر آپ نے تھوڑا سا بیسن لے کر اس میں تھوڑا سا دودھ ملا کر ایک پیسٹ بنا لینا ہے اور اپنے منہ پہ اس پیسٹ سے تھوڑا سا مساج کر لیں' آپ بہت فریش محسوس کریں گی۔ آپ کی اسکن گلو کرنے لگے گی۔ آپ کو باہر جا کر فیشل کرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے "فرح محمد" سے اجازت چاہی۔

آمنہ ریاض

دشتِ جنوں

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیوشمتی.... ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔

معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔

فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ' وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ' معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیوشمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔

کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔

صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔

شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہ جہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔

باسط احمد' تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔ خوش





نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں' جس کی وجہ سے وہ تنک مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

ایک حادثے میں آئے کت اپنے بچے سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کا ذمہ دار معاویہ کو سمجھتی ہے۔ معاویہ اس سے شادی کا فیصلہ کرتا ہے' مگر وہ انکار کر کے اپنے وطن لوٹ جاتی ہے۔ معاویہ اپنے گھر آ جاتا ہے۔ کچھ سالوں بعد صاعقہ ممانی کے بھتیجے کی شادی میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ جہاں معاویہ آئے کت سے اپنی شادی کا اعلان کرتا ہے۔ صاعقہ ممانی' ماموں' معاویہ کے والد سب اس رشتے سے ناخوش ہیں' مگر معاویہ اپنے دلائل سے انہیں قائل کر لیتا ہے۔ کچھ رد و کد کے بعد آئے کت بھی راضی ہو جاتی ہے۔

شاہ میر کچھ شعبدے دکھا کر پورے گھر کو متاثر کرتا ہے' مگر خوش نصیب اس کی باتوں میں نہیں آتی البتہ اس کے دل و دماغ پر ضرور ان باتوں کا اثر ہوتا ہے۔

منفرا کے والد مسٹر جمال پاکستان جانے کے لیے بضد ہیں' مگر ان کا بیٹا آدم تیار نہیں۔

معاویہ کی آئے کت سے شادی کو وادی کے تمام لوگ نیکی سمجھ کر سراہتے ہیں۔ اردشیر ازی ناراضی بھول کر اپنی دوسری بیوی اور تینوں بچوں سمیت فلک بوس پہنچ جاتے ہیں اور شادی کے انتظامات انتہائی اعلا پیمانے پر کرواتے ہیں۔ مہندی کی رات آئے کت کو فلک بوس کی عمارت پر ایک ہیولہ نظر آتا ہے۔

مٹھو بھائی خوش نصیب کو خودکشی کرتا دیکھ کر بچا لیتے ہیں۔ پورے خاندان میں اس بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔ خوش نصیب اپنے اس فعل سے خود بھی حیران ہوتی ہے' اسے خود نہیں معلوم کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ صباحت بیگم کو فضیلہ چچی کی اس معاملے میں نکتہ چینی بری لگتی ہے۔ وہ فہمینہ کو روشن امی کی بھری جوانی میں بیوگی اور مشکلات کا بتاتی ہیں جنہوں نے روشن امی کے شوخ مزاج کو بدل کے رکھ دیا تھا۔

آدم کا خیال ہے' کہ اس کے والد منفرا کی شادی اس کے بچپن کے دوست شامیر سے کریں گے۔ مگر وہ اس خیال کو رد کر دیتی ہے۔ وہ اسے صرف دوست سمجھتی ہے۔

خوش نصیب کی خودکشی کی خبر کیف کو بھی مل جاتی ہے۔ وہ اسے فون پر تنگ کرتا ہے تو وہ غصے میں شامیر کے جبران سے ملنے کی ضد کرتی ہے اور اگلے روز شامیر ایک زیر تعمیر بنگلے میں اس کی ملاقات جبران سے کراتا ہے۔ جبران روایتی جن نہیں بلکہ غیر معمولی حسن کا حامل پراسرار سا شخص ہے۔ شامیر خوش نصیب کو کمرے میں بند کر کے چلا جاتا ہے۔

آئے کت کسی بھی آسیب کو ماننے سے انکار کر دیتی ہے' اس کے خیال میں کوئی انہیں ڈرا رہا ہے۔ مگر معاویہ اسے آسیب ہی سمجھتا ہے۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے بچنے کے لیے وہ نکاح کا انتظام کرتا ہے۔ مگر عین نکاح کے وقت آئے کت پراسرار انداز میں غائب ہو جاتی ہے۔

خوش نصیب تھوڑی کوشش کر کے باہر آ جاتی ہے۔ ایک دوسرے کمرے میں اسے شامیر پیری والے ملنگ بابا کے ساتھ شیطانی عملیات میں مصروف نظر آتا ہے' وہیں جبران ہوتا ہے جو اسے دیکھ لیتا ہے۔ جبران' خوش نصیب کو وہاں سے نکال دیتا ہے فراڈیے ڈامیر کی اصلیت سے آگاہ کرتا ہے۔ جبران در حقیقت معاویہ ہے جو کسی روح کی تلاش میں شامیر سے ٹکرایا ہے۔

منفرا٬ معاویہ کو مونٹوک کی سیر کے لیے٬ لے جاتی ہے٬ جہاں باتوں باتوں میں وہ اس سے اس کی محبوب گم شدہ بیوی کا حوالہ دیتی ہے۔ معاویہ ناراض ہو جاتا ہے۔
شامیر کی والدہ فاطمہ٬ ماہ نور کا رشتہ مانگتی ہیں تو خوش نصیب سب کے سامنے شامیر کی اصلیت کھول دیتی ہے۔
جواباً "شامیر اس کے تعویذوں کا ذکر کرتا ہے۔ صیام اس کی بات کی تصدیق کرتی ہے۔
فاطمہ٬ شامیر کی ان حرکتوں سے واقف ہیں٬ وہ اسے باز رہنے کی تلقین کرتی ہیں۔
صابر احمد٬ تمام گھر والوں کے سامنے خوش نصیب کو ثبوت پیش کرنے کے لیے دو دن دیتے ہیں۔

انیسویں قسط

"دو دن ہیں تمہارے پاس یا تو شامیر کے خلاف ثبوت لے کر آؤ یا پھر اپنی غلطی کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب تک میں تمہاری غلطیوں کو نظر انداز کرتا رہا ہوں..... لیکن اب مزید نہیں کر سکتا۔ سن لیا ناں تم نے؟"
ان کا فیصلہ کن لہجہ کمرے کی دیواروں سے ٹکراتا باہر نکل گیا تھا۔ ڈانٹ ڈپٹ اپنی جگہ لیکن ابا نے اتنا سخت لہجہ پہلی بار ہی اپنایا تھا۔
"ثبوت..... ؟ دو دن ؟" خوش نصیب کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دروازے کی اوٹ میں کھڑی فہمینہ٬ منہا٬ کیف اور طوطا بھائی کمرے کا دروازہ کھلتا دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔
کمرے سے باہر نکلتی خوش نصیب نے ایک نظر ان چاروں پر ڈالی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔ کسی نے بھی اسے روکنے یا کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ اسے امید تھی کہ کم از کم کیف اسے روک کے گا یا پھر اس کے پیچھے آئے گا اور ساری بات جاننا چاہے گا مگر اس کی ساری امیدیں آج کے دن شیخ چلی کا خیالی پلاؤ ثابت ہوئی تھیں۔
تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ فضل ہاؤس کی سب سے اونچی منزل پر آئی تھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے کمرے میں گھس گئی۔ کمرے میں بڑی چارپائی پر دراز نانی اونگھنے میں مصروف تھیں۔ وہ ابھی تک فضل منزل میں ہونے والے ہنگامے سے بے خبر تھیں۔ کمرے کا دروازہ تیزی سے کھلنے پر وہ ایک دم چونک گئی تھیں۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار خوش نصیب سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ساتھ والی گیلری میں گھس گئی اور دروازہ بھی بند کر دیا۔
دروازہ بند کر کے وہ اس کے ساتھ ہی جڑ کر زمین پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں گرمی تھی٬ گھٹن تھی لیکن فی الحال خوش نصیب کو نہ گرمی محسوس ہوئی تھی نہ ہی گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ اگر کچھ سمجھ میں آرہا تھا تو یہ کہ وہ اپنی بے وقوفی میں خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار چکی ہے۔
"کہاں سے آئیں گے ثبوت ؟ میرے علاوہ تو کسی کے سامنے اس دوغلے انسان نے اپنا اصل ظاہر ہی نہیں کیا۔" خوش نصیب نے خود کلامی کی تھی۔
آج کا دن اس کی زندگی میں بڑا تاریخی اور شاید سب سے بُرا ثابت ہوا تھا۔ اسے کہاں امید تھی کہ وہ اتنی بہادری سے سب کے سامنے شامیر کی اصلیت بیان کر پائے گی مگر خیر..... امید تو اسے یہ بھی نہیں تھی کہ اس کے گھر والے اس کی بات پر یقین ہی نہ کریں گے.....
"چلو باقی لوگ تو ایک طرف مگر روشن امی ہی اس کی بات کا یقین کر لیتیں۔ وہ تو اچھے سے جانتی تھیں کہ خوش

نصیب لاکھ بدتمیز، منہ پھٹ اور بے وقوف سہی لیکن اپنی بہن کے لیے کچھ برا نہیں سوچے گی اور پھر کیف اس نے بھی تو اس کی کسی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔"

خوش نصیب سوچتی چلی گئی تھی۔

دوست، دوست کا راگ الاپنے والا ضرورت پڑنے پر لمحوں میں اس سے غافل ہو گیا تھا اور شدید متنفر بھی۔

صیام جسے بچانے کے لیے اس نے کیف کی ناراضی مول لی، اس نے بھی بڑے غلط وقت پر اپنا منہ کھول دیا تھا۔

پھر ماہ نور تھی، جو اس پر جان دیتی تھی لیکن سالوں کی رفاقت پر چند دن کی محبت غلبہ پا چکی تھی۔

"کاش! عرفات ماموں کو کچھ نہ ہوا ہوتا.... صرف وہ تھے جو آنکھ بند کر کے میری بات کا یقین کرتے اور میرا ساتھ بھی دیتے لیکن.... اگر وہ ہوتے تو یقیناً" وہ شامیر کی اصلیت جان جاتے۔ ان کی بات کا یقین تو سب لوگ کر لیتے۔ پھر کسی ثبوت کی ضرورت نہ پڑتی.... ثبوت....؟"

خوش نصیب پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔ چہرے سے پریشانی ظاہر تھی اور پیشانی پر سوچوں کا جال بچھا تھا۔ اس کی زبان خشک تھی لیکن پیاس کا احساس تک نہیں تھا۔ اپنے چہرے کو بائیں ہتھیلی پر ٹکائے، مٹھی کو بند کیے وہ تیزی سے اپنے ناخن کتر رہی تھی۔ اس کے خیالات بھی فی الحال اس کی طرح بدحواس تھے۔ کسی ایک نقطے پر پورا دھیان لگانا فی الحال اس کے لیے مشکل تھا۔

ثبوت ڈھونڈنے سے شروع ہونے والی سوچ کا اختتام ایک بڑے سے سوالیہ نشان پر ہوا تھا۔ وہ جاننے سے قاصر تھی کہ آخر کیسے اپنی بات کو سچ ثابت کرے۔ اسے ہر حال میں ماہ نور کو اس مصیبت سے نکالنا تھا۔

"مگر کیسے....؟"

"آخر کون اس معاملے میں میری مدد کر سکتا ہے؟ آخر کون ہے جو شامیر کی سچائی کو سب کے سامنے لا سکتا ہے؟"

اسے ہر سوال کا جواب ہر حال میں ڈھونڈنا تھا۔ سوچ کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے یک دم اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"میں اپنے محسن کو ساری زندگی یاد رکھنا چاہتی ہوں.... اگر تم جبران نہیں ہو تو.... تو پھر کون ہو؟"

"معاویہ.... معاویہ اردشیر ازی۔"

"معاویہ اردشیر ازی.... جس نے اسے شامیر سے بچایا تھا اور اسے اس گھر سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ شامیر کی اصلیت بھی تو معاویہ نے ہی اسے بتائی تھی۔ وہ کیسے اس شخص کو بھول سکتی ہے۔

"ارے ہاں...." خوش نصیب نے اپنا ایک ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ کمر پر ٹکا تھا۔ "جبران.... نہیں معاویہ.... یہی تو ہے وہ شخص جو شامیر کی اصلیت سے واقف ہے۔ جو اچھے سے جانتا تھا کہ اس دوغلے شخص کا اصل چہرہ کس قدر گھناؤنا ہے۔"

امید کی ہلکی سی کرن کیا جاگی، خوش نصیب کے چہرے کی رنگت بھی بحال ہو گئی۔ یکدم ہی شدید پیاس اور گرمی کا احساس جاگ اٹھا۔ ناخن کھا لینے کے باعث اب انگلیوں میں تکلیف کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا۔ مگر ان سب احساسات کو پس پشت ڈال کر اس کا دماغ صرف معاویہ اردشیر ازی کے گرد گھوم رہا تھا۔

اپنی سوچوں میں گم وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں واپس آئی۔ نانی اس کی طرف سے مایوس ہو کر دوبارہ اونگھنے میں مصروف ہو چکی تھیں۔ ایک طرف تپائی پر پانی کا جگ اور گلاس رکھے تھے۔

خوش نصیب نے پانی گلاس میں ڈالا اور معاویہ کے متعلق سوچتے ہوئے گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے اتارنے لگی۔

اسی وقت کمرے کے باہر قدموں کی چاپ ابھری اور ساتھ ہی ماہ نور اور روشن امی کی آواز سنائی دی۔ مزید لعنت ملامت سہنے کا نہ موڈ تھا نہ ہی حوصلہ، سو خوش نصیب تیزی سے بستر میں گھس گئی اور آنکھیں موند کر سونے کا ڈراما کرنے لگی۔ دماغ ابھی بھی معاویہ اردشیر ازی میں اٹکا تھا۔

نیند کی وادی میں اُترنے سے پہلے جو آخری خیال اس کے دماغ میں آیا تھا وہ یہ تھا۔
"مجھے ہر حال میں اس شخص کو ڈھونڈنا ہوگا۔۔۔ مگر کیسے؟"

✲ ✲ ✲

"تم یقین کرو گی منفرا! وسامہ کے دنیا سے جانے کے بعد میں نے ایک بھی دن خود کو زندہ محسوس نہیں کیا۔۔۔ تب بھی نہیں جب آئے کت کی محبت نے میرے دل کی دنیا میں نقب لگائی تھی۔"

داہنے ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے بائیں ہاتھ کو جیکٹ کی جیب میں گھسائے وہ دور دیکھ رہا تھا۔ وہاں جہاں ساحل کا کنارہ آسمان سے جا ملتا تھا اور ڈوبتے سورج کی بے ضرر کرنوں کے رنگ ساحل کے پانی میں گھل مل رہے تھے۔ بے ترتیب سے بال ماتھے پر پڑے تھے۔ آنکھوں کے گرد حلقے بن چکے تھے۔ شیو بڑھی ہوئی تھی اور چہرے پر جیسے ساری زندگی کی تھکن سمٹ آئی تھی۔

ساحل کے کنارے مدھم پڑتی شام کی اداسی اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی یا اس کے لہجے نے اس شام کو اداس بنا دیا تھا۔ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ ساری ناراضی کو بالائے طاق رکھ کر منفرا نے اپنے دل میں اس کے لیے ایک زبردست ہمدردی نما جذبے کو سر اٹھاتا ہوا محسوس کیا تھا۔

"میں چھوٹا سا تھا۔۔۔ شاید تین یا چار سال کا ہوں گا لیکن مجھے یاد ہے بابا میری انگلی پکڑ کر مجھے طالب ماموں سے ملوانے لائے تھے اور پھر وہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ہر سال وہ باقاعدگی سے میرے اکاؤنٹ میں روپے بھجواتے رہتے تھے۔۔۔ نہیں بھجوا سکے تو محبت نہیں بھجوا سکے۔ سال میں ایک آدھ بار فون کر لیتے تھے یا ہر دو سال بعد ایک مختصر ملاقات کے لیے آجاتے تھے۔۔۔ مجھے نہیں یاد پڑتا انہوں نے کبھی مجھ سے پندرہ منٹ سے زیادہ بات کی ہو۔۔۔ لیکن اتنا مجھے ضرور یاد ہے انہیں ہر ملاقات میں میری شخصیت میں خامیاں نظر آتی تھیں۔ انہیں لگتا تھا میری مرحومہ ماں کے خاندان والوں نے مجھے بزدل بنا دیا ہے۔ میرے پڑھائی میں اچھے گریڈز نہیں آتے تھے تو اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ تھی میری ماں کے رشتے دار۔۔۔

میں کیوں ان کی باتیں مانتا۔۔۔ مجھے بہت بچپن سے ان سے الجھن ہوتی تھی۔ ہم باپ بیٹا میں ویسا تعلق کبھی بھی بن نہیں سکا ویسی محبت پیدا نہیں ہو سکی جیسی طالب ماموں اور وسامہ کے درمیان تھی۔ تمہیں پتا ہے منفرا! نہ چاہتے ہوئے بھی میں طالب ماموں کو آئیڈیلائز کرنے لگا تھا۔ میں اللہ سے شکوہ کرتا تھا کہ اس نے مجھے طالب ماموں کا بیٹا بنا کر ہی پیدا کیوں نہیں کر دیا۔ اس نے مجھے کیوں ایسے شخص کا بیٹا بنا دیا جسے اپنی اپنی دولت اپنی سوشل لائف سگے بیٹے سے زیادہ عزیز تھی۔"

وہ بہت بے ربط بول رہا تھا لیکن چپ ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ ایسا لگتا تھا صدیوں بعد اپنے دل کا غبار نکال رہا ہے۔ اگر ایک بار چپ ہو گا تو کبھی نہیں بول پائے گا۔

"سب کہتے ہیں میرے ماں باپ نے محبت کا نام لے کر شادی کی تھی۔ دس سال انہوں نے اسی محبت کے ساتھ اسی محبت کی آس پر گزار دیے۔ دس سال انہوں نے اللہ سے مجھے مانگا اور جب اللہ نے مجھے انہیں دینے کا ارادہ کیا۔۔۔ تب تک بابا کی زندگی میں کوئی دوسری عورت آچکی تھی۔ وہ اس زمانے کی مشہور ماڈل گرل تھی اور میرا باپ ایک کامیاب بزنس مین۔ اس عورت کے پاس وہ تمام ناز و انداز تھے جو کسی بھی مرد کو اس کے خزانے کا منہ کھول دینے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ میری ماں کے پاس جب تک اولاد نام کی بیڑی آئی جسے وہ بابا کے قدموں میں ڈال کر اپنا گھر بچا سکتی تھیں۔ تب تک میرے بابا کے خزانے کے ساتھ ساتھ دل کا دروازہ بھی از سر نو کھل چکا تھا۔۔۔ میری ماں کو اللہ سے اولاد کے لیے جھولیاں پھیلا کر دعائیں کرتے ہوئے کبھی احساس تک نہ ہو سکا کہ بابا انہیں کب کا

اپنے دل سے نکال کر باہر کھڑا کر چکے تھے اور جب انہیں پتا چلا تب تک پانی سر سے گزر چکا تھا۔
محبت نے محبت کے نام پر ہی ایسی کاری ضرب لگائی کہ میرا وجود بھی میری ماں کو ذہنی ابتری سے نہ بچا سکا۔
تم کہتی ہو.... میں محبت کے نام پر اپنی زندگی گزار رہا ہوں.... تو سنو میری کہانی۔ میری ماں وہ پہلی انسان تھیں جنہیں ان کی بے تحاشا محبت نے جینے نہیں دیا۔"
اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو چکی تھیں۔ اور لہجہ بے حد تلخ۔

"اور یوں.... محبت کے پیچھے میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم رشتہ کھو دیا۔ درحقیقت ماں اور باپ دونوں کو کھو دیا۔" وہ تلخ سے تلخ تر ہوتا جا رہا تھا۔ اب اس کے لبوں پر زہر بھرا تبسم تھا۔
"تو کیا میں یہ سمجھوں تم محبت سے نفرت کرتے ہو؟" منفرا نے آہستگی سے پوچھا۔
معاویہ چپ چاپ سامنے دیکھتا رہا پھر اس نے گردن موڑ کر منفرا کو دیکھا۔ اور نفی میں سر ہلا دیا۔
"نفرت نہیں ہے مجھے محبت سے۔ لیکن میں دیوانگی کا قائل نہیں ہوں۔ محبت ایک جذبہ ہے۔ کل کائنات نہیں کہ اس کے پیچھے انسان اپنی سدھ بدھ ہی کھو دے۔"
"اور.... اور آئے کت؟" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔
"وہ بیوی نہیں منگیتر تھی میری۔ یہ ایک عجیب بات ہے لیکن حقیقت ہے۔" وہ پھر سے سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔
"میں نے وسامہ سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو آئے کت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ وہ قابل احترام تھی میرے لیے۔ لیکن ہماری سوسائٹی ہمیں اتنا مارجن نہیں دیتی کہ محض کسی کا خیال رکھنے کی غرض سے اس سے تعلق بنا کر رکھا جائے سو مجھے آئے کت سے شادی کا فیصلہ کرنا پڑا.... مجھے خود پتا نہیں چلا میں کب اس کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا گیا شاید.... شاید اس کی وسامہ سے بے تحاشا محبت نے مجھے اس کی قدر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہم دونوں کو وسامہ عزیز تھا اور اسی لیے ہم ایک دوسرے کو عزیز ہوتے چلے گئے۔"
منفرا نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور برا سا منہ بنایا۔ پتا نہیں کافی ٹھنڈی یخ ہو کر اسے اتنا بدمزہ کر گئی تھی یا معاویہ کی بات بدمزگی کے حساب سے زیادہ وزنی تھی۔
"کیا وہ بہت خوب صورت تھی؟" چند منٹ کی خاموشی کے بعد منفرا نے پوچھا۔
"کیا تم نے کبھی پریاں دیکھی ہیں؟" معاویہ نے اچانک سے عجیب سوال کیا۔
منفرا نے ذرا تعجب سے ماتھے پر شکنیں ڈال کر اسے دیکھا۔ "نہیں۔"
"کاش پھر تم نے آئے کت کو دیکھا ہوتا.... اگر پریوں کی کوئی واضح شکل ہوتی تو یقیناً" آئے کت جیسی ہوتی۔"
"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" وہ ذرا جل کر بولی تھی۔
"میں بچپن سے ایک پری کو خواب میں دیکھتا آ رہا ہوں.... کبھی اس کی شکل واضح نہیں ہوتی تھی پھر مجھے آئے کت سے محبت ہو گئی اور تم شاید یقین نہ کرو لیکن اس خواب والی پری کی شکل آئے کت جیسی ہو گئی تھی۔"
جھینپے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے معاویہ نے اپنے کان کی لو کو چھوا تھا۔ منفرا مسکرا بھی نہ سکی۔ اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا۔

"اب وہ کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے، تمہیں اس سے اتنی ہی محبت تھی تو شادی کیوں نہیں کی؟"
"ہم شادی کرنے والے تھے لیکن.... ہماری شادی والے روز وہ لاپتا ہو گئی۔" وہ ایک اور کرب سے گزرا۔
منفرا ہکا بکا رہ گئی۔

"تلاش نہیں کیا تم نے اسے؟"

"بہت... آٹھ سال سے یہی کر رہا ہوں۔"

"سنا ہے کوئی جن تمہاری پری پر عاشق ہو گیا تھا۔" اس نے تلخی سے کہا کیونکہ اب اسے غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ معاویہ کو کیا ضرورت تھی کہ کسی لڑکی کی محبت میں اس قدر مبتلا ہوتا کہ زندگی کے آٹھ قیمتی سال ہی گنوا دیتا۔

"جن نہیں تھا آسیب تھا... بد روح یقین رکھتی ہو تم... حیات بعد الموت پر ریسرچ کی ہے کبھی؟"

منفرا نے اسے بغور دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا اور بولی۔

"پہلے زندگی اور زندہ انسانوں پر تو ریسرچ کر لوں... ضرورت ہوئی تو مرے ہوؤں کو بھی کھوج لوں گی۔"

اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ جسے ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ چھپا نہیں پائی تھی۔

"میں نے بہت کھوج لگانے کی کوشش کی۔" وہ اس کے طنز کو سمجھا نہیں یا سمجھ کر بھی نظر انداز کر دیا۔ منفرا یہ بات سمجھ نہ سکی اور معاویہ بولتا چلا گیا۔

"لیکن میں ناکام رہا... دراصل جب ہم مفروضوں کے پیچھے دوڑتے ہیں ان کی کھوج میں رہتے ہیں تو ناکام ہی رہتے ہیں... حالانکہ میں پہلے دن سے جانتا تھا آئے کت کو کسی آسیب نے غائب نہیں کیا وہ اپنی مرضی سے اپنے دل کی پوری رضامندی سے اپنے ترکش بوائے فرینڈ کے ساتھ چلی گئی تھی۔"

ہموار لہجے میں اس نے ایک اور راز سے پردہ اٹھایا بالکل ایسے جیسے اپنی منگیتر کے بارے میں نہیں کسی اور کے بارے میں بتا رہا ہو... منفرا ہکا بکا اس کی شکل دیکھتی چلی گئی تھی۔ یہاں تک آسمان کی باقی ماندہ روشنی کو ساحل کے کنارے نگل گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح اس کی آنکھ معمول سے کچھ دیر سے کھلی۔ اس نے دیوار پر لٹکی گھڑی جو کہ ساڑھے دس بجے کا وقت بتا رہی تھی کو گھور کر دیکھا گویا آنکھوں سے ہی اسے دیوار سے نیچے گرا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ چھت پر پھیلی ہوئی چمکیلی دھوپ گرمی کا احساس دلاتی تھی۔ کبوتروں کی غٹرغوں کی آواز اب ماحول کا حصہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ کبوتروں کے علاوہ اور کوئی آواز فی الحال سنائی نہیں دے رہی تھی۔

دل ہی دل میں اپنی نیند کو کوستے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اتنی دیر سے اٹھی تھی تو روشن امی سے ڈانٹ پڑنا لازم تھا۔ آنکھیں نیم وا کیے وہ اپنے دماغ کو پوری طرح حاضر کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کل کے تمام واقعات کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ ساتھ ہی سونے سے پہلے آنے والے آخری خیال "کہ معاویہ اور اردشیر ازی کو کیسے ڈھونڈا جائے" نے دماغ پر زوردار دستک دی اور اجازت لیے بغیر ہی سوچ پر پوری طرح حاوی ہو گیا۔

اپنے منتشر خیالات کو دماغ سے جھٹکتے ہوئے اس نے کمرے میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ بستر سمیٹے جا چکے تھے۔ کمرہ صاف ستھری حالت میں تھا۔ ماہ نور تو کمرے میں موجود نہیں تھی مگر حیران کن طور پر روشن امی کمرے میں موجود تھیں اور نانی کے پاس بیٹھی دھیمی آواز میں کچھ بات کر رہی تھیں۔ ان کی روئی روئی آنکھوں نے خوش نصیب کو عجیب شرمندگی میں مبتلا کر دیا۔ غلط نہ ہوتے ہوئے بھی یک دم اپنا آپ غلط محسوس ہونے لگا۔ یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی کہ روشن امی اسے غلط سمجھ رہی ہیں اور وہ ان کے رونے کا سبب بنی ہے۔

ماں سے بات کرنے کا سوچتے ہوئے وہ بستر سے اٹھ گئی۔ پہلے بڑی شرافت سے بستر سمیٹا پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب کمرے میں واپس آئی تو چہرے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے جنہیں وہ اپنے دوپٹے سے پوچھ رہی تھی۔ روشن امی نے ابھی تک اس پر ایک نگاہ بھی نہ ڈالی تھی۔ ان کے ہر ہر انداز سے شدید ناراضی اور بے زاری جھلک رہی تھی۔ اس کا دل ایک بار پھر افسوس سے بھر گیا۔

چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ معصوم سی شکل بنائے ماں کے قدموں میں آکر بیٹھ گئی تھی اور بیٹھتے ساتھ ہی ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ خطرہ تھا کہ ماں اٹھ کر چلی نہ جائیں۔

روشن امی نے فوراً" اپنے ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی تھی لیکن خوش نصیب نے ان کی کوشش کو ناکام بنادیا اور ان کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھی رہی۔ چند لمحے ماں بیٹی ایک دوسرے کو دیکھتی رہی پھر روشن امی کی آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہونا شروع ہو گیا۔ خوش نصیب کا بوجھل دل کچھ اور تاسف سے بھر گیا۔

"آئم سوری روشن امی! مجھے معاف کردیں۔ میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔" ان کی آنکھوں میں جمع آنسو دیکھ کر ایک خوش فہمی سی دل میں جاگی تھی کہ روشن امی کو شاید اس کی بات کا یقین آگیا ہے۔

"تم یہ سب کیوں کررہی ہو خوش نصیب؟ کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا؟" روشن امی نے کہا تھا۔ خوش فہمی کی ٹوکری یک دم زمین پر جاگری تھی۔

"آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے روشن امی؟" اس کے دل کا بوجھل پن اس کی آواز سے بھی نمایاں ہونے لگا تھا۔

"خوش نصیب! میری بات مانو۔ شامیر اور فاطمہ سے معافی مانگ لو۔۔۔ وہ اچھے لوگ ہیں تمہاری غلطی کو معاف کردیں گے۔" روشن امی نے جیسے اس کے سوال کو سنا ہی نہیں تھا۔

خوش نصیب نے لب بھینچ لیے۔ تاسف کی جگہ تیزی سے غصے نے لے لی۔ انہیں ماں ہو کر بھی اس کی بات کا یقین نہیں تھا؟ یہ خیال ہی آگ لگانے والا تھا۔

"خوش نصیب! تمہیں ذرا سا بھی احساس ہے کہ تمہاری اس حرکت کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ سب لوگ ہم سے کس قدر خفا ہیں۔۔۔ کیوں میری تربیت کو بار بار نشانہ بنواتی ہو تم۔۔۔ ایک بات اچھے سے جان لو۔۔۔ معافی تو تمہیں مانگنی ہی ہوگی اور صرف شامیر اور فاطمہ سے ہی نہیں، بلکہ تمہیں فضیلہ سے بھی اپنی حرکت کی معذرت کرنا ہوگی۔"

"میں آپ سب کو بتا چکی ہوں کہ میں معافی نہیں مانگوں گی۔ میں نے سچ بولا ہے اور سچ بولنا مجھے آپ نے ہی سکھایا ہے۔ پھر میں کیوں مانگوں معافی؟ کیا غلطی کی ہے میں نے؟ کیا سچ بولنا غلط ہے روشن امی؟ یا آپ کو لگتا ہے میں ماہ نور کے لیے کچھ برا چاہوں گی۔"

ہمیشہ کی طرح لہجہ ہٹ دھرم تھا اور اس کے لہجے کی ہٹ دھرمی ہی روشن امی کے غصے کو ہوا دے گئی تھی۔ دل تو چاہا تھا کہ ایک کرارا سا تھپڑ رسید کریں اور کان سے پکڑ کر لے جاکر شامیر اور اس کی ماں سے معافی منگوائیں۔ جانے کیسے اپنے غصے پر قابو پا کر انہوں نے اس خواہش کو دل میں دبایا تھا مگر جب وہ بولیں تو لہجے میں غصے کی جھلک نمایاں تھی۔

"خوش نصیب، خوش نصیب، خوش نصیب! میں کیا کروں تمہارا؟ آخر کس غلطی کی سزا دے رہی ہو تم مجھے؟ آخر کس بنیاد پر تم اتنا بڑا الزام لگا رہی ہو؟ اللہ نے اتنا اچھا وسیلہ بنایا تھا میری ماہ نور کے لیے۔۔۔ تم کیوں اس وسیلے کو ضائع کرنے پر تلی ہو؟ اور پھر اگر میں مان بھی لوں کہ تم سچ کہتی ہو تو بتاؤ۔۔۔ کیسے ثابت کرو گی تم اپنی بات کو؟ کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟ بھائی صاحب کو کیا جواب دو گی تم؟ ہے کوئی جو تمہاری بات کی گواہی دے؟"

"روشن امی! آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں ماہ نور کے ساتھ کچھ غلط کرنا چاہتی ہوں؟" ایک تو روشن امی کا غصہ اور دوسرا یہ الزام۔۔۔ اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ "میں نے ہمیشہ آپ کے لیے اور ماہ نور کے لیے اچھا ہی سوچا ہے۔۔۔ میں کیوں نہیں چاہوں گی کہ ماہ نور ہمیشہ خوش رہے۔ آپ پوچھ رہی ہیں نا کہ میری بات کی گواہی کون دے گا' یہ ایک انسان جو میری گواہی دے سکتا ہے۔ شامیر نے جب مجھے جھانسا دے کر اپنے گھر بلایا تھا تو وہاں سے جس بندے نے مجھے نکلنے میں مدد دی تھی۔ وہ میرے حق میں گواہی دے سکتا ہے۔ وہ واقف ہے شامیر کی سچائی سے۔ وہ بتا سکتا ہے سب کو سچ۔۔۔ معاویہ اردشیر ازی نام ہے اس کا۔"

بات کے اختتام تک اس کی آواز پُرجوش ہو گئی تھی۔ معاویہ کی غیر موجودگی سے ہٹ کر وہ اسی بات پر خوش ہو گئی تھی کہ کم از کم ایک انسان ہے جو اس کی بات کی سچائی پر مہر ثبت کر سکتا ہے۔

روشن امی نے تو جیسے اپنا ماتھا ہی پیٹ لیا۔ ڈھٹائی سی ڈھٹائی تھی۔ سمجھانے کا کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا اس لڑکی پر۔ اب اپنا ایک جھوٹ چھپانے کے لیے دوسرا جھوٹ تیار کر لیا تھا۔ انہوں نے انتہائی خفگی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے آزاد کروائے تھے۔

"اماں! آپ ہی سمجھائیں۔۔۔" انہوں نے جیسے تھک کر اپنی ماں سے مدد طلب کی تھی۔ "اس سے کہیں' میری بات مانے اور معافی مانگے۔ یہ معافی مانگ لے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمیں ماہ نور کے لیے اس سے بہتر رشتہ بھلا کہاں ملے گا۔ آپ بتائیں اماں! ماہ نور کے لیے شامیر سے بہتر رشتہ ہمیں کہاں ملے گا؟"

نانی منہ سے تو کچھ نہ بولیں لیکن ان کی آنکھوں سے بھی خفگی نمایاں تھی۔ یقیناً" روشن امی انہیں خوش نصیب کے نئے کارنامے کے بارے میں تفصیل سے بتا چکی تھیں۔ نانی کے چہرے کی خفگی یقیناً" اسی کارنامے کا نتیجہ تھی۔

خوش نصیب ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ "جس پتوں پر تکیہ تھا' وہ پتے ہوا دینے لگے" کے مصداق اس وقت اس کے قریبی لوگ ہی اس سے سب سے زیادہ خفا تھے۔

"اور سچ تو یہ ہے خوش نصیب! کہ دو دن بعد تم کہو گی کہ یہ لڑکا۔۔۔ کیا نام لے رہی ہو؟ ہاں۔۔۔ معاویہ۔۔۔ یہ بھی تمہارا وہم تھا۔ وہ تو کوئی خلائی مخلوق تھا جسے خاص طور پر تمہاری مدد کے لیے بھیجا گیا تھا۔۔۔ وہ آیا' اس نے تمہاری مدد کی اور پھر وہ غائب ہو گیا۔۔۔ کیوں سب کو بچوں کی کہانیاں سنا رہی ہو خوش نصیب؟ آخر کیا دشمنی ہے تمہیں شامیر سے؟ یہ دیکھو میرے بندھے ہاتھ دیکھو۔"

آنکھوں میں آنسو لیے روشن امی نے سچ میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"یہ میرے بندھے ہاتھ دیکھو اور جھوٹ بولنا بند کرو۔ کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس سے۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ تم سب کو پریشان کرنے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ اس لیے اپنی بک بک بند کرو اور جا کر معافی مانگ لو۔"

"آپ اب میرے ساتھ ایسا تو نہ کریں۔" خوش نصیب ان کے بندھے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے بولی۔ "کم از کم آپ تو میری بات کا یقین کریں روشن امی! مجھے باقی سب کی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا اور آپ پلیز رو ئیں تو مت۔۔۔ آپ جانتی ہیں نا کہ میں آپ کو خفا نہیں دیکھ سکتی۔" اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ بھلا یہ وقت بھی آنا تھا کہ روشن امی کو یقین دلانے کے لیے اسے گواہ کی ضرورت پڑے۔

"اگر تم مجھے ناراض نہیں دیکھ سکتیں تو میری بات مانو۔ جاؤ اور جا کر سب سے اپنے عمل کی معافی مانگو۔ جب وہ سب تمہیں معاف کر دیں تو سمجھ لینا' میں نے بھی کر دیا۔ ایک بات اور خوش نصیب! تم ہمیشہ اپنی زندگی میں تکلیف اور مشکلات کا ذکر کرتی ہو۔ آج میں تم سے کہتی ہوں کہ خدارا ہماری پریشانیوں میں اضافہ مت کرو۔ ماہ نور

کی خوشیوں میں روڑے مت اٹکاؤ۔"

روشن امی نے انتہائی سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اماں! میں کچن میں جا رہی ہوں۔۔۔ بیچاری ماہ نور اکیلے ہی سب کام نبٹا رہی ہو گی۔ آپ کا ناشتہ بھی لاتی ہوں۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ آنکھوں میں آنسو لیے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں اور خوش نصیب چارپائی کے پاس ہی گھٹنوں کے بل زمین پر اپنا سر پکڑے بیٹھی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

منفرا شاکڈ سی معاویہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی معمہ سا شخص تھا۔ ہر بار کوئی ایسا جملہ بولتا جو پچھلے سے زیادہ منفرا کو چونکا دیتا تھا۔

"اگر تم جانتے تھے تو سب کو بتایا کیوں نہیں؟ میرا مطلب ہے یہ راز تم نے راز کیوں رہنے دیا۔"

"ہم جن سے محبت کرتے ہیں ناں منفرا! ان کو ہمیشہ کچھ مارجن دے دیتے ہیں۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے میں نے آئے کت کو مارجن دیا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اسے بدکردار کہے۔ اس لیے میں نے گھومتے ہوئے سوالوں کو رہنے دیا سب کے ذہنوں میں۔ میں ہر ایک کو یہ نہ سمجھا سکتا تھا کہ اسے کسی اور سے محبت تھی تو اس کا حق تھا کہ وہ اسی کے ساتھ جائے۔۔۔ لیکن کاش! اس نے مجھ پر اعتماد کر لیا ہوتا۔" وہ دکھی لہجے میں بولا تھا۔

منفرا۔۔۔ حیران سی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اپنی حیرانی کا اظہار کرے۔

"لیکن۔۔۔ تمہیں یہ بتایا کس نے؟ میرا مطلب ہے آئے کت کے بارے میں؟"

"کچھ عرصے بعد آئے کت نے مجھے ای میل کی تھی اپنے رویے کی معافی مانگی تھی اور بتایا تھا کہ وہ احمت کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہی ہے۔"

"تمہیں جا کر آئے کت کے موجودہ شوہر کو اس کی اصلیت بتانی چاہیے تھی۔" منفرا نے ناراضی سے کہا۔

"اس سے کیا ہوتا؟ وسامہ دنیا سے جا چکا تھا۔ اور آئے کت نے اپنی پسند کے مرد کو اپنے لیے منتخب کر لیا تھا۔۔۔ مجھے کیا حق تھا کہ میں جا کر اس کی زندگی خراب کرتا؟" اس نے دوبدو پوچھا۔

"آٹھ سال سے تم اس عورت کا غم سینے سے لگائے گھوم رہے ہو۔"

"میں اس عورت کا نہیں اپنے بھائی کا غم سینے سے لگا کر گھوم رہا ہوں۔"

"تم پاگل ہو؟" وہ جھلائی۔

"ہاں شاید۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے بہت سے سوال تنگ کرتے رہتے تھے منفرا! لیکن ان آٹھ سالوں میں ان میں سے ایک کا بھی جواب نہیں مل سکا۔ اس روز پانی کی تہہ میں اترا تو احساس ہوا۔۔۔ میں کتنا وقت برباد کر چکا ہوں۔ سو میں نے اسی تہہ میں ان آٹھ سالوں کو بہہ جانے دیا۔ میں ہر چیز بھول کر ایک نئی شروعات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اب بے چارگی سے بول رہا تھا۔

"اللہ تمہیں کامیاب کرے۔" منفرا نے صدق دل سے دعا دیتے ہوئے اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

"اور اس آسیب کا کیا ہوا؟"

"پتا نہیں؟ میں کافی عرصے سے فلک بوس نہیں جا سکا۔"

منفرا اثبات میں سرہلا کر واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ جمال صاحب کے کاٹیج کی بتیاں جلائی جا چکی تھیں اور وہ دور سے ماچس کی چھوٹی سی روشن ڈبی جیسا چمک دار اور خوب صورت دکھائی دیتا تھا۔

"سنو۔" اس نے پکارا تو وہ رک کر پلٹی اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں کچھ اور بھی بتانا چاہتا ہوں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا تھا۔

"کیا؟"

معاویہ نے اس کا خوب صورت چہرہ دیکھا اپنے اندر ہمت جمع کی اور بولا۔

"میرے خوابوں میں آنے والی پری کا چہرہ اسی دن بدل گیا تھا جس دن میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا۔ کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اب اس پری کا چہرہ کتنا خوب صورت دکھائی دینے لگا ہے؟" وہ زیر لب مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

منفرا کچھ سمجھی۔ کچھ نہیں۔ الجھ البتہ زیادہ گئی تھی۔ "میں.... میں سمجھی نہیں؟"

معاویہ ایسے ہی مسکراتا ہوا چند قدم چلتا اس کے قریب آیا اور نرمی سے بولا۔

"میں نے لائف آفٹر ڈیتھ پر ریسرچ کرتے اپنی زندگی کے آٹھ سال برباد کیے ہیں اگلے آٹھ سال بلکہ اٹھارہ سال نہیں میں نے غلط کہہ دیا۔"

وہ بار بار رک رہا تھا۔ لفظ اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے وہ اپنی بے بسی پر ہنستا تھا لیکن وہ ہمت ہارنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"میں اپنی زندگی کے اگلے تمام سال تمہارے ساتھ زندہ انسانوں پر ریسرچ کرتے ہوئے گزارنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے منفرا کا گلابی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری محبت میں دیوانہ ہو چکا ہوں.... لیکن اس بات کا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ میں ساری زندگی تم سے محبت کروں گا.... دنیا کی نظروں میں میں ایک کامیاب انسان ہوں میرے پاس دولت ہے، وجاہت ہے۔ رتبہ ہے محبت نہیں ہے، تم مجھ سے محبت کرو گی منفرا؟"

وہ اسے بہت آس امید سے دیکھ رہا تھا۔ عجیب بات تھی کہ اتنا خوبرو انسان اتنا کامیاب انسان اس کے سامنے دامن پھیلائے کھڑا تھا اور منفرا نے دیکھا، اس نہ سمجھ میں آنے والے شخص کی پوری شخصیت کو محبت کی نرمی اور ملاحت نے بالکل بدل ڈالا تھا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کسی انجان لمحے میں اس شخص کے ساتھ کی بن مانگی دعائیں بر آئیں گی، منفرا نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگر آپ فضل منزل کی چھت کے اس واحد کمرے میں داخل ہوں تو سب سے پہلے جو چیز پردہ چشم پر ابھرتی ہے وہ، وہ گیلری ہے جو فضل منزل کے صحن کی طرف کھلتی ہے۔ گیلری کے سامنے کی دیوار میں ساتھ ساتھ تین جھروکے بنے ہوئے ہیں۔ عام طور پر ان جھروکوں کے سامنے گرمی کا اثر کم کرنے کے لیے چقیں لٹک رہی ہوتی ہیں مگر فی الحال ماہ نور وہ چقیں ہٹا کر جا چکی ہے۔

اگر آپ تھوڑا آگے بڑھ کر ان جھروکوں سے باہر دیکھیں تو آپ کو دو باتوں کا پتا چل سکتا ہے۔

اول تو یہ کہ آج موسم بے حد خوشگوار ہے۔ آسمان پر کالے اور سرمئی بادلوں کی بہتات ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے

جھونکے جھوم کر آتے ہیں اور کسی بھی انسان کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ جھروکوں کے سامنے بچھی چارپائی پر پاؤں پسار کر لیٹ جائے اور قدرت کے چلائے ہوئے اس قدرتی اے سی کا فائدہ اٹھا کر گہری نیند سو جائے۔ پس اگر آپ ان جھروکوں کے سامنے بچھی چارپائیوں سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکتے ہیں۔

دوم بات یہ کہ یہ جھروکے پوری فضل منزل پر نگاہ رکھنے کے لیے بہترین مقام ہیں۔ کیونکہ یہاں سے پورا صحن نظر آتا ہے اور تمام کمروں کے دروازے اس صحن میں ہی کھلتے ہیں۔ اب خدا معلوم خوش نصیب بی بی اس اہم مقام اور اس کی افادیت سے واقف ہیں یا نہیں۔

اگر صحن میں دائیں طرف نگاہ دوڑائیں تو جامن کے درخت کے نیچے پڑی چار کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی صیام صاف دکھائی دیتی تھی۔ موسم کی مناسبت سے سفید اور کالے رنگ کا نیا سوٹ پہنے' گلے میں لمبا سا سفید دوپٹہ ڈالے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی ہے اور پندرہ منٹ پہلے بطخ جیسی شکل بنا کر مختلف زاویوں سے لی گئی پچپن سیلفیوں کو چھانٹ رہی ہے۔

ایک سیلفی صیام کو پسند آگئی تو مزید انتظار کیے بغیر جھٹ سے انسٹاگرام کھولا اور ''جسٹ آریندم کلک... بٹش ٹیک لولی ویدر'' کے کیپشن کے ساتھ اپ لوڈ کر دی اور سکھ کا سانس لیا... کوئی مانے نہ مانے' سیلفیوں کی چھانٹی کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اگر گیلری میں اسی مقام پر کھڑے کھڑے' جہاں سے صیام کو دیکھا تھا' اگر تھوڑا سا خود کو جھروکے سے باہر نکال کر آگے نگاہ دوڑائیں تو آپ کو احساس ہو گا کہ صحن میں صیام کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ جس کی موجودگی سے فی الحال صیام بھی ناواقف تھی۔

جی ہاں... وہاں شامیر کھڑا ہے۔

بکھرے ہوئے بال' ماتھے کی پھولی ہوئی رگ' پر سوچ آنکھیں جن میں سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے اور جو عجب وحشت لیے صیام پر ٹکی تھیں۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے ہیں اور ڈریس شرٹ سلوٹ زدہ ہے۔ چہرہ سے شدید وحشت اور غصہ ظاہر ہو رہا ہے۔

سینے پر بازو باندھے اور برآمدے کے ستون سے کندھا ٹکائے وہ صیام کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ فی الوقت اس کی تمام تر دیوانگی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ کچھ سوچتے سوچتے وہ سیدھا ہوا تھا۔ سینے پر بندھے بازو اب پہلو میں لٹک گئے' ہاتھ بند مٹھی کی شکل اختیار کر گئے اور آنکھوں کی وحشت' جنون بھری چمک میں بدل گئی۔ وہ ایک فیصلہ کر کے پھرتی سے صیام کی طرف لپکا تھا۔ دوسری طرف صیام ابھی بھی اپنی طرف بڑھتے خطرے سے بے خبر تھی۔

✡ ✡ ✡

''خوش نصیب...!''

خوش نصیب عرفات ماموں سے ملنے ان کے پورشن کی طرف جا رہی تھی جب پیچھے سے صیام نے اسے پکارا تھا۔ حلق تک کڑوا ہو گیا تھا اس آواز کو سن کر۔ اس نے کچھ اچھا تو نہیں کیا تھا خوش نصیب کے ساتھ۔ اسے بچانے کے لیے خوش نصیب نے کیف کو خود سے متنفر کر دیا تھا اور صیام نے خوش نصیب کے خلاف ہی گواہی دے ڈالی تھی۔

چہرے پر بے تحاشا بیزاری لیے وہ پلٹی تھی۔ ''فرماؤ...'' پھاڑ کھانے والا لہجہ۔

صیام تیز تیز چلتی ہوئی اس کے پاس آ رکی تھی۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر سنجیدگی مگر نرمی سے بولی۔

"میرے ساتھ آؤ خوش نصیب! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

خوش نصیب نے اس حکم نما فرمائش کو سنا اور پھر گھور کر صیام کو دیکھا۔

"اگر تم مجھے شامیر سے معافی مانگنے کا کہنے آئی ہو تو واپس تشریف لے جاؤ... مجھے اس بارے میں تم سے یا کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنی۔"

"نہیں خوش نصیب! میں تمہیں ایسا کچھ بھی نہیں کہنے آئی... بلکہ، بلکہ میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔"

صیام نے شرمندہ سے انداز میں نظریں ملائے بغیر کہا۔

خوش نصیب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"صیام اور معافی... وہ بھی مجھ سے؟ خیر تو ہے بی بی! سر پر چوٹ تو نہیں لگی کہیں... جاؤ بہن! جا کر اپنا بی پی چیک کرواؤ۔"

صیام نے اس کے طنز پر سر اٹھا کر ایک لمحے کے لیے اس کو دیکھا تھا پھر نرمی سے بولی۔ "میرے ساتھ آؤ خوش نصیب! ہم کہیں بیٹھ کر آرام سے بات کر لیتے ہیں۔"

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی نہ ہی مجھے تمہاری معافی چاہیے۔ بھلا کس کس بات کے لیے معافی مانگو گی۔ تمہاری غلطیوں کی لسٹ تو تمہاری عمر سے بھی زیادہ ہے۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ جانے کے لیے تیزی سے مڑ گئی۔

"خوش نصیب! میں شامیر کی سچائی سے واقف ہوں۔" صیام نے اسے جاتے دیکھ کر فوراً کہا۔

یہ بات سننے کی دیر تھی کہ خوش نصیب کے بھاگتے قدموں کو فوراً ہی بریک لگ گئی۔ کہاں جانا ہے، کیوں جانا ہے، سب بھول گیا تھا۔ وہ جس تیزی سے جانے کو مڑی تھی اس سے زیادہ تیزی سے واپس پلٹ آئی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟" خوش نصیب نے صیام کے بازو کو دبوچ لیا تھا۔

"ہاں خوش نصیب! میں جانتی ہوں کہ تم نے شامیر کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہے... اور اسی بات کی معافی مانگنے کے لیے تو میں آئی ہوں تمہارے پاس۔" اپنے بازو کو اس کی گرفت سے آزاد کرواتے ہوئے اس نے اپنے لہجے کی نرمی کو قائم رکھا تھا۔ "اب اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ چلو... فہمینہ کمرے میں نہیں ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر آرام سے بات کر سکتے ہیں... مجھے تمہیں ایک بہت اہم بات بتانی ہے۔"

خوش نصیب نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ کمرے کی طرف چل پڑی۔

✲ ✲ ✲

"اگر تم سچائی جانتی تھیں صیام! تو تم نے سب کے سامنے بولا کیوں نہیں؟ سب کو بتایا کیوں نہیں کہ میں سچ کہہ رہی ہوں... بلکہ تم نے تو سب کے سامنے مجھے ہی جھوٹا بنوا دیا..."

خوش نصیب اور صیام بیڈ پر آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے۔ اس نے ایک تکیہ اپنی بازوؤں میں دبوچ رکھا تھا اور اپنی ٹھوڑی اس تکیے پر ٹکائی ہوئی تھی۔

اس کے بالکل سامنے خوش نصیب اس طرح بیٹھی تھی کہ ٹانگیں لپیٹ کر سینے سے لگا رکھی تھیں اور بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے تھے۔ اپنے گھٹنوں پر چہرہ رکھے، آنکھوں میں دبا دبا جوش اس کے پرسکون ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ یہ خیال ہی خوش کن تھا کہ اس کے علاوہ بھی گھر میں کوئی شامیر کی حقیقت سے واقف ہے۔

"میں ڈر گئی تھی۔" صیام نے اعتراف کیا۔
"کس بات سے ڈر گئی تھیں؟"
"اس نے مجھے دھمکی دی تھی خوش نصیب.... کہ اگر میں نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو وہ ہم میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔ صرف اسی لیے میں اس سے شادی کے لیے تیار ہوگئی تھی لیکن تم نے عین وقت پر سب کچھ خراب کر دیا۔ وہ جب سے اس گھر میں آیا ہے مجھے پریشان کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے اپنے گھر چلنے کی بھی دعوت دی تھی۔ تب تک میں اسے جان نہیں پائی تھی پھر بھی میں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس بات کا اس نے اتنا برا مانا کہ باقاعدہ دھمکیوں پر اتر آیا۔ میں نے بہت بار چاہا کہ سب کو اس کے بارے میں سچ بتا دوں لیکن کبھی ہمت نہیں کر پائی۔" منہ لٹکائے صیام نے اسے بتایا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو صیام؟ یعنی وہ پہلے دن سے تمہارے بھی پیچھے تھا؟" خوش نصیب نے حیران پریشان لہجے میں پوچھا تھا۔
"ہاں.... میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں.... اگر تم کل سب کو سچ نہ بتا دیتیں تو میں تو شاید ابھی بھی کسی کو کچھ نہ بتا پاتی۔ میں نے تو تم سب لڑکیوں کو بچانے کے لیے شامیر کو اپنانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر تم نے سب کے سامنے کہا کہ کیف مجھے پسند کرتا ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تھا خوش نصیب! پھر سب نے کیف کے حق میں فیصلہ دیا اور میں تب بھی کچھ نہیں کہہ پائی۔ کل جب شامیر نے تعویذوں کا ذکر کیا تھا تو میں.... میں نہیں جانتی مجھے کیا ہوا' میں چاہ کر بھی اس کی کسی بات سے انکار نہیں کر پا رہی تھی۔ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتی چلی گئی۔ میرے ذہن نے کام ہی نہیں کیا.... ایسا لگتا تھا جیسے میرے دماغ کو کسی ان دیکھے ہاتھ نے جکڑا ہوا ہو۔"
"تو کیا یہ سچ ہے کہ تم نے گیلری سے تعویذ نکال لیے تھے اور پھر شامیر کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا؟" خوش نصیب نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں یہ سچ ہے....." وہ مزید شرمندہ ہوئی۔ "میری اس میں کوئی غلطی نہیں ہے خوش نصیب! میں تب نہیں جانتی تھی کہ شامیر کس خصلت کا آدمی ہے پھر تم سے جھگڑے کے بعد مجھے اور غصہ آ گیا تھا۔ تم نے میرے منہ پر ناخن مارے تھے۔"
ساری ہمدردی کے باوجود اسے وہ کڑا وقت یاد آ گیا جب خوش نصیب نے اس پر جان لیوا حملہ کیا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے اپنے چہرے کو چھوا تھا اور دل ہی دل میں ان کھرونچوں کے ختم ہو جانے پر شکر ادا کیا تھا۔ پھر اپنی بات کو جاری رکھا۔
"تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے والے تعویذ تو میں نے اگلی صبح ہی گیلری سے نکال لیے تھے۔ ایک تو پہلے ہی لڑائی پر غصہ آیا ہوا تھا' اس تعویذ پر شامیر کا نام دیکھ کر مزید غصہ آ گیا۔ امی نے میرے لیے شامیر کو پسند کیا تھا' تمہاری اس حرکت نے میرے غصے کو مزید بڑھا دیا۔ بجائے اس کے کہ میں گھر میں کسی کو بتاتی' میں نے شامیر کو ہی اس بارے میں بتا دیا۔ خوش نصیب' مجھے معاف کر دینا اس حرکت کے لیے.... میں جانتی ہوں میں نے بہت غلط کیا تھا۔"
خوش نصیب چپ سی ہو گئی۔ یہ انکشاف انتہائی حیران کن بھی تھا کہ صیام بھی اسی مسئلے کا شکار ہے جس میں خوش نصیب خود کو پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔
"صیام! میری بات سنو.... مجھے پتا ہے کہ ہم کبھی بھی اچھے دوست نہیں بن سکے.... کزنز ہونے کے باوجود ہم نے ہمیشہ ایک دوسرے کو اپنے دشمن سمجھا مگر صیام! وہ سب صرف بچپنا تھا۔ لڑائیاں تو سگی بہنوں میں بھی ہوتی ہیں

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ تم بھی میری بہنوں جیسی ہی ہو۔ تمام بچکانہ لڑائیاں ایک طرف... مگر میں نے کبھی بھی تمہارے لیے کچھ برا نہیں چاہا۔ جہاں تک تعویذ کی بات ہے تو وہ میری بے وقوفی تھی اور کچھ نہیں۔"

خوش نصیب نے بڑی بہادری سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ اگر میری شادی شامیر سے ہو جائے گی تو سب گھر والوں کو سبق مل جائے گا۔ مجھے اپنی سب محرومیوں کا علاج اس وقت شامیر سے شادی ہی نظر آرہا تھا۔ وہ سب صرف میری بے وقوفی تھی کہ وہ تمہارے بجائے مجھے چن لے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مجھے شامیر سے محبت تھی یا میں اس کے عشق میں مبتلا تھی۔"

اپنی بات کے اختتام میں اس نے ناک چڑھائی۔

زندگی میں پہلی بار وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے اس قدر سکون سے بیٹھی تھیں اور لڑنے کے بجائے پرسکون انداز میں بات کر رہی تھیں کہ اگر گھر والے دیکھ لیتے تو یقیناً" غش کھا کر گر جاتے۔

"خیر ہمیں اب یہ سوچنا ہے کہ اس ساری مصیبت سے کیسے جان چھڑائی جائے؟ تمہارے پاس کوئی آئیڈیا ہے؟"

یقیناً" آج کا دن سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل تھا کہ خوش نصیب اپنے علاوہ کسی اور کی بات اور مشورہ سننے کے لیے راضی تھی۔

"ارے ہاں تم کہہ رہی تھی کہ تمہیں کچھ اہم بات بتانی ہے مجھے؟"

"ہاں... میں اسی بات کی طرف آرہی ہوں... شامیر کے مسئلے سے بھی بڑا ایک مسئلہ ہے خوش نصیب... تمہارے پاس آنے سے پہلے میں نے شامیر کو صحن میں ماہ نور سے باتیں کرتے سنا تھا۔ اس نے آج رات ماہ نور کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اس کے پاس تمہارے خلاف کوئی ثبوت ہے جو وہ ماہ نور کو دکھانا چاہتا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میرے خلاف کیسا ثبوت؟" خوش نصیب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے... دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں... یہ تو ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس لیے یا تو اس نے کوئی جھوٹا ثبوت تمہارے خلاف تیار کر لیا یا پھر خوش نصیب... یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ماہ نور کو نقصان پہنچانے کے لیے کمرے میں بلایا ہو۔"

خوش نصیب کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس بارے میں تو اس نے سوچا تک نہیں تھا۔

"اب ہم کیا کریں؟ ماہ نور تو میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں... کسی بڑے کو بتا دیں؟"

"بیوقوفی کی بات مت کرو... ایسے تو ماہ نور کی عزت پر بات آئے گی اور تم بتاؤ... کیا تمہاری اور میری بات پر کوئی یقین کرے گا؟ کوئی بھی نہیں مانے گا۔"

"تو پھر...؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں خود شامیر کے پاس جانا چاہیے... شاید تم ماہ نور کو بچا سکو اور اگر اس کے پاس کوئی ثبوت ہے تو اس کے بارے میں بھی پتا چل جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر میں اکیلی؟ صیام "پلیز تم چلو نا میرے ساتھ" میں اکیلی کیسے جاؤں گی؟"

"کدھر جا رہی ہو تم دونوں؟" دروازے کی جانب سے ابھرنے والی آواز نے ان دونوں کو اپنی جگہ سے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک ساتھ دروازے کی جانب پلٹی تھیں۔ دروازے میں کھڑی منہا کو دیکھ کر دونوں کی ہی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیسے ری ایکٹ کریں۔ سب سے پہلے صیام نے خود کو سنبھالا تھا۔

"نہیں بھی نہیں جا رہے۔۔۔ یا کم از کم میں تو اس کے ساتھ کہیں نہیں جا رہی۔" صیام کے نخوت بھرے لہجے نے خوش نصیب کو حیران کر دیا تھا۔ اس نے حیرانی سے صیام کو دیکھا تھا۔

"خوش نصیب! تمہیں روشن چچی بلا رہی ہیں۔" منہا نے کچھ مشکوک انداز میں ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پیغام دیا اور کمرے میں آ گئی۔ خوش نصیب ماں کا بلاوا آنے پر فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔ جاتے جاتے مڑ کر صیام پر ایک نگاہ ڈالی تو اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی تھی؟" منہا نے خوش نصیب کے کمرے سے نکلتے ہی شک بھری نگاہ سے اپنی بہن کو دیکھا تھا۔

"ارے کچھ نہیں یار۔۔۔ وہی شامیر والی اوٹ پٹانگ کہانی سنا رہی تھی۔ اس کے نئے گھر میں جا کر اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈنا چاہتی ہے۔"

منہا نے تاسف سے کندھے اچکائے۔ "پاگل ہو گئی ہے یہ لڑکی۔"

☆ ☆ ☆

اگلی صبح نیویارک سٹی کے لیے روانہ ہونے سے پہلے منفرا جھجکتے ہوئے مسز جمال کے پاس آئی اور انہیں معاویہ کے پرپوزل کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ خوش بھی ہوئیں اور حیران بھی لیکن انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ مسٹر جمال سے اس بارے میں ضرور بات کریں گی۔ اس روز معاویہ سے اس کی ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ نیویارک آ گئی۔

سینٹ فرانسس کالج میں چھٹیوں کے بعد کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن پہلی بار اپنی کلاسز اور اگلے سمسٹر کی آؤٹ لائنیز جاننے سے زیادہ منفرا کو اس بات کی جلدی تھی کہ وہ فی بی کو معاویہ کے پرپوزل کے بارے میں بتا دے۔

یہ خبر سن کر فی بی ایک منٹ کے لیے بالکل چپ سی رہ گئی جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو پھر اس نے خوشی سے دیوانی ہوتے ہوئے ایک بھرپور چیخ ماری اور منفرا سے لپٹ گئی۔

وہ دونوں بے تحاشا ہنسنے لگی تھیں۔

"میں پہلے دن سے جانتی تھی تمہارے دل میں اس کی محبت جنم لے چکی ہے۔" فی بی نے چہکتے ہوئے کہا تھا۔

منفرا نے بے تکلفی سے ایک چپت اسے رسید کی۔ "جو بات میں نہیں جانتی تھی وہ تمہیں کیسے پتا چل گئی۔۔۔ جھوٹی!"

"تمہاری آنکھیں تمہارے دل کی کیفیت بیان کرتی ہیں منفرا!۔۔۔ اس لیے میں جان گئی تھی تم اس کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہو۔"

منفرا اس کی بات پر ہنسنے لگی۔

"پتا نہیں تم کون کون سے اندازے لگاتی رہی ہو مجھے اس میں دلچسپی ضرور محسوس ہوئی تھی لیکن محبت وحبت نہیں تھی مجھے اس سے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم نے اس کے پرپوزل پر ایک دم سے ہاں کیوں بول دیا۔۔۔ بتاؤ بتاؤ۔۔۔ جلدی اس سوال کا جواب دو۔"

منفرا اس کی بات سن کر سوچنے لگی پھر دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔ "وہ بہت ٹوٹا بکھرا سا انسان ہے فی بی! مجھے ڈر تھا اگر میں نے بھی اس کا ہاتھ نہ تھاما تو۔۔۔ تو یہ تنہائی اسے نگل لے گی۔"

نی بی شاکڈ رہ گئی۔

"تم نے صرف اس لیے ۔۔۔ ہاں کردی؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"صرف اس لیے نہیں۔" وہ ترنت بولی۔ پھرالجھ سی گئی۔ "یا شاید یقیناً" مجھے نہیں پتا۔" وہ دونوں اس بات پر ہنس دیں۔

"پروفیسر ریمسن کو جب پتا چلے گا تو وہ یقیناً" خوش ہوں گے۔" منفرا نے جوش سے کہا تھا۔

"ارے مجھے یاد آیا۔ تم نے معاویہ سے اس کی بیوی کے بارے میں تو کنفرم کرلیا ہے ناں' میرا مطلب ہے ایک بیوی کے ہوتے وہ تم سے شادی کیسے کرسکتا ہے؟" نی بی کو اچانک یہ خیال آیا تھا۔

"لمبی کہانی ہے۔۔۔ چلو میں سناتی ہوں تمہیں۔"

وہ ایک ایک کرکے معاویہ کی زندگی کا ہر ورق اس کے سامنے کھولتی چلی گئی۔

اسی شام معاویہ اس سے ملنے ہاسٹل چلا آیا۔ پہلی بار منفرا نے اسے اپنے تمام دوستوں سے ملوایا۔ معاویہ ایک یکسر بدلی ہوئی شخصیت کی طرح ان سب سے ملتا رہا۔ پھر ان دونوں نے ڈنر کیا اور اپنی آنے والی زندگی کے حوالے سے کچھ خواب بنتے رہے۔ واپسی پر معاویہ نے اسے پھولوں کا ایک خوب صورت گلدستہ لے کر دیا اور دونوں خوشی خوشی الگ ہوگئے۔

اپنے اپارٹمنٹ میں جاکر معاویہ نے وہ تمام چیزیں ایک بڑے کارٹن میں جمع کرنی شروع کیں جو دسامہ 'آئے کت اور فلک بوس کے آسیب سے منسلک تھیں۔ ان چیزوں میں اولین چیز دسامہ کی وہ ڈائری تھی جس کی ایک ایک سطر معاویہ کو ازبر ہوچکی تھی۔ وہ تمام زائچے نما نقشے' پتھر' لکڑیاں موم بتیاں اور جادوئی گلوب۔۔۔ جو وقتاً" فوقتاً" اس نے فلک بوس کے آسیب سے بات چیت کرنے کی غرض سے جمع کیے تھے۔ ان تمام تانترکوں کا پتا جو اسے آسیب سے ملاقات کرانے کی آس دلاتے رہے تھے۔

پھر وہ کارٹن اس نے اپنی گاڑی کی ڈگی میں رکھا اور پکا ارادہ کیا کہ کل اس کارٹن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے دور کردے گا۔ اس نے منفرا کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور نئی شروعات کے لیے ضروری تھا کہ پچھلی یادوں سے ہمیشہ کے لیے تعلق ختم کرلیا جائے۔

وہ یہی کرنے جارہا تھا۔

✵ ✵ ✵

رات کے دس بجے تھے۔ سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے اور وہ تاریک راہ داری کے دہانے پر دیوار کے ساتھ جڑ کر کھڑی تھی۔ بظاہر بہادری کا مظاہرہ کرتی اور خود کو تسلیاں دیتی وہ لڑکی دل ہی دل میں شدید خوف کا شکار تھی۔ وقت کم تھا۔ اسے جلد از جلد اپنا کام مکمل کرکے یہاں سے واپس جانا تھا۔ "کوئی دیکھ نہ لے" کی تلوار بھی سر پر ٹنگی تھی۔

وہ چند قدم آگے آئی اور راہداری میں موجود اکلوتے دروازے کے سامنے رک گئی۔ اس میں شامیر کا سامنا کرنے کی جرأت تھی نہ ہی خواہش مگر ماہ نور کے لیے وہ رات کے اس پہر شامیر کے کمرے تک چلی آئی تھی۔

"ماہ نور تمہیں اللہ پوچھے۔" دل ہی دل میں بہن کو کوستے ہوئے وہ اپنے بدترین خوف پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

صبام اس کے ساتھ نہیں آئی تھی بلکہ اس کے کمرے سے جانے کے بعد وہ خوش نصیب کو کہیں بھی نظر نہیں

آئی تھی۔ اگر مل جاتی تو شاید اس وقت خوش نصیب کے ساتھ یہاں موجود ہوتی۔ منہا کے سامنے صیام کے بدلے ہوئے لہجے نے اسے ایک دم ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اپنی عادت سے مجبور اس نے اس بات پر کوئی خاص غور نہیں کیا تھا۔ اس وقت اس کے پاس صیام کو سوچنے سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ موجود تھا۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ رات کو ماہ نور کے پیچھے جائے گی۔ دس بجے سے کچھ پہلے جب ماہ نور کسی بہانے کمرے سے نکلی تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی تھی۔ روشن امی نماز میں مصروف تھیں اور نانی سے نگاہ بچا کر کمرے سے نکلنا بہت آسان تھا۔

اور اب وہ یہاں کھڑی تھی۔ اپنی خوف سے لڑتی' اس پر قابو پانے کی کوشش کرتی....

دروازے کی نچلی درز سے ہلکی روشنی باہر آرہی تھی۔ کمرے کی لائٹ جل رہی تھی' اس کا مطلب تھا کہ اندر شامیر موجود ہے۔ اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ بات کرنے کی ہلکی سی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی مگر الفاظ سمجھ سے باہر تھے۔

''ماہ نور....'' خوش نصیب زیر لب بڑبڑائی تھی۔ گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دے ڈالی۔

باہر آتی آوازیں سناٹے میں بدل گئیں۔ اس نے چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد دوبارہ دستک دی۔ اس کا خوف طیش میں بدلتا جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور شامیر کی شکل دکھائی دی۔

''تم یہاں....؟'' شامیر نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

خوش نصیب نے جواب دینے کے بجائے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور اندر آگئی۔ اس کی نظریں تیزی سے ماہ نور کو تلاش کر رہی تھیں مگر کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ سامنے پڑی میز پر چائے کے خالی برتن موجود تھے۔ اور وہاں ایک کے بجائے دو استعمال شدہ کپ پڑے تھے۔ خوش نصیب نے باتھ روم کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔

''خوش نصیب.... !میں نے پوچھا تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' شامیر کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

وہ شامیر کی طرف پلٹی۔ ''ماہ نور کہاں ہے؟'' وہ غرائی تھی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔ ماہ نور بھلا میرے کمرے میں کیوں آئے گی؟ اور آنا تو تمہیں بھی نہیں چاہیے تھا۔ کیا پتا میں تمہیں پکڑ کر کسی شیطان کے لیے قربان کر ڈالوں۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

اس کے طنز پر خوش نصیب ایک بار پھر خوف کا شکار ہوئی تھی۔ لمحوں میں وہ فراموش کر گئی تھی کہ وہ وہاں ماہ نور کو لینے آئی ہے۔ اس نے دیکھا کہ شامیر کی آنکھوں میں عجیب جنونی سی چمک تھی۔ اس کا تمام غصہ اور بہادری' بے بسی اور لاچاری میں بدل گئے۔

''میرے ساتھ یہ سب مت کرو شامیر۔'' اس نے جی جان سے منت کی تھی۔

''میں نے تمہارے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ جو کیا ہے تم نے کیا ہے اور غلط کیا ہے۔''

''ایسا مت کرو۔''

''کیسا؟''

''شامیر! خدا کے واسطے ماہ نور کو چھوڑ دو۔ تم اس سے شادی سے انکار کر دو۔ تم مجھ سے معافی منگوانا چاہتے ہو نا' میں سب کے سامنے معافی مانگ لوں گی۔ میں سب سے کہہ دوں گی کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ مگر تم بس ماہ نور کو چھوڑ دو۔ ہمارے ساتھ یہ سب مت کرو.... آخر تمہیں کیا ملے گا میرے ساتھ یہ سب کر کے.... اللہ کے

واسطے شامیر.... ماہ نور کو چھوڑ دو۔" خوش نصیب سب کچھ بھلا کر سر جھکائے اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔

"یہ ڈرامہ بند کرو خوش نصیب! میں ماہ نور کو چھوڑ کر تمہیں اپنانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تمہیں ایسا سوچتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیے۔" وہ چنگھاڑا تھا اور خوش نصیب اس کی اونچی آواز سے دہل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" خوش نصیب نے پریشانی سے سر اٹھایا اور سر اٹھاتے ہی وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔

باتھ روم کے دروازے میں بڑے تایا کھڑے تھے اور ان کی نظریں خوش نصیب پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ خوش نصیب کانپ اٹھی۔ اسے یک دم حالات کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ رات کے اس پہر وہ شامیر کے کمرے میں تھی اور شامیر.... وہ ابھی کیا بول رہا تھا؟ خوش نصیب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ قدم اٹھاتے خوش نصیب کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

"تایا ابا...." اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن انہوں نے اسے بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ان کا ہاتھ اٹھا تھا اور خوش نصیب کے چہرے پر انگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے تھے۔

"بے غیرت...." وہ غرائے تھے۔ انہوں نے خوش نصیب کو گالی دی تھی۔ "کیا کر رہی ہو تم یہاں؟" سوال کیا ضرور گیا تھا لیکن جواب کا انتظار کیے بغیر انہوں نے ہاتھ بڑھا کر خوش نصیب کو بالوں سے پکڑ لیا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ کراہ نکلی تھی۔

"ایسا مت کریں تایا! میری بات سنیں.... میں نے کچھ نہیں کیا۔" سخت سہمے ہوئے انداز میں خوش نصیب نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی تھی۔

"پھر جھوٹ...." ان کا ہاتھ دوبارہ خوش نصیب کے منہ پر پڑا تھا۔ "جھوٹ پر جھوٹ بول رہی ہو بے شرم.... میں نے ابھی سب کچھ اپنے کانوں سے سنا ہے۔ تمہیں حیا نہ آئی خوش نصیب یہ سب کرتے ہوئے.... اور کچھ نہیں تو ہماری عزت کا ہی کچھ خیال کیا ہوتا۔" غم و غصے کی شدت سے ان کی آواز لرز رہی تھی۔

انہوں نے بالوں سے پکڑے پکڑے اس کے سر کو جھٹکا دیا تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔ شامیر پیچھے کمرے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود دکھ بھرے تاثرات ان لوگوں کے باہر نکلتے ہی کمینگی بھری مسکراہٹ میں بدل گئے تھے۔

کمرے کے وسط میں دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ڈالے، جسم کا سارا بوجھ دائیں ٹانگ پر ڈالے وہ بہت سکون سے مسکرا رہا تھا۔ جلد ہی اس مسکراہٹ کی جگہ ہنسی نے لے لی۔

"چچ.... چچ خوش نصیب نہیں بدنصیب۔" اس نے ہونٹ سکیڑ کر خود کلامی کی تھی اور دوبارہ سے ہنس دیا تھا۔ "شکر ہے، میں نے صحیح وقت پر انکل کو اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دے ڈالی تھی۔"

اس کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ جیبوں سے ہاتھ نکال کر اس نے انہیں سینے پر باندھ لیا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ کل شام کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو صیام...." عقب میں ابھرنے والی اس مردانہ آواز نے یک دم، سیل فون میں گم صیام کو اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔ اپنی دانست میں وہ صحن میں تنہا تھی، سو پس پشت ابھرنے والی اس آواز پر خوف زدہ ہو جانا ایک فطری عمل تھا۔ کھڑے ہوتے ساتھ ہی وہ تیزی سے پیچھے مڑی تھی اور اپنے پیچھے کھڑے شامیر کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

بکھرے بال' سرخ بوجھل آنکھیں' تھکن زدہ چہرہ' پھیکی مسکراہٹ' اس کی ڈریس شرٹ سلوٹ زدہ تھی اور وہ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑا تھا۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اس حلیے میں بھی بے حد ہینڈسم لگ رہا ہے۔" صیام نے دل ہی دل میں اس پر کمنٹ پاس کیے تھے۔

"آئی ایم سوری میں نے شاید تمہیں ڈرا دیا۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شامیر نے معذرت کی تھی۔ "کیا ہو رہا ہے؟ سوشلائزنگ؟"

"آ... ہاں... وہ۔" صیام حواس باختہ لہجہ میں کچھ بے معنی لفظ بول کر رہ گئی۔ شامیر کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"ہاں تھوڑا سا... آپ یہاں؟ آئیں بیٹھیں۔" صیام نے اپنے آپ پر قابو پا کر چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور اچھے میزبان کا فرض ادا کیا۔ خوش نصیب کی کل کی حرکت نے ان سب کے انداز میں شامیر اور اس کی ماں کے لیے معذرت بھر دی تھی۔

"میں یہاں سے گزر رہا تھا... تمہیں یہاں اکیلے بیٹھے دیکھا تو رہا نہیں گیا... مجھے اس وقت ایک اچھے دوست کی اشد ضرورت تھی اور تم سے اچھی دوست مجھے اس گھر میں اور کون مل سکتی ہے۔" شامیر نے اپنی انگلش موویز کے ہیروز والی پیاری سی مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر نشست سنبھال لی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں شامیر؟ آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔" اپنی تعریف (بیچاری معصوم سی صیام اسے تعریف سمجھ رہی تھی) پر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے صیام نے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی فکر مندی سمیٹ لی تھی۔

"میرے ساتھ جو کچھ یہاں ہوا ہے' وہ تمہارے سامنے ہے صیام... اتنی انسلٹ کے بعد کوئی کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے... اور پھر بے عزت صرف مجھے نہیں کیا گیا بلکہ میری ماں کو بھی کیا گیا ہے اور یہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔" شامیر کے لہجے میں دبا دبا غصہ صاف محسوس ہو تا تھا۔

"میں آپ کی سچویشن سمجھ سکتی ہوں۔ خوش نصیب ہمیشہ سے ایسی ہی ہے بدتمیز' خود سر اور جھوٹی۔" صیام نے تو جیسے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

"نہیں تم تو کیا کوئی بھی میری پوزیشن نہیں سمجھ سکتا۔" شامیر درشتی سے بولا پھر یکدم اس کا لہجہ بے حد نرم ہو گیا۔ "تم سوچ بھی نہیں سکتیں صیام کہ خوش نصیب نے میرے ساتھ کتنا برا کیا ہے... میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر میں نے اس کا بگاڑا کیا ہے۔ پہلے اس نے مجھ سے میری محبت چھین لی پھر ماہ نور' جسے میری ماں نے میرے لیے پسند کیا تھا اور جو اس کی اپنی سگی بہن ہے' اور باقی سب کو میرے خلاف کرنے کے لیے یہ اوٹ پٹانگ کہانی سنا ڈالی۔ اپنے جنون میں وہ اتنا آگے بڑھ گئی ہے کہ محبت کا دعوا کر کے بھی مجھے ہی نقصان پہنچائے چلی جا رہی ہے۔ یو نو واٹ؟ یور کزن نیڈز اے سائیکاٹرسٹ۔" شامیر نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

دوسری طرف اس انکشاف پر صیام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ "خوش نصیب... محبت... اس نے خود آپ سے کہا ہے کیا ایسا؟ اور آپ کسی کو پسند کرتے تھے؟" صیام آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ بھلا خوش نصیب جیسی اول جلول لڑکی سے کسی ایسے اظہار کی امید کی بھی کیسے جا سکتی تھی۔

شامیر نے بے چارگی سے صیام کی جانب دیکھا اور بولا۔ "کوئی ایک بار نہیں کہا۔ میں تو جب سے یہاں آیا ہوں وہ میرے پیچھے پڑی ہے... حتیٰ کہ اس نے مجھ پر تعویذ تک کروائے۔ تم نے ہی تو مجھے بتایا تھا اس بارے میں۔

تم کچھ نہیں جانتیں صیام کہ خوش نصیب نے میرا کس قدر نقصان کیا ہے۔ اس نے کل جو کچھ بھی کیا' وہ تو ایک واقعہ ہے جو سب کے سامنے آیا۔ اس سے پہلے کے بارے میں تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ اس نے مجھ پر تعویذ کروائے' مجھے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی۔ اگر تم مجھے اس بارے میں نہ بتا دیتیں تو شاید اب حالات مختلف ہوتے۔ تمہاری یہ کزن تو میرے پیچھے میرے گھر تک آگئی تھی۔ میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے کیسے اس کو گھر سے نکالا اور سب سے بڑا نقصان صیام....."

شامیر چند سیکنڈ کے لیے خاموش رہا اور پھر چہرے پر بے حد تاسف لیے بولا۔ "اس نے میری ضد میں مجھ سے میری محبت کو دور کر دیا۔ اس نے تمہیں مجھ سے چھین کر کیف کو دے دیا۔"

اس انکشاف پر تو صیام کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے شامیر کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا کچھ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ شامیر نے چند سیکنڈ اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیا پھر رسان سے بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ انکشاف تمہارے لیے بہت حیران کن ہے۔ قسمت نے مجھے موقع ہی نہ دیا کہ میں تمہیں اس بارے میں کچھ بتاتا۔ یہ تو تمہیں یاد ہوگا ناکہ میں نے سب سے پہلے تمہیں ہی اپنے لیے پسند کیا تھا۔ ہماری منگنی بھی طے ہو گئی تھی۔ میری غلطی بس یہ ہے کہ میں نے خوش نصیب کو اپنی دوست سمجھا اور اپنی پسند سے تمہیں آگاہ کرنے کے بجائے اسے بتا دیا۔ اور اس نے بدلے میں کیا کیا؟ اس نے سب کے سامنے کہہ دیا کہ کیف تمہیں پسند کرتا ہے۔ اور مجھ سے میری سب سے بڑی خوشی بھی چھین لی۔"

شامیر کے لہجے میں اتنا افسوس تھا کہ صیام کو بھی اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

پہلے جھٹکے کے بعد وہ اب کچھ حواسوں پر قابو پا چکی تھی۔ بہرحال یہ انکشاف دل کے لیے باعث خوشی تھا کہ شامیر اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کلمو ہی خوش نصیب کے لیے دل سے بد دعائیں نکل رہی تھیں۔ مگر خیر یہ نقصان اتنا بڑا نہیں تھا۔ پھر اس کے عشق میں تو کیف بھی مبتلا تھا۔ اس نے گلا کھنکھار کر صاف کیا اور بولی۔

"خدا غارت کرے گا اسے شامیر۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اور اس بات پر شرمندہ بھی ہیں۔ آپ دیکھیے گا ابا اسے آپ سے معافی منگوا کر ہی چھوڑیں گے۔"

"تم لوگوں کی شرمندگی سے کیا فائدہ ہوگا صیام..... نہ ہی اس کی معافی میرے کسی کام کی ہے۔ کم از کم میری اور میری ماں کی جو بے عزتی ہوئی ہے اس کا احساس کسی شرمندگی یا معافی سے تو کم نہیں ہوگا نا۔ خوش نصیب کو اپنے کیے کی سزا تو بھگتنی ہی ہوگی۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔" صیام سر جھکا کر مصنوعی شرمندگی سے بولی۔ "آپ بتائیں' آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر میں آپ کی کوئی مدد کر سکی تو مجھے خوشی ہوگی۔" وہ ملکۂ جذبات بنی' اپنے آپ کو کسی ملک کی شہزادی سمجھتے ہوئے اپنے عاشق کی بلکہ ناکام عاشق کی کوئی بھی خواہش پوری کرنے کو تیار تھی۔

شامیر اسے چند لمحے پرسوچ نگاہوں سے دیکھتا رہا' پھر ٹھہرے ہوئے اور بے حد مضبوط لہجے میں بولا۔

"میں خوش نصیب سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اور اس میں مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

صیام غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تایا ابا اسے گھسیٹتے ہوئے سیدھے بڑے کمرے میں لے گئے تھے۔ شور شرابے اور خوش نصیب کی چیخوں کی آواز

سن کر سب سے پہلے ماہ نور کچن سے اور کیف اپنے کمرے سے بھاگتے ہوئے آئے تھے اور یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا بے غیرت۔" وہ چلائے تھے۔

خوش نصیب سسکتے اور کراہتے ہوئے ابھی بھی اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کررہی تھی 'مگر تایا کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اگلے کچھ منٹوں میں شامیر بھی وہاں آگیا تھا اور آتے ہی اس نے خوش نصیب کو تایا سے چھڑانے کی کوشش کی تھی 'لیکن انہوں نے اسے ڈانٹ کر دور ہو جانے کا کہا تھا۔ کیف ابھی تک ایک طرف کھڑا صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔ ابا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ غیر مبہم تھے 'مگر جو کچھ بھی سمجھ میں آرہا تھا وہ دل دکھانے والا تھا۔ ماہ نور کی جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا وہ ماں کو بلانے کے لیے اوپر کی طرف بھاگی۔

باقی کمروں کے دروازے بھی کھلتے چلے گئے۔ اگلے چند منٹوں میں سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔

تکلیف 'شرم' بے بسی 'لاچاری' خوف۔۔۔ خوش نصیب نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"جاؤ۔۔۔ اس کی ماں کو بلاؤ۔" تایا نے حکم دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی انہیں بلانے جاتا۔ وہ ماہ نور کے ساتھ سخت گھبرائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئی تھیں۔ خوش نصیب کا حال دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

"بھائی صاحب! یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" وہ جیسے کرلائی تھیں۔

"سنبھالو اپنی اولاد کو روشن! ہمارے خاندان کی عزت نیلام کرتی پھر رہی ہے تمہاری بیٹی۔" انہوں نے خوش نصیب کو ماں کی طرف دھکا دیا تھا۔ خوش نصیب ان کے پیروں کے پاس جا گری۔ اس نے وہاں سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"پوچھو اس بے حیا سے کہ رات کے اس پہر شامیر کے کمرے میں کیا کرنے گئی تھی؟" یہ سوال جہاں ان پر بجلی بن کر گرا تھا وہاں سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

"بھائی صاحب! آخر بات کیا ہے؟" سب سے پہلے شفیق چچا آگے بڑھے تھے اور انہوں نے شامیر کو گھورتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ سب لوگ شامیر کو بھی اس معاملے میں قصوروار سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ اصل معاملہ اس سے کہیں زیادہ گمبھیر تھا۔

تایا ابا شدید غیظ و غضب کا شکار تھے۔ انہوں نے الف سے یے تک تمام واقعہ کہہ سنایا۔

"اس لیے یہ بے غیرت شامیر پر الٹے سیدھے الزام لگا رہی تھی۔" وہ چیخے تھے۔

کمرے میں مکمل سناٹا چھا گیا تھا' جس میں دراڑ خوش نصیب کی سسکیاں ڈال رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ لیکن اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر اس کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے۔

"ہائے میں مر گئی۔" سب سے پہلے فضیلہ چاچی کو بین ڈالنے کا خیال آیا تھا۔ "یہ سب کرنے سے پہلے تو مر کیوں نہیں گئی خوش نصیب۔" وہ تیر کی طرح خوش نصیب کی طرف لپکی تھیں اور اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔ خوش نصیب نے سر اٹھا کر ماں اور بہن کی طرف دیکھا' پھر سسکی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا روشن امی۔۔۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میرا یقین کرو ماہ نور۔"

ماہ نور نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا اور روشن امی کی پتھرائی ہوئی نظریں خوش نصیب پر جمی تھیں۔

"آپ لوگوں کو میری بات پر یقین نہیں ہے۔ آپ صیام سے پوچھ لیں۔ وہ سب جانتی ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ شامیر نے ماہ نور کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ میں صرف ماہ نور کو لینے وہاں گئی تھی۔"

سب کی نظریں صیام کی طرف اٹھ گئیں' جو منہ کھولے ہکا بکا خوش نصیب کو دیکھ رہی تھی۔
"کیا بکواس کر رہی ہو۔ میں نے تم سے یہ سب کب کہا۔ اپنی غلطی کا الزام مجھ پر مت لگاؤ۔" وہ غرائی تھی۔
جبکہ اس کی بات نے خوش نصیب کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ پہلی بار اُسے اپنے بے وقوف بنائے جانے کا احساس ہوا تھا۔ وہ پھر سے ماں کی طرف پلٹی تھی۔
"روشن امی! یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ مجھ پر یقین کریں میں نے کچھ نہیں کیا۔"
انہوں نے جیسے اس کی التجا سن کر بھی نہیں سنی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ نیچے جھکی تھیں۔ پاؤں سے چپل کھینچ کر اتاری تھی اور بے دردی سے خوش نصیب پر برسانا شروع کر دی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے لحاظ نہیں کیا تھا اور بے دردی سے خوش نصیب کو پیٹتی چلی گئی تھیں۔
سب لوگ ششدر سے خوش نصیب کو پٹتا دیکھ رہے تھے۔ کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
باقی بات رہی خوش نصیب کی تو اس نے سر پر لگنے والی ضرب کے بعد اپنے چہرے کو دوبارہ گھٹنوں میں چھپالیا تھا اور خاموشی سے پٹتی چلی گئی تھی یا شاید وہ اتنا صدمے میں تھی کہ منہ سے آواز نکال ہی نہیں سکی تھی۔ روشن امی اسے مارتے مارتے ہانپ گئی تھیں' یہاں تک کہ تایا نے ہی آگے بڑھ کر انہیں روک دیا۔
"اٹھو یہاں سے اور اپنے کمرے میں دفع ہو جاؤ۔ دوبارہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔"
انہوں نے حکم دیا تھا' پھر آنسو بہاتی روشن امی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ "روشن! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"
روشن امی کی سوالیہ نگاہیں تایا پر جم گئیں' جبکہ خوش نصیب چکراتے ہوئے سر اور دکھتے جسم کے ساتھ بمشکل کھڑی ہوئی تھی اور کسی سے بھی نظریں ملائے بغیر لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے باہر چل دی تھی۔
کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے سنا' تایا کہہ رہے تھے۔
"میں ماہ نور کا رشتہ شامیر سے طے کر رہا ہوں۔ امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" صابر نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ ان کے انداز میں گہری سنجیدگی اور قطعیت تھی۔ روشن امی کچھ کہہ نہیں پائی تھیں۔
"فاطمہ بہن! کل سے یہاں جو کچھ بھی ہوا ہے میں اس پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ میں شامیر بیٹے سے بھی معافی مانگتا ہوں۔ خوش نصیب نے اپنے پاگل پن میں جو بھی کیا ہے اس کی سزا اسے ضرور ملے گی۔ وہ آپ دونوں سے خود معافی بھی مانگے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ خوش نصیب کی غلطی کو درگزر کر کے ماہ نور کو شامیر کے لیے قبول کر لیں گی۔"
وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئے تھے۔ مزید کچھ کہنے کے لیے تھا بھی نہیں۔
فاطمہ عجیب مشکل میں پھنس گئی تھیں۔ جانتی تھیں کہ کہیں نہ کہیں ان کا بیٹا بھی قصوروار ہے۔ اس کے باوجود کل ہونے والی بے عزتی سے درگزر کرنا انہیں مشکل لگ رہا تھا۔ انہوں نے پریشانی سے شامیر کی طرف دیکھا۔ شامیر آنکھوں سے انہیں ہاں کہنے کے اشارے کر رہا تھا۔ وہ چند لمحے بیٹے کی طرف دیکھتی رہیں' پھر ایک گہری سانس بھر کر صابر احمد کی طرف بڑھ گئیں۔
"آپ معافی نہ مانگیں بھائی صاحب! میں جانتی ہوں کہ اس معاملے میں آپ سب بے قصور ہیں۔ جہاں تک ماہ نور اور شامیر کے رشتے کی بات ہے تو مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کوئی نہیں ہوگی کہ ماہ نور میری بہو بنے۔ روشن تم کیا کہتی ہو؟ تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

اور نڈھال بیٹھی روشن امی نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ماہ نور بیٹا ' ادھر آؤ۔" فاطمہ نے ماہ نور کو اپنے قریب بلایا تھا اور اس کو اپنے پہلو میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے ایک انگوٹھی اتار کر ماہ نور کی انگلی میں پہنا دی تھی۔ "آج سے یہ میری بیٹی ہے بھائی صاحب! بس میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ منگنی کے بجائے اب مجھے شادی کی ہی تاریخ دیں۔ میں جلد از جلد اپنی بہو کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات مکمل کی تھی۔

دوسری طرف سر جھکائے بیٹھی ماہ نور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔ قدرت نے اس کے ساتھ عجیب مذاق کیا تھا کہ ایک طرف تو سگی بہن کی حرکت پر دماغ پھٹ رہا تھا تو دوسری طرف یک دم اتنی بڑی خوشی سے نواز دیا تھا کہ سنبھالے نہ سنبھلے۔ بالآخر اس نے اپنے خوابوں کے شہزادے کو پا ہی لیا تھا۔ صابر تایا کی آواز پر وہ اپنے خیال سے چونکی تھی۔

"ٹھیک ہے 'جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہو گا۔ کل پرسوں مل بیٹھ کر شادی کی تاریخ طے کر لیتے ہیں۔" صابر تایا نے اپنی بات مکمل کر کے چند لمحے کچھ سوچتے رہے ' پھر بولے۔

"میں چاہتا ہوں کہ خوش نصیب کے فرض سے بھی ہم لوگ جلد از جلد فارغ ہو جائیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ لوگ اس کے لیے بھی کوئی لڑکا تلاش کریں۔ دونوں بہنوں کا فرض ایک ساتھ ادا ہو جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔ آپ لوگوں کی نظر میں ہے کوئی؟" مخاطب روشن امی اور صباحت تائی تھے 'مگر ان دونوں کے بولنے سے پہلے ہی فضیلہ چچی بول اٹھی تھیں۔

"بھائی صاحب! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ہے تو بڑا منہ اور چھوٹی بات۔ لیکن کہنا بھی ضروری ہے۔" عجیب تمسخرانہ لہجہ تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو فضیلہ! صاف صاف کہو۔" شفیق چچا نے اکتا کر کہا۔

جواباً" فضیلہ چچی نے انہیں گھور کر دیکھا تھا اور پھر صابر صاحب کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔ "دیکھئے بھائی صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ کم از کم خاندان میں سے تو اس کے لیے کوئی رشتہ آنے سے رہا۔ اس کی زبان سے تو آپ واقف ہیں اور آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے۔ آپ خود سوچیں جو گھر میں ایسے کارنامے انجام دیتی پھر رہی ہے 'وہ باہر کیا گل نہ کھلاتی ہو گی۔"

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے انہوں نے رخ روشن امی کی طرف موڑا۔

"بھئی' روشن نے تو کبھی دل سے ہمیں اپنا مانا ہی نہیں 'مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہم اسے اور اس کی بیٹیوں کو اپنا ہی سمجھتے ہیں اور اپنوں کے عیب تو خود ہی ڈھانپے جاتے ہیں۔ میں نے تو کتنی ہی بار ڈھکے چھپے لفظوں میں کہا تھا کہ اسے لگام ڈالو 'مگر ہماری سنتا کون ہے۔"

مرے پر سو درّے کے مصداق اس وقت ان کے لہجے میں روشن امی کے لیے گہرا طنز تھا۔ شفیق چچا کا پیمانہ لبریز ہو تا جا رہا تھا۔ بات کرتے کرتے جیسے ہی انہوں نے سانس لینے کے لیے وقفہ لیا وہ فوراً" بول اٹھے۔

"فضیلہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بھائی صاحب! اپنوں کے عیب خود ہی ڈھانپے جاتے ہیں اور ویسے بھی جب رشتہ گھر میں موجود ہے تو باہر سے امید لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

شفیق چچا نے تو جیسے اپنی بیوی کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

"لڑکا گھر میں موجود ہے؟ شفیق! تم کس کی بات کر رہے ہو۔" صابر خان نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"ارے بھائی صاحب! اپنے طوطے کی اور کس کی۔۔۔ ہمیں اپنے بیٹے کو بیاہنا نہیں ہے کیا؟" انہوں نے اپنا

جملہ کچھ اس طرح پورا کیا جیسے کوئی بہت زبردست مذاق کیا ہو۔ "اور پھر گھر کی بچی گھر میں ہی رہ جائے گی۔ اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہوگی۔"

بالآخر بلی تھیلے سے باہر آگئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ بلی نے باہر آتے ہی سب کو چند لمحوں کے لیے خاموش کروادیا تھا اور جبکہ طوطے میاں کے رشتے کی بات چل پڑی تھی' وہ فوراً" منہ پر ہاتھ رکھ کر شرماتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

"ہمم م م م..." صابر خان نے ہنکارا بھرا' چند لمحے سوچتے رہے' پھر کھنکھار کر بولے۔ "بیٹی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق باپ کے بعد ماں کا ہوتا ہے۔ تم بتاؤ روشن' تم کیا چاہتی ہو؟" وہ جیسے خود بھی کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

"بھائی صاحب! آپ کو جو مناسب لگتا ہے آپ کریں۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔" ایک آنسو ان کی آنکھ سے ٹوٹ کر ان کے ہاتھوں پر جا گرا تھا۔ اپنی بات پوری کرکے وہ پھر سر جھکا کر بیٹھ گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے شفیق... تمہارا مشورہ اچھا ہے۔ ہمیں خوش نصیب کے لیے شاہ جہاں کا رشتہ قبول ہے۔" انہوں نے فی الحال شاہ جہاں کو طوطے کہنے سے گریز کیا۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے سر سے کوئی بوجھ اتار کر کسی اور کے کندھوں پر لاد دیا ہو۔

بلاشبہ یہ فیصلہ کرکے انہوں نے گھر کی ینگ جنریشن کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ اور اس بم کے پھٹنے سے سب سے زیادہ زخمی کیف ہوا تھا۔ اس دوران شامیر اپنی ماں کو بولنے کے لیے اشارے کر رہا تھا۔

"بھائی صاحب! میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" سب لوگ فاطمہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ "جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے اگلے مہینے واپس جانا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ شامیر اور ماہ نور کی شادی اسی مہینے کردیں۔" انہوں نے جیسے فرمائش کی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو فاطمہ... شادی کی تیاریوں میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا۔ بھلا اتنی جلدی کیسے ہو پائے گا سب..." صباحت تائی نے جیسے روشن امی کے دل کی بات کہی تھی۔

"آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ مزید کی کوئی چاہ نہیں۔ ہمیں آپ لوگوں سے صرف آپ کی بیٹی چاہیے۔ جہیز کے نام پر ایک آنہ بھی ہمیں قبول نہیں ہوگا بھابھی۔" فاطمہ نے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے فاطمہ! جیسا آپ لوگ چاہتے ہیں' ویسا ہوگا۔ پندرہ دن بعد کی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔" صابر خان نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔ "ابھی آپ لوگ آرام کریں۔ باقی کی تفصیل کل طے کریں گے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ باقی لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔ کمرے سے سب سے پہلے فضیلہ چچی تن فن کرتی باہر نکلی تھیں۔

فاطمہ نے ایک طرف کھڑے شامیر کو دیکھا اور اسے اپنے کمرے میں آنے کا کہہ کر وہ بھی باہر نکل گئیں۔

شامیر چہرے پر گہری مسکراہٹ لیے بڑبڑایا۔

"فرسٹ ٹیک مشن اکومپلشڈ..." اور ماں کے پیچھے چل پڑا۔

کسی نے بھی صیام کے چہرے پر اڑتی ہوائیوں پر غور نہیں کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

فاطمہ اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھیں۔۔۔ آنکھوں میں تفکر اور چہرے پر بے شمار خدشات سجائے وہ شامیر کے آنے کی منتظر تھیں۔

"او مائی گاڈ۔۔۔ میں کیا کروں کہ شامیران حرکتوں سے باز آجائے۔" انہوں نے جیسے تھک کر اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

یہ تو وہ ہی جانتی تھیں کہ چودہ سال کی عمر میں جب شامیران چکروں میں پڑا تھا تو انہوں نے کتنے جتنوں سے اسے ان سب سے نکالا تھا۔

سر کو ہاتھوں میں گرائے وہ صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔

اسی وقت شامیر کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

"ہیلو مدر۔۔۔"

شرارت سے کہتا ہوا' چہرے پر شیطانی مسکراہٹ لیے وہ ان کے برابر آبیٹھا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اپنا بازو ان کے کندھوں کے گرد لپیٹ دیا۔

"خیریت تو ہے نا؟ آپ کے بیٹے کی شادی ہو رہی ہے اور آپ یہاں سر پکڑے بیٹھی ہیں۔"

فاطمہ نے سر اٹھا کر اپنے بیٹے کو گھورا۔ اونچا' لمبا' ہینڈسم۔ چہرے پر معصوم مسکراہٹ۔ اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ جادو اور شیطانی طاقتوں جیسے گناہوں میں ملوث ہو سکتا ہے۔

شامیر نے انہیں اپنی جانب گھورتے پایا تو مزے سے بولا۔ "اوکے۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ آپ ابھی سے اپنی بہو کو اپنے قابو میں کرنے کے طریقے ڈھونڈ رہی ہیں۔" شامیر خود ہی اپنی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا' لیکن فاطمہ کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"یہ سب کیا تماشا ہے شامیر؟"

"کون سا والا؟" تجاہل عارفانہ کا عظیم مظاہرہ۔

"شامیر۔۔۔ بی سیریس۔۔۔ تم نے کیا' کیا ہے اس بچی کے ساتھ؟"

"کون سی بچی؟" اس نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔ "اور میں نے کیا کیا ہے۔"

فاطمہ نے خفگی سے سر جھٹکا۔ "میں خوش نصیب کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ وہ تمہارے کمرے میں کیسے اور کیوں آئی تھی شامیر؟"

"وہ میرے کمرے میں اپنے پیروں پر چل کر آئی تھی مام۔۔۔ اور کیوں آئی تھی وہ آپ باہر جان ہی چکی ہیں۔ میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ لڑکی مینٹلی ریٹائرڈ ہے' مگر آپ کو یقین نہیں آرہا تھا۔"

"شامیر مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آرہا۔"

"کمال ہے مام' آپ کو اپنے بیٹے کی بات پر یقین نہیں ہے' لیکن اس کریکٹر لیس لڑکی پر یقین ہے جو اپنے فائدے کے لیے اپنی بہن کا بھی نقصان کرنے پر تلی تھی۔" شامیر تلملا کر بولا تھا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ مجھے تم پر یقین نہیں ہے' لیکن ابھی بھی مجھے یقین نہیں آرہا کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اپنی مرضی سے وہاں آئی تھی۔" شامیر کو بغور دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"اوکے۔۔۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اسے زبردستی وہاں لے گیا تھا؟ وہ بھی اس ٹائم پر جب صابر انکل میرے کمرے میں موجود تھے۔ کم آن مام!" شامیر خفگی سے بولا تھا۔

"زبردستی نہیں' مگر ہپناٹزم کے ذریعے۔" فاطمہ نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ شامیر تلملا اٹھا۔

"آپ بھول رہی ہیں کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ کیا آپ کو میری بات پر

بھروسا نہیں ہے؟" شامیر کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ "اور اگر میں غلط ہوں تو صابر انکل اور باقی سب کو کیوں یقین نہیں آیا اس کی بات کا۔ آپ نے دیکھا نا اس نے کیسے مجھ پر الزام لگایا تھا۔ میں بھلا اتنی رات کو ماہ نور کو کیوں بلاؤں گا؟ اور پھر ماہ نور تو تھی ہی کچن میں.... کیا ایسا نہیں ہے؟"

فاطمہ خاموش ہو گئی تھیں۔ شامیر کی باتوں سے سچائی جھلک رہی تھی۔

"مام شی از مینٹلی سک۔" شامیر ان کے پاس اٹھ کر ان کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھ کر انہیں نرمی سے دبانے لگا۔ "میں جب سے یہاں آیا ہوں وہ مسلسل مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی فکر میں ہے اور آپ کے سامنے ہی تو کل صیام نے بتایا تھا کہ وہ میرے اوپر تعویذ کرواتی رہی ہے۔"

فاطمہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہیں۔ شامیر انہیں قائل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"اور آج تو وہ میرے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔ آپ جانتی ہیں اس نے مجھ سے کیا کہا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ماہ نور کو چھوڑ کر اسے نہ اپنایا تو وہ ہر حال میں مجھے اس گھر میں بدنام کر کے ہی دم لے گی۔ کین یو بلیو دیٹ؟ وہ اپنے لیے اپنی بہن کا برا کرنے سے بھی باز نہیں آ رہی تو سوچیں وہ مجھے بدنام کرنے کے لیے جھوٹ کیوں نہیں بول سکتی۔ وہ تو اتنی پاگل ہے کہ کیف سے جان چھڑانے کے لیے گھر والوں کو کہہ دیا کہ کیف صیام کو پسند کرتا ہے جبکہ وہ بے چارا تو خود خوش نصیب کو پسند کرتا تھا۔ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔ صابر انکل نے تو سب سنا ہے۔ آپ کو مجھ پر یقین نہیں تو آپ ان سے پوچھ لیں۔"

بات کے اختتام تک شامیر کے لہجے میں سخت ناراضی جھلکنے لگی تھی اور یہ وہ ہتھیار تھا جو دنیا کی ہر ماں پر اثر کرتا ہے، سو فاطمہ پر بھی بیٹے کی ناراضی نے فوراً" اثر کیا تھا۔ ان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

انہوں نے فوراً" اپنا دایاں ہاتھ اپنے کندھے دباتے بیٹے کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"آئی ایم سوری شامیر.... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یقیناً" اس لڑکی کا دماغ خراب ہے۔ بہتر ہے کہ اب تم اس سے دور رہو بیٹا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ مجھ سے وعدہ کرو شامیر کہ تم اب اس سے کسی بھی قسم کا بدلہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ڈونٹ وری مام.... میں ایسا کچھ کرنے والا نہیں ہوں۔ مجھے جو چاہیے تھا مجھے مل گیا ہے۔" وہ پراسرار انداز میں بولا تھا۔ فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے ماہ نور چاہیے تھی اور وہ مجھے مل گئی ہے۔" شامیر نے گرم جوشی سے کہا تھا۔ "آپ بس اب پندرہ دن میں ہی شادی کی ڈیٹ فکس کر دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ماہ نور کو یہاں سے لے جاؤں۔"

بیٹے کی بے صبرے پن پر فاطمہ خوش دلی سے مسکرا دی تھیں۔ "ان شاء اللہ" انہوں نے صدق دل سے کہا تھا اور من ہی من میں اس کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگی تھی۔

"چلو جاؤ۔ اب تم بھی آرام کرو۔ صبح بات کروں گی میں صابر بھائی سے شادی کی ڈیٹ کے لیے۔"

"اوکے مام.... گڈ نائٹ۔" ماں کے سر کو چومتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

"مجھے اب خوش نصیب سے کوئی بدلا نہیں لینا مام.... ماہ نور کی مجھ سے شادی اور اس کی قسمت کا شاہ جہاں کے ساتھ پھوٹنا ہی اس کی سب سے بڑی سزا ہے اور میرا انتقام بھی۔" اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے شامیر نے سوچا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نگہت عبداللہ

ناسمجھ

موبائل فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ بند ہوتی، پھر بجنے لگتی، پتا نہیں احسن کہاں تھے۔ میں برتن چھوڑ کر کمرے میں آئی۔ احسن کا موبائل فون سامنے ہی رکھا تھا۔ میں نے اٹھا کر آف کرنا چاہا، لیکن اسکرین پر آغاجی کا نام دیکھ کر میں نے بے اختیار کال ریسیو کی تھی۔

"السلام علیکم آغاجی۔"

"وعلیکم السلام، خوش رہو، کہاں ہے وہ ناخلف، کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں۔" آغاجی نے جواب کے ساتھ احسن کا پوچھا۔

"جی آغاجی! احسن شاید باہر گئے ہیں یا شاید واش روم میں۔"

"اچھا، کہیں بھی ہے، تم بتاؤ تمہارا کیا حال ہے، بچے ٹھیک ہیں۔" آغاجی نے ٹوک کر پوچھا۔

"جی اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔ آپ سنائیں آغاجی۔ بی بی جان اور گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ بہت یاد کر رہے ہیں تمہیں۔ کتنے سال ہو گئے ہیں تمہیں گئے ہوئے، کچھ پتا ہے؟"

آغاجی اب شاید مجھے سخت سست کہنے کے موڈ میں آگئے تھے، جب ہی احسن کو واش روم سے نکلتے دیکھ کر میں نے کہہ دیا۔

"احسن آگئے آغاجی۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔ اس سے میں پھر بات کر لوں گا۔ ابھی تم سن لو۔ دانیال کی شادی طے پا گئی ہے۔ تم لوگ فوراً" آجاؤ۔" آغاجی نے حکم صادر فرما دیا اور میں خائف ہو گئی۔

"فوراً" کیسے آغاجی۔ میرا مطلب ہے کوشش۔"

"کوئی کوشش نہیں، ضرور آنا ہے تمہیں۔ دو دن دے رہا ہوں تمہیں، تیسرے دن میں تمہیں یہاں دیکھوں اپنے پاس۔" آغاجی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو میں پریشانی سے احسن کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیا کہہ رہے تھے آغاجی۔" احسن قریب آکر پوچھنے لگے۔ "سب ٹھیک تو ہے نا۔"

"جی۔۔۔ وہ دانیال کی شادی ہے۔ آغاجی کہہ رہے تھے، ہمیں دو دن میں وہاں پہنچنا ہے۔" میں نے بتایا تو احسن، دانیال کی شادی کا سن کر خوش ہو گئے۔

"ہماری جنریشن کی آخری شادی۔۔۔ ضرور چلیں گے۔"

میں نے جواب دیا نہ کوئی تبصرہ کیا۔ کچن میں جو کام ادھورا چھوڑ آئی تھی آکر وہی نپٹانے لگی تو قدرے رک کر احسن میرے پیچھے آگئے۔

"کوئی بات نہیں رومیلہ! تم نہیں جانا چاہتیں تو میں آغاجی سے کوئی بہانا کر دیتا ہوں۔" احسن نے کہا تو میں آغاجی کی ناراضی کا سوچ کر پریشان ہو گئی۔

"نہیں۔ چلیں گے، مجھے بس بچوں کے اسکول کا خیال ہے۔" میں نے وجہ بتائی۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں تھا۔ کیونکہ احسن صرف میرا موڈ دیکھتے تھے، کیوں کا سوال نہیں اٹھاتے تھے۔

"ایک ہفتے کی بات ہے۔ کچھ زیادہ حرج نہیں ہوگا۔ ٹھیک ہے۔ میں پھر پہلے ٹکٹ کا انتظام کر لوں۔" وہ کہہ کر رکے نہیں، سیدھے باہر نکل گئے، تو میں نے جلدی جلدی کچن صاف کر کے کھانا بنایا۔ پھر بچوں کے اسکول سے آنے تک نہا کر فریش بھی ہو گئی۔

"چلو بیٹا! جلدی سے چینج کر لو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ آپ کے پاپا بھی بس آتے ہوں گے۔" میں نے

کہا تو پانچ سالہ طلحہ نے جیسے مجھے ٹوکا تھا۔
"پاپا تو شام میں آتے ہیں؟"
"ہاں.... لیکن آج وہ آفس نہیں گئے۔" میں نے الماری سے دونوں کے کپڑے نکالتے ہوئے بتایا۔ تو چار سالہ ثمرہ پوچھنے لگی۔
"پاپا آفس کیوں نہیں گئے۔"
"یہ آپ پاپا سے ہی پوچھ لینا۔ چلو جلدی چینج کرو۔" میں بچوں کے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر کپڑے ان کے سامنے رکھ کر کچن میں آگئی۔ پھر میرے کھانا لگانے تک احسن بھی آگئے۔
"تھینک گاڈ۔ ٹکٹ ہو گئے۔" احسن نے آتے ہی کہا تو میں یوں ہی انہیں دیکھنے لگی۔
"وہی دو دن بعد کی۔ یعنی جیسے آغا جی نے کہا ہے کہ تیسرے دن ہم ان کے پاس ہوں تو ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" احسن خوش نظر آرہے تھے اور خوش تو مجھے بھی ہونا چاہیے تھا کہ پورے سات سال بعد میں اپنے پیاروں سے ملوں گی۔ لیکن جانے کیوں میں اندر سے خائف سی ہو جاتی تھی۔
"کھانا تیار ہے؟" احسن نے غالباً میری خاموشی محسوس کر کے پوچھا تھا۔
"جی.... لگا دیا ہے۔ بچے بھی آگئے ہیں، چلیں۔" میں نے کہا تو وہ بچوں کو پکارتے ہوئے ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ میں نے ان کی تقلید کی۔ پھر کھانے کے دوران احسن نے بچوں کو بتایا کہ دو دن بعد ہم



پاکستان جارہے ہیں' تو بچے خوشی سے اچھل پڑے اور ایک ایک کا نام لے کر پوچھنے لگے کہ وہاں دادا ابو' دادی امی ہوں گی۔ نانا ابو' نانی امی۔ بڑے آغا جی' بی بی جان' چاچو' پھوپھو' خالہ' ماموں۔

میں حیرت سے انہیں دیکھے گئی' کیونکہ یہ دونوں یہیں پیدا ہوئے تھے اور اب پہلی بار پاکستان جارہے تھے۔ لیکن سب سے واقف تھے۔ اصل میں احسن اسکائپ پر روزانہ سب سے بات کرتے تھے تو بچوں کو بھی ساتھ بٹھالیتے تھے۔ یوں اتنی دور رہ کر بھی سب قریب تھے۔ بس ایک میں تھی سب سے دور۔ یہ میرا خوف ہی تھا جس نے مجھے اکیلا کردیا تھا۔

"میں نے بچوں کے اسکول میں ایپلی کیشن بھی دے دی ہے۔" کھانے کے بعد احسن اپنے کمرے میں آتے ہی کہنے لگے۔ "اب دو دن ہیں ہمارے پاس' میرا مطلب ہے تیاری کے لیے۔"

"ہوں... تیاری تو کوئی مسئلہ نہیں' لیکن..." میں رک گئی۔

"لیکن کیا؟" احسن سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو میں رک کر بولی تھی۔

"وہ گفٹس بھی تو لینے ہوں گے۔"

"ہاں... میں یہی کہنے والا تھا۔ دو دن ہیں ہمارے پاس۔ آج تم آرام کرو' مائنڈ بنالو' پھر کل چلیں گے' ٹھیک۔"

انہوں نے کہا تو میں نے بس سر ہلا دیا۔ پھر پہلے بچوں کو چیک کیا' اس کے بعد آکر لیٹ گئی۔ احسن الماری میں جانے کیا تلاش کرنے لگے تھے۔ میں نے چند لمحے انہیں دیکھا۔ پھر کروٹ بدل کر آنکھیں بند کی تھیں کہ ایک کے بعد ایک سب یاد آنے لگے۔

☼ ☼ ☼

آغا جی' بی بی جان' ابو' امی' تایا جان' تائی جان' چچا' چچی' پھر ڈھیر سارے کزنز' جو پرانے طرز کی بنی اس حویلی میں سب ساتھ ہوتے تھے۔ میں بھی وہیں پیدا ہوئی اور ان سب کے ساتھ ہی بڑی ہوئی تھی۔ اس حویلی میں گزرے ماہ و سال بھلائے جانے والے نہیں تھے۔ کیونکہ وہ محبتوں کی راجدھانی تھی۔ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ مجھے نہیں یاد کبھی تائی جان' امی' منجھلی چچی یا چھوٹی چچی کے درمیان معمولی سی بھی رنجش ہوئی ہو۔ اسی طرح ہم کزنز اگر لڑتے بھی تھے تو فوراً" صلح بھی کرلیتے تھے۔ کبھی ہم منہ پھلا کر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوئے۔

یوں تو ہم سب ایک دوسرے کے قریب تھے' لیکن عمر کے حساب سے میری سب سے زیادہ دوستی منجھلے چچا کی بیٹی عافیہ سے تھی۔ ہم دونوں کلاس فیلو بھی تھے۔ ساتھ پڑھتے' ساتھ سوتیں اور ڈھیروں باتیں کرتے تھے۔ کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک احسن تھے' تایا جان کے لخت جگر' جانے انہیں کیا تکلیف تھی' جہاں ہم دونوں کو دیکھتے' ان کی پیشانی پر بل پڑجاتے۔

"تم دونوں کو باتوں کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔" ٹوکنا بھی فرض سمجھتے تھے۔

"کاموں سے فارغ ہو کر ہی بیٹھے ہیں احسن بھائی!" عافیہ کی بات سن کر وہ نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

"کتنے سڑیل ہیں' پتا نہیں کس پر گئے ہیں۔"

"اپنے خاندان میں کسی پر نہیں گئے۔" میں فوراً" کہتی۔

"ہاں۔ مجھے لگتا ہے اسپتال میں بدل گئے ہوں گے۔" عافیہ نے کہا اور میں سدا کی احمق' ذرا جو سمجھی۔

"اسپتال میں بدل گئے کب؟ کیسے؟"

"ارے' جب پیدا ہوئے تھے' تب تائی جان کا بچہ کوئی دوسری عورت لے گئی ہوگی اور تائی جان انہیں لے آئیں۔" عافیہ نے جھنجلا کر وضاحت کی تو میرا دل دہل گیا۔

"سچ عافیہ! کیا تائی جان کو پتا ہے کہ احسن ان کے

بیٹے نہیں ہیں؟"

"نہیں اور اب تم بتانا بھی مت۔" عافیہ اب اطمینان سے تھی۔

"ہائے نہیں میں کیوں بتاؤں گی۔ بے چاری تائی جان اتنا روئیں گی۔"

"ہاہاہا۔" عافیہ منہ پھاڑ کر جو ہنسنا شروع ہوئی تو ہنستی چلی گئی۔ میں ناسمجھی کے عالم میں دیکھتی رہی؟ پھر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"کیا ہو گیا ہے کیوں ہنس رہی ہو۔ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"پہلے تم بتاؤ کتنے احمق مرے تھے تو تم پیدا ہوئی تھیں۔" وہ ہنسی کے درمیان بولی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" میں برا مان گئی۔

"کوئی مطلب نہیں چلو اٹھو یہاں سے۔ ورنہ پھر احسن بھائی نے دیکھ لیا تو لمبا لیکچر شروع ہو جائے گا۔" وہ مجھے کھینچتے ہوئے اندر لے گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

بڑی بے فکری کے دن تھے۔ ان دنوں میں اور عافیہ میٹرک کے امتحانوں سے فارغ ہو کر مست پھرتے تھے۔ ساری دوپہر قدرے اندھیری اور ٹھنڈی سیڑھیوں پر بیٹھے دنیا جہان کی باتیں کرتے۔ ان دنوں ہمارا من پسند موضوع ہوتا تھا شادیاں اور ہم جوڑے ملاتے۔ یعنی کس کی شادی کس سے ہوگی۔ کہیں باہر تو ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا تھا اور جاتا بھی کیسے۔ حویلی سے باہر کی دنیا ہم نے دیکھی ہی کب تھی۔ آغاجی کی لمبی سی گاڑی جس کے شیشوں پر پردے پڑے ہوئے وہ ہمارے اسکول کالج جانے آنے کے لیے مخصوص تھی۔ بہرحال سب جوڑے حویلی ہی میں موجود تھے۔ ہماری نظر میں۔

"سعدیہ آپی کی شادی انعام بھائی سے ہونی چاہیے۔" میں نے کہا تو عافیہ نے فوراً" تاکید کی تھی۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ دونوں کی جوڑی خوب سجے گی۔"

"سونیا آپی اور عاطف بھائی۔"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔" عافیہ نے فوراً" ٹوکا تھا۔

"کیوں؟" میں اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"عاطف بھائی اتنے اچھے ہیں۔" عافیہ نے کہا تو اب میں فوراً" بولی تھی۔

"سونیا آپی بھی تو اتنی خوب صورت ہیں۔"

"میں خوب صورتی کی نہیں مزاج کی بات کر رہی ہوں۔ سونیا آپی سدا کی ضدی خود سر بے چارے عاطف بھائی کو نچا کر رکھ دیں گی۔"

عافیہ کی بات ٹھیک تھی تب ہی میں پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگی تھی۔

"عاطف بھائی کی شادی نادرہ سے ہونی چاہیے۔ دونوں ایک ہی مزاج کے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔" میں نے خوش ہو کر ہاں کو لمبا کھینچا پر بلا ارادہ ہی میرے منہ سے نکلا تھا۔

"اور احسن بھائی۔"

"توبہ! ان کا تو نام ہی نہ لو۔ ان کے ساتھ تو جس کی بھی شادی ہوگی وہ ساری عمر روتی رہے گی۔" عافیہ کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی تھی۔

"ہائے عافی! وہ کون بدقسمت ہوگی۔" میں نے سہم کر پوچھا ساتھ ہی ساری کزنز کے چہرے نظروں کے سامنے آ گئے تھے۔

"پتا نہیں ان کے ساتھ کس کی قسمت پھوٹے گی۔" عافیہ کا انداز ہنوز تھا۔ پھر کہنے لگی۔ "اللہ کرے احسن بھائی کی شادی آغاجی کہیں باہر کریں۔"

"باہر کہاں؟"

"ملک سے باہر۔ امریکا لندن بلکہ افریقہ۔"

میرے احمقانہ سوال پر وہ جھنجلائی تھی اور ایسے میں وہ ہمیشہ نشست برخاست کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی مجھے کھینچتے ہوئے اندر لے گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

پھر بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ شادیوں کا

سلسلہ شروع ہوگیا۔ بند کمرے میں آغا جی اپنے بیٹوں' بہوؤں کے ساتھ میٹنگ کرتے اور پھر اعلان کر دیتے۔ میں اور عافیہ جو جوڑے ملاتے تھے تو اگر اتفاق سے آغا جی بھی وہی جوڑ ملا دیتے تو ہم دونوں یوں خوش ہوتے جیسے آغا جی نے ہم سے پوچھ کر ہی یہ جوڑا بنایا ہو۔

بہرحال اس وقت جب ہم انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں احسن کے ساتھ کس کی قسمت پھوٹنے والی ہے' تب احسن ہائر اسٹڈی کے لیے آسٹریلیا چلے گئے۔ ہم جتنا دوسرے کزنز کی شادیوں پر خوش تھے' اس سے کہیں زیادہ خوشی احسن کے باہر جانے پر ہوئی۔

ہمارے سروں سے بلا جو ٹل گئی تھی۔ ہر وقت ٹوکتے رہتے تھے۔

بہرحال ہم آزاد ہوئے تو پھر وقت بھی جیسے پر لگا کر اڑا تھا۔

بی اے کے بعد فراغت تھی' بلکہ اب تو فراغت ہی فراغت تھی۔ کیونکہ آغا جی نے لڑکیوں کی تعلیم کی یہی حد مقرر کی تھی۔ اس سے آگے ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور نہ ہم نے سوچا۔ باقی کزنز کی طرح میں نے اور عافیہ نے بھی کچن سنبھال لیا۔ مجھے تو پھر پکانے سے کچھ دلچسپی تھی' لیکن عافیہ بہت جھنجلاتی تھی۔

پھر ان ہی دنوں احسن کی آمد اور ان کی شادی کا شور اٹھا تو میں اور عافیہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ احسن کے لیے آغا جی نے کسے منتخب کیا ہوگا۔ ایک ایک کا نام لیتے' پھر خائف ہو جاتے کہ اللہ نہ کرے جو اس کی قسمت پھوٹے۔ ایسے میں اچانک میں نے عافیہ سے پوچھا تھا۔

"عافو! تم کس سے شادی کرنا چاہو گی۔"

"پاگل ہو گئی ہو۔ یہاں کسی کی مرضی پوچھی جاتی ہے؟" عافیہ نے اچھل کر کہا تھا۔

"نہیں۔ پوچھی تو نہیں جاتی' پھر بھی۔۔۔" میں نے کہا تو وہ مشکوک نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے تم نے کوئی پسند کر لیا ہے' کون ہے؟"

"ایسے ہی خواہ مخواہ۔" میں روٹھ گئی۔

"مت بتاؤ' میں خود ہی پتا کر لوں گی۔" وہ کہہ کر اٹھ گئی اور ہمیشہ کے برعکس مجھے وہیں چھوڑ گئی تھی۔ تب ہی کتنی دیر میں جھنجلاتی رہی تھی۔

پھر احسن کے آتے ہی آغا جی کی بیٹیوں' بہوؤں کے ساتھ میٹنگ شروع ہو گئی تھی۔ احسن نے وہیں آسٹریلیا میں جاب کر لی تھی اور ابھی چند دنوں کے لیے آئے تھے تو آغا جی ان ہی دنوں میں ان کی شادی کر دینا چاہتے تھے۔ اس وقت میں رات کے کھانے کی تیاری کے سلسلے میں کچن میں مصروف تھی کہ عافیہ مجھے پکارتے ہوئے' بہت تیزی میں آئی تھی۔

"رومی۔۔۔ رومی۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" میں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' تو وہ ایک دم میری طرف اشارہ کر کے ہنسنے لگی۔ ہنستی چلی گئی۔

"کیا ہوا ہے۔" اس کی بے تحاشا ہنسی پر آپ ہی آپ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"افسوس ناک خبر ہے۔" عافیہ نے ہنسی کے درمیان کہا۔

"افسوس ناک خبر اور یہ ہنسی۔" میں کچھ سمجھ نہیں پائی' ہمیشہ کی طرح ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گئی۔ تب وہ باقاعدہ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولی تھی۔

"تمہاری قسمت پھوٹ گئی۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" مجھے جھٹکا لگا تھا۔

"احسن بھائی کے ساتھ' آغا جی نے اس جمعہ کو تم دونوں کی شادی کا اعلان کر دیا ہے۔" اس کی وضاحت پر میں نے خود کو تو گرنے سے بچا لیا' لیکن آنسو نہیں روک سکی تھی۔

بس پھر میری دل داریاں اور ناز برداریاں شروع ہو گئیں۔ اس کے باوجود ایک پل کو جو میں رونا بھولی ہوں۔ میرا رونا اپنی بدقسمتی پر تھا۔ جبکہ زیادہ تر لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ میں اچانک شادی اور پھر سب سے دور جانے کے خیال سے رو رہی ہوں اور ہر ایک

اپنے اپنے انداز میں مجھے تسلی دے رہا تھا۔

یوں ہی روتے دھوتے میں احسن کی ہو گئی، مزید ستم آغا جی نے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کر کے تین دنوں میں میرے احسن کے ساتھ جانے کے تمام انتظامات نہ صرف مکمل کروا دیے، بلکہ مجھے ان کے ساتھ رخصت بھی کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آسٹریلیا آ کر میں کیا خوش ہوتی، میرے دل میں اپنی قسمت پھوٹ جانے کی جو گرہ پڑ چکی تھی اس نے مجھے کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیا۔ میرے احساسات بھی جیسے مردہ ہو گئے تھے۔ احسن کی محبت، ان کا نرم رویہ اور سب سے بڑھ کر ہر بات ہر کام میں میری مرضی دیکھتے تھے۔ مجھے یہ سب نظر ہی نہیں آتا تھا۔ بس میں یہ سوچتی تھی کہ میں اپنے خاندان کی سب سے بد قسمت لڑکی ہوں۔ پھر مجھے عافیہ کا خود پر ہنسنا یاد آتا تو میں اب تک کڑھتی تھی۔

سات سال ہو گئے تھے میری شادی کو۔ اللہ نے دو پیارے پیارے بچے بھی دیے، پھر بھی میری بے حسی نہیں ٹوٹی۔ احسن جانے میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے، میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی اور نہ کبھی پاکستان جانے کا میرا دل چاہا۔

اس دوران سب کی شادیاں ہو گئیں۔ ہر شادی پر آغا جی نے بہت اصرار سے ہمیں بلایا، لیکن میرا موڈ دیکھتے ہوئے احسن نے خود ہی کوئی نہ کوئی بہانا کر دیا تھا۔ اب ہماری جنریشن کی آخری شادی دانیال کی تھی۔ میرا ابھی بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن آغا جی کی ناراضی کے خیال سے ہامی بھر لی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور جب حویلی میں قدم رکھا تو ایک دم میرا دل چاہا امی۔۔ امی پکارتے ہوئے بھاگ کر ان کی آغوش میں سما جاؤں۔ وہی پہلے والی رومی بن جاؤں جو عافیہ کے ساتھ سارے میں پھدکتی پھرتی تھی، لیکن میری ہمت نہیں ہوئی اس خیال سے کہ احسن کیا سوچیں گے۔ بہر حال میں نے خود پر بہت ضبط کیا، پھر بھی امی کے گلے لگتے ہی میرے آنسو چھلک گئے تھے۔ پھر سب بہت محبت سے ملے، ساتھ شکوے بھی تھے۔ جن کا جواب احسن دے رہے تھے۔

تمام کزنز جن کی شادیاں حویلی سے باہر ہوئی تھیں۔ وہ بھی آ چکے تھے۔ جس سے حویلی کی رونق عروج پر تھی۔

اگلے دن دانیال کی مہندی کا فنکشن تھا۔ باتوں کے ساتھ ساتھ سب تیاریوں میں بھی لگے ہوئے تھے۔ خاصی افراتفری مچی ہوئی تھی۔

"اف! میرا دوپٹا سوٹ کے ساتھ میچ نہیں کر رہا۔" سونیا آپی نے کہا تو عاطف بھائی بری طرح جھنجلائے تھے۔

"یہ تم پہلے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اب جو بھی ہے۔"

"میری بیٹی کی سینڈل رہ گئی۔" یہ عافیہ تھی جواب میں اس کے شوہر نے اسے سخت سست کہا اور بیٹی کو سینڈل نہ پہنانے کا مشورہ دیتے ہوئے نکل گیا۔ تو میں نے شکر کیا کہ میں نے بچوں کی تمام چیزیں الگ بیگ میں رکھ لی تھیں۔ تاکہ ڈھونڈنے میں پریشانی نہ ہو۔

"مرد تو ایسے ہی جان چھڑاتے ہیں۔ میں اگر بھول گئی تھی تو عاصم کو یاد دلانا چاہیے تھا۔ ان کی بھی تو بیٹی ہے۔" عافیہ غصے میں بولے جا رہی تھی۔

"نہ۔۔۔ نہ۔۔۔ اولادیں صرف ماؤں کی ہی ذمہ داری ہوتی ہیں۔ مردوں سے امید رکھنا فضول ہے۔" نادرہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔

"تمہارا کیا رہ گیا؟" میں نے بلا ارادہ پوچھا تھا۔

"میرے سوٹ ابھی تک درزی کے پاس پڑے ہیں۔ میاں صاحب ہیں کہ انہیں لانے کی فرصت ہی نہیں مل رہی۔" نادرہ نے بتایا تو عافیہ اچھل کر پوچھنے لگی۔

"ہائے نادرہ! پھر تم کل کیا پہنو گی؟"

"پتا نہیں۔" نادرہ سچ مچ روہانسی ہوگئی تھی۔ تب ہی احسن نے آکر مجھے پکارا تھا۔

"رومی۔"

"جی۔۔۔" میں نے انہیں دیکھا تو پوچھنے لگے۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے' کل کے فنکشن کی سب تیاری مکمل ہے۔ کچھ رہ تو نہیں گیا۔"

"نہیں۔۔۔ میں نے سب رکھ لیا تھا۔"

"پھر بھی چیک کرلو۔"

وہ کہہ کر کزنز کے ساتھ باتوں میں لگ گئے تو میں نے اٹھ کر پہلے اپنا سوٹ کیس کھولا۔ اس کے بعد بچوں کا بیگ۔۔۔ اف بچوں کا بیگ پتا نہیں کہاں تھا۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی۔ کہیں ہوتا تو ملتا' وہ تو میں شاید وہیں بھول آئی تھی۔ شاید نہیں یقیناً"۔ مجھے یاد آیا کہ بچوں کا بیگ میں نے کہاں رکھا تھا۔ اپنی بھول پر ماتم تو بعد میں کرتی' میں گھبرا کر بھاگتی ہوئی واپس اسی کمرے میں آئی تھی۔

"احسن! بچوں کا بیگ تو وہیں رہ گیا۔"

"ارے۔۔۔" احسن ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

کمرے میں موجود میری کزنز شاید اب میری شامت دیکھنے کی منتظر تھیں اور وہ منتظر ہی رہیں۔ احسن اسی وقت مجھے لاہور لے گئے۔ بچوں کی نئے سرے سے شاپنگ کرائی' ساتھ میری بھی کہ کہیں میری کوئی چیز کم نہ پڑ جائے۔

شام ڈھلے ہم واپس آئے تو میں بہت تھک چکی تھی۔ خیال تھا' کھانا کھاتے ہی سو جاؤں گی۔ بچوں کی فکر نہیں تھی' وہ امی کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ میں نے جلدی جلدی کھانا کھایا' لیکن اس کے بعد کزنز نے جو محفل جمائی تو مجھے سونے ہی نہیں دیا۔

"کیا ہے رومی' سالوں بعد تو آئی ہو۔ بیٹھو ہمارے ساتھ۔" سونیا آپی نے ڈانٹ کر کہا تو مجھے بیٹھنا پڑا۔

پھر ان سات سالوں میں یہاں کیا' کیا ہوا اور میں نے وہاں کیسا وقت گزارا' ایسی ہی باتوں کے دوران سونیا آپی نے اچانک پوچھا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو رومیلہ۔"

"جی۔۔۔" میں نے ابھی انہیں دیکھا تھا کہ نادرہ کہنے لگی۔

"صرف خوش قسمت نہیں سونیا! بہت خوش قسمت۔"

"ہاں۔۔۔ مجھے تو رشک آرہا ہے۔" عافیہ شروع ہوگئی۔ "کتنے اچھے ہیں احسن بھائی! کتنا خیال رکھتے ہیں اس کا۔ بچوں کا پورا بیگ بھول آئی۔ ان کے ماتھے پہ شکن تک نہیں آئی۔ فوراً" لے جا کر شاپنگ کرادی۔ میں ایک بچی کی سینڈل کیا بھولی' اتنی باتیں سنا ڈالیں عاصم نے۔"

"یہاں سب ایسے ہیں۔ ذرا خیال نہیں کرتے' سب کے سامنے سخت سست کہنا شروع کردیتے ہیں۔ ہماری تو جیسے کوئی عزت ہی نہیں۔" نادرہ نے سر جھکا تھا۔

اور میں ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"میں احسن سے کہوں گی' واپس آجائیں۔ چھوڑیں آسٹریلیا۔ یہاں رہیں گے تو انہیں دیکھ کر شاید ہمارے میاں بھی کچھ انسان بن جائیں۔" سونیا آپی نے کہا تو عافیہ آہ بھر کر بولی۔

"مشکل ہے سونیا آپی! ویسے بھی یہ تو قسمت کی بات ہے۔ اب ہماری قسمت رومیلہ جیسی تو نہیں ہوسکتی۔" پھر اچانک میری ٹھوڑی پکڑ کر پوچھنے لگی۔

"تم تو بہت خوش ہوگی۔"

"میں۔۔۔" اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے یک لخت مجھے عافیہ کی بات یاد آئی تھی۔

"کتنے احمق مرے تھے تو تم پیدا ہوئی تھیں۔"

اس نے ٹھیک کہا تھا' لیکن اب میں اسے یہ بات دہرانے نہیں دوں گی۔ جب ہی ادھر میں نے زور' زور سے اثبات میں سر ہلایا' ادھر دل احسن کی محبتوں کے اعتراف میں زور' زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

✡

عطیہ خالد

خالہ

"خالہ! اس بار تو آپ قربانی کر ہی ڈالیے۔ ماشااللہ عاقب کی بھی ترقی ہو گئی اور نومی کو بھی اس کی خواہش کے مطابق نوکری مل گئی۔" بڑی دیر سے دانی خالہ کو قربانی کے لیے اکسانے کی کوشش کر رہا تھا۔



"تو تم یہ جامنیں کھاؤ۔ بڑی میٹھی ہیں۔ میں سو روپے کلو لائی تھی۔" خالہ نے بات بدلنے کی خاطر دانی کی طرف جامنوں کی ٹوکری بڑھائی' جو اسی کی آمد پر اخبار تلے چھپائی تھی۔ منا اور نومی بھی ساتھ والی چارپائی سے ہاتھ بڑھا بڑھا کر جامنیں لینے لگے۔

"خالہ! میں تو کہتا ہوں اس بار آپ ایک چھوڑ دو بکرے قربان کیجیے۔" دانی نے جامن کی گٹھلیاں ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا۔

"آپا کو بھی لے آتے دانی۔" خالہ نے نئی بات نکالی۔

"اماں اور رابعہ کل آئیں گی۔ آپ بتائیے کہ میں عاقب کو ساتھ لے جاؤں بکرا منڈی۔ ایک سے ایک جانور موجود ہے ہماری سائڈ والی بکرا منڈی میں۔ کل ہی میں نے ستائیس ہزار میں بہت عمدہ بکرا خریدا ہے۔"

"ہئی ہئے' بے وقوف بنا دیا کسی ٹھگ نے۔ ستاس' ستاسی۔ ستاوس (ستائیس ہزار کسی طرح نہ نکلا منہ سے) ہزار!" خالہ نے دانی کی کم عقلی پر سر پیٹ لیا۔

"چلو اب تو تم لے ہی چکے بکرا۔ ہمارا بھی نام لے دینا قربانی کے وخت۔ ارے سارے خاندان کی طرف سے ہو جائے گی قربانی۔" خالہ کا لہجہ نہایت میٹھا تھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں خالہ! آپ۔ میری قربانی تو میرے گھر والوں کی طرف سے ہوگی۔" دانی حیران ہو کر بولا۔

"سب باتیں چھوڑیے' آپ بس پیسے دیجیے' میں عاقب اور نومی کو ساتھ لے جاتا ہوں بکرا منڈی۔ صرف تین دن ہی تو ہیں بیچ میں۔"

"میں کہتی ہوں دانی قربانی کا کیا ہے' وہ تو اگلے سال بھی ہو سکتی ہے۔ ابھی تو عاقب کی شادی کا پہاڑ جیسا خرچا سامنے ہے۔" خالہ بھلا کیسے مان جاتیں۔ خرچ کرتے تو ان کی جان جاتی تھی۔ دانتوں سے پیسہ پکڑنے کا محاورہ صحیح معنوں میں خالہ پر صادق آتا تھا۔

"امی دے دیجئے نا پیسے۔ شادی کے خرچے کے لیے تو پوری رقم میں آپ کو دے چکا ہوں اور آپ کی کمیٹی بھی تو نکلی ہے۔" عاقب نے بھانڈا پھوڑا۔ خالہ نے پنکھے کی ڈنڈی عاقب کے ہاتھ پر مارتے ہوئے جامنوں کی ٹوکری پھر سے اخبار کے نیچے چھپالی۔

"ارے واہ! نکل آئی آپ کی کمیٹی خالہ۔ اب تو گوشت کے ساتھ مٹھائی بھی پکی۔"

"کمیٹی تو عاقب کی شادی کے لیے سنبھال رکھی ہے۔ گڑے گڈیوں (گڈے گڑیوں) کا کھیل ہے کیا بیاہ شادی؟" گڑے گڈی سنتے ہی چاروں ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ خالہ ان کے ہنسنے کو نظرانداز کر کے کچن میں پکتی ہانڈی بھوننے لگیں۔ آج عاقب کی فرمائش پر سفید قیمہ پک رہا تھا۔

"منے تم جا کر تندور سے روٹیاں لے آؤ۔ مل کر سفید قیمہ کھاتے ہیں۔" عاقب نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے منے کو اٹھایا۔

"دانی اپنا ہی بیچا (بیٹا' بچہ) ہے۔ اسے اب گھر جانے دو۔ رابعہ اس کی راہ تکتی ہوگی۔" خالہ نے سفید قیمہ دو دن چلانا تھا۔ بھلا دانی کو وہ اس میں سے کیسے کھلا دیتیں۔ دانی کی شکل مارے کھسیاہٹ کے عجیب سی ہو گئی' مگر عاقب نے اسے اٹھنے نہ دیا۔

"روز بھابھی کے ساتھ کھاتا ہے' آج ہمارے ساتھ کھا لے گا تو کوئی حرج نہیں ہو جائے گا۔" ادھر منا روٹیاں لے کر پہنچا' ادھر نومی کھانے لگا دیا۔ مزے دار سفید قیمہ کھا کر سب نے پھر سے خالہ کو گھیر لیا۔

"نکالیے امی پیسے۔ ہم منڈی جائیں گے۔"

"ہاں خالہ.... جلدی دیجیے۔"

"کوئی پیسہ نہیں ہے میرے پاس۔ غریبوں پر قربانی فرض نہیں۔"

"توبہ کیجیے خالہ۔ آپ اگر غریب ہیں تو غریب بے چارے کیا ہوئے۔"

"دیکھیے سارے خاندان میں آپ کی واہ واہ

ہو جائے گی۔ آپ دو بکرے قربان کیجیے اور سارا گوشت بانٹ دیجیے۔ محلے والوں پر آپ کی فیاضی کی دھاک بیٹھ جائے گی۔" دانی نے خالہ کے کمزور پوائنٹ کو دبایا تھا۔

"سارا گوشت بانٹنے کی بھلی کہی تم نے بیٹا۔ کون بانٹتا ہے سارا گوش۔ سب فریج' فریزر بھر لیتے ہیں اپنے۔ خیر ہمیں اوروں سے کیا۔ جس کوس جانا نہیں اس کے گاؤں گننے کا کیا فائدہ۔"

"خالہ! آپ بھی آدھا گوشت بانٹ کر آدھا اپنے لیے رکھ لینا۔" دانی نے خالہ کو لالچ دیا۔

"دیکھیے خالہ! اگر پندرہ کلو بھی گوشت نکلا اور آدھا آپ نے بانٹ دیا تب بھی سات آٹھ کلو گھر کے لیے بچ جائے گا۔"

"کہہ تو تم صحیح رہے ہو بیٹا۔ ہم اسی طرح کریں گے۔" خالہ نے دل ہی دل میں حساب لگا کر آمادگی ظاہر کی۔

"ارے کمال کر دیا آپ نے خالہ..... یعنی آپ قربانی کے لیے تیار ہیں۔ واہ بھئی واہ۔ بس آپ جلدی کیجیے' پیسے نکالیے۔"

"میں چلوں گی منڈا بکری۔ (بکرا منڈی) خریدنے۔ تم لوگ بے وقوف بن جاؤ گے۔ جانے کیسا جانور لے آؤ۔"

"خالہ! خالہ! بکرا منڈی میں کہاں جاتی ہیں عورتیں بھلا۔" دانی نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"امی! ہم نہیں لے جائیں گے آپ کو ساتھ۔ ساری منڈی میں ہمارا مذاق بن جائے گا۔" عاقب بولا۔

"تو پھر بھول جاؤ بکرا وکرا۔" خالہ نے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر ماتھے پر دوپٹا باندھ لیا جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اب وہ آرام کرنے لگی ہیں۔

"اچھا ٹھیک ہے' آپ بھی چلیے۔ لیکن بس جانور پسند کرنے کی حد تک۔ مول بھاؤ ہم خود کریں گے۔" دانی نے قصہ کوتاہ کیا۔

☆ ☆ ☆

"ارے بھیا! وہ کالا بکرا دکھانا۔ کیا قیمت لگائی ہے اس کی تم نے۔" منڈی پہنچتے ہی خالہ کی پھرتیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔

"ارے بھئی وہ کالا چھوڑو۔ وہ دکھاؤ سفید بکرا۔ ہم تو سفید لیں گے۔ سفید بکرے کی شان ہی الگ ہوتی ہے۔" دکان دار نے کالے کو دوبارہ کھونٹے سے باندھا اور سفید کو سامنے لے آیا۔

"بکرا نہیں ہے' یہ ہیرا ہے ہیرا۔ داد دیتا ہوں آپ کی نگاہ کی خالہ۔" دکاندار نے دکان داری چمکائی۔

"ارے خالہ کسے بولا تم نے بڑے میاں۔ تم سے آدھی ہوں میں عمر میں۔ وہ تو ماں' باپ نے شادی بچپنے میں کر دی تھی۔"

"اچھا معاف کیجیے گا بہن جی۔ میں نے بچے کی دیکھا دیکھی آپ کو خالہ کہہ دیا۔"

"آپ بکرا چیک کیجیے۔" اس نے بکرے کو عین خالہ کے سامنے کر دیا۔

"کیا قیمت لگائی تم نے اس کی۔" خالہ پھر بولیں۔ دانی منہ کھولتے کھولتے رہ گیا۔

"آپ کے لیے صرف تیس ہزار خالہ۔" دکان دار کی خراب قسمت کہ اس نے پھر خالہ کہہ دیا۔

"کمینے! پاجی! پھر خالہ کہہ رہا ہے مجھے۔ ہمیں نہیں لینا تجھ سے جانور۔" خالہ کی تو گردن کی رگیں پھول گئیں' نتھنے پھڑکنے لگے۔ دکان دار نے معافی مانگتے ہوئے ٹھنڈی یخ پیپسی خالہ کو پیش کی اور موڑھا ان کی طرف بڑھایا۔ خالہ نے بوتل جھٹ پکڑ لی' لیکن پیر مار کر موڑھا الٹا دیا اور اس کے ٹینٹ کو چھوڑ اگلے دکان دار کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"بڑے میاں! کیا قیمت لگائی تم نے اپنے جانوروں کی؟" خالہ نے اچھے خاصے جوان کو بڑے میاں کہہ کر پیش بندی کر لی۔

"یہ کالا بکرا چھبیس ہزار کا' وہ بھورا تیس ہزار کا اور یہ دیکھیے کالا۔ چالیس ہزار کا ہے۔ بکرا کا ہے کو ہے بیل

ہے پورا بیل۔" دکان دار نے بکرے کو سہلایا۔

"ہاں.... ہاں.... بڑے میاں بیل ہی ہے یہ تو۔ یہ تو تم اپنے جیسے کسی بے وقوف کے لیے رکھو۔ ہمیں دینا ہو تو بولو۔ دس ہزار سے نہ ایک کم' نہ ایک زیادہ۔" دکان دار کی آنکھیں حیرت سے ابل گئیں۔

"آپ نے بکرا خریدنا ہے یا صرف دیکھنا ہے خاتون۔" دکان دار جلبلا کر بولا۔

"زیادہ بڑبڑ مت کرو بڑے میاں! ہم بکرا لینے آئے ہیں اور لے کر ہی جائیں گے۔" خالہ نے منہ پر ہاتھ پھیر کر لمبی سی ڈکار لے کر پیپسی کی خالی بوتل دکان دار کی چارپائی پر لڑھکائی اور اگلے تنبو کی طرف چل پڑیں۔

"امی! کیا کر رہی ہیں آپ۔ ایسے تو خرید چکے ہم جانور۔" عاقب نے خالہ کے کان میں کہا۔

"ہٹاؤ اپنی نصیحتیں۔ ایک تو گرمی سے کھوپڑی پلپلی ہوئی جا رہی ہے۔ اوپر سے یہ دکان دار سب ایک سے بڑھ کے ایک فراڈیے۔"

"وہ تو بھلا ہوا میں ساتھ آ گئی۔" اب تک آدھی سے زیادہ منڈی ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ عاقب اور دانی الگ شرمندہ نظر آ رہے تھے۔ لیکن خالہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ بھلے ساری دنیا دیکھے یا ہنستی رہے۔

"وہ دیکھو گوس لینگوں (گول سینگوں) والا بکرا۔"

"ارے بھیا! اس بکرے کی قیمت تو بتانا ذرا۔" خالہ کو بکرا بہت پسند آیا تھا۔

"ویسے تو اس کی قیمت پچاس ہزار ہے۔ لیکن صرف آپ کے لیے پینتالیس ہزار۔"

"کیوں میاں! سونا لگا ہوا ہے تمہارے بکرے کے سینگوں میں۔" خالہ بھلا چوکنے والی تھیں۔

"بادام کھلا کھلا کر پالا ہے میں نے اسے خاتون! معمولی بکرا نہیں ہے یہ۔"

"ارے وہی بادام خود کھائے ہوتے تو آج عقل کو ہاتھ مارتے۔ بھلا کوئی باداموں کو بھی بکرا کھلاتا ہے۔"

"اچھا دینے کی بات کرو۔" عاقب فوراً بول اٹھا۔

"بس پندرہ ہزار کافی ہیں اس کے۔" خالہ کا دل بکرے پر آ گیا تھا۔

"جائیے' جائیے! آگے جائیے' ہماری دکان داری خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔" دکان دار کو تو آگ ہی لگ گئی تھی جیسے۔

"جروا سے لڑائی کر کے آئے ہو کیا میاں۔" خالہ کیوں چپ رہتیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا' خالہ اگلے تمبو میں پہنچ چکی تھیں' جہاں ہر سائز اور ہر عمر کا بکرا دستیاب تھا۔ سب سے تندرست بکرے پر ہاتھ رکھ کر خالہ بولیں۔

"کتنے بکروں میں دو گے پیسا میاں۔"

"بھائی! کتنے میں دو گے۔ یہ بکرا۔" عاقب نے جلدی سے تصحیح کی۔

"اٹھائیس ہزار ہے اس کی قیمت۔"

"ارے لو! ہمارے پڑوسی اس کا جڑواں بھائی لائے ہیں صرف آٹھ ہزار میں۔" خالہ نے ناک پر ہاتھ دھر کر فرمایا۔

"اماں! اماں! کچھ خدا کا خوف کریں۔ تیس ہزار کا بکرا لائے ہیں شیخ صاحب۔" عاقب خالہ کے کان میں منمنایا۔ خالہ نے دونوں آنکھیں داب کر اسے تنبیہہ نما اشارہ کیا۔ اور دانی کا منہ کھلتا دیکھ کر اسے زور سے کہنی ماری اور بولیں۔

"دیتے ہو تو بولو' دس ہزار میں۔ ہم تو دو ہزار بڑھ کر دے رہے ہیں تمہارے بچوں کے خیال سے۔"

"خاتون آپ کا ارادہ نہیں ہے جانور لینے کا۔ آپ بس ہمارا وقت خراب کرنے آئی ہیں۔"

"ارے خانہ خراب لونڈے! تیرا وقت تو تیری پیدائش کے وقت سے خراب ہے۔ صورت برس رہی ہے نحوست سے۔" دکان دار بجائے غصہ کرنے کے جملہ سن کر ہنس پڑا۔ اسے ہنستا دیکھ کر دانی اور عاقب کو حوصلہ ہوا۔ اور خالہ اگلی چھول داری میں پہنچ کر بھاؤ تاؤ کرنے لگیں۔ ایک درمیانہ سا سفید رنگ کا نہایت خوب صورت بکرا تھا۔ خالہ تو چاؤ میں اسے گود میں اٹھانے بڑھیں تو اس نے جما کر لات ماردی۔ خالہ

کی قسمت۔ ساتھ ہی کھونٹا گڑا تھا۔ لڑکھڑا کر اسی کھونٹے پر جا گریں۔ ان کی "ہائے ہائے" سن کر ارد گرد کے دکان دار اور گاہک اکٹھے ہو گئے۔

"ارے منحوس مارو! تم سب نے نظر لگائی میری مورنی جیسی چال کو۔ عید سے پہلے گر کر ٹانگ ٹوٹ گئی۔" معمولی موچ کو خالہ کے واویلے نے ہڈی کا ٹوٹنا بنا دیا۔ بڑی مشکل سے دانی اور عاقب نے سمجھا بجھا کے چارپائی پر بٹھایا۔ اور لیمونیڈ کی بوتل منہ سے لگائی۔ لیمونیڈ پیتے ہی خالہ کی زبان رواں ہو گئی۔

"ارے خدا کی مار ہو چوتوں پر۔ بیٹھنے کے لیے لوٹے ہیں خلق خدا کو۔ ارے روز حشر کس منہ سے جاؤ گے۔" دانی نے بڑے پیار سے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"چلیے خالہ! ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

"ارے دفعان کرو موئے ڈاکٹر کو۔ میں ہلدی تیل کی لپٹس (پلٹس) بنا کے باندھوں گی۔ چٹکیوں میں آرام آجائے گا۔"

"ٹھیک ہے خالہ، گھر ہی چلتے ہیں۔" دانی نے سہارا دے کر خالہ کو اٹھایا، لیکن پاؤں پر وزن نہ پڑا۔ لہرا کر دوبارہ چارپائی پر گر پڑیں۔ اتنے میں عاقب رکشا بالکل قریب لے آیا اور خالہ کو گود میں اٹھا کر رکشے پر بٹھا دیا۔ دکان دار نے جونہی گاہک کو جاتے دیکھا تو فوراً بولا۔

"یہ بکرا صرف بیس ہزار میں لے جائیے۔"

"دس ہزار سے ایک دھیلا بھی نہ دوں گی زائد۔"

"اٹھا کر رکھ دو اسے رکشے پر دانی بیٹا۔" اور برقعے کی جیب سے تھیلی نکال کر پانچ پانچ ہزار کے دو نوٹ نکال کر اسے پکڑائے۔

"کیوں مذاق پر تلے ہوئے ہیں آپ لوگ، اس گرمی میں۔ میں اٹھارہ ہزار سے ایک پائی بھی کم نہ لوں گا۔"

"اور میں اس سے زیادہ ایک پایا نہ دوں گی۔" (زیادہ ایک پائی نہ دوں گی۔) خالہ نے ایک ہزار کا نوٹ بکرے پر سے وار کر دکان دار کی چارپائی پر پھینکا اور عاقب اور دانی کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں، ہاں دیتی ہوں تمہیں پوری رقم تم رکشا تو بند ہواؤ ذرا بکرے پر۔" دکان دار تذبذب میں کھڑا خالہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا پٹر پٹر دیکھ رہے ہو میاں، بند ہواؤ رکشے پر بکرا۔" (درست لفظ کسی طرح نہ نکلا منہ سے۔) خالہ نے تھیلی میں سے ایک پانچ ہزار کا نوٹ آدھا نکال باہر کیا۔ صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں۔ نوٹ پر نظر پڑتے ہی دکان دار نے بکرا رکشے پر بند ھوا دیا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھی خالہ نے جھٹ پانچ ہزار کا نوٹ اندر کر کے سو، سو کے دس گیارہ نوٹ نکال کر اسے پکڑائے۔ اس سے پہلے کہ وہ غریب رقم گن پاتا۔ خالہ بولیں۔

"ارے بیٹا! چال تو دکھانا اپنے طیارے کی۔" خالہ نے رکشے والے کو کہا۔ رکشے والا جوش میں رکشا اڑا کر لے گیا۔ عاقب اور دانی ہکا بکا دکان دار کی واہی تباہی سن رہے تھے۔ اس نے دونوں کو پکڑ کر چارپائی پر بٹھا لیا اور رقم کا مطالبہ کرنے لگا۔ عاقب کی جیب سے چار ہزار روپے نکلے، جبکہ دانی کے پاس گیارہ سو روپے تھے۔ دکان دار نے دونوں سے وہ پیسے نکلوا لیے اور دونوں اس کی بک جھک سنتے ہوئے منڈی سے نکلے۔ غریبوں کے پاس ویگن یا رکشے تک کے پیسے نہیں رہے تھے۔ شدید گرمی و حبس میں دونوں پیدل گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ گھر داخل ہوئے تو خالہ منے اور نومی کی مدد سے بکائن کے نیچے بکرے کو بند ھوا چکی تھیں۔ محلے کے بچے بھی موجود تھے۔ خالہ اپنے پیر کی ٹکور کر رہی تھیں۔

دونوں آکر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ نومی نے سکنجبین کے گلاس لا کر دونوں کے سامنے رکھ دیے۔ دونوں غٹاغٹ جگ ختم کر کے وہیں برآمدے میں ہی لیٹ گئے۔ غنیمت خالہ خاموش ہی رہیں۔

تین دن تک سب بکرے کی خوب خدمتیں کرتے رہے۔ عید کی صبح قصائی بکرا قربان کر گیا۔ خالہ مستقل منہ پر دوپٹا ڈالے اسے ہدایات دیتی رہیں۔ غریب بھلا مانس تھا، چپ چاپ بکرا بنا کر اپنی اجرت سے آدھی وصول کر کے چل دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اگر ذرا بھی چوں چرا

کی تو اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

بڑی ہی ایمان داری سے خالہ نے گوشت کے تین حصے کردیے تھے۔ بنا ہڈی کا گوشت، چانپیں اور کلیجی اپنے لیے ہڈی اور چربی کے دو برابر کے حصے رشتہ داروں اور غربا کے لیے۔

"یہ بھی مت بانٹیے اماں! حفاظت سے سب فریزر میں رکھ دیں۔" نومی چڑ کر بولا۔ تینوں بھائیوں نے گوشت بانٹنے سے صفاچٹ انکار کردیا تھا۔ خالہ نے اس کا حل نکال لیا تھا۔ محلے کے بچوں کو ٹافیاں دے کر پہلے ہی تیار کرلیا تھا۔ آدھے گھنٹے میں دس 'بارہ گھروں میں چربی اور ہڈیاں بانٹ کر فارغ ہو بیٹھی تھیں۔

"اماں! جو دو رانیں آپ نے رکھوائی ہیں ان میں سے ایک میں عروسہ کے گھر لے جاؤں گا۔"

"اے لو! اور سنو اس لڑکے کی گنگی الٹا (الٹی گنگا) کہیں لڑکے والے بھی لڑکی والوں کے گھر ران بھیجتے ہیں۔"

"کہاں لکھا ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں کے گھر ران نہیں بھیج سکتے۔ آپ نے عید پر جوڑا تک دینے نہیں دیا۔" عاقب ناراضی سے بولا۔ البتہ یہ بات الگ تھی کہ بالا ہی بالا اس نے جوڑا مع چوڑیوں' جوتے کے عروسہ کو پہنچا دیا تھا اور وہ ہی گل ناری جوڑا پہنے' غازے سرخی سے لیس مجسم انتظار بنی ہوئی تھی۔

"تیار کرلیا ہے میں نے نفیسہ کا لفافہ۔" خالہ نے بڑے سائز کا ایک سیاہ لفافہ عاقب کو پکڑایا۔

"تم چل کر رکشا روکو' میں برقع اوڑھ کر آتی ہوں۔" کچھ ہی دیر میں وہ سب رکشے میں بیٹھ کر نفیسہ خالہ کے گھر جارہے تھے۔ عروسہ اور نفیسہ خالہ نے بڑا شان دار استقبال کیا۔ ٹھنڈی یخ پیپسی پلائی' پھر چائے کے ساتھ سموسے اور مٹھائی۔ ساتھ ساتھ دونوں باورچی خانے میں جاکر دوپہر کے کھانے کی تیاری بھی کررہی تھیں۔ باورچی خانے سے بڑی لذیذ خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ دسترخوان بچھا تو قاب میں بھنی ہوئی ران دیکھ کر خالہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"خالہ! ران پکانے کی ساری تیاری تو عروسہ نے رات ہی کرلی تھی۔ عاقب نے بتادیا تھا کہ آپ لوگ ران لے کر آئیں گے۔ ہم نے سوچا اسی ران سے خالہ کی تواضع کریں گے۔" نفیسہ نے خالہ کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ خالہ کی تو حالت ناقابل بیان تھی۔ عاقب کو گھور کر چپکی ہورہی تھیں۔ البتہ منا اور نومی بھاگ بھاگ کر عروسہ کے ساتھ دسترخوان کے دیگر لوازمات لا رہے تھے۔ کچھ بھی ہو نفیسہ کے ہاتھ میں بلا کا ذائقہ تھا۔ ران ایسی لذیذ روسٹ ہوئی تھی کہ سب انگلیاں چاٹ رہے تھے۔ نفیسہ خالہ بار بار خالہ کی پلیٹ بھر دیتیں۔ ان کا مزاج بھی کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ آخر میں فالودے نے تو رہی سہی کوفت بھی ختم کردی۔ خالہ نے بھی ہنس ہنس کر باتیں شروع کردیں۔

ابھی دسترخوان سمیٹا ہی گیا تھا کہ دانی' آپا اور رابعہ کے ساتھ داخل ہوا اور بڑا سا گوشت کا لفافہ نفیسہ کے حوالے کیا۔ ان سب کے آجانے سے رونق دوبالا ہوگئی۔ فالودے کا دوسرا دور چلا۔

"سب اکٹھے ہیں' بانو! تم شادی کی تاریخ پکی کر ڈالو۔" آپا نے خالہ کو مخاطب کیا۔

"کہو نفیسہ! کیا کہتی ہو بیچ اس معاملے کے۔" غنیمت خالہ کا پیچیدہ جملہ مکمل سیدھا تھا۔

"اسی مہینے کی آخری جمعرات کیسی رہے گی۔" نفیسہ کے میاں بولے۔

"ارے واہ! بالکل ٹھیک ہے۔" آپا بولیں تو خالہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ جوں ہی خالہ نے ٹھیک ہے کہا عروسہ شرما کر دوپٹا دانتوں میں دبا کر بھاگی تو سب ہی ہنس پڑے۔

نادیہ جہانگیر

"کان کھول کر سن لیں آپ۔ میں اس دفعہ قربانی کروں گی تو بڑے بیل کی ورنہ چھوٹی موٹی چیز تو میں گھر میں گھسنے بھی نہیں دوں گی۔"

عامر نوٹ بک لیے دکان کا حساب کتاب لکھنے اور سمجھنے میں مصروف تھا جب زریں نے حسب عادت بھاری آواز کو اور بھی بھاری بنا کر حکم دینے کے ساتھ



دھمکی بھی دے ڈالی۔ عامر نے سر موڑ کر اسے دیکھا تو وہ کمر کے ایک جانب ہاتھ ٹکائے بڑے جارحانہ انداز سے کھڑی اسے گھورے جا رہی تھی۔

"جو بھی قربانی کریں گے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق کریں گے۔" جواباً اس نے اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لب و لہجے میں کہا تو وہ تلملا کر رہ گئی۔

"استطاعت... یعنی ایک بار پھر سستا سا بکرا...؟"

"جتنی انسان کی استطاعت ہو اسے وہی کرنا چاہیے۔" اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔

زرین کی گھوری میں اور زور آ گیا۔ آنکھیں غصے سے گویا ماتھے سے بھی اوپر جا لگیں۔ "اگر آپ نے بکرا ہی خریدنا ہے تو خبردار جو قربانی کرنے کا سوچا بھی تو۔"

پیر پٹخ کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ عامر نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے گہری سانس خارج کی اور پھر سر جھٹک کر دوبارہ سے اپنی کاپی پہ جھک گیا کہ عید تک اسے اپنی دکان پہ نئے جوتے لانے تھے اور ایسے میں وہ اپنے نفع نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے نیا مال لانا چاہتا تھا۔ کہیں سے ادھار نہ لینا پڑے' یہ سوچ اس کے دماغ کو ہلا رہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ادھار لے کر وہ اپنی دکان میں نیا مال ڈالے اس لیے وہ اپنی ہمت کے مطابق مال لانے کا سوچ رہا تھا۔ ایسے میں وہ اپنی دی جانے والی "قربانی" کو بھی نظر میں رکھے ہوئے تھا کہ اسے کتنے میں کون سا جانور عید قربان کے لیے مل سکتا ہے۔ اس لیے وہ بہت سوچ سمجھ کر آگے جانا چاہتا تھا۔

٭ ٭ ٭

"میں تو اس دفعہ نوے ہزار کے بیل کی قربانی کر رہی ہوں۔ افتخار تو بیل کل لے بھی آئے۔ اتنا ہیوی بیل ہے گوشت ہی گوشت' ہڈی تو نکلے گی ہی نہیں۔"

اس کی پرانی دوست سلمٰی اس کے گھر آئی ہوئی تھی۔ وہ کچن میں اس کے لیے شربت بنانے گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی۔ اس کے دل کو ـــــ کچھ ہوا۔

"اچھا... یہ تو اچھی بات ہے۔" گلاسوں میں شربت انڈیل کر وہ برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالنے لگی تو سلمٰی اس کے فریج پہ جھک گئی۔

"تم نے ابھی تک وہی پرانا فریج سنبھال رکھا ہے۔ پچھلے سال بھی تمہارا اتنا گوشت خراب ہوا تھا۔ اب کی بار تو نیا لے لیتیں۔"

"لینا تو تھا لیکن عامر نے اس بار پھر اچھا خاصا نیا مال دکان میں ڈال لیا۔ اب نفع ہو گا تو ان شاء اللہ ریفریجریٹر لوں گی۔"

"چلو... یہ فریج بھی خاصا گوشت فریز کر لے گا۔"

"ہاں' اچھا خاصا گوشت اوپر سما جاتا ہے۔" اس نے عام سے انداز سے کہتے ہوئے گلاس ٹرے میں رکھ کر باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے کہ سلمٰی وہاں کوئی اور ایسی چیز نہ دیکھ لے جس سے ان کی "اندرونی حالت" ظاہر ہو جائے۔

"میں نے تو اس دفعہ اپنی نئی دیورانی کا فریج بھی چالو کر لیا ہے' اچھا ہے نا گوشت ضائع نہیں ہو گا۔"

"تمہاری نئی دیورانی نے مائنڈ نہیں کیا۔ ابھی اسے آئے ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہارا دیور اس کو نئے گھر میں رکھنا چاہ رہا ہے۔ وہاں سارا سامان نیا ہی تو استعمال کریں گے۔"

"ہاں ہے تو ایسا ہی لیکن اس کا فریج ڈبے سے باہر نکالنا مجبوری ہے نا... اب اتنے بڑے جانور کی قربانی کرنی ہے۔ گوشت ایک فریج میں بھلا کہاں پورا آ سکے گا... دو ہوں گے تو خاصے دن نکل جائیں گے۔"

جوس پیتے ہوئے سلمٰی نے اپنی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تو اس نے سر ہلایا۔ سلمٰی نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"کیا مطلب' کیسا ارادہ...؟" وہ سمجھ تو گئی مگر انجان بنی۔

"تمہیں قربانی نہیں کرنی؟"

"کرنی تو ہے لیکن۔۔۔"
"لیکن۔۔۔ کیا؟"
"لیکن یہ کہ میں بھی اس دفعہ کسی بھاری جانور کو لینے کا ارادہ کر رہی ہوں۔"
"تو کب لو گی‘ اب عید میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"
"عامر کہہ رہے تھے آج یا کل وہ منڈی کا چکر لگائیں گے۔" وہ ۔ منمناتی سی آواز سے بولی گویا رو دینے کو تھی۔
"ہاں تو ٹھیک ہے نا‘ تم آ کے میرا بیل دیکھو پھر اسی طرح کا لینا تم لوگ بھی۔" سلمیٰ کے کہنے پہ وہ سر ہلا کر شربت پینے لگی۔
شام کو عامر آئے تو وہ بچوں کو ہوم ورک کراتی اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی۔
"منڈی کب جانا ہے؟"
"دو تین دن میں جاؤں گا‘ کیوں؟"
"عید میں بہت کم دن رہ گئے ہیں۔"
"تو کیا ہوا۔۔۔ جانور تو عید کے دن بھی بک رہے ہوتے ہیں۔"
"تو کیا آپ عید کے دن جانور لائیں گے؟" وہ چلائی۔
"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" کانوں پر ہاتھ رکھ کر عامر معصوم بنا۔ تو وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورنے لگی۔
"اچھا اب گھورو تو نہیں‘ میں ابھی لاہور سے دکان کا نیا مال لے کر آیا ہوں‘ بہت تھکن ہو گئی ہے۔ ایک کپ چائے تو پلا دو۔"
"دکان کے لیے نیا مال لانا ضروری تھا؟"
"ظاہر ہے‘ عید پہ ہی تو خرید فروخت زیادہ ہوتی ہے۔ باقی سال کا نفع ایک طرف‘ دونوں عیدوں کا نفع ایک طرف۔"
"آپ کو چاہیے تھا پہلے جانور لے آتے پھر نیا مال۔" وہ پھر اپنی بات پہ اڑی تو وہ مایوسی سے سر نفی میں ہلاتا وہیں صوفے پر ٹک گیا۔
"یار تم ایک ہی بات لے کر کیوں چپک جاتی ہو؟"
"کیوں کہ میں جانتی ہوں آپ بے حد لاپروا انسان ہیں۔" وہ تپ کر بولی۔ "میں لاپروا نہیں اپنی حیثیت کے مطابق چلنے والا انسان ہوں۔ جتنا بوجھ جتنا وزن اٹھا سکتا ہوں اتنا ہی اٹھاتا ہوں۔ زیادہ اٹھا کر وہیں زمین پہ بیٹھ جانے سے بہتر ہے بندہ تھوڑا اٹھائے اور اپنی منزل پہ پہنچ جائے۔"
"بس یہی کنجوسی کی باتیں کر کر کے مجھے حوصلے اور دلاسے دیتے رہیے گا۔"
"یہ کنجوسی کی باتیں نہیں کفایت شعاری اور قناعت پسندی ہے۔ بندے کے جتنا بس میں ہو‘ جتنا اختیار میں ہو اسے اسی دائرے میں رہ کر چلنا چاہیے۔"
اس نے اپنے رکھ رکھاؤ والے انداز سے اسے سمجھانا چاہا مگر جواباً۔ اس نے سر جھٹک دیا کہ اسی وقت اس کے موبائل کی آواز گونجنے لگی تھی اس لیے باقی بحث اس نے بعد کے لیے اٹھا رکھی اور فون سننے چل دی۔

☼ ☼ ☼

"زرین! ہم ایک نہیں دو دو بیلوں کی قربانی کر رہے ہیں۔" فون پہ چہکتی ہوئی آواز اس کی دیرینہ دوست نوین کی تھی‘ جس نے کال ریسیو کرتے ہی چہکنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ اس کا دل سکڑ سا گیا۔
"تم تو جانتی ہو ہم ہر سال ایک جانور کی قربانی کرتے ہیں لیکن اس دفعہ میں نے تو ضد ہی پکڑ لی کہ ایک نہیں پورے دو جانور ذبح کریں گے۔ لو جی احسان صاحب کو تو ماننی ہی پڑی۔" آخر میں نوین نے قہقہہ لگایا تو اس کے اندر تک اس کی گونج نے خاموشی پھیلا دی۔
"میں نے سوچا سب سے پہلے تمہیں بتاؤں۔ تم تو جانتی ہو میں اپنی ہر خوشی اپنی دوستوں سے سب سے پہلے شیئر کرتی ہوں۔" نوین کا انداز کھنکھناتا لہجہ اس کے اندر کی خوشی کی غمازی کر رہا تھا۔ زرین کا دل بیٹھنے

لگا۔

"اب تم بتاؤ میرے بیل کب دیکھنے آ رہی ہو.... اور اپنے بیل کا دیدار کب کراؤں گی؟"

"بہت جلد۔" تھوک نگلتے ہوئے اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا اور دو چار باتوں کے بعد فون کاٹ دیا۔

وہ ساری رات اس نے بے چینی میں گھر کر گزار دی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور جاسوئی اور جاگتے جاگتے رات آنکھوں میں ہی آکر ٹھہر گئی۔

"تمہیں کیا ہوا' یہ آنکھیں کیوں سوجی ہوئی ہیں۔" صبح عامر نے اس کا چہرہ دیکھا تو گھبرا سا گیا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے' جائیں اپنا کام کریں۔" غصے سے چیخ کر کہتی وہ دوبارہ سے کچن میں جا گھسی جبکہ عامر گہری نظروں سے اس کو دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

سکینہ بھابی اور بھائی اس سے ملنے آئے تو بھابی نے اسے بتایا کہ وہ لوگ اس دفعہ بکرے کی نہیں بلکہ بڑے بیل کی قربانی کریں گے' اسے گھر آنے کی دعوت دیتے سارا دن اس کے ہاں گزار کر وہ تو چلے گئے مگر اس کے اندر دور تک بے چینی پھیلا گئے۔ اسے بار بار یہ یاد آتا رہا کہ بھابی کس طرح اِترا اِترا کر اس کے سامنے بیل کی قربانی کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ چاہے بات کچھ اور ہو رہی ہوتی وہ گھما پھرا کر بات پھر اپنے خریدے گئے بیل پہ لے آتیں۔

اسے بھائی اور بھابی کے سامنے اپنی کم مائیگی کا احساس پہلے سے زیادہ ہوا' اسی لیے جب عامر پلٹ کر آیا تو وہ اس سے بات کرنے کے بجائے منہ پھیر کر بچوں کے کمرے میں چلی گئی۔ عامر سوائے گہری سانس لینے کے اور کیا کر سکتا تھا بھلا؟

☼ ☼ ☼

عید میں صرف دو دن رہ گئے تھے اور عامر ابھی تک منڈی گیا نہ کوئی جانور لایا۔ وہ سب کے مجبور کرنے پہ سب کے جانور دیکھ تو آئی لیکن اپنے گھر بلانے کی صرف خواہش ہی کر سکی کہ وہ کیا دکھاتی لوگوں کو۔ اسے عجیب طرح کی ندامت اور خجالت محسوس ہو رہی تھی۔ کہنے پر تو اس نے بھی سب کو بیل ہی کا کہہ دیا تھا لیکن اب دل بیٹھے جا رہا تھا کہ اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟ اور اس سے آگے سوچنے کا اس میں فی الحال حوصلہ نہیں تھا۔

اور پھر عید سے ایک دن پہلے جاننے والوں کے فون پہ فون آنے لگے۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ اس کا بیل آیا یا نہیں۔ اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود اُڑ کر جانوروں کی منڈی میں پہنچ جائے اور ایک ہٹا کٹا موٹا تازہ بیل بس لے ہی آئے۔

☼ ☼ ☼

اور پھر یوں ہوا کہ عید کا دن تو آن پہنچا مگر اس کا بیل نہیں آیا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ فون سن سن کر وہ تنگ آ گئی تو اس نے فون ہی بند کر دیا۔ بچوں کو نہلا دھلا کر بے زاری ہی کے عالم میں نئے کپڑے اور جوتے پہنا دیے جبکہ اپنے استری شدہ نئے کپڑے اٹھا کر دور پھینک دیے۔ کہ عامر اس سے بات کیے بنا ہی عید کی نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ جانور لایا نہ اس کی بات کی۔ پھر وہ کاہے کو عید کے کپڑے پہنتی کاہے کو عید مناتی؟

عید کی نماز پڑھتے ہی لوگوں کے گھروں سے لوگوں کے زور زور سے بولنے کی اور جانوروں کی دم توڑتی آوازیں آنے لگیں تو وہ غصے سے کچن کے دروازے کو تالا لگا کر اپنے بیڈ روم میں آلیٹی۔ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ آج نہ تو کچھ پکانا ہے اور نہ کھلانا ہے۔ بچوں کے سامنے فروٹ' مٹھائی اور کیک رکھ آئی تھی کہ وہ کھاتے رہیں اور دن گزار لیں۔

بیڈ پہ لیٹتے ہی اسے کرسی کے پاس پڑے اپنے نئے سینڈل نظر آئے تو اس نے غصے سے انہیں اٹھا کر کھلے دروازے سے پھینک ڈالا' لیکن اگلے ہی پل اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ پہلا سینڈل اندر آتے عامر کے لگا

تھا اور دوسرا اس نے سُرعت سے کیچ کر لیا تھا جبکہ اگلے ہی پل وہ سنبھل کر اس کی طرف سے منہ پھیر کر لیٹ گئی تھی۔

"یہ عید کا کیسا تحفہ ہے بھلا....؟" عامر سینڈل ہاتھ میں لیے اس کے سر پہ آن کھڑا ہوا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔

"کوئی اپنے مجازی خدا کو ایسے تحفے بھی دیتا ہے کیا؟" وہ پھر سے بولا تو وہ خاموشی سے بہتے آنسوؤں کو راستہ دینے لگی۔ وہ سینڈل نیچے رکھ کر اس کے سامنے آ گیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا وہ نیچے اپنا منہ چھپانے لگی۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"کیا کر رہی ہو؟" وہ کچھ نہ بولی۔

"رو لو' کھل کے رو لو۔" عامر کی اگلی بات نے اس کے حواس جھنجھنا دیے مگر وہ خاموش ہی رہی۔

"میں جانتا ہوں تم کیوں رو رہی ہو۔" اس نے ذرا سا جھک کر اس کے ماتھے پہ پڑی لٹ کو زور سے اپنی جانب کھینچا تھا۔

"جب پتا ہے تو پھر پوچھتے کیوں ہیں۔" وہ غصے سے چلا ہی تو اٹھی تھی۔

"یوں ہی بس دل لگی کے لیے...." وہ مسکرایا۔ وہ روتے ہوئے بھی کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم رو رہی ہو کہ تم نے اس بار جانور کی "شوبازی" نہیں کی۔ تم اس بات پہ بھی رو رہی ہو کہ تمہیں لوگوں کو حسد میں مبتلا کرنے کا موقع نہیں ملا اور تم اس بات پہ بھی رو رہی ہو لوگوں کی نظروں میں تمہارا مقام کم ہو گیا ہے' ہے نا؟" وہ پھر بھی کچھ نہ بولی تھی اور وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"زرین! تم سے ایک بات کہوں' مگر مائنڈ نہیں کرنا۔" ایک پل کے لیے اس نے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر خود ہی بول پڑا۔ کہ اسے تو کچھ نہیں بولنا تھا۔

"تم قربانی کرنا چاہتی تھیں اس لیے نہیں کہ اللہ کی رضا حاصل ہو بلکہ اس لیے کہ لوگوں کی رضا تمہیں حاصل ہو۔ اللہ کو خوش کرنے کے بجائے تم اپنے جاننے والوں کو یہ بتانا اور دکھانا چاہ رہی تھیں کہ تم نے کتنا قیمتی جانور خریدا ہے' تم پیسے والی ہو' تم ایسے جانور خرید سکتی ہو.... ہے نا' یہی سب بتانا چاہ رہی تھیں نا تم....؟" وہ لفظ لفظ سچ بول رہا تھا اور وہ ایسے سچ پہ اندر سے کمزور پڑتی جا رہی تھی۔

"جانتی ہو تم "قربانی" کی چاہ نہیں بلکہ "دکھاوے" اور "خودنمائی" کی چاہ کر رہی تھیں۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" وہ شرمندہ ہی تو ہو گئی تھی۔ عامر نے نفی میں سر ہلایا۔

"شاید تم نہیں جانتیں کہ ایسی قربانی' قربانی نہیں بلکہ شوبازی ہوتی ہے۔ جس کی اللہ کی نظر میں نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ وقعت...." وہ ذرا سا رکا تو زرین نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو رگڑا۔

"اور ایک اور بات' تمہاری وہ دوست نوین جس نے اس دفعہ ایک جانور کے بجائے دو جانور قربانی کے لیے لیے۔ کیا تم نہیں جانتیں اس کا شوہر عام سا پرائیویٹ اسکول کا ٹیچر ہے۔ نہ سرکاری جاب ہے اور نہ بڑا کاروبار.... صرف یہ ہے کہ اس کا بڑا بھائی کینیڈا اور چھوٹی بہن بحرین میں مقیم ہیں انہوں نے ہی ہر بار کی طرح پیسے بھیج کر نوین لوگوں کو قربانی کرنے کا کہا ہے۔ پہلے یہ تھا کہ وہ دونوں بہن بھائی اکٹھے قربانی کرتے تھے' لیکن اس بار انہوں نے علیحدہ علیحدہ جانور لینے کا کہا تو نوین کا شوہر دو بیل لے آیا۔ اب تم بتاؤ یہ قربانی ان بہن بھائیوں کی ہے یا تمہاری دوست نوین کی؟" وہ اب کی بار حیرت سے عامر کا سنجیدہ سا چہرہ دیکھنے لگی۔ "اور تمہاری بھابھی نے اس دفعہ بکرا لینے کے بجائے بیل لینے کو ترجیح دی' جانتی ہو کیوں؟" وہ اس کی روئی روئی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

"کیونکہ اس دفعہ انہوں نے اپنی چھوٹی دیورانی کا مقابلہ کیا ہے۔ تمہارا چھوٹا بھائی کسٹم آفیسر ہے۔ وہ

ایک چھوڑ دو بیل بھی قربان کر سکتا ہے' لیکن تمہارا بڑا بھائی تو بیکر ہے نا' بیکری کی دکان سے اسے جتنا مل سکتا ہے اس نے اسی پہ قناعت کر کے 'اپنے پاؤں اور چادر کا خیال کر کے قربانی کا جانور خریدنا ہے نا اور یہ بات تمہاری طرح تمہاری بڑی بھابھی کو بھی کھٹک رہی تھی کہ اگر خاندان میں "دیورانی" کی اہمیت اور مقام اونچا ہونے والا ہے تو وہ کیوں پیچھے رہے۔ اس کا مقام کیوں کم پڑے۔ سو اسی وجہ سے اس نے اپنا شادی کا سونے کا نیکلس سیٹ بیچ کر بیل خرید لیا۔" اگلا انکشاف زرین کے۔ ہوش اڑا گیا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری سکینہ بھابھی نے غلط کیا' لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر ان کا جذبہ "دکھاوے" کے بجائے "نیت" ہوتا تو یقیناً" بھابھی کے اس عمل سے تمہارے بڑے بھائی بھی خوش ہوتے اور اللہ بھی۔" وہ ذرا سا رکا تو زرین کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔

"اور یہ بات میں ایسے ہی نہیں کہہ رہا' تمہارے بھائی نے ہی مجھے بتائی ہے۔ وہ تمہاری بھابھی کے اس ردعمل پہ ذرا خوش نہیں کہ وہ آس پڑوس کے لوگوں کو بلا بلا کر اپنا بیل دکھاتی اور پھر قیمت بتاتی پھر رہی ہیں۔"

"اور ہاں یاد آیا ایک اور بات۔ وہ جو تمہاری بہت ہی قریبی سہیلی سلمیٰ ہے جس نے اس بار بکرا خریدنے کے بجائے بیل کی قربانی کرنی ہے شاید وہ نہیں جانتی کہ اس کا شوہر میرے قریب ہی کام کرتا ہے اور جب وہ بیل دیکھنے اور خریدنے گیا تو میں بھی اس کے ساتھ تھا اور وہ بیل صرف سلمیٰ کے شوہر نے اکیلے نہیں بلکہ ہم دونوں سمیت پانچ لوگ اور بھی اس میں شریک ہیں یعنی اس بیل میں سات لوگوں کا حصہ ہے مجھ سمیت۔۔۔"

عامر کا ایک اور بڑا انکشاف زرین کی آنکھیں پوری کی پوری کھول گیا اور ساتھ منہ بھی۔

"یعنی آپ نے بھی حصہ ڈالا۔۔۔؟" اس کی زبان بھی ذرا سی کھلی تھی۔ عامر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ کیا کرتا تم بکرا لینا نہیں چاہتی تھیں۔ سلمیٰ کی طرح تم نے لوگوں میں بیل کا واویلا کیا ہوا تھا تو ایسے میں میں بکرا کیوں کر خریدتا۔ تم نے بیل کا کہا تو مجھے بیل ہی کی قربانی کرنی تھی' لیکن یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق کیا۔ جتنا کر سکتا تھا۔"

اس نے آہستہ سے اس کے بالوں کی لٹ کو پھر سے کھینچا تو وہ روہانسی سی ہو کر سر جھکا گئی کہ عامر کے لفظ لفظ نے اسے اندر سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ بھی تو "نیت" کے بجائے بناوٹ اور دکھاوے کی قائل تھی۔ کہ ظاہر تو سب دیکھتے ہیں باطن کو لوگ مانتے نہیں۔ وہ تو واقعی اس بات کو بھولے بیٹھی تھی کہ باطن کو دیکھنے والا اوپر بیٹھا ہے۔ جو نیتوں کا حال خوب جانتا ہے۔

"چلو اٹھو' میں اپنا حصہ لے آیا ہوں۔ گوشت تھیلیوں میں ڈال کے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔" عامر نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانا چاہا پھر ٹھٹک گیا۔

"یہ تم تیار کیوں نہیں ہوئیں اور یہ کپڑے جوتے ادھر ادھر کیوں "رلتے پھر" رہے ہیں؟"

اس نے چاروں طرف نظریں گھما کر اس کے بکھرے کپڑوں اور جوتوں کو دیکھا تو وہ اور شرمندہ ہو گئی۔ عامر نے اس کا جھکتا سر دیکھا تو فوراً" ٹھوڑی کے نیچے انگلی ٹکا اس کا چہرہ اوپر کر لیا۔

"کوئی ناراضی۔۔۔؟" وہ اس کے پوچھنے پہ ڈھے ہی تو گئی جبھی ناراض چہرہ اس کے نرم گرم سینے میں گھسا لیا۔ جب عامر نے اس کے بالوں پہ بھاری ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا تو وہ جان گئی۔

اس کا شوہر دکھاوے اور بناوٹ سے پاک ہے اور ہر کام اور ہر چیز میں وہ نیت کو مدنظر رکھنے کا قائل ہے اور واقعی وہ جو کام بھی کرتا ہے اپنی حد اور ہمت میں رہ کرتا ہے کہ اپنی استطاعت سے تجاوز کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے نہ زمین پہ اور نہ آسمان والے کے سامنے۔



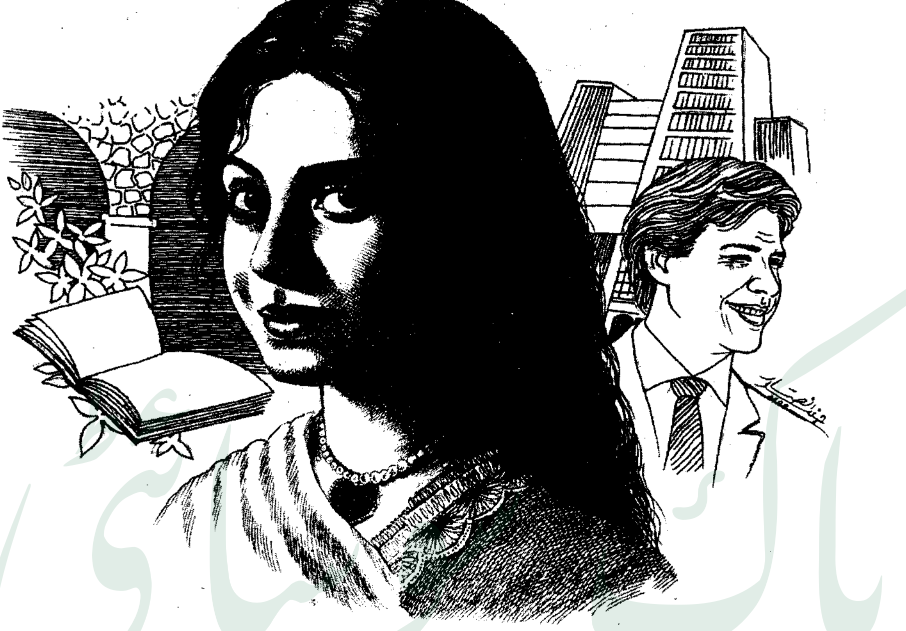
سمیرا حمید

وہ آوردِ شوق

"دینا فضل کریم۔"

فضل کریم نائی کی لاڈلی اور ہم پیشہ بیٹی۔ اماں کے سارے دیسی ٹوٹکے اور جھولی پھیلا پھیلا کر مانگی گئی دعائیں بھی دینا' جمیلہ اور جنت میں سے کسی ایک کو بھی بیٹے میں نہیں بدل سکی تھیں۔ بابا فضل کریم کے پیشے پر بند بندھ گیا تھا' ایک بھی بیٹا نائی بننے کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا۔ انہیں اکیلے ہی اپنی پیٹھ پر دیگیں لاد لاد کر لے جانی پڑتیں۔ منوں گوشت پھیلا کر بوٹی بوٹی صاف کرنی پڑتی' اناج کی بوریاں' لکڑی کے تخت اور پانی کے ٹب اٹھانے پڑتے۔ شادی والے گھروں میں' مددگار ملتے ہی کہاں ہیں۔

وہ مددگار تھی' باپ کے ساتھ جانے لگی۔ پیاز' ٹماٹر' مرچ کاٹ دیتی۔ جگ بھر بھر کر پانی پکڑا دیتی۔ ذرا بڑی ہوئی تو گھی میں پیاز کڑکڑانے کرنے لگی' اور بڑی ہوئی تو چاول کی دیگ پکانے لگی اور جب واقعی بڑی ہو گئی تو ایک آلو گوشت کی دیگ بھی پکالی۔ ابھی بھی بابا فضل کو ساری مشقت خود ہی کرنی پڑتی تھی' لیکن پھر بھی' وہ ان کے بڑے کام کی رہی۔ وہ ان کے پیشے کو



مکمل ناول

آگے نہیں لے جاسکتی تھی' لیکن وہ ایسی پیچھے بھی نہیں رہی تھی۔ وہ پہاڑوں کا عقاب نہیں تو ندی نالوں کی چڑیا ضرور تھی۔

باپ کے ساتھ بیٹی کی جوڑی' اب کسی کو حیران نہیں کرتی تھی۔ اس نے دس پاس کرلی تھیں اور جس دن اس کا رزلٹ آیا تھا اس دن ان کے گھر پہلی زردے کی دیگ پکی تھی۔۔۔ پہلی اور آخری۔۔۔

کیونکہ پھر زردہ نہیں پکا تھا' بابا فضل کریم کے جنازے کی کڑوی روٹی پکی تھی۔

ساری آوازیں دیگوں میں دفن ہوگئیں۔ موت کے کالے نمک نے سیدھے سادے ذائقے نگل لیے۔

ساری خوشیاں خواب اور خواہشیں ایک حقیقت پر آکر ختم ہوگئیں۔ بابا فضل کریم اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس گاؤں میں' اس گھر میں اس کی نظر کے سامنے۔۔۔ وہ نہیں رہے۔

کتنی ہی راتیں اسے دیگوں' پرات اور ڈول کے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ وہ چارپائی پر کروٹیں بدلتی اور پھر بیٹھ کر رونے لگتی۔ اس کا باپ مر گیا تھا اور اس نے اپنے باپ کے پیشے پر بند باندھ دیا تھا۔ ماں بہنوں کے سہارے پر' گھر کی کفالت پر۔ وہ کسان نہیں تھے کہ ان کی زمین ہوتی' خود فصل نہ بوتے تو کسی کو بوائی کے لیے دے دیتے۔ وہ تو اب یتیم تھے اور ان کے گھر کے دانے اب گھر کی دیوار کے باہر سے بھی گنے جاسکتے تھے۔ ان کے پاس تھا کیا۔۔۔ چند دیگیں اور ایک دینا فضل کریم۔

پیچھے کبھی روشنی رہی ہوگی' لیکن آگے انہیں اندھیرا ہی نظر آرہا تھا۔

ایک چاول اور تین گندم کی بوریاں' دو بہنیں اور

ایک ماں۔ کتنی بڑی آسان تھی اور دل پر بڑی بھاری تھی۔ دینا جانتی تھی کہ ایک ایک کرکے سب سے پہلے اس کے باپ کی دیگیں بکیں گی، لیکن اس سے بھی پہلے باپ کا پیشہ رخصت ہوگا۔ گاؤں کی اکلوتی سڑک کی طرح، فضل کریم جو گاؤں والوں کے لیے بڑا ضروری تھا، وہ کتنی جلدی غیر ضروری ہوجائے گا۔

✲ ✲ ✲

"بیٹی کا کام ہے دینا پتر! تجھے پتا ہے باراتی پھر بڑی باتیں کرکے جاتے ہیں۔ تونے اپنے باپ کے ساتھ بڑا کام کیا ہے، لیکن۔"

"میرا یقین رکھیں چاچا جی! بابا کے ساتھ سالوں کام کیا ہے، ایک بار پکوالیں۔ بارات کا نہ سہی تو تیل مہندی کا پکوالیں۔"

"پر پتر......"

"انکار نہ کرنا چاچا جی! بڑی مہربانی ہوگی جی۔"

پہلی مہربانی اس پر بڑی مہربان رہی۔ اسے تیل مہندی کے کھانے کی تین دیگوں کا آرڈر مل گیا۔ چنا دال، سفید چاول اور زردہ۔ دیگیں ویسی ہی بنی تھیں جیسی فضل کریم کے ہاتھ سے بنتی تھیں۔ ایسی نہیں کہ انگلیاں چاٹ جاؤ، ایسی بھی نہیں کہ انگلیاں جھٹک دو۔ اچھی بات وہی تھی، جو اس کے باپ کی پکائی دیگوں میں ہوتی تھی کہ کھانے والے زیادہ ہوجاتے تھے، لیکن کھانا کم نہیں ہوتا تھا۔ برکت آسمان سے، انسان کی نیت پر اترتی ہے۔ یہ برکت اس کے ہاتھوں کو بھی نصیب آگئی تھی۔

کچھ اس لیے اور کچھ اس کی یتیمی کا سوچ کر اسے گاؤں کی اگلی شادی کی پکوائی بھی مل گئی۔ گاؤں والوں نے دوسرے گاؤں اور قصبوں کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں سے پکوائی کے لیے نائی آنے لگے تھے۔ اس کے حصے میں تیل مہندی کے کھانے آئے۔ نہ بارات کا نہ ولیمے کا۔

زندگی کے کھیت میں، اداس چڑیوں کا بسیرا تھا۔ بے بسی کی فصل، بارش کے لیے ترس رہی تھی۔

چاچی سعیدہ کے گھر آلو گوشت کی دیگ پکاتے، اخبار میں لپٹے مسالے کو کھولتے "ضرورت برائے شیف۔ تنخواہ چالیس ہزار۔" کو پڑھ کر اس کے ہاتھ رک گئے۔

چالیس ہزار اتنی بڑی گنتی تھی اور اتنی بڑی رقم تھی کہ اسے یقین ہی نہیں آیا کہ دنیا میں کسی کو اتنی زیادہ تنخواہ بھی مل سکتی ہے۔ صرف کھانے پکانے کے اتنے پیسے کون دیتا ہے۔ وہ شیف کا مطلب تو ٹھیک سے نہیں جانتی، لیکن اس کا اندازہ تھا کہ نائی کو انگلش میں شیف کہتے ہیں۔ اس نے اخبار میں دیے نمبر پر کال کی کہ وہ بھی شیف ہے۔

"آپ ڈپلوما ہولڈر ہیں یا ڈگری ہولڈر؟"

"جی؟"

"کوکنگ کہاں سے سیکھی ہے؟ کوکنگ سینٹر سے یا کوکنگ اسکول سے؟ کام کا تجربہ ہے؟"

"جی کام میں نے سیکھا ہے۔ اپنے بابا سے۔ وہ نائی تھے۔ میں تین دیگیں آرام سے پکا لیتی ہوں۔ نمکین چاول، زردہ اور......"

فون بند کردیا گیا۔ وہ حیران ہوکر فون کی طرف دیکھنے لگی۔

کوکنگ سینٹر اور کوکنگ اسکول؟ اسے تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ یہ دونوں کیا ہیں اور ان میں فرق کیا ہے۔ وہ اماں کے ساتھ میاں جی کے پاس گئی، ان کا بیٹا شہر کے کالج میں پڑھتا تھا، آج کل چھٹیوں میں آیا ہوا تھا۔

"دینا! یہ تو شیف کی بات کررہے ہیں۔"

"تو میں بھی شیف نہیں ہوں.... کھانا پکالیتی ہوں۔"

"تم آلو گوشت، زردہ بنالیتی ہو۔ کانٹینینٹل نہیں بناسکتیں۔"

"مطلب؟"

"اوہ بھئی تم دوسرے ملکوں کے کھانے وغیرہ نہیں بناسکتیں۔ چائنیز، اٹالین، ڈزرٹ وغیرہ۔"

"کسی کو بناتا ہوا دیکھوں گی تو بنا لوں گی۔"

"جو تمہیں چالیس ہزار تنخواہ دے گا' وہ تم سے پکوائے گا' تمہیں سکھائے گا نہیں۔ شیف بننا آسان نہیں۔ پہلے پورا کام سیکھنا پڑتا ہے۔ پھر جاب کرو گی۔ وہ تمہارا سرٹیفکیٹ دیکھیں گے۔ تمہارے کھانوں کا ذائقہ چکھیں گے۔ پھر تمہیں جاب دیں گے۔"

"تو میں شیف نہیں ہوں؟" اسے بہت مایوسی ہوئی۔

"نہیں دینا! تمہیں دو تین کھانے پکانے آتے ہیں بس۔ دیگ پکالینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ شہر میں ہزاروں نائی دیگیں پکاتے ہیں' لیکن وہ کسی ہوٹل میں شیف نہیں لگتے' وہ نائی ہی رہتے ہیں۔"

اب وہ پوری بات سمجھ گئی تھی۔ اسی لیے خاموش ہو گئی تھی۔

"کھانا پکانے کے اتنے پیسے ملتے ہیں میں سیکھ کر یہی کام نہ کرلوں اماں!" کچی سڑک پر چلتے اس نے ماں سے کہا۔

"سیکھو گی کہاں سے؟"

☼ ☼ ☼

"آپ جانتی ہیں نا کہ کوکنگ اسکول میں ان ہی لوگوں کو داخلہ ملتا ہے جنہیں کھانا پکانا آتا ہو۔ آپ کیا کیا بنالیتی ہیں؟"

"آلو گوشت' زردہ' پلاؤ' پالک گوشت' نمکین چاول۔ تین دیگیں آرام سے۔۔۔"

"دیگ؟"

"جی! میں ہمارے گاؤں میں دیگیں پکاتی ہوں۔ میرے ابو نائی تھے۔ ابھی میں صرف تیل مہندی کا کھانا پکاتی ہوں' لیکن ایک دن ان شاءاللہ بارات کا کھانا بھی پکانے لگوں گی۔" کچھ معصومیت سے' کچھ فخر سے' اس نے مسکرا مسکرا کر بتایا۔

سامنے ایک ہیڈ شیف بیٹھا تھا اور ایک جونیئر شیف۔ دونوں مسکرانے لگے۔

"بیف کو نرم کرنے کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے؟"

"پہلے بسم اللہ پڑھیں' پھر گوشت کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھیں کہ بوڑھے جانور کا تو نہیں۔۔۔"

ہیڈ شیف نے اپنی مسکراہٹ کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔ "آپ کی تعلیم؟"

"میں پرائیویٹ ایف اے کی تیاری کررہی ہوں سر!"

"انگلش آتی ہے؟"

"تھوڑی بہت۔"

"کتنی تھوڑی اور کتنی بہت؟"

"مائی نیم از دینا۔۔۔ ہا۔۔۔ مائی فادر از۔۔۔ آآ نہیں۔۔۔ مائی فادر نیم از۔۔۔ آآ۔۔۔ فضل کریم۔۔۔"

" cinnamon کسے کہتے ہیں؟"

"سر! مجھے دوسرے ملکوں کے کھانوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔۔۔"

"یہ کسی دوسرے ملک کی ڈش نہیں' روزمرہ استعمال ہونے والا مسالا "دارچینی" ہے۔ یہاں جو شیف کلاسز لیں گے وہ صرف انگلش زبان جانتے ہیں۔ آپ ان کی بات کیسے سمجھیں گی؟"

"میں مسالوں کو دیکھ کر سمجھ جاؤں گی کہ مجھے کیا کیا ڈالنا' کیسے کیسے پکانا ہے۔"

"یہاں ٹی وی کی طرح کوکنگ شو نہیں ہوگا مس دینا' آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

وہ کوکنگ اسکول کو غلط ہی سمجھ رہی تھی۔ مایوس ہو کر لوٹ آئی۔ اسے بہت دکھ ہوا کہ چار دیگیں پکالینے

والی لڑکی کو' چھوٹے چھوٹے دیگچے پکانے کے لائق نہیں سمجھا گیا۔ ڈھیروں پیاز' ٹماٹر' مرچیں اکیلی کاٹ لینے والی کو ذرا ذرا سے پین پر مٹھی بھر سبزیاں فرائی کرنے سے محروم رکھا گیا۔ صرف اس لیے کہ اسے انگلش نہیں آتی تھی۔

وہ گھر آئی تو چپ چپ سی تھی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا دینا! یہ بڑے لوگوں کے شوق ہوتے ہیں۔"

"بڑے لوگ کون ہوتے ہیں اماں؟"

"جو بڑے اسکولوں' کالجوں سے پڑھے ہوں۔ جن کے پاس پیسہ ہو۔"

"اور جن کے پاس ہنر ہو وہ؟ میری دیگ کا پکا چاول' ہتھیلی پر نکال کر گن لو۔ پورا پکا بھی اور سلامت کھڑا بھی۔"

"تو نائی کی بیٹی ہے دینا! تجھے یہ سب آنا ہی ہے۔ اس میں کوئی ایسا کمال نہیں۔"

"تو کمال کیا سارے مسالوں کو انگلش میں رٹنا ہے۔"

"اگر وہ ایسے ہی داخلہ دیں گے تو ہاں یہی کمال ہے۔" اماں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

ماں نے طنز نہیں کیا تھا' لیکن اس کا دل مرچ کی دھونی ہو گیا۔ اسے کتنی ہی راتیں بے چین رکھا۔ کبھی ہوک نکلی کبھی آہ۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ نمک کو سالٹ' گھی کو آئل کہتے ہیں۔ بس... اس کے پاس ایف اے کی جو انگلش کی کتابیں تھیں ان میں بھی یہ سب نہیں لکھا تھا۔ جو گرائمر اس نے شہر سے منگوائی اس میں بھی صرف بیس مسالوں کے نام لکھے تھے۔

اگر وہ باپ کی طرح نائی بن کر ہی زندگی گزار دے تو کیا برا ہے۔ چوہدری عنایت کی مہربانی سے اسے قریب وجوار کے دوسرے گاؤں سے بھی پکوائی مل رہی تھی۔ سب اس کی یتیمی کا لحاظ کر رہے تھے اور جہاں ایک دو دیگیں پکنی ہوتی تھیں' اس سے ہی پکواتے تھے۔

لیکن اب اس نے اپنے باپ کے پیشے کی وسعت دیکھ لی تھی۔ وہ تین چار کھانوں سے کہیں آگے کی سرزمین کے بارے میں جان چکی تھی۔ وہ یہ جان چکی تھی کہ وہ اپنے باپ کے پیشے کو آگے لے جا سکتی ہے۔ اگر وہ نائی تھا' تو وہ شیف بن سکتی ہے۔ اگر وہ ایک گاؤں کے لیے پکا سکتا تھا تو وہ پورے شہر کے لیے پکا سکتی ہے۔

پیشے کی اس معراج نے اسے بند غار سے نکال کر' روشنی کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں' لیکن اس کا دل جوش سے معمور تھا۔ آسمان کے ستاروں کی طرح' اس کی آنکھیں ٹمٹما رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے سال تک اس کی زندگی ویسی ہی رہی' جیسی رہنی چاہیے تھی۔ جیسی چلتی آ رہی تھی ویسی ہی چلتی رہی۔ گاؤں کی ہر شادی کی تیل مہندی کا کھانا وہی پکاتی رہی تھی۔ اس نے ایف اے پاس کر لیا تھا۔ شہر سے لائی گرائمر کی کتابوں کو اس نے پانی کی طرح گھول کر پی لیا تھا۔ گن گن کر اس نے مسالوں کے نام یاد کر لیے تھے۔ اس کا تلفظ غلط تھا' لیکن وہ سن کر سمجھ جاتی تھی۔ میاں جی کا بیٹا جب جب گاؤں آتا' وہ اسے جا کر اپنی انگلش اور مسالوں کے نام سنانے لگتی۔

"پہلے سے بہتر ہو۔" وہ مسکراہٹ چھپا کر کہہ دیتا۔

"ٹیسٹ میں پاس ہو جاؤں گی خرم بھائی؟"

"ہاں۔"

سال کے دن اس نے اپنی سانسوں پر کاٹے تھے۔ ایک ایک دن گن کر وہ شہر پھر سے ٹیسٹ کے لیے گئی تھی۔

اور... پھر ناکام لوٹ آئی تھی۔

"آپ شیف کیوں بننا چاہتی ہیں؟" ہیڈ شیف نے اس سے صرف ایک سوال پوچھا تھا۔

"دو سال پہلے میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ شیف کی تنخواہ چالیس ہزار ہوتی ہے تو اس لیے میں..."

ہیڈ شیف نے اسے فوراً" باہر جانے کے لیے کہا۔ ہفتے بعد جو لسٹ لگی اس میں اس کا نام "نیو ٹرائی

اگین" کی لسٹ میں تھا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ اس کے باپ کا چالیس سالہ تجربہ اور اس کا اپنا بارہ تیرہ سالہ تجربہ اسے ایک کوکنگ اسکول سے "نیور ٹرائی اگین" کی قطار میں کھڑا کر سکتا ہے۔ وہ ہکا بکا کتنی ہی دیر تک لسٹ کو گھورتی رہی۔

اس کے بال گھونگھریالے تھے' جن پر اماں مہندی لگا دیتی تھی۔ اس کا قد بابا فضل پر گیا تھا۔ لمبی اور نڈر۔ رنگ سفید تھا' لیکن ناک سرخ تھی۔ دونوں کان اور پیشانی' گردن کا کچھ حصہ بھی۔ بچپن میں ہوئی جلدی بیماری نے اس کے جسم کے بہت سے حصوں پر سرخ چھینٹے چھوڑ دیے تھے۔۔۔ اس کا نام بابا نے رکھا تھا۔۔۔ دینا۔۔۔ فضل کریم نائی کے بعد گاؤں والے اسے "دینا نائی" کہنے لگے تھے۔

"دینا نائی۔۔۔ شیف بننے جارہی تھی۔"

گاؤں واپسی تک وہ سارے راستے روتی آئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے درست جواب پر بھی' شیف نے اسے کوکنگ اسکول سے ہی کیوں نکال باہر کیا تھا۔ کیا سچ بولنے کی اتنی بڑی سزا ملتی ہے۔ دیگوں میں چمچ ہلاتے' پیاز' ٹماٹر کاٹتے' گوشت کی بوٹیوں سے چربی صاف کرتے' لکڑیوں کے گٹھڑوں کو کھول کھول آگ کی تیاری کرتے' اس نے ایک ایک مسالے کی انگلش یاد کی تھی۔ کیا اس کی محنت کا یہ صلہ ملنا تھا۔

"بس کر دینا! چھوڑ دے ضد۔" اس کی سیٹ کے ساتھ بیٹھی اماں نے اسے چپ کروانے کی پانچویں کوشش کی۔

"مجھے کھانا پکانا آتا ہے' سب مسالوں کی انگلش بھی آتی ہے۔ انہوں نے میرا ٹیسٹ نہیں لیا اور مجھے فیل کر دیا۔"

"امتحان تو زندگی لیتی ہے دینا! فیل تو نصیب کر دیتا ہے۔"

گاؤں کی اکلوتی کچی پکی سڑک پر دھول اڑنے لگی۔ درخت پر بیٹھی چیلیں پھڑ اڑیں۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ چاچے دین محمد کے کھوکے کے قریب پہنچیں۔ چاچا چائے کو چھینٹ رہا تھا اور کوئی ڈیڑھ فٹ اوپر تک لے جارہا تھا۔ دو راہ گیر بیٹھے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔ وہ رکی اور گھڑے سے پانی نکال کر پہلے اماں کو پلایا' پھر خود پینے لگی۔

"ہو گیا داخلہ دینا دا؟ بڑا لائق اے ساڈا پتر۔۔۔"

"نا چاچا! ناں کہہ دی انہوں نے۔" اماں نے بڑی اداسی سے کہا۔

"کوئی گل نئیں پتر! ناکامی سو راہ' کامیابی اک سو اک راہ۔" (ناکامی سو راستوں سے آتی ہے تو کامیابی ایک سو ایک راستوں سے آتی ہے۔)

لکڑی کے بینچ پر بیٹھے' مٹی کے پیالے کو منہ سے لگائے' اس نے پانی کو ٹھنڈا اور میٹھا پایا۔

"ناکامی سو راہ۔۔۔ کامیابی اک سو اک راہ۔۔۔"

گندم کی فصل تیار تھی۔ سنہری بالیوں پر کسان کا پسینہ سونا بن کر لہلہا رہا تھا۔ گاؤں کی ہوائیں پر جوش تھیں۔ گھر گھر دانے پہنچ رہے تھے۔ فصلوں کی کٹائی ہو رہی تھی۔ شادیوں کی تاریخیں رکھی جارہی تھیں۔ کوئی جہیز خریدنے شہر گیا تھا تو کوئی گھر کی مرمت کروا رہا تھا۔ ان کا گھر گاؤں کے ان چند گھروں میں سے ایک تھا جو کسان تھے' نہ کسی زمین کے مالک۔ کبھی ان کے گھر میں ایک گائے ہوا کرتی تھی' پھر وہ بھی بک گئی۔ کوٹھری میں چھ دیگیں رکھی تھیں۔ یہی ان کی کل جمع پونجی تھی یا ماں کا کچھ زیور۔

پگڈنڈی پر چلتے' لہلہاتی فصلوں کو دیکھتے' اماں کو گھر بھیج کر وہ کیکر کے درخت پر جا کر بیٹھ گئی اور فصل کی کٹائی دیکھنے لگی۔ گندم کی بالیاں جو پہلے ہری ہوتیں' پھر آہستہ آہستہ اپنا رنگ بدلتیں۔ سنہری اور گہری سنہری ہو جاتیں۔ بچپن میں وہ حیران ہوتی تھی کہ یہ سبزا سنہرے میں کیسے بدل جاتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ رات کو جن چڑیلیں آتی ہیں اور سارا سبزا کھا جاتی ہیں' پیچھے یہ پھوک چھوڑ جاتی ہیں۔ بابا کہتے یہ کسان کی محنت سے ہوتا ہے۔ وہ فصل کو اپنا خون پلاتا ہے' جسے سینچ کر فصل رنگ بدلتی ہے۔ ہری سے سنہری' کچی سے پکی۔

کسان' کھیت اور بوائی۔۔۔ افزائش' سبز اور سنہرا۔۔۔ تپش' خون اور دو ہاتھ۔

فصل اتنی جلدی تو تیار نہیں ہوتی۔ کٹائی اتنی آسان تو نہیں ہوتی۔ سونے سے دانے' اتنی جلدی میسّر نہیں آتے۔ زمین نرم کرنی پڑتی ہے' تپش سہنی پڑتی ہے' خون کو پسینہ کرنا پڑتا ہے' پھر ہی تو۔۔۔ پھر ہی تو۔

وہ پگڈنڈی سے اٹھ کر کھڑی فصل پر اپنا ہاتھ چلانے لگی۔

"میں نے یہ کیسے سوچ لیا کہ مجھے کاٹنے کے لیے کھڑی فصل مل جائے گی' جب کہ میں نے تو ابھی زمین ہی تیار نہیں کی۔"

"دینا! یہ جاناں کے تایا ہیں' جدہ میں ہوتے ہیں۔ میں نے تمہارا بتایا تو بڑا حیران ہوئے۔"

وہ جاناں کی تیل مہندی کا کھانا پکا رہی تھی جب چاچی ایک مہمان کو لے کر اس کے پاس آئیں۔

"السلام علیکم تایا جی!"

"وعلیکم السلام! پاکستان کے گاؤں بھی بڑے ماڈرن ہوگئے ہیں' زنانہ نائی دیگیں پکا رہے ہیں۔۔۔ اچھا ہے۔۔۔"

"بھائی فضل کریم سے پکانا سیکھا ہے اس نے۔ بڑا شوق تھا اسے یہ سب کرنے کا۔" چاچی بڑی خوش تھیں اس کا تعارف کرواتے ہوئے۔

"ہاں شوق ہی لگتا ہے۔ ورنہ یہ دیگوں کا کام لڑکیوں کا تو نہیں۔"

دال گوشت کی دیگ سے پرات اٹھاتے دینا کے ہاتھ رک گئے۔ منڈیروں پر بیٹھے سب کوے کاں کاں کرنے لگے۔ چڑیاں' بے خیالی کا سارا کھیت چگ گئیں۔ فصل کے لیے زمین اسے میسر آگئی تھی۔

"آپ شیف کیوں بننا چاہتی ہیں؟"

"میرے بابا فضل کریم نائی تھے۔ میں نے ان سے یہ کام سیکھا ہے۔ مجھے کھانا پکانا بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ میرا شوق ہے۔"

"جیسے میک اپ کا شوق؟ پیسہ کمانے کا شوق؟"

"نہیں جی! جیسے کسان کو بوائی کا شوق۔ جیسے پرندوں کو اڑنے کا شوق۔ جیسے۔"

"یو آر ان۔۔۔" (آپ کو داخلہ مل گیا)

جاناں کی تیل مہندی میں ڈھولکی بجاتے' اس کے ہاتھ بار بار رک جاتے تھے۔ پھر اس نے ڈھولک چھوڑ دی اور گھر آگئی۔

"کسی نے آج تک مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میرے پکائے کھانے کھا کر وہ اپنی انگلیاں چاٹنے لگتے ہیں۔ پر کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ ایک کے بعد دوسرا نوالہ منہ تک لے جاتے شرم آتی ہے۔ ساری عمر گزر گئی' میں کھانا پکانا نہیں سیکھ سکا۔ سارے مجھے نائی کہتے ہیں' یہ میری ذات بھی ہوئی اور پیشہ بھی' لیکن میں اسے ایمان نہیں بنا سکا۔ اگر ایمان بنا لیتا تو کھانا پکانا سیکھ جاتا۔"

کھلے آسمان کے نیچے چارپائی پر لیٹے اسے بابا فضل کی بات یاد آئی۔ وہ کبھی بابا کی یہ بات نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ یہ کیوں کہتے تھے کہ وہ کھانا پکانا نہیں سیکھ سکے۔

"کھانا پکانا کہتے کسے ہیں؟" جاناں کے بعد' شوکت کی شادی کی مہندی پر پالک گوشت پکانے کی تیاری کرتے وہ سوچ رہی تھی۔

گوشت سے چربی صاف کر کے وہ پالک کے ڈھیر کے پاس کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے باپ کے خون میں کسان کے خون کی بوند نہیں تھی۔ وہ اجزا کو اتنے قریب سے نہیں جانتے تھے' جتنا جاننا چاہیے تھا۔

"چاچا! یہ سارا پالک ایک زمین کا ہے؟"

"نہیں پتر! دو تین کھیتوں سے اکٹھا کیا ہے۔۔۔ کیوں؟"

"ایک سے ہوتا تو اچھا تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

گوشت اور سبزی۔۔۔ دیگ کی جسامت اور لکڑی کا ایندھن۔ اسے ایک بات سمجھ میں آگئی تھی کہ اسے ایک کو آنچ دینی ہے اور ایک کو بھاپ۔ پھر ہی ذائقہ کشید ہوگا۔ جیسے گلاب کی پتیوں سے عرق اور موٹی ہڈی سے مغز۔ آنچ کا توازن اور اجزا کا بروقت ملاپ۔ مسالوں کے شباب اور ضعیفی کی پرکھ۔

گاؤں کی پانچویں شادی کی تیسری پالک گوشت کی دیگ پکاتے' اس نے بھاپ میں پالک اور آنچ پر گوشت پکالیا تھا' کسی ایک کا بھی ذائقہ اس نے دوسرے کے لیے ضائع نہیں ہونے دیا تھا۔

"اج تے دینا پتر! کمال ہی کردیتا سی۔"

اس دن کوئی دس لوگوں نے آکر اس سے کہا تھا۔

اس دن کی رات بھی اس نے دماغ میں مسالوں کی خوشبو یاد کرتے گزاری تھی۔ ہر رات کی طرح وہ اس رات بھی غور کرتی رہی تھی کہ کس مسالے کو کتنی آنچ درکار ہوتی ہے' وہ کب رنگ اور خوشبو بدل لیتا ہے' کب شباب سے ضعیفی اور ضعیفی سے موت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

دن کے چار پہر اور رات کا ہر پہر' دو سالوں کا ہر مہینہ' مہینے کا ہر دن' اس نے بس یہ جاننے میں لگائے تھے کہ کون سا مسالا کس کے ملاپ سے کسی تیسرے مسالے کی موت ہے۔ کس مسالے کا مزاج' انا پرست ہے اور کون سا تیز اور اکھڑ۔ کسے پکوان میں اپنی برتری عزیز رہتی ہے اور کسے کم ہونے سے بھی فرق نہیں پڑتا۔

جیسے ماں کو اولاد' کسان کو بیج' آنکھ کو نور' ایسے اس نے مسالوں کو نام سے نہیں خواص سے جان لیا تھا۔

اس نے انہیں ایک ایسی کتاب کی طرح پڑھ لیا' جسے رٹنا نہیں پڑتا اور جو پھر کبھی بھولتی بھی نہیں۔ سترہ سالہ تجربے کے بعد وہ اب جان پائی تھی' ایندھن کی آنچ اور اجزا کی جان' ایک دوسرے میں ہے۔ مسالوں کے متوازن ملاپ کے لیے ضروری ہے کہ انہیں آگ پر آنچ پر پکایا جائے۔ وہ بھاپ سے دیگ کے اندر کا حال جان جاتی تھی۔ کس مسالے کی زیادتی ہورہی ہے' کس کی کمی' کون اپنا ذائقہ نکال رہا ہے اور کون اپنا ذائقہ چھوڑ رہا ہے..... آہستہ آہستہ..... لیکن سب جان گئی۔

فصل کے لیے زمین کی تیاری اس نے کرلی تھی۔

☆ ☆ ☆

پندرہ منٹ تک اس کا انٹرویو چلتا رہا تھا۔ پھر ٹرائل

کے لیے اسے ہوٹل کی بیسمنٹ میں لے جایا گیا۔

"آپ دیگیں پکاتی رہی ہیں نا' ٹرائل بھی دیگ کا ہی دیں۔ شیف کاشف! آپ پیچھے ہو جائیں' ٹرینی اس پلاؤ کو ہینڈل کریں گی۔"

دینا نے دیگ کے سائز کے کھلے منہ کے پتیلے کا ڈھکن اٹھایا اور چمچ سے مسالے کو اپنی ہتھیلی پر پھیلا کر دیکھا۔ پہلے سونگھا' پھر چکھا۔ اپنے سر پر کھڑے دونوں شیفوں کو وہ یہ بتانا چاہتی تھی کہ مسالے میں گھی کی مقدار' مطلوبہ مقدار سے تھوڑی سی زیادہ ہے' جو باقی مسالے کو پھلنے پھولنے نہیں دے گی' لیکن وہ خاموش رہی۔ ایک بات تو وہ جانتی تھی کہ استاد کے کام میں اس وقت تک خامی نہیں نکالنی چاہیے' جب تک وہ خود ایسا کرنے کے لیے نہ کہے۔

پھر اس نے بھیگے چاول اپنی ہتھیلی پر رکھے' انہیں دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھری۔ باسمتی چاول میں' دوسرے کم قیمت چاول کی ملاوٹ کی گئی تھی۔ کیا اتنے بڑے ہوٹلوں میں بھی ملاوٹ کی جاتی ہے اور کیا شیف خود بھی اس ملاوٹ سے انجان ہے۔ بہرحال اس نے چاول اور پانی ڈالا' پکایا اور دم دے دیا۔ جس ماہرانہ انداز سے وہ اتنے بڑے پتیلے میں چمچ ہلا رہی تھی' بیسمنٹ میں کام کرنے والے دوسرے شیف اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ واحد ٹرینی تھی' جو ٹرائل میں اتنا زیادہ کھانا پکا رہی تھی۔

پلاؤ پلیٹ میں نکال کر وہ ذرا دور کھڑے شیف کے پاس لے گئی۔ دونوں نے بس ایک نظر پلیٹ کی طرف دیکھا اور پھر اسے۔

اور آج کوکنگ اسکول "فوڈزل" میں اس کی پہلی کلاس تھی۔ جہاں انہیں شیف کیپ' گاؤن اور گلوز دیے گئے۔ بنیادی باتیں بتائی گئیں' شیف ٹیچرز سے تعارف کروایا گیا اور ایک کیس کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔

"کل کلاس کے وقت آپ سب کے پاس یہ "ایگزیکٹیو نائف کیس" ہو۔"

ساری کلاس نے تو سر ہلا دیا' لیکن وہ نہیں ہلا سکی۔

"یہ کتنے کا ہے سر؟" کچھ دیر بعد اس نے منہ ہلایا۔

پوری کلاس میں یہ سوال پوچھنے والی صرف دینا اکیلی ہی تھی۔ اس پانچ' چھ ہزار اسٹوڈنٹس سے بھرے اسکول اور نئے بیچ کے چالیس ٹرینیز کی کلاس میں واحد لڑکی جس نے اس سیٹ کی قیمت پوچھی تھی۔ جو گاؤں سے آئی تھی۔ جس نے شلوار قمیص پہنی تھی۔ جس کے بال مہندی رنگے گھونگھریالے تھے اور ناک سرخ اور جس کا باپ نائی تھا۔

"میں آپ کو یہ کیس دکھا رہا ہوں' اس کا پرائس ٹیگ نہیں۔"

سب ہنس دیے۔

"باجی! یہ کہاں سے ملے گا اور کتنے کا ہو گا؟"

"باجی... واٹ دا ہیل؟"

وہ بری طرح سے گھبرا گئی۔ فوڈزل کی وسیع عمارت' جناتی چھتوں اور اس کے گورنر ہاؤس جیسے گیٹ نے بھی اسے اتنا نہیں ڈرایا تھا' جتنا اس کیس اور واٹ دا ہیل نے ڈرا دیا تھا۔

اس نے قیمت پوچھنے کی غلطی کی تھی' اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کو باجی کہنے کی بھی۔ وہ یہ دونوں غلطیاں مان لیتی ہے' لیکن اب کوئی اسے معاف کر کے اس کی مدد بھی کر دے۔ کتنی ہی دیر تک وہ ہمت کرتی رہی کہ کسی سے پوچھے کہ یہ کیس کہاں سے اور کتنے کا ملے گا' لیکن وہ دوبارہ واٹ دا ہیل سننے کی جرأت نہیں کر سکی۔

گاؤں میں سب چاچا' چاچی' باجی' آپا' بھائی جی کہہ کر بات کر لیتے تھے۔ یہاں اسے کیسے بات کرنی ہے؟ پہلے وہ نام پوچھے اور پھر بات کرے؟ یا بس بات کرے... یا بات ہی نہ کرے۔

بات ہی نہ کرے۔

"چاچا جی! نائف کیس کہاں سے ملتا ہے اور کتنے کا ہے؟"

"اندر سر نے نہیں بتایا؟" گیٹ کیپر نے پوچھا۔

"انہوں نے بس دکھایا تھا۔"

"اچھا! میں تو یہ سب نہیں جانتا۔ کلاس میں کسی سے پوچھ لیتیں۔"

"کس سے پوچھتی؟"

اس کے چہرے کی پریشانی بھانپ کر گیٹ کیپر نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے لڑکے کو آواز دے کر روکا۔

"بیٹا! اس سے پوچھ لو۔ یہ اندر جو کچن ہیں ان کی صفائی وغیرہ کا کام کرتا ہے۔ اسے بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔"

"جو آپ کو نہیں معلوم' میں صفائی نہیں کرتا' اس عملے کا ہیڈ ہوں جو صفائی کرتا ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔

"اچھا اچھا وہی۔" وہ زیر لب ہنسنے لگے۔

"تم کب سے آنے لگی ہو یہاں؟"

"آج ہی آئی ہوں۔"

"آج؟ لیکن آج تو آٹھ تاریخ ہے اور نئے ملازموں کو ہر صورت پہلی تاریخ کو آنے کے لیے کہا جاتا ہے۔"

"میں یہاں ملازم نہیں ہوں۔ اسٹوڈنٹ ہوں۔" اس نے فخر سے بتایا۔

"آ آ... اچھا... میں سمجھا کلاسوں کی صفائی کے لیے آیا رکھا ہے تمہیں۔"

وہ مذاق نہیں کر رہا تھا' وہ جانتی تھی' وہ سچ کہہ رہا ہے' اس بات نے اسے بہت تکلیف دی۔

"ایگزیکٹیو نائف کیس بارہ سے پندرہ ہزار کا ہے۔ کسی بھی سپر مارکیٹ سے مل جائے گا۔"

اس نے لڑکے کی پوری بات نہیں سنی کیونکہ اس کا دماغ پندرہ ہزار پر آکر فریز ہو گیا تھا۔ فوڈزل (foodzil) کے اطراف میں لگے درختوں پر بیٹھیں ساری چڑیاں اڑ گئیں اور اس کے ہاتھوں پیروں کے سب ہی توتے بھی۔

ایک سال کے اس ڈگری کورس کے لیے اسے دو لاکھ بیس ہزار جمع کروانے پڑے تھے۔ سونے کے نام پر اماں کے پاس جو چار چیزیں تھیں وہ بک گئی تھیں' سر پر قرض چڑھ گیا تھا۔ میاں جی کے بیٹے نے کہا تھا کہ اگر وہ "فوڈزل" سے ڈگری لے گی تو اسے فوراً" کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں جاب مل جائے گی۔ ایک اسکول جس کی ایڈمیشن فیس ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی' وہاں وہ "نیور ٹرائی اگین" کی لسٹ میں آچکی تھی۔ ایک نیم سرکاری ادارہ تھا اور خرم بھائی نے کہا تھا کہ اس ادارے کی ساکھ بہت خراب ہے' وہ سستا تو ہے' لیکن وہاں کچھ خاص نہیں سکھایا جاتا۔ ڈگری ملی بھی تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اس کا خیال تھا کہ اس نے دو بڑے محاذ سر کر لیے ہیں۔ انٹرویو میں پاس ہونے کا اور دو لاکھ بیس ہزار جمع کروا دینے کا۔ اب اسے کچھ اور نہیں کرنا۔ بس سیکھنا ہے اور شیف بن کر فائیو اسٹار ہوٹل میں کام شروع کر دینا ہے' لیکن جب ہم اپنی طرف سے سارے سامان سے لیس ہو کر' میدان میں فتح کے لیے اترتے ہیں تب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ "ہتھیار کند ہیں۔ سامان ناکافی ہے۔ فتح کے آثار نہیں اور جو وہ گاؤں میں نہیں جانتی تھی' یہاں جان جائے گی... کہ...

"جنگ بس شروع ہونے کو ہے۔"

☆ ☆ ☆

وہ اتنی معصوم اور اتنی بے بس تھی کہ پریشان تو بہت ہوئی' لیکن کر کچھ نہیں سکی۔ ان کے گھر تو اب گنے چنے دانے ہی رہ گئے تھے۔ اماں اور جمیلہ مل کر کڑھائی سلائی کرتی تھیں' کچھ پیسے اس سے بن جاتے تھے۔ کچھ تایا جی دے دیتے تھے۔ ہر فصل پر چوہدری عنایت ان کے گھر اناج بھجوا دیتے تھے۔ چھ میں سے دو دیگیں بیچ دی تھیں' چار بھی مشکل سے ہی بچیں گی۔ باقی گاؤں کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ ایک بلب اور تین وقت سبزی میں گزارا ہو جاتا ہے۔ وہاں کوئی بھوکا نہیں مرتا۔

لیکن اب وہ شہر میں تھی۔ وہ بھوکی رہتی یا بھوک سے مر جاتی' لیکن خالی جیب ایک دن نہیں نکال سکتی تھی۔

بھاٹی گیٹ لاہور میں اماں کی چچا زاد بہن کی بیٹی روحی باجی بیاہ کر آئی تھیں۔ وہ ان ہی کے گھر رہ رہی تھی۔ روحی باجی کا سسرالی گھر تھا یہ' اور کچھ اتنا بڑا سسرال تھا کہ وہ اب تک یہ نہیں جان پائی تھی کہ کل ملا کر گھر

میں کتنے لوگ رہتے ہیں۔ اگر اٹھارہ ہیں تو وہ پانچ کون ہیں جو کھانا پینا یہاں کرتے ہیں اور رات کو غائب ہوجاتے ہیں۔ اگر بیس بائیس ہیں تو وہ کون ہیں جو رات بھر جاگتے' باتیں کرتے' کھاتے پیتے' دن کو غائب ہوجاتے ہیں۔ گھر چھوٹی سی پرانی حویلی جیسا تھا' بڑا بھی ہوسکتا تھا' اگر کبھی خالی ہوتا' لیکن وہاں ہروقت کسی تقریب کا گمان رہتا۔ مستقل' عارضی' خارجی' ملاقاتی' سلام دعا' مہمانوں کا۔

سونے کے لیے اسے تیسری منزل پر ایک لکڑی کا اونچا تخت مل گیا تھا' جس کے چار میں سے تین پائے باقاعدگی سے ہلتے' کلیان راگ نکالتے رہتے تھے۔ وہ تخت کو کھڑا کرتی تو وہ اتنا ٹیڑھا تھا کہ دھڑام نیچے آگرتا۔ کمرے سے باہر کہیں اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ لے جاکر رکھ دیتی اور خود زمین پر سوجاتی۔ وہ اس تخت پر سونے پر مجبور تھی۔ پھر وہ کسی کے گھر میں اپنی مرضی بھی نہیں چلاسکتی تھی۔ اماں نے کہا تھا یہاں بالکل گونگوں بہروں کی طرح رہنا اور وہ ایسے ہی رہنا چاہتی تھی۔

انٹرویو سے کلاس کے شروع ہونے کے درمیان میں آٹھ دن کا وقفہ آیا تھا اور یہ آٹھ دن اس نے کچن میں گزارے تھے۔ وہ نانی کی بیٹی تھی' شہر شیف بننے آئی تھی اور وہ بھائی گیٹ کے رہائشی تھے' کھانے پینے کے شوقین تھے۔ وہ بیٹھتے تو کھانے کی بات' اٹھتے تو کھانے کی طلب' سوتے تو کھانے کے خواب۔ اس صورت میں انہوں نے اسے خود پر لازم کرنے میں دیر نہیں کی۔ اس کی خوش بختی یا بدبختی کہ انہیں اس کے ہاتھ کا ذائقہ پسند بھی آگیا اور راس بھی۔

"کھانا کھالو دینا! رات کو تمہارے بھائی کے کچھ دوست آرہے ہیں' کہہ کر گئے ہیں کھانا دینا ہی بنائے۔"

اداس اداس سی وہ گھر پہنچی تو روحی باجی نے اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا باجی!" وہ بے دلی سے نوالے توڑنے لگی۔

رات کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے اس نے کچن میں رکھے پیزا باکس کو اٹھا کر دیکھا اور جب کام سے فارغ ہو کر وہ اوپر گئی تو اس نے اپنے بیگ میں سے بابا کی چھریاں نکال کر اس ڈبے میں رکھ لیں۔ اس نے اپنے لیے یہ دیسی "نائف کیس" بنالیا تھا۔ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن کلاس میں سب اپنے اپنے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے تھے۔ سب کے سامنے ان کے "نائف کیس" کھلے رکھے تھے۔ کم وبیش سب کے کیس ایک جیسے تھے سوائے اس کے۔ اس کے پاس بڑے سائز کا پیزا باکس تھا اور اندر' لوہار کے ہاتھوں بنی تین چھریاں۔ اس کی پیشانی پر پسینہ تھا اور اس کا دل بہت بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ جب ایک ایک چھری کو اٹھا کر اس کا استعمال بتایا جارہا تھا تو اس کے پاس اٹھانے کے لیے صرف تین ہی چھریاں تھیں' جن کا استعمال وہ جانتی تھی۔

ایک ٹوکے کی شکل کی گوشت کی بوٹیاں کرنے کے لیے' زائد چربی اتارنے کے لیے۔ ایک پیاز' سبزی وغیرہ کاٹنے کے لیے اور ایک...... باقی دو کی عدم دستیابی پر ایمرجنسی میں کام آنے کے لیے...... بس......

شیف کی ہدایت کے مطابق وہ پیاز' ٹماٹر اور دوسری سبزی کاٹ رہی تھی اور باقیوں کی نسبت زیادہ تیزی سے کاٹ رہی تھی' لیکن اس کی یہ قابلیت بھی اسے اس شرمندگی سے بچا نہیں سکی' جس سے شیف نے راؤنڈ کے دوران اسے دوچار کیا۔

"یہ کیا ہے؟" دیسی' میڈ ان لوہار چھری اٹھا کر انہوں نے پوچھا۔

"سر! نائف۔" اس نے چھری کو نائف کہہ دیا تھا' لیکن پھر بھی وہ "چھری" ہی رہی۔ لکڑی کے دستے کی' لوہار کے ہاتھوں سے بنی۔

"آپ کا ایگزیکٹیو نائف کیس کہاں ہے؟"

"وہ میں...... میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں وہ خرید سکوں۔" اس نے کوئی بہانہ کرنا چاہا' لیکن پھر

اس نے کھٹ سے سچ بول دیا۔
کٹ کٹ کٹ۔۔۔ کلاس میں سب کے میڈان ہائی فائی نائف چلتے چلتے رک گئے۔ آگے والے پیچھے اور پیچھے والے آگے ٹی کی طرف سر جھکا کر اسے دیکھنے لگے۔
"تو آپ ان جانوروں کو ذبح کرنے والے ہتھیاروں سے یہاں کام کریں گی؟"
"یہ بالکل ٹھیک کام کرتی ہیں سر! یہ دیکھیں۔۔۔ بہت تیز ہیں یہ۔۔۔"
وہ سمجھ نہیں سکی کہ جو پتری دس پندرہ ہزار کے کیس کی نائف کو لگی ہے وہی اس کی اس چھری میں بھی لگی ہے۔ فرق بس اتنا تھا کہ اس کی چھریاں کیس میں پیک ہو کر نہیں آئیں اور وہ چاندی کے پانی کی طرح چمک بھی نہیں رہیں۔ پھر بابا نے کہا تھا کہ ان چھریوں کو سال دو سال بعد بھی تیز کروانے کی ضرورت نہیں ہوتی' نہ ہی انہیں زنگ لگے گا۔
"آپ کلاس کے رولز کے مطابق چلیں گی یا اپنی مرضی کے مطابق؟"
"سر۔۔۔" وہ دیگ کا ڈھکن کھول کر گرم بھاپ میں منہ دے لیا کرتی تھی' یہاں کھلی ہوا میں اس سے سانس نہیں لیا جا رہا تھا۔
"آپ کا انٹرویو کس نے لیا تھا۔"
"شیف زاہد نے۔"
شیف سر نے گردن موڑ کر پیچھے کھڑے دوسرے جونیئر شیف سر کی طرف دیکھا۔
"یہ سب کیا ہے شیف عظیم؟ شیف زاہد احمد کو رپورٹ کریں کہ یا وہ یہاں اپنی مرضی سے اسٹوڈنٹس کو ایڈمیشن دے دیں' یا وہ رولز کو فالو کرنا پسند کریں۔ اعزازی سیٹ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کریں۔ ٹرینی کا نام آفس بھجوا دیں۔ مجھے یہ سب میس نہیں چاہیے۔ ایسے میں کلاس کو انچارج نہیں کروں گا۔"
وہ کچھ اس سختی' اور تیزی سے بول رہے تھے کہ سب کے ہاتھوں کی سب چھریاں اس نے اپنے دل پر محسوس کیں۔

"اور آپ ٹرینی! آپ کے پاس کل نائف کیس ہو ورنہ آپ کلاس کے لیے مت آیئے گا۔"
کھڑکی سے باہر۔۔۔ آسمان کی طرف۔۔۔ نظر جائے پناہ ڈھونڈ لانے میں ناکام رہی۔
رات آئی اور پھر اگلے دن وہ وہی تین چھریاں لے کر کلاس میں اپنے کاؤنٹر کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔۔۔ اور اسے باہر نکال دیا گیا۔
جس جگہ آپ نے اپنے نام کا جھنڈا لگانا ہو' وہ جگہ پتھر کی ہوتی ہے۔
جس جگہ قدموں کے نشان ثبت کرنے ہوں' وہ جگہ دلدل ہوتی ہے۔

✡ ✡ ✡

آنکھیں پونچھتی ہوئی وہ گیٹ سے باہر جا رہی تھی۔ گیٹ کیپر چاچا نے روک لیا۔
"کیا ہوا؟" ایسے کیوں رو رہی ہو؟
"چاچا جی! وہ سر نے مجھے کلاس سے باہر نکال دیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں اس وقت تک کلاس لینے نہ آؤں' جب تک میرے پاس نائف کیس نہ ہو۔"
"تم نے لیا نہیں ابھی تک؟"
"پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔"
"تو بیٹا! اتنا مہنگا شیف کا کورس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو امیروں کے چونچلے ہوتے ہیں۔"
"آپ کو شیف زاہد احمد کے بارے میں معلوم ہے؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔ میرا انٹرویو لیتے ہوئے وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے کہا تھا' میں ایک دن بہت بڑی شیف بنوں گی۔"
"وہ تو دبئی ہوٹل میں ہوتے ہیں۔ یہاں تو کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔ وہ یہاں ہوتے تو شاید کچھ کر دیتے۔ اچھا ٹھہرو میں' سنی سے بات کر کے آتا ہوں۔ ذرا درخت کے پیچھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔ کوئی تمہیں مجھ سے باتیں کرتے ہوئے نہ دیکھ لے۔"
وہ درخت کے پیچھے ہو کر بیٹھ گئی اور دل ہی دل دعا کرنے لگی کہ یا اللہ سنی ضرور کچھ کر دے۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" سنی نے بڑے رعب سے پوچھا۔

"دینا فضل کریم۔"

"دیکھو بی بی دینا! تم یہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتیں۔ خود سوچو کہاں تم کہاں یہ کوکنگ اسکول۔ دو چار کمیٹیاں جوڑ کر فیس بھر دینے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ دیکھو پارکنگ میں۔ کچھ نظر آیا؟ ہاں وہی کاروں کی لمبی لائن۔ تمہیں کسی نے عقل مت نہیں دی تھی یہاں آنے سے پہلے۔ کس نے کہا تھا تم سے کہ شیف بنو؟" سنی نے سر سے زیادہ بے عزتی کر دی۔

"تم ایک درخواست لکھ دو کہ تم یہ کورس نہیں کر سکتیں۔ کوئی مجبوری بتادو۔ کچھ بھی کہہ دو 'ماں بیمار ہے' یا باپ' یا تم خود۔ کچھ بھی۔ اس طرح تمہیں تمہاری فیس کے آدھے پیسے واپس مل جائیں گے۔ وہ لو اور گھر جاؤ۔"

"میں شیف بن کر ہی جاؤں گی۔"

"تو جاؤ' پہلے کیس لے کر آؤ..... میں تمہیں عقل کی بات سمجھا رہا ہوں بی بی! کیوں انکل؟"

"ہاں میں نے بھی یہی کہا ہے لیکن یہ شاید ضدی ہے۔ گاؤں کی ہے نا' اسے لگتا ہے شہر میں سب کام بہت آسانی سے ہو جاتے ہیں۔"

اسے دونوں کی باتوں نے تکلیف دی۔ اس نے اپنا اسکول بیگ اٹھایا گیٹ سے باہر نکل گئی۔

"سنو۔ ہیلو۔ او بی بی!" اس کے حلیے کے مطابق وہ اسے بی بی کہہ رہا تھا۔

رک کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ سنی بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آرہا تھا۔

"اسٹور میں ایسے تین چار کیس رکھے ہیں۔ جو شیف باہر سے آتے ہیں' ان کے۔ میں تمہیں ایک دے دوں گا۔ اتنی دیر تک تم اپنے کیس کا انتظام کر لینا۔"

"یہ تو چوری نہیں ہو گی؟"

"ہاں چوری' بے ایمانی' دغا بازی' سب ہو گی..... کیس چاہیے یا نہیں۔" اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

وہ آگے بڑھ گئی اور سڑک پر پیدل چلنے لگی۔ سڑک پر درختوں کی بہتات بھی اسے سایہ فراہم کرنے سے معذور رہی۔ چوک پر لگا پانی کا فوارہ' اس کے اندر کی تپش کو کم کرنے میں ناکام رہا۔ اس کی مطلوبہ بس عین اس کی نظروں کے سامنے سے گزر گئی لیکن اسے خبر نہیں ہوئی۔ وہ سنی سے کیس لے لے یا کلاس سے غیر حاضر رہے۔ اپنے ذاتی کیس کے خریدے جانے کے دور دور تک آثار نہیں تھے۔ وہی صورتیں تھیں' یا وہ رات کو سوتی اور صبح اس کے سرہانے سونے کی اشرفیاں رکھی ہوتیں' یا وہ کوئی پیتل کا چراغ رگڑتی اور کسی جن سے نائف کیس کی فرمائش کر دیتی..... بس ایک نائف کیس..... پہلی اور آخری بار..... بس۔

اگلے دن جا کر اس نے سنی سے وہ کیس لے لیا۔ کیونکہ سرہانے نہ تو اشرفیاں آئی تھیں نہ پیتل کے چراغ سے جن نکلا تھا۔

"اگر اس کیس کا کرایہ ہو تو ایک ہفتے کا کرایہ کتنا ہو گا۔"

سنی کو ہنسی آگئی۔ "تم جیسے ایمان دار لوگوں کو زمین سے اٹھا لیا جانا چاہیے' ہم جیسے بے ایمانوں کے دلوں پر بھی بوجھ لادیتے ہو۔"

اس نے کیس کھولا تو اندر شیف زاہد احمد کا نام لکھا تھا۔ کیس لے کر وہ کلاس میں چلی گئی۔ کٹنگ میں اس کا سترہ سال کا تجربہ تھا' وہ ساری کلاس سے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی اپنی کٹنگ سے فارغ ہو جاتی تھی۔ شیف کے ہاتھ میں پنسل کی ساخت لیکن لمبائی میں ذرا بڑی اسٹک ہوتی تھی۔ وہ ان اسٹوڈنٹس کی انگلیوں پر پڑتی تھی' جن کی نائف کی سطح پر رکھی تین انگلیاں' ہر دو منٹ بعد سیدھی ہو کر ذرا آرام کرتی تھیں۔ اس کی انگلیوں کو آرام کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی لیے کلاس میں سب سے پہلے' آخری رو میں کھڑی تعریف کی پہلی تھپکی اسے ہی ملی تھی..... پہلی رو میں کھڑے برہان کی گردن موڑ کر ناپسندیدگی سے بھری پہلی نظر بھی۔

٭ ٭ ٭

کلاس سے فارغ ہونے کے بعد وہ لان میں بیٹھی تھی کہ شیف جلال اس کے پاس آئے۔

"ٹرینی دینا! آپ کو ہوٹل میں شیف نے اپنے انڈر کال کی ہے۔"

"مجھے؟ کس لیے سر؟"

"آپ کی کٹنگ جس شیف کے پاس جاتی ہے' آپ کو کٹنگ میں ان کا ہیلپر بنانا ہے۔ یہاں سے آپ ان کے پاس جایا کریں گی۔"

"کیا واقعی سر؟" وہ اتنی خوش ہوئی کہ سارے دانت ایک ساتھ نظر آنے لگے۔

"آپ یہ بات کسی سے شیئر نہیں کر سکتیں' پھر ہمیں ہر ٹرینی کے سوال کا جواب دینا ہوگا کہ اسے کیوں نہیں بھیجا گیا۔"

اس نے "پھر مجھے ہی کیوں سر" نہیں پوچھا بس "یس سر" کہا اور خوشی خوشی کلاس کے بعد شیف جلال کے بتائے ہوٹل چلی گئی۔ اور شیف مظہر کے لیے کام شروع کر دیا۔ صرف کٹنگ کا۔

پہلے وہ تین بجے تک گھر پہنچ جاتی تھی' اب وہ رات کو سات آٹھ بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچتی تھی۔ ویسے اسے گیارہ بجے تک رکنے کے لیے کہا جا رہا تھا لیکن وہ گیارہ بجے تک گھر سے باہر نہیں رہ سکتی تھی۔

پہلے وہ فجر کے وقت اٹھتی تھی' اب فجر سے پہلے اٹھ جاتی تھی۔ پہلے اس کے ذمے رات کا کھانا پکانا تھا' اب ناشتا بنانا تھا۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ ہوٹل نہ جایا کرے' اسکول سے گھر آ کر رات کا کھانا پکایا کرے۔ اس لیے انہوں نے سیدھی طرح سے اس کے ذمے ناشتے کی ذمہ داری لگا دی۔

وہ فجر کی نماز کے بعد سے ناشتے کی تیاری شروع کر دیتی تھی اور پھر بھی دس پندرہ منٹ لیٹ ہی کلاس میں پہنچتی تھی۔ اس گھر کے افراد' جو کبھی اٹھارہ ہوتے کبھی بائیس اور کبھی تیس سے اوپر نیچے تو اسے ان کے لیے پراٹھے' انڈے' آملیٹ' آلو قیمہ پکاتے' تکلیف نہیں ہوتی تھی' بس اسے یہ افسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی پہلی کلاس تقریباً "مس" ہی کر دیتی ہے۔ وہ کام سے انکار کرنے کی عادی نہیں تھی۔ اس کے باپ نے سارے گاؤں کی شادیوں کے کھانے پکائے تھے' اور وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ جو انسان اتنا کام کر لیتا ہو' اسے بیس تیس افراد کا ناشتا کیا کہتا ہے لیکن رہ رہ کر اسے یہ دکھ ہوتا تھا کہ اس کی ماں نے اپنا زیور بیچ کر اور ساری زندگی کی جمع پونجی نکال کر اسے یہاں بھیجا ہے۔ اسے اپنی سانسوں کی اتنی قدر نہیں تھی' جتنی اسکول کے ایک ایک منٹ کی تھی۔

لیکن وہ ان کے گھر رہ رہی تھی' وہ اسے تین وقت کا کھانا دے رہے تھے۔ لینے کے بدلے میں دینا بھی پڑتا ہے۔ خدا کے علاوہ کون ہے جو "لین" سے پہلے "دین" طے نہ کرے۔

"پتا نہیں کتنی مشقت کر رہی ہو۔ میں نے کہا تھا' یہ ہم غریبوں کے شوق نہیں ہیں۔ پرائے گھر میں پڑی ہو' لڑکوں سے گھر بھرا پڑا ہے' مجھے وہاں راتوں کو نیند نہیں آتی۔" مہینے بعد اماں ملنے آئیں تو اس کی بیمار بیمار سی صورت دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"شریف اور اچھے لوگ ہیں اماں یہ' ایسے نہ سوچا کریں' سوجایا کریں۔"

"تمہارا گزارا ہو رہا تھا' دو نوالے بہت تھے ہمیں۔"

"زندگی بس دو نوالے ہی تو نہیں اماں!" وہ ماں کے گلے سے جھول گئی' بہنوں اور گاؤں والوں کا حال چال پوچھنے لگی۔

"یہ گھی کھا لینا دینا' تمہارے اس گھر کے لوگ شریف بھی ہیں اور اچھے بھی' لیکن ہر چیز بانٹ لینے کے لیے نہیں ہوتی۔" اماں اس کے لیے دیسی گھی کا ایک چھوٹا سا ڈبا لائی تھیں۔

"اماں! یہ گھی آپ خود ہی خالہ جی کو دے دیں۔ وہ خوش ہو جائیں گی۔"

"نہیں دینا! اسے کہیں چھپا لو۔ مفت نہیں آیا یہ' خرید کر لائی ہوں۔ صحت دیکھو اپنی۔"

"اماں! آج تک ان لوگوں نے جو خود کھایا ہے وہ

مجھے کھلایا ہے' کبھی اپنا ہاتھ نہیں کھینچا۔ میں کیسے اپنے نوالے ان سے چھپالوں۔"

ناچار اماں نے دل پر پتھر رکھ کر گھی کا ڈبا لے جاکر روحی باجی کی ساس کے سامنے رکھ دیا۔

"خالہ جی! یہ میں آپ کے لیے لائی ہوں۔"

"کمال ہو گیا یہ تو۔ ابھی دو دن پہلے ہی' ساتھ والی کہہ رہی تھی کہ حکیم صاحب نے نیم گرم دودھ میں خالص دیسی گھی گھول کر پینے کے لیے کہا ہے' میں نے تو کہہ دیا تھا کہ وینا کی ماں کو فون کرتی ہوں کہ آتے ہوئے گھی لیتی آنا۔ اور تم بنا کہے ہی لے آئیں۔ بے شک اللہ ہی سبب بناتا ہے۔"

اللہ کا بنایا سبب' پڑوسن خالہ کے گھر اسی وقت پہنچا دیا گیا۔

☼ ☼ ☼

"تم ہوٹل میں جاب کر رہی ہو نا؟" ایک دن اس کی کلاس فیلو نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو ہوٹل کیوں جاتی ہو؟"

"وہ تو میں شیف کی ہیلپر ہوں۔ کٹنگ کرتی ہوں۔"

"بہت تیز ہو تم' کتنی صفائی سے جھوٹ بول رہی ہو۔"

ایسے انداز پر وہ سرد ہو گئی۔ ایسے لہجے ان سب میں بہت مقبول تھے۔ جس کا زیادہ تر شکار وہ ہوتی تھی۔ وہ کلاس کی سب سے زیادہ خاموش رہنے والی لڑکی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ اس سے کوئی بات کرنے والا نہیں تھا۔ دوسرا اس لیے کہ اگر وہ کسی سے بات کر بھی لیتی تھی تو اسے چپ کروا دیا جاتا تھا۔ ان کے لیے وہ غیر ضروری چیز تھی ورنہ مجبوری پر بس ضرورت کی۔ کسی ریسپی وغیرہ کے بارے میں پوچھ لیا' اس کے نوٹس چیک کر لیے۔ سر کی کہی بات' جو وہ بھول چکے ہیں لیکن اسے یاد ہے' پوچھنے کے لیے۔

وہ شیف کوٹ پہنتی تھی' سر پر ہیڈر رکھتی تھی' گلوز پہنتی تھی' پھر بھی وہ ان جیسی نہیں تھی' اور اس کا احساس وہ اسے دلاتے رہتے تھے۔

ایک بار اس نے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو کٹنگ کی آسان تکنیک سمجھانی چاہی تو اس نے نائف پر سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے معلوم ہے سب۔۔۔ ڈونٹ بی مائی باس۔"

وہ سب اسے ناپسند کرتے تھے۔۔۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ بس اسٹاپ سے پیدل اسکول چل کر آنے والی واحد ٹرینی ہے۔ جو دو' تین دن لگاتار ایک ہی سوٹ پہن کر آتی ہے۔ جو چمڑے کے بدرنگ جوتے پہنتی' اور بٹنوں والا موبائل رکھتی ہے۔ جس کے ناک' کان کی سرخی' کھانا پکاتے ہوئے اور سرخ ہو جاتی ہے۔

سرخ اینٹوں سے بنی' بھاٹی گیٹ کی اس حویلی کا منظر "فوڈ زل" سے مختلف تھا۔ اکثر رات کو روحی باجی کی نند رمشا اور اس کی آس پڑوس کی سہیلیاں چھت پر لڈو کھیلتیں تو اسے بھی نیند سے جگا کر اپنے ساتھ بٹھا لیتیں۔ اس کے پاس اسکول پہن کر جانے کے لیے گنے چنے کپڑے ہی ہیں' یہ جان کر رمشا اسے اپنی الماری کے پاس لے گئی کہ وہ اس کی ساری چیزیں استعمال کر سکتی ہے۔ خاص طور پر کپڑے۔

اس نے ایک بار بھی الماری میں سے اس کا سوٹ نکال کر نہیں پہنا تھا کیونکہ اسے کپڑوں کے اچھا' برا ہونے سے بالکل فرق نہیں پڑتا تھا' لیکن اسے رمشا کا ایسے کہنا بہت اچھا لگا تھا۔ اچھا تو اسے یہ بھی لگتا تھا کہ اسے گھر پہنچنے میں دیر ہو جاتی تھی تو خالہ جی فون بھی کرواتیں اور حویلی سے باہر نکل کر اس کی راہ بھی دیکھتی تھیں۔ موسم خراب ہوتا' بارش وغیرہ ہوتی تو کسی نہ کسی کو اسے لینے کے لیے بھیج دیتی تھیں۔

بھاٹی گیٹ' اور کوکنگ اسکول۔

یہ اس کے لیے شہر کے دو الگ الگ دروازے تھے۔ ایک دروازے کے پار ایک اجنبی' روکھا' جابر' منہ موڑے بڑا شہر تھا اور دوسرے "اصل شہر"۔

شاید ہر شہر کا مزاج گرگٹ کی طرح ہوتا ہے۔ کبھی شہنشاہ' کبھی جابر' کہیں عداوت' کہیں سخاوت' لاہور

شہر بھی ان ہی شہروں میں سے ایک تھا۔ اگر اس نے خوش آمدید نہیں کہا تھا تو خدا حافظ بھی نہیں کہے گا۔ اگر بڑھ کر گلے سے لگایا ہے تو گلے سے اتار بھی پھینکے گا۔ دنیا کے بڑے شہر کی طرح' اس کے چہرے پر بھی جا بجا نقاب ہیں۔

یہ گھائل کردے گا.... ہاں لیکن شاید دوا بھی دے دے گا۔

☼ ☼ ☼

کلاس کے پہلے دن' پہلی رو کے پہلے کاؤنٹر پر برہان کھڑا تھا۔ اس کے فادر ایک نامی گرامی شیف ہیں کچھ اس لیے' اور کچھ اس لیے بھی کہ وہ سارے اسکول کو' پوری کلاس کو' سب شیفوں کو اپنے پیچھے رکھنے پر بضد تھا۔ اس کے چھ فٹ کے قد' گوری رنگت' اور کورین متاثرہ فیشن اسٹائل نے اسے فوڈ زل میں پہلے دن سے ہی مشہور کروا دیا تھا۔ کچھ کو قدموں سے' کچھ کو نظروں سے اپنے تعاقب میں دیکھنے کی اسے عادت ہو چکی تھی۔ ایک اور عادت بھی نمایاں تھی۔ بات ہو تو اس کی ہو' تعریف ہو تو اس کی ہو۔ اسے لگتا تھا کہ وہ یہاں موجود کسی بھی شیف سے زیادہ جانتا ہے..... شاید ایسا ہی تھا۔

پھر وہ کوکنگ اسکول میں کیا کر رہا تھا؟ یہی کوئی دس پندرہ کروڑ اسٹارز اور ڈکشنری جیسی وزنی کتاب جتنی تعریفوں کے لیے جو اس کے سرٹیفکیٹ کے ساتھ منسلک کی جاتیں۔

وہ جتنا زیادہ لائق تھا' اتنا نالائق بھی تھا.... اور یہ بات صرف دینا جانتی تھی۔

ایک ہفتے پہلے دینا آخری کاؤنٹر سے برہان کی رو میں آگئی تھی۔ ایک ہفتے بعد' برہان' دینا سے ایک رو پیچھے چلا گیا تھا۔ پوری کلاس میں یہ جرأت صرف دینا نے کی تھی۔ خود کو آگے لانے اور اسے پیچھے بھیج دینے کی۔

مہینے میں ایک بار شیف اپنی پسند سے تین چار اسٹوڈنٹس کا نام لیتے تھے اور انہیں کوئی ایک ریسپی پکانے کے لیے کہتے تھے۔ اس بار چار میں سے ایک برہان بھی تھا۔ ان کی ریسپی اسٹیک باربی کیو (الالی) تھی۔

اسٹوڈنٹس نے ان کی ریسپی کی مارکنگ الگ سے کی اور شیف نے الگ سے۔ باقی تینوں اسٹوڈنٹس کو ان کی مارکنگ شیٹ دے دی گئی جو ملی جلی رائے پر مشتمل تھی۔ برہان پر سب کی رائے ایک جیسی تھی' اس کی اسٹیک کو سب اسٹوڈنٹس نے بہت پسند کیا تھا' ایک سوائے دینا کے اور وہی شیف کے ہاتھ میں تھی۔ دینا نے اسے فائیو میں سے ایک اسٹار بھی نہیں دیا تھا' اس نے باقی کے تین کے ساتھ بھی یہی کیا تھا لیکن فرق صرف یہ تھا کہ برہان کے ساتھ اس اکیلی نے یہ کیا تھا۔ کمنٹ باکس میں بس ایک لائن لکھی تھی۔

"سویا ساس' اور شہد کی زیادتی نے باقی سب اجزاء کے ذائقے کو زائل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

برہان نے گردن موڑ کر پیچھے کھڑی دینا کو دیکھا اور ہنس دیا۔ دینا اس کی ہنسی کا مطلب نہیں جانتی تھی۔ دینا تو کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

"کیسے دینا؟" شیف خود تو سمجھ چکے تھے لیکن کلاس کو اس کی زبان سے سمجھانا چاہتے تھے۔

"پیاز' لہسن' ناشپاتی کی ترشی قائم بھی رہنی چاہیے تھی اور اسے سویا ساس اور شہد کے ساتھ مکس بھی ہونا تھا۔ لیکن سویا ساس کی مقدار مقررہ مقدار سے کم سے کم ڈیڑھ دو چمچ زیادہ ہے اور شہد کی بھی۔ مقدار کی اس زیادتی نے باقی اجزاء کے ذائقوں کو ضعیف کر دیا۔"

"میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ الالی ذائقے میں مکمل ہے۔" وہ انگلش میں شیف سے کہنے لگا۔

اتنی انگلش تو وہ سمجھنے لگی تھی۔ "شیف اے.... بی.... سی.... میں اے سی ٹریکٹ سی تک نہیں جا سکتا۔ اسے بی بھی عبور کرنا ہوگا' تب ہی وہ شیف کہلائے گا۔ وہ ذائقہ پکاتے ہوئے' اجزاء کی خاصیت کو زائل نہیں کر سکتا۔"

"دینا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ہیڈ شیف نے اس کی

تائید کی۔

"میں کسی سائنس لیب میں نہیں کھڑا' جہاں مجھے ملی گرام اور۔۔۔ گرام کا خیال رکھنا ہے۔"

شیفٹ نے تاسف سے برہان کو دیکھا۔ "خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

ساری کلاس کو سانپ سونگھ گیا۔ تقریباً "سب نے برہان کو فائیو' فور اسٹار دیے تھے' وہ دینا کی طرح بال کی کھال کیسے نکالتے' انہیں تو پارچہ بہت مزے کا لگا تھا۔ ایک ڈیڑھ دو چمچ سویا ساس اور شہد کی زیادتی سے فرق ہی کیا پڑتا ہے؟"

"لیکن فرق پڑتا ہے۔۔۔ جیسے سفید دودھ میں ایک چٹکی ہلدی سے۔ ایک دیگ چاول میں' دو چٹکی زعفران سے۔ ایک کپ چائے میں کھٹاس کی تین بوندوں سے۔ فرق مقدار میں کتنا ہی کم' اور تعداد کتنا ہی نیچے کیوں نہ ہو' پڑتا ہے۔

اور یہی وہ وقت تھا جب دینا نے برہان کو پیچھے دھکیل دیا۔ اور یہی وہ وقت بھی تھا جب وہ ہوٹل جانے کے لیے گیٹ سے نکل رہی تھی' اور برہان پارکنگ میں اپنی کار کے ساتھ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ تین مہینے بعد آج اس نے اس لڑکی کی شکل کو غور سے دیکھا تھا۔

"دینا۔۔۔ اوور ڈیئرو نیچ گرل۔۔۔"

فٹ پاتھ پر چلتی دینا اس بات سے لاعلم تھی کہ زندگی اس وقت شروع نہیں ہوتی جس وقت ہم اپنی جدوجہد شروع کرتے ہیں' جس وقت منزل کی طرف پہلا قدم اٹھاتے ہیں۔ یہ زندگی تو اس وقت شروع ہوتی ہے جس وقت ہم اپنا پہلا دشمن پیدا کرتے ہیں۔

پہلا حاسد۔۔۔ پہلا چال باز۔۔۔ پیٹھ پر پہلا وار۔۔۔

☼ ☼ ☼

"دینا بیٹا! تمہاری بہن کے نکاح کی تاریخ رکھ دی ہے۔"

اتوار کو وہ گھر کی طرف آرہی تھی کہ روحی باجی کی پڑوسن زینب خالہ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا۔

"مبارک ہو خالہ جی! کب ہے شادی؟"

"اس مہینے کی دس تاریخ کو ہے۔ اس کی ساس کہتی ہے جہیز لڑکی کے لیے' کھانا باراتیوں کے لیے۔ اب یہ کھانا بھی اچھا نہ ہو تو کیا فائدہ لاکھوں کے جہیز کا۔ کہتی ہیں کسی اونچی جگہ سے کھانا پکوائیں۔ میں رفیق نائی کے پاس گئی تھی' پر وہ تو بہت پیسے مانگ رہا ہے۔ سامان بھی بہت لکھوا رہا ہے۔ سوچا گھر کا بندہ ہوگا تو کچھ لحاظ کرلے گا۔"

گھر کا بندہ سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ سب سمجھ رہی تھی لیکن وہ انہیں کیسے سمجھاتی کہ اس نے آج تک صرف تین دیگیں ہی پکائی تھیں۔ وہ بارات کا کھانا کیسے پکائے گی۔ پھر شہر کی بارات کا' جو کھا بھی جاتے ہیں اور ہزار نقص بھی نکال کر ہاتھ میں دے جاتے ہیں۔

"کتنے لوگ ہیں بارات کے؟"

"میں نے تو پچاس کا کہا تھا لیکن عظمیٰ کی ساس نہیں مانی' کہنے لگی ڈیڑھ دو سو تو ضرور ہوں گے۔"

ڈیڑھ دو سو سے بھی ڈھائی تین سو ہو جائیں گے۔ وہ جانتی تھی۔ وہ کیسے ان کا دل توڑ دیتی کہ وہ دو ڈھائی سو لوگوں کا کھانا نہیں پکا سکتی۔ اس نے آج تک تیل مہندی کی تین دیگیں پکائی ہیں۔ وہ بھی گاؤں میں۔

"خالہ جی! وہ میں۔۔۔"

"دینا! انکار نہ کرنا۔ میں بڑی آس سے آئی ہوں۔ آپا فوزیہ کی بیٹی کی منگنی پر جو تم نے قورما پکایا تھا' سب نے بہت تعریف کی تھی اس کی۔ اتنے بڑے اسکول سیکھنے جاتی ہو۔ گاؤں میں شادیوں کے کھانے پکاتی رہی ہو۔" بیوگی اور پھر سفید پوشی' ان کی آواز پریشانی کے ہر خوف تلے کانپ رہی تھی۔

وہ خاموش ہوگئی۔ کیا کہتی کہ وہ صرف پچاس ساٹھ افراد کے لیے پکایا گیا قورمہ تھا۔ اگر روحی باجی کی ساس نے اس کی شان میں زمین و آسمان کے اتنے قلابے نہ ملائے ہوتے تو اسے ایسے شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔ دن بھر وہ محلے والیوں کے جلو میں چودائن بنی بیٹھی رہتی تھیں۔ وہ گاؤں میں تیل مہندی کا کھانا پکاتی تھی تو وہ یہ کہتی رہتی تھیں کہ باپ کے بعد اس نے سارے گاؤں کی شادیوں کے کھانے پکائے ہیں۔ باراتی تو اپنی

انگلیاں چاٹتے رہ جاتے تھے۔ کبھی وہ روحی باجی سے کہہ دیتی تھی کہ اسکول میں فلاں شیف نے اس کی تعریف کی تو وہ یہ مشہور کر دیتی تھیں کہ کوکنگ اسکول میں سارے شیف دینا کے کھانوں کے دیوانے ہیں۔ انسان کو زبان کا اتنا اچھا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ سامنے والے کو آسمان پر بٹھا دے کہ وہ بے چارا شرم سے واپس زمین پر نہ آسکے۔

"اچھا میں آپ کو کل بتاتی ہوں۔" مناسب انداز سے انکار کے لیے اس نے وقت لینا چاہا لیکن......

"ہاں ٹھیک ہے دینا! کل آ کر مجھے سامان بتا جانا۔"

کہہ کر وہ چلی گئیں اور وہ ان کی پشت دیکھتی رہ گئی۔ سوال لے کر وہ آئی تھیں جواب بھی وہ دے گئی تھیں۔ اس نے انکار نہیں کیا تھا' وہ ہاں لے کر چلی گئیں۔ زندگی ایک ایسی امتحان گاہ ہے' جہاں ڈیٹ شیٹ پہلے نہیں دی جاتی' سیدھا سیدھا پرچا ہاتھ میں پکڑا دیا جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر آئی تو خالہ جی نے اسے آواز دے کر اپنے پاس بلا لیا۔

"عظمیٰ کی شادی ہو رہی ہے نا۔ بڑی اونچی ناک والی ہے عظمیٰ کی ساس' میں سوچ رہی تھی کہ اگر تم اس کی بارات کا کھانا پکا لیتیں؟"

"بات کی ہے خالہ جی نے مجھ سے۔"

"مجھ سے پہلے ہی بات کر لی' منع بھی کیا تھا۔ اچھا چلو! تم تیاری کر لو' کسی کا بھلا ہو جائے گا بیٹا!"

"بھلا نہ ہو گا تو بیڑا غرق بھی نہ ہو گا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

اگلے دن واپسی پر وہ ان کے گھر چلی گئی۔

"میں اجزا اور سامان نہیں لکھواؤں گی' آپ کے ساتھ جا کر خود لاؤں گی یا کسی کو میرے ساتھ بھیج دیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

خالہ جی تو خوش تھیں ہی' عظمیٰ باجی کی خوشی بھی دیکھنے لائق تھی۔ ان سب کو یہ خوش فہمی تھی کہ فائیو اسٹار ہوٹل کا ایک بہت بڑا شیف بارات کا کھانا پکانے کی ہامی بھر چکا ہے اور اب اس کھانے میں نقص نکالنے کی جرأت کوئی مائی کا لال نہیں کر سکے گا۔

مائی کا لال دینا خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں کی چکی میں اکیلی پس رہی تھی۔

"چائے پیو گی دینا؟"

"نہیں باجی! ویسے بھی ہو سکتا ہے اپنی بارات کے بعد آپ مجھے زہر کھلانا پسند کریں..... اچھا کھانا کہاں پکے گا؟"

"وہ بڑی سڑک پر جو ڈیرا ہے نا وہاں۔ سب کی شادیوں کے کھانے وہیں پکتے ہیں۔ گیس' پانی سب کا انتظام ہے وہاں۔"

اگلے دن جا کر وہ ڈیرا دیکھ آئی۔ گیس کے چولہوں کی آنچ دیکھی تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مقامی نائی ان چولہوں پر کیسے پکا لیتے ہیں۔ ان کی تو لاٹ ہی خراب تھیں۔ اس نے خالہ جی سے بات کی تو انہوں نے بڑی خوش دلی سے کہا۔

"یہ تو میں بھائی منیر سے کہہ دوں گی کہ ٹھیک کرا دے' پورا کرایہ لے گا تو چولہے بھی ٹھیک کرے نا۔"

"دینا یتیم بچی ہے عظمیٰ دل لگا کر کام کرنا۔"

خالہ جی آتے جاتے اسے نصیحت کرتیں۔ اب وہ خالہ جی کو کیا بتاتی کہ اس دوسری یتیم بچی کی راتوں کی نیندیں جو انہوں نے پورا دل لگا کر حرام کی ہیں' انہیں کون حلال کرے گا۔

اسکول سے پہلی بار چھٹی کر کے وہ مسالوں کے لیے تین دن لگاتار منڈی جاتی رہی تھی' لیکن اسے اپنی پسند کے مسالے نہیں مل رہے تھے۔ تھک کر اسے اکبری منڈی سے خام مسالے لے کر انہیں اپنی نگرانی میں مشینوں پر پسوانا پڑا۔ کچھ مسالے توے پر بھون بھون کر رکھتی رہی۔ کچھ کو دھوپ لگوا کر اس نے ان کی نمی ختم کی۔ ساتھ ساتھ وہ ہوٹل کی بیسمنٹ میں جانے لگی تھی' جہاں ہوٹل میں ہونے والی شادیوں کا کھانا پکتا تھا۔ وہاں ایسے جانے کی اجازت تو نہیں تھی' لیکن

اگر باراتیوں کو اونچی جگہ کا کھانا چاہیے تھا تو اسے بھی نیچے تک جا کر' مطلوبہ مواد حاصل کرنا تھا۔

اتوار کو بارات کا کھانا پکانے کے بعد' تیز بخار نے اسے آلیا تھا۔ یہ دباؤ سے نجات کا نتیجہ تھا یا ناکامی سے بچ جانے کی خوشی کہ وہ فوراً" تیز بخار کی زد میں آگئی تھی۔ خالہ جی نے کہا ایسا لاجواب کھانا پکایا کہ بچی کو نظر لگ گئی۔ وہ مرچوں سے اس کی نظر اتارنے لگیں تو وہ ہنس دی۔ پھنسایا بھی انہوں نے تھا اب نکال بھی وہیں رہی تھیں۔

ہلکا سا بخار اسے ابھی بھی تھا' لیکن پھر بھی وہ کلاس لینے کے لیے آگئی تھی۔ صبح دیر سے اٹھی اور جب تیار ہو کر گھر سے نکلنے لگی تو روحی باجی کا اخبار میں لپیٹا ناشتا گھر بھول آئی۔ اب اسے کمزوری سے چکر آرہے تھے۔

دن بارہ بجے تک وہ یہ سوچتی رہی کہ آخر کینٹین میں چائے کا کپ کتنے کا ہوگا؟ بہت زیادہ کا بھی ہوا تو' پچاس کا ہوگا۔

"ایک سو ساٹھ روپے۔"

کاؤنٹر کے پیچھے سے جب کہا گیا تو اسے اصل چکر تب آئے۔ وہ حیرت سے کاؤنٹر بوائے کو دیکھنے لگی کہ اس چھوٹے سے ڈسپوزل سفید کپ میں آخر ایسا کیا ہے جو یہ ایک سو ساٹھ کا دیا جارہا ہے؟ چائے کی سطح پر چاندی کے ورق تیر رہے تھے نہ تہہ میں سونے کی گولیاں پڑی تھیں۔۔۔ پھر۔۔۔ ایک سو ساٹھ کیوں؟

"یہ چائے واپس نہیں ہو سکتی؟" سامنے رکھے کپ کو وہ خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اپنا کام کرتے کاؤنٹر بوائے نے اسے گردن موڑ کر حیرت سے دیکھا۔

"اتنی کنجوس نہ بنو' پکڑو کپ اپنا۔" عنایہ نے اس کی پشت کو ٹھونکا۔

"میں نہیں کھاؤں گی' بس مجھے چائے ہی چاہیے تھی۔" دو میں سے ایک سینڈوچ عنایہ نے اس کے سامنے کیا تو اس نے کہا۔

"اتنا غیرت مند ہونا بھی ٹھیک نہیں ہوتا! پیچ فیلو ہوں تمہاری۔ پکڑو یہ سینڈوچ۔"

سینڈوچ اس نے پکڑ لیا اور چائے کے ساتھ کھانے لگی۔

"زوہا کو پک می اپ (پیسٹری) تم نے بنا کر دی تھیں؟"

"میں نے بس اس کی مدد کی تھی۔۔۔ اس کے گھر تقریب تھی تو۔"

"واہ! تو اس نے تمہیں یہ پٹی پڑھائی تھی؟ گھر کی اس تقریب کو اس نے "زوہا اسپیشل" کا پوسٹر لگا کر' پیک کرکے' اپنی فیملی' فرینڈز اور کلاس فیلوز میں فخریہ تقسیم کیا۔ اتنا سیدھا ہونا ٹھیک نہیں ہوتا۔"

"ہمیشہ ٹیڑھا رہنا بھی ٹھیک نہیں عنایہ!"

"ایک "زوہا اسپیشل" میرے گھر بھی آیا تھا۔ ماما نے مجھے کافی باتیں سنائیں کہ ان چار مہینوں میں زوہا تو پوری "شیف" بن گئی ہے اور میں چار انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں کھسک سکی۔ اب تمہیں کرنا یہ ہے کہ کسی دن میرے ساتھ گھر چلنا ہے اور وہاں "عنایہ اسپیشل" بنا کر دینا۔"

"جو کہو گی' بنا دوں گی' لیکن تم گھر میں خود بھی پریکٹس کیا کرو نا۔"

"ہاں تو کر رہی ہوں نا پریکٹس! دیکھو یہاں کل ہی بوٹکس لگوائے ہیں اور یہ دیکھو لپ فلر بھی' کیسا لگ رہا ہے فیس میرا؟"

"اوہ ہاں! تمہارا چہرہ کچھ پھولا پھولا سا لگ تو رہا ہے اور ہونٹوں پر جیسے کوئی کیڑا کاٹ گیا ہے۔ کیا ہوا ہے؟"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔ ڈفر! خود کو کوکنگ شو کے لیے تیار کر رہی ہوں۔"

"کوکنگ شو؟ یہاں اسکول میں شوز بھی ہوتے ہیں؟"

"اف! یار ٹی وی میں۔ چینل پر۔ شو کا شو' شوبز کا شوبز۔ اسٹار بن جاؤں گی۔ شائن کروں گی دیکھنا۔"

"دیکھنا مایوس نہ کر دینا۔ میرا خیال ہے تمہیں پہلے دل لگا کر سیکھ لینا چاہیے' پھر ٹی وی جانا۔"

"نہیں گاؤں کی لڑکی دینا ڈیئر! نہیں۔۔۔ تم بھولی

نہیں بے وقوف ہو۔ کم عقل نہیں، گائے عقل ہو۔ تمہیں کیا لگتا ہے یہ کک یا شیف ٹی وی چینل پر اپنے ٹیلنٹ کی بنا پر شوز کر رہے ہیں؟ بیس بائیس کانٹیننٹل، دس بارہ کیک، ڈزرٹ بنالینے سے اگر کوئی شیف بن جاتا ہے تو وہ میں دو مہینے پہلے ہی بن چکی ہوں۔"

"وہ بنے ہیں یا نہیں، لیکن تم تو بن جاؤ۔ دل لگا کر اپنا کام سیکھ لینے میں آخر کیا حرج ہے عنایہ!"

"حرج ہے.... انرجی کا.... وقت کا.... بس اتنا ہی کافی ہے جس سے کام چل جائے۔ زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔"

☼ ☼ ☼

"کھانا پکانا ایک پریم ریتی ہے۔ لوگوں کو کھانا کھلا کر خود خوشی حاصل کرنا پریم ریتی کا جزو عظیم ہے۔" (بانو قدسیہ)

"تم انڈا کیسے بناتی ہو دینا! کل تمہارے بھائی کو بنا کر دیا تو سو نقص نکالنے لگے۔ میں نے کہا روز صبح بھی تو یہی انڈا کھاتے ہیں، کہنے لگے روز صبح والا ہی تو چاہیے۔"

وہ مسکرانے لگی۔ ایک انڈا ڈیڑھ منٹ کا ابلا ہوا، ایک انڈا کچا۔ دونوں کو خوب پھینٹا، نمک، کالی مرچ، انڈا تیار۔

"دکھا دوں آپ کو؟"

"انڈا پکانا بھی سیکھنا پڑتا ہے۔" وہ ہنسنے لگیں۔

اس نے اپنا شیف بیگ اٹھایا اور خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر آگئی۔ صبح کے وقت بھاٹی گیٹ میں بہت رش ہوتا تھا۔ ناشتے کی دکانیں کھچا کھچ بھری ہوئی ہوتی تھیں۔ کئی دکانوں کے سامنے تو قطاریں بنی ہوتی تھیں۔

"سفیدی میں دو بوند شہد، زردی میں تین بوند لیموں، الگ الگ پھینٹ کر پکالیں۔"

صبح سویرے کی یہ چہل پہل اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ بڑی بڑی کڑاہیوں میں پوریاں، پتیلوں میں مرغ چنے اور پائے، مل والے نان اور باقر خانیاں۔

تین سفیدیاں، دودھ، پسی الائچی، پین میں زیتون کا تیل۔ سفیدی کے غبارے پر کش ہٹو، اس پر ثابت زردیاں۔

حویلی کے مکین کھانے کے شوقین تو تھے، لیکن کھانے سے انجان بھی تھے۔ وہ انہیں ہفتے میں ایک دن نئی ریسپی کا انڈا پکا کر کھلا رہی تھی اور وہ سب انڈوں کو "مزے کا انڈا" کہہ رہے تھے۔ جانا بھی تو بس اتنا کہ روحی باجی کا انڈا مزے کا نہیں اور دینا کا انڈا مزے کا ہے۔

اس نے کوکنگ اسکول میں بارہا یہ جملہ سنا تھا کہ کوکنگ ایک آرٹ ہے، فن ہے۔ اگر یہ بات گاؤں میں کی جاتی تو وہ سب ہنس دیتے۔ ساری ساگ پکانے والی مائیں اور سب سویاں بٹنے والی بوڑھیاں۔

اگر کوکنگ آرٹ ہے تو اسے "آرٹ" کیوں سمجھا جاتا ہے۔ کاٹا، پھینکا اور پکا لیا۔ چند ایک کلاس فیلوز کے علاوہ اس نے تو کسی کو بھی آرٹ کے اس کینوس پر توجہ کے اسٹروکس لگاتے نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے تو خود کو اجزا کی خوشبو تک سے انجان رکھا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے تھے کہ مسالے کب اپنا رنگ اور خوشبو بدلتے ہیں۔ جو شخص عجلت کا شکار ہو، بے صبرا اور جلد باز ہو، وہ کوئی تخلیق کیسے کر سکتا ہے؟ دنیا میں جتنے شاہکار تخلیق ہوئے اور کائنات ہر روز جتنے شاہکار تخلیق کرتی ہے، وہ عجلت پسندی اور لاپروائی سے دور رہ کر کیے گئے۔ تخلیق کی کامل صورت گری پر اپنے سارے پیمانے ٹھونک کر۔

☼ ☼ ☼

"ایک بیکری کی اوپننگ ہو رہی ہے۔ انہیں کچھ اچھے شیف چاہئیں۔ میں تمہاری بات کر سکتی ہوں وہاں۔"

وہ سیڑھیوں پر بیٹھی فوڈ میگزین پڑھ رہی تھی کہ عیشل اس کے پاس ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

"میں جاب کروں گی تو اسکول کیسے آؤں گی؟"

"جاب نہیں، صرف اوپننگ کروانی ہے۔ ہیڈ

شیف کے انڈر کام کرنا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کا کام ہے۔ تم نائٹ شفٹ میں بھی انہیں جوائن کر سکتی ہو۔ وہ تمہیں بیس ہزار سے کم پے نہیں کریں گے۔"

وہ پیسوں کی لالچی نہیں تھی، لیکن اسے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔ یہاں آنے جانے کے لیے جو کرایہ لگتا تھا، وہ بہت زیادہ تھا۔ چار ہزار وہ روحی باجی سے ادھار لے چکی تھی۔ اماں کے پاس جتنے پیسے ہوتے تھے، وہ اسے بھجوا دیتی تھیں۔ خود وہ پتا نہیں گاؤں میں دو وقت کا بھی کھا رہی تھیں یا نہیں۔ اس صورت میں بیس نہ سہی، دس ہزار ہی مل جائیں اور وہ بسوں کے کرایوں کی فکر سے آزاد ہو جائے۔ وہ عیشل کے دیے پتے پر انٹرویو کے لیے چلی گئی۔ انہوں نے اسے انٹرویو کے بغیر ہی اوپننگ ٹیم میں "ان" کر دیا۔ شاید عیشل پہلے ہی ان سے بات کر چکی تھی۔

وہ شام چھ بجے سے رات ایک بجے کی شفٹ میں کام کرنے لگی۔ ہفتے کے پانچ دن کام بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتا رہا، چھٹے دن، جس سے اگلے دن بیکری کی اوپننگ تھی اس کی ڈو خراب ہو گئی۔

غلطی ڈو (Dough) کی تیاری میں نہیں ہوئی تھی، غلطی برہان کے کھانے میں غلطی نکالنے کی ہوئی تھی۔ اس رات اور اس سے اگلی رات جب وہ تخت پر سوئی تو ساری رات اس کا تخت ہلتا رہا۔ ان گئے مہینوں میں وہ تخت پر توازن بنا کر سونا سیکھ گئی تھی، لیکن ان دو راتوں میں وہ توازن نہیں رکھ سکی۔ رات بھر وہ سسکتی رہی اور رات بھر تخت اس کے ساتھ آہیں بھرتا رہا۔

پانچ دن وہ شیف کو ٹھیک ٹھاک اسسٹ کرتی رہی تھی۔ اس نے کوکیز، ڈونٹ، بریڈ، پائی، سب بنا لیا تھا لیکن چھٹے دن وہ ڈو خراب ہو گئی..... کیسے؟

جس وقت بیکری کے ہیڈ شیف اور ایگزیکٹیو شیف باقی اسٹاف کے سامنے اس کی بے عزتی کر رہے تھے، اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کی انگریزی پھٹکار کا جواب کس زبان، کس لہجے اور کن الفاظ میں دے کہ وہ اس کے سچ پر یقین کر لیں کہ اس کے ہاتھوں بنی ڈو کا ہزار میں سے ایک فیصد خراب ہونے کا امکان بھی نہیں ہے۔ ضرور کچھ اور ہوا ہے۔

ضرور کچھ ہوا ہی تھا..... ورنہ اس کے ہاتھ میں بیس ہزار کا ہرجانہ نہ پکڑا دیا جاتا۔ بیکری کے کچن کا گلاس ڈور کھول کر، وسل بجاتا ہوا برہان اندر نہ آتا، بیکری کے اسٹاف میں سے کچھ نے مسکراہٹ کو چھپایا نہ ہوتا۔

اس نے باری باری ان سب کو دیکھا اور پھر برہان کو۔ تو جس وقت شیف نے اسے، کچن اسٹور کی طرف بھیجا تھا، اسی وقت شیف نے ڈو میں خمیر کی مقدار بڑھا دی تھی۔ اسے سمجھنے میں ایک لمحہ لگا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ بیس ہزار کا جرمانہ، اسٹاف کے سامنے تیس منٹ کی عزتی "ان کے اسکول فون کریں اور ان کی رپورٹ کریں۔" پر مشتمل نالائقی کی سند لے کر بیکری سے باہر آ گئی۔

"ہیلو ڈیر ویلج گرل..... انسلٹ کلاس کیسی رہی؟"

اس کے پیچھے سے آ کر وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

عنایہ ٹھیک کہتی ہے وہ ایک کم عقل، گائے عقل، گاؤں کی لڑکی ہے۔ جس عیشل نے تین مہینے اس سے بات نہیں کی تھی، وہ اچانک اس سے ہائے ہیلو کیسے کرنے لگی تھی۔ جو لڑکی اس کے پاس کھڑا ہونا پسند نہیں کرتی تھی، وہ اسے چائے کافی کیسے آفر کر سکتی تھی۔

"تمہیں بس ایسے مقابلہ کرنا آتا ہے؟" دو قدم بڑھا کر وہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"ایسے بھی..... ویسے بھی..... ہر طرح سے....."

اس کا برانڈڈ فیشن بھی اس کی شیطانی مسکراہٹ کو پرکشش نہیں بنا سکا تھا۔ وہ جرمن شیفرڈ تو ہو سکتا تھا، لیکن شیف نہیں۔

"تم پر یہی سوٹ کرے گا۔"

"اوہ! چیونٹیوں کو چنگھاڑنا آ گیا ہے۔"

"ہاں! جیسے گیدڑوں کو پیٹھ پر وار کرنا۔ لومڑوں کو چال چلنا۔"

"جیسے ڈو کا خراب ہونا..... جیسے بیس ہزار کی پنالٹی

پڑتا۔" وہ ہنس رہا تھا' ہنستا ہی جا رہا تھا۔

اگلے دن صبح ہی اسے آفس بلایا لیا گیا۔ بیکری سے تفصیلی فون اسکول آچکا تھا' جس میں انہوں نے احتجاج کیا تھا کہ انہوں نے اپنی نالائق ٹرینی ان کے پاس کیوں بھیجی۔ جس نے ان کا اتنا نقصان کیا اور ان کی ساکھ خراب کرنے کی کوشش کی۔ شیف جو اسے پھٹکار رہے تھے' اس کی ویڈیو بھی آفس میں موجود تھی۔

"ہم نے تو آپ کو ریفر نہیں کیا تھا' پھر آپ کس سے پوچھ کر کام کے لیے گئی تھیں۔ کس کی اجازت سے آپ نے "فوڈزل" کا نام استعمال کیا؟ ہماری ساکھ جانتی ہیں آپ کیا ہے۔ ہمارے شیف پاکستان اور دنیا بھر کے بہترین ہوٹلوں میں کام کررہے ہیں۔ آپ خود کو کیا سمجھتی ہیں؟ اپنے فاسٹل کرائسز فوڈزل کے نام کے ساتھ پورے نہ کریں۔ آپ ٹرینی ہیں' شیف نہیں۔ سمجھیں آپ۔"

وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ جانتی تھی اب سارے جواب غیر ضروری تھے۔ اس کے ہاتھ کچھ نہیں بچا تھا۔ پندرہ منٹ تک وہ آفس کے ان تین لوگوں کا کاٹ دار لہجہ سنتی رہی۔ صفائی میں اس نے ایک دو جملے کہنے چاہے' لیکن وہ درمیان میں ہی رد کردیے گئے۔

وہ کھڑے کھڑے اتنا زیادہ رونا چاہتی تھی کہ گاؤں میں سلائی کڑھائی کرتی اماں' اپنا سوئی دھاگا چھوڑ کر اس سے آکر لپٹ جاتیں۔

جس وقت وہ کلاس میں داخل ہوئی اس وقت سب نے اس کی طرف ایسے دیکھا۔ جیسے وہ جانتے تھے کہ آفس میں اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ بیکری میں' بیکری سے باہر۔ جب وہ رات کو سوئی ہوگی تب اور آج رات جب سوئے گی وہ بھی۔

وہ اپنی رو میں کھڑی ہونے لگی تو شیف نے اسے روک دیا۔

"آج سے آپ سب سے پیچھے کھڑی ہوں گی.... سیشن کے اینڈ تک.... نومیٹر واٹ...."

نومیٹر واٹ۔ زندگی آپ کو میدان میں سب سے آخر میں ہی لے جاکر کھڑا کیوں نہ کردے۔ کھڑے ہو جائیں۔ بس گریں نہیں۔

نومیٹر واٹ۔ کوئی ایک بھی دوست نہ ہو اور ہر طرف دشمن ہی ہوں کھڑے رہیں۔ سب سے پیچھے.... سب سے آخر میں.... روتے ہوئے' سسکتے ہوئے غم زدہ اور ٹوٹے ہوئے.... نومیٹر واٹ۔

برہان اور عیشل نے گردن موڑ کر پیچھے اسے دیکھا اور ہنس دیے۔

دنیا میں صرف ایک ہی ہتھیار ایسا ہے' جو کبھی ناکارہ نہیں ہوتا "دشمن کے ارادوں کا ہتھیار"

دنیا میں صرف ایک ہی ہتھیار ایسا ہے' جو دشمن کے ہر وار کا جواب دیتا ہے "ہمارے ارادوں کا ہتھیار"

"اماں! کوئی سونے' چاندی کی چیز بچی ہے؟ کچھ بھی جو بک جائے؟" وہ گھر گئی اور اس نے اماں کو فون کیا۔

"کیا بیچے گا دینا! تمہارے بابا کی دیگیں رکھی ہیں بس۔"

"بیچ دیں انہیں.... مجھے بیس ہزار چاہئیں۔"

کہہ کر اس نے فون بند کردیا اور حویلی کے سب سے اندھیرے گوشے میں جاکر سسکنے لگی۔

رات میں اس نے روحی باجی' خالہ جی سے پیسے ادھار لیے۔ کچھ پیسے وہ ان گھروں سے ادھار مانگ کر لائی جن کی چھوٹی بڑی تقریبات کے کھانے وہ پکا چکی تھی اور بدلے میں ایک پیسہ نہیں لیا تھا۔ اگلے دن پہلے اس نے بیس ہزار کی پنالٹی بیکری جاکر ادا کی۔ پھر فوڈزل آکر رپورٹ کی کہ وہ پیسے دے چکی ہے۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی برہان کے منہ لگنے کی۔"

پورے فوڈزل میں ایک عنایہ نے اس سے ہمدردی کی تھی۔

اداسی کے ہر رنگ کو سموئے' اس کی آنکھیں جھک کر اٹھتی نہیں تھیں۔

"دینا! تم بے وقوف نہیں ہو.... تم حد سے زیادہ قابل ہو اور یہی تمہارا گناہ ہے' یہی بدقسمتی اور نقص بھی۔ تمہیں لگتا ہے کہ تم ٹھیک کررہی ہو' لیکن وہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ شہر کی ڈکشنری اور گاؤں کی ڈکشنری

میں فرق ہوتا ہے۔ مطلب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اچھے اور برے لوگوں کے نصاب الگ الگ ہوتے ہیں دینا! وہ ڈو بیس ہزار کی نہیں تھی' لیکن برہان نے تمہیں بیس ہزار کی پنالٹی پڑوادی۔ اس بیکری کا سارا اسٹاف برہان کو جانتا ہوگا۔ تمہاری انسلٹ کی ویڈیو اس نے اسکول میں وائرل کروادی ہے۔ تم کیوں اس کی طاقت اور اپنی قابلیت کو آمنے سامنے لارہی ہو؟"

وہ خاموش رہی۔ بس خاموش رہی۔

اور جس وقت وہ بھاٹی گیٹ کے رش میں' ست روی سے قدم اٹھا رہی تھی اس وقت چچا مٹن کڑاہی نے پیتل کے ڈھکن پر زور سے چمچ مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا... وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں پھر...؟ نہیں بوجھ سکی ابھی تک؟"

وہ مسکرا رہے تھے۔ وہ رو دینے کو تھی۔ ان کی آنکھیں الکار تھیں۔ اس کی آنکھیں اداس۔ وہ خاموش تھی' وہ چلا رہے تھے۔

"ہار مان لی..." چمچ پتیلے میں جھٹکا۔

"ہار... ہار... ہار..."

وہ رک کر انہیں دیکھنے لگی۔ ہمیشہ کی طرح پلیٹ میں دو بوٹیاں نکالیں اور اس کے سامنے کیں۔

"یہ لو۔ کام ادھورا نہیں چھوڑتے... بوجھ لو اور جیت جاؤ۔"

کلیجے والا کلیجہ کچھ اس زور سے جھٹک رہا تھا پھر بھی یہ آواز اس کے کانوں کو صاف سنائی دی۔ گرم تیل سے بھری کڑاہی میں پانی کے چھینٹے پڑے پھر بھی... مسجد کے مائیک پر اعلان سے پہلے دو انگلیوں سے ٹھک ٹھک ہوئی' پھر بھی۔

"جیت جاؤ... جیت جاؤ..."

تین سیڑھی چڑھ کر وہ دکان میں کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ پلیٹ میز پر رکھ کر' بوٹیوں کو ریشہ ریشہ کر دیا۔ ایک ایک ریشے کو اٹھا کر منہ میں رکھا۔ جو وہ پچھلے چھ ہفتوں سے وقفے وقفے سے کر رہی تھی۔ اسی دکان میں' اسی میز کرسی پر بیٹھ کر۔

بھاٹی گیٹ میں ایک شاہی مٹن کڑاہی بہت مشہور تھی۔ گھر آتے ہوئے' دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ہر بار خوشبو سونگھتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتی تھی کہ اسے کیسے پکایا گیا ہے' اس کے اجزا کیا ہیں' اس کی ایسی خوشبو کا راز کیا ہے۔

وہ جانتی تھی کہ فوڈ اسٹریٹ' بھاٹی گیٹ اور لاہور کے کچھ حصوں میں بکنے والے مشہور کھانے' باورچی خانے کے دروازوں کو تالے لگا کر پکائے جاتے ہیں تاکہ کوئی ان کا راز نہ پا سکے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے پوچھنے کی کوشش کی تو اسے ناکامی ہوگی' لیکن ایک دن مجبور ہو کر وہ شاہی مٹن کڑاہی کی دکان کے سامنے جا کر رک گئی۔ کاؤنٹر پر اونچے لمبے قد و قامت کا مالک بیٹھا تھا اور چھوٹوں کو چستی پھرتی سے کام کرنے کی ہدایات دے رہا تھا۔

"السلام علیکم! وہ میں دینا ہوں... گاؤں سے شہر کوکنگ اسکول پڑھنے کے لیے آئی ہوں... وہ میں شیف ب... ن..."

"ریسپی نہیں ملے گی۔" ڈھکن کھسکا کر پتیلے کو ڈھانپا' مبادا وہ کوئی بوٹی اچک لے گی۔

اسے یہی توقع تھی۔ اس کا منہ لٹک گیا۔ وہ چار قدم آگے چل کر گئی۔ اسے لگا شاید وہ آواز دے لیں گے' لیکن چھٹے قدم پر بھی آواز پیچھے سے نہیں آئی۔

"خالص پیتل میں مٹن پکتا ہے۔ چھ مہینے بعد پتیلے قلعی ہوتے ہیں۔ ہیں نا۔" ساتویں قدم سے وہ پیچھے پلٹ آئی اور کہا۔

چمچ کو پیتل کے پتیلے پر مار کر چچا مٹن کڑاہی نے کہا۔ "یہ تو اندھوں کو بھی نظر آرہا ہے' تمہارا اس میں کیا کمال ہے۔"

"کمال۔" بے وقوفوں کی طرح وہ ہنس دی۔ آٹھویں قدم تک پلٹ گئی کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"یہ لو کھاؤ اور بوجھ لو۔"

گردن موڑ کر دیکھا تو ایک پلیٹ میں مٹن کی دو بوٹیاں رکھی تھیں۔ اس نے بوٹیاں ریشہ ریشہ کر دیں' مسالے کو سونگھ کر چھینکنے لگی' لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کڑاہی بہت مزے کی تھی' لیکن ذائقہ تھا

کہاں، کس مسالے، کس جز، پکانے کے کس مرحلے میں؟ ملک بھر کے خالص خام مسالے ہاتھ سے پیسے گئے تھے۔ اتنا تو اس کی گاؤں کی روح نے پہچان لیا تھا۔ پتیل چھ ماہ بعد قلعی ہو رہا تھا۔ کوئلے اور لکڑیوں کی آنچ پر پکایا جا رہا تھا۔ گوشت قصاب سے نہیں لیا جا رہا تھا۔ جانور خود پالے جا رہے ہیں، لیکن اور کیا کیا جا رہا تھا؟

تین دن بعد وہ پھر وہیں تھی۔

"کشمش، زعفران اور الائچی کی بھاپ پر گوشت کو نرم کیا جاتا ہے؟ ہے نا؟ کہیں نا کہیں زعفران موجود ہے لیکن کہاں؟"

جواب میں اسے ایک قہقہہ ملا۔ "یہ لو، دو بوٹی پھر کھالو۔"

چھ ہفتے بعد وہ، پھر سے دو بوٹیاں کھا رہی تھی۔ آس پاس کی دکانوں سے جو کھانوں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں، بازار اور بازار سے باہر کی دنیا کا جو شور تھا، دل اور زندگی کے جتنے ہنگامے تھے، وہ سب اس کی حس تک پہنچنے میں ناکام تھے کیونکہ اس کی ساری حسیں بس ایک کام پر لگی تھیں۔

ہار ایک للکار ہی تو ہے.... جیت ایک پہیلی ہی تو ہے۔

اس نے چند ریشے ہی کھائے تھے کہ سر اٹھا کر چچا مٹن کڑاہی کو دیکھا۔

"بکروں کو زعفران اور الائچیاں کھلائی جا رہی ہیں۔"

پتیلے میں چمچ جھٹکتے چچا کے ہاتھ رک گئے۔ "کیا کہا؟"

دنیا نے ہاتھ اٹھا کر سامنے دیوار کی طرف اشارہ کیا، جہاں مغل دور کی شاہی دعوت کی ایک تصویر لگی تھی۔

"یہ طریقہ مغلوں کا ہے۔ ان کے باورچی 'بنیاد' میں ذائقہ رکھتے تھے۔ راز بنیاد میں ہے، بکرے کے گوشت میں، بس۔"

ایک پوری کڑاہی پیک کر کے اس کے ہاتھ میں دی گئی، "ایک ہزار روپیہ اور "یہ ہوئی نا بات" کی تھپکی۔

اگر بھیڑیوں کی گنتی، انسانوں کی گنتی سے بڑھ جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کو ہار مان لینی چاہیے، اس کا مطلب ہے، اسے اب بھیڑیوں کو سامنے سے للکار لینا چاہیے۔

ہار ایک للکار ہی تو ہے.... جیت ایک پہیلی ہی تو ہے.... آگے بڑھو اور جیت جاؤ۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن صبح اس نے رمشا کی الماری میں سے اس کا سفید کرتا نکال کر پہنا اور لیدر شوز۔ اپنے گھونگھریالے بالوں کو ٹوئسٹ دیا اور پونی بنالی، ویسے ہی جیسے اس کی کلاس فیلوز کرتی تھیں۔ کلاس میں جانے سے پہلے وہ نوٹس بورڈ کے پاس گئی تھی۔ سفید کاغذ پر "دینا فضل کریم" کلاس سیکشن، لکھ کر اس نے برہان کی تصویر کے نیچے پن سے چپکا دیا۔

برہان کی تصویر کے اوپر شیف یم جونگ کی تصویر لگی تھی اور فوڈ چیلنج "وگاشی"

شیف یم جونگ ان غیر ملکی شیف میں سے ایک تھے جو گاہے بگاہے کلاس اور لیکچر کے لیے آتے رہتے تھے۔ یہ شیف ان کے ٹرائل بھی لیتے تھے اور اپنا چیلنج بھی دے دیتے تھے۔ اسٹوڈنٹس شیف کو بھی چیلنج کر سکتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو بھی۔ اکثر ایسا ہوتا رہتا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ نئی بات صرف یہ تھی کہ جس شیف کا فوڈ چیلنج برہان نے قبول کیا تھا اسی کا دینا نے کر لیا تھا۔ شیف یم جونگ جاپان کے نامور شیفوں میں سے ایک تھے، ٹرافی میں ان کی شیف کیپ لے لینا کوئی معمول بات نہیں تھی اور برہان معمولی کام نہیں کیا کرتا تھا۔ غیر معمولی سے کم "دینا" بھی نہیں تھی۔

جب وہ یہ کر رہی تھی تو کچھ اسٹوڈنٹس نے استہزائیہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کل والے واقعہ کے بعد وہ سٹھیا گئی ہے۔ جذباتی ہو رہی ہے۔ گاؤں کی لڑکی کو شہر کے لڑکے کو ہرانے کا بخار چڑھ گیا ہے۔

"مجھے اچھا لگا.... برا تب لگے گا جب مجھ سے ہار

جاؤ گی۔۔۔۔ افسوس۔"

لائبریری سے بکس ایشو کروا کر وہ باہر نکلی ہی تھی کہ برہان نے اسے روک لیا۔

"مجھے اچھا لگ رہا ہے۔۔۔۔ برا تب لگے گا جب واقعی میں ہار جاؤں گی۔"

کہہ کر وہ کلاس میں آگئی اور وہاں برہان کی بیس میں سے ایک آفیشل گرل فرینڈ عیشل کو اپنا نام لے کر قہقہے لگاتے دیکھا۔ وہ قہقہے لگا سکتی تھی' ساری کلاس ہنس سکتی تھی' کیونکہ وہ حق بجانب تھے۔ برہان ایک شیف کا بیٹا تھا' وہ سالوں سے اس ریسپی کی مشق کر رہا تھا۔ وہ شیف کو لاجواب کر کے' اس کی شیف کیپ لے سکتا تھا۔ دینا کا باپ نائی تھا' جس نے ساری زندگی آلو گوشت' چاول اور زردہ ہی پکایا تھا۔ صرف کچھ عرصہ پہلے ہی اس نے ان ڈشز کے نام سنے تھے۔ انہیں پکایا تھا۔ وہ آسانی سے برہان سے ہار سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی۔

مشکل سے ہی سہی۔۔۔۔ جیت کے معدوم امکانات کو بھی اس نے معمولی نہیں سمجھا۔

مشکل سے ہی سہی۔۔۔۔ اس نے اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔

ڈر کر بیٹھے رہنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہاں سے' وہاں سے' کچھ ہمت کا' کچھ محنت کا' کچھ جرأت کا بیڑا اٹھا لینے میں حرج ہی کیا ہے؟

اس کے پاس پیسے نہیں تھے وہ اجزا کیسے خریدتی' مشق کیسے کرتی۔ روحی باجی وغیرہ سے وہ پہلے ہی بہت ادھار لے چکی تھی۔ اماں سے وہ منگوا نہیں سکتی تھی۔ ہوٹل میں اس نے اپنے شیف قاسم سے درخواست کی کہ وہ اسے کچھ دن ہوٹل کے چائنیز شیف کے انڈر رکھوا دیں۔

"پھر میری مدد کون کرے گا؟"

وہ خاموش ہو گئی۔ یہ بھی ایک مسئلہ تھا۔

"میں تمہیں رات کی شفٹ میں شیف کے پاس رکھوا سکتا ہوں۔"

وہ گم صم رہی تو شیف نے اسے آفر کی۔ اس نے فوراً "ہاں" کر دی۔

"تم رات بھر گھر سے باہر رہو گی دینا؟ گھر کب آؤ گی؟" روحی باجی بڑی حیران تھیں۔

"رات کی شفٹ چھ بجے ختم ہو گی۔ وہیں سے اسکول چلی جاؤں گی۔ اتوار کو گھر آجایا کروں گی۔"

"یا اللہ۔۔۔۔ تو تم سوؤ گی کب؟"

"مجھے زیادہ نیند نہیں آتی باجی۔۔۔۔"

"آرام تو کرنا ہو گا نا تمہیں؟"

"وہ کچن کے ساتھ اسٹور ہے۔۔۔۔ وہاں ڈش واشر' سویپر وغیرہ بھی ریسٹ کر لیتے ہیں۔۔۔۔ تو۔۔۔۔"

تو بس اتنا کہ وہ وگاشی اچھی بنا لیتی تھی' لیکن اتنی نہیں کہ اسے شیف کی کیپ مل جاتی۔ اتنی بھی نہیں کہ کوئی جاپانی کھاتا اور کہتا کہ

"تم نے ہمارے آباؤاجداد کی روح کو خوش کیا۔۔۔۔ خوش رہو۔"

"شیف تمہاری تھوڑی سی تعریف کیا کر دیتے ہیں تمہیں واقعی میں لگنے لگا ہے کہ تم اس اسکول کی سب سے لائق ٹرینی ہو۔" عیشل اس کے سامنے آکر ایسے کھڑی ہوئی جیسے ایکشن فلموں میں ولن ہیرو کے سامنے آکر کھڑا ہوتا ہے۔

"شاید ایسا ہی ہے۔۔۔۔ یقیناً" ایسا ہی ہو جائے گا۔"

ڈیروبیچ گرل کی زبان درازی اسے بری لگی۔ جسے بولنا نہیں آتا تھا اسے جواب دینے آگئے تھے

"تمہیں معلوم ہے نا تم سے دو فٹ دور رہ کر بات کرنی پڑتی ہے؟ تمہارے منہ سے کتنی بری بدبو آتی ہے۔"

"میرے منہ سے' کپڑوں سے' جہاں جہاں میں بیٹھتی ہوں ہر اس جگہ سے' بو آتی ہے اور یہ بو اس وقت تک آتی رہے گی جب تک تم سب کے دماغوں کا علاج نہیں ہو جاتا۔"

"اور یہ علاج تم کرو گی؟"

"نہیں۔۔۔۔ بے کار کاموں میں اپنے وقت کی بربادی کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"

جیکٹ سے پسٹل نکال کر' شوٹ کر دینے والے

انداز سے ٹھٹک کر عیشل نے اسے گھورا۔
"ہونہہ..... کبھی گھڑ دوڑ دیکھی ہے؟ جب ریس شروع ہوتی ہے تو سب گھوڑے ایک ساتھ بھاگتے ہیں' لیکن وننگ لائن وہی کراس کرتا ہے جو....."
"جو دائیں اور بائیں' آگے اور پیچھے کسی دوسرے گھوڑے پر نظر نہیں رکھتا' بس اپنی دوڑ دوڑتا ہے اور میں اپنی دوڑ ہی دوڑ رہی ہوں۔ میرے دائیں طرف نہ کوئی برہان گھوڑا ہے اور نہ ہی کوئی عیشل گھوڑی....."
پسٹل سے سارے راؤنڈ فائر کیے۔ پھر بھی دینا' زندہ سلامت' اپنے پیروں پر چلتی ہوئی' دور ہوتی گئی۔ کند ہتھیار بھی نا..... وفا ڈالوا تھیں۔

✽ ✽ ✽

زندگی سخت اور مشکل ہو چکی تھی۔ ہر اگلا ٹھہراؤ جیسے کسی پہاڑ کی کھائی کی طرح تھا۔ دو قدم اوپر اور پھر دس قدم نیچے۔ سولہ سترہ گھنٹے پھرکی کی طرح گھومتے رہنا' مشینوں کے بس کی ہی بات ہوگی۔ یہ بات اس کے بس سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔
اتوار کو وہ گھر جانے کے لیے ہوٹل سے نکلی تو اسے معلوم ہوا کہ لگاتار چھ گھنٹے سے بارش ہوتی رہی ہے۔ روحی باجی کا فون آیا کہ وہ کسی سہیلی وغیرہ کے گھر چلی جائے' حویلی کی' نچلی منزل ساری پانی میں ڈوب گئی ہے' پانی میں کرنٹ آگیا ہے۔
اس کی کون سی سہیلی تھی جس کے پاس وہ جاتی۔ ناچار وہ ریلوے اسٹیشن آگئی۔ دن وہاں بینچ پر بیٹھ کر گزارا۔ رات کی شفٹ کے لیے پھر سے ہوٹل چلی گئی۔ ایسے وقت اسے لگتا کہ شاید ہر چیز نے اسے تکلیف دینے کی قسم کھالی ہے۔ ہر مشکل سمت کراس کے پیروں میں بچھ گئی ہے۔ کوئی ایک آسانی' کوئی ایک سکھ' سب ہی لک چھپ گئے ہیں۔
بھائی گیٹ میں اس کی زندگی کچھ آسان ہو سکتی تھی اگر وہ لوگ کچھ قریب سے اس کا احساس کرنے لگتے۔ اگر خالہ جی اپنے فخر کا جھنڈا اس کے سر پر لگانا بند کر دیتیں۔ ان چند مہینوں میں اس نے اس گھر کی چھوٹی بڑی سترہ دعوتیں پکائی تھیں۔ خالہ جی کی مہمانی سے' دو لڑکیوں کی منگنی کی' تین کی سالگرہ' ایک کی بورڈ میں پاس ہونے کی تقریب اور ایک کی عمرہ روانگی کی دعوت وہ دینا چکی تھی۔
کسی تقریب کے آثار نہ بھی ہوتے تو دو بوندیں پڑتیں تو پکوڑے' سموسے' جلیبی' دو سے چار تو چھت پر باربی کیو۔ کوئی ذرا سو دو سو کلو میٹر دور سے آگیا تو دعوت' ورنہ پکنک' ورنہ رت جگا۔ گاؤں کی اب تک کی زندگی میں تو اسے یہی معلوم رہا کہ کھانا صرف تین وقت کھایا جاتا ہے۔ شام کی چائے اور لوازمات' مڈ میل اور مڈ نائٹ میل کے ناموں سے وہ یہاں آکر واقف ہوئی تھی۔
"کھانا..... کھانا..... کھانا....." آکسیجن سے زیادہ ضروری۔
گھر واپسی پر کوئی نہ کوئی اسے گلی میں روک لیتا۔ "لو آگئی دینا۔ بیٹا کوفتوں کا مسالا تو دیکھ جانا ذرا۔"
پھر بات مسالا دیکھنے تک نہیں رہتی تھی۔ بریانی کے دم تک' کھیر میں بادام تک' کڑاہی میں پکوڑوں' پایوں میں گرم مسالے' قورمے میں دھنیے تک۔ وہ کسی کو انکار نہیں کر سکتی تھی کیونکہ خالہ جی بڑھ چڑھ کر پہلے سے ہی سب کو ہاں کر چکی ہوتی تھیں۔ وہ تو خود کسی تقریب کے انتظار میں رہتی تھیں کہ وہ وقوع پذیر ہو اور وہ دینا کی قابلیت سے اپنے سر پر تاج سجالیں۔
جس نے جس دن اس سے کھانا پکوانا ہوتا وہ اسے ہوٹل سے لینے آجاتا تاکہ وہ جلدی اپنا کام شروع کر سکے۔ ایک بار اسے چودہ پندرہ سال کا لڑکا بائیک پر لینے آگیا۔ اس نے ہوا سے ریس لگائی تھی یا دینا کی زندگی سے کہ.....
"چھوٹے بھائی آہستہ چلاؤ۔"
"امی نے کہا تھا نو بجے مہمانوں نے آجانا ہے' بس آپ کو فوراً" لے آؤں۔"
"فوراً" لے جاؤ' لیکن فوت کر کے تو لے کر نہ جاؤ نا....."
"نہیں نہیں' کچھ نہیں ہوتا..... ڈریں نہیں

باجی۔"

وہ ڈری نہیں بلکہ بہت زیادہ ڈر گئی۔ دراصل وہ ہر وقت ڈری رہتی کہ وہ گھر جائے گی اور خالہ جی اسے آواز دے کر اپنے پاس بلائیں گی۔ وہ اس لمحے سے بھی ڈرتی تھی کہ وہ سو رہی ہو گی اور روحی باجی اسے جگا کر کہیں گی۔

"وہ کیا بناتی ہو تم انڈے اور آلو کا؟ تمہارے بھائی کہہ رہے ہیں' وہ ذرا بنا دو۔"

اور وہ نیند سے ڈولتی ہوئی تیسری منزل سے نیچے کچن میں آتی۔ آلو کو کش کرتی' انڈے پھینٹتی اور "بھائی" کو پین کیک بنا کر دیتی۔ واپس پھر سے اوپر جا کر سونے کی کوشش کرتی۔ وہ سب تو رات تین چار بجے تک جاگتے رہتے تھے' چاہتے تھے وہ بھی ایسا کرے۔

وہ جاگتے رہیں اور کھاتے رہیں' لیکن اسے کم سے کم چار گھنٹے ہی سونے دیں۔

بسنت اور پتنگ بازی پر پابندی کے باوجود ہر رات' آسمان پر پتنگیں اڑتی تھیں۔ دینا تو دل ہی دل دعا کرتی تھی کہ یا تو پولیس آجائے اور یہ چھت خالی ہو' کیونکہ چھت سے "کھانے کو کچھ ہے" کا آرڈر نیچے آتا رہتا تھا یا موسلادھار بارش ہو جائے۔

لیکن دینا اتنی خوش قسمت نہیں تھی۔ بارش ہوئی' لیکن دن کو اور تین بار پولیس حویلی کی چھت تک پہنچی' لیکن انہیں چھت پر ایک پتنگ تک نہ ملی' پتنگ باز تو دور کی بات تھی۔ اس کا دل تو چاہتا تھا کہ پولیس والوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر ایک ایک پتنگ' ڈور اور ڈور والوں کا ٹھکانہ دکھا دے' لیکن اگر پولیس والوں کی دور کی نظر کمزور تھی تو دینا کی بھی نزدیک کی قسمت ایسی کوئی چکا چوند نہیں تھی۔

✡ ✡ ✡

اسے اس دن معلوم ہوا کہ برہان اسکول میں کس قدر مشہور ہے' جس دن ان دونوں کو دو گاشی (بہار) بنانی تھی۔ وہ اسکول گئی تو کسی نے ایک نظر' کسی نے تفصیلی نظر' کسی نے بھٹکی' ٹھٹکی نظر سے اسے دیکھا۔ وہ کیا دیکھ رہے تھے؟ کہ وہ اپنے بیگ میں کوئی جادو کا چراغ چھپا کر لا رہی ہے؟ یا کوئی تلوار۔ ورنہ کوئی توپ۔ وہ اس کی طرف اشارے کر رہے تھے؟ کیوں؟ کیونکہ ساری قابلیت کے باوجود اس کی حیثیت گیٹ کیپر سے بھی کمتر تھی' لیکن یہ کمتر لڑکی' اپنے سے برتر سے مقابلہ کرنے جا رہی تھی۔

اسے لگ رہا تھا جیسے سارے اسکول نے بورڈ کا امتحان دیا ہے اور اب وہ ٹہل ٹہل کر رزلٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔ جیسے کسی فلم کا پہلا شو.... فلم فلاپ یا ہٹ.... شو شروع یا دی اینڈ۔

ایسی حرکتوں سے برہان کے فرینڈز اس پر دباؤ بڑھا رہے تھے۔ اگر ایسا تھا تو وہ غلط تھے۔ کیونکہ اس کا دماغ ہر طرح کے خناس سے پاک تھا۔ پندرہ دن وہ نائٹ شفٹ میں شیف کے انڈر کام کرتی رہی تھی۔ وگاشی بناتے' اس نے اپنے دل و دماغ کے سارے بکھیڑے مٹا کر' بے دھیانی کے سارے خانے بند کر دیے تھے۔ جسم و جان کی ساری طاقت اور ساری حسیں اس نے صرف وگاشی کے لیے جگائے رکھی تھیں۔ اپنا نام تک بھلا کر' اس نے اس بے جان پیڑے کو "پھول پتیوں" کی شکل دی تھی کہ وہ زندہ ہو کر خوشبو دینے لگیں۔ پھر بھی شیف نفی میں سر ہلا کر ہی کہتے تھے۔

"تم جلد باز ہو' اگر جاپانی مٹھائیاں بنانا سیکھنا چاہتی ہو تو پہلے اپنی عجلت پسندی ختم کرو۔"

"میں نے بہت صبر کا مظاہرہ کیا ہے شیف۔"

"خاموشی سے کام کرتے رہنا' خاموش ہونا نہیں ہوتا۔ تمہارے اندر بھونچال مچا ہے' جو تمہاری انگلیوں کی کپکپاہٹ سے ظاہر ہے۔"

"میں پرجوش ہوں۔"

"تم بے کار کے جذبات سے "پُر" ہو۔ تخلیق کسی بھی صنف کی ہو' وہ شفاف دل پر اترتی ہے۔ بس۔"

وہ شرمندہ ہوئی۔ استاد کسی بھی قوم کا ہو' استاد ہوتا ہے شاگرد کے دل کا سارا حال جان جاتا ہے۔

"تجربے اور کوشش سے سب حاصل کیا جا سکتا ہے' لیکن حقیقی تخلیق نہیں۔" اس رات یہ ورد

پڑھتے ہوئے وہ وگاشی بناتی رہی۔

اور آج جس وقت وہ اپنے کاؤنٹر پر کھڑی وگاشی بنا رہی تھی، اس وقت سے پہلے وہ بھول چکی تھی کہ اسے برہان کو ہرانا ہے۔ اس نے جان لیا تھا کہ یہ بڑی کم ظرفی ہے۔ اگر ایک کم ظرف ہو، تو دوسرے کو نہیں ہونا چاہیے۔ پیچھے رہنا ٹھیک نہیں، لیکن دھکا دے کر آگے نکلنا بھی ٹھیک نہیں۔ ہار ایک للکار ہے، لیکن صرف اپنی جیت کے لیے۔

برہان وسل بجا رہا تھا۔ وہ خوش اور پرجوش تھا۔ اس کے ہاتھوں کی مہارت، اس کے سالوں کے تجربے کی گواہ تھی۔ اس کی ذرا سی بے دھیانی، اس کے اعتماد کی نشانی تھی۔ وہ لاپروا نظر آتا تو بھی دراصل لاپروا نہیں تھا۔ شیف یم جونگ کے ساتھ باتیں کرتے وہ بڑے مزے سے کام کر رہا تھا۔

وہ خاموش تھی اور اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک اسی ڈش کو بناتے ہوئے تو اس نے سیکھا تھا کہ اندر کی ہلچل اور باہر کی افراتفری کو کیسے ختم کیا جاتا ہے۔ خود کو ایک نقطے پر کیسے ٹھہرالیا جاتا ہے۔

"تمہارے ہاتھوں کی مہارت بتا رہی تھی کہ تم ہر طرح کی وگاشی بنا لینے کے ماہر ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم پیدائشی جاپانی ہو، اور صدیوں پرانے ذائقے کو اپنے آباؤاجداد کے خون کے ساتھ لائے ہو۔ اس اسکول کو تم پر فخر ہونے والا ہے۔ میں ایک جاپانی، تمہارا مداح ہو گیا ہوں۔ تم نے میری روایتی ڈش کو، اپنی روایتی ڈش کی طرح بنایا ہے۔ ذائقے میں روایت تک پہنچ جانا معمولی نہیں ہوتا۔ تم ایک غیر معمولی شیف بننے والے ہو۔"

شیف یم جونگ برہان سے مخاطب تھے۔ وہ بہت خوش تھے۔ برہان بھی بہت خوش تھا اور بار بار سر کو شکریہ کے لیے جھکا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں بھولا تھا۔

"اور دینا... تم... تم نے یہ کیا کیا؟ تمہارے لیے میں کیا کہوں؟ کن الفاظ میں کہوں۔ تم نے اس مٹھائی کو ایسے کیسے بنالیا۔"

اس کی نظریں جھک گئیں۔

"کہ مجھ جیسا ماہر جاپانی شیف، تمہیں یہ دینے میں ذرا سا بھی متامل نہیں..."

شیف نے اس کے سر پر اپنی کیپ رکھ دی۔

پیچھے کسی نے "اوہ" کہا۔ برہان کا مسکراتا چہرہ سپاٹ ہوا۔

پوری کلاس کو، سارے اسکول کو، سانپ سونگھ گیا اور ایسا بھی تو لگا جیسے سارے شہر کو...

اس نے دونوں ہاتھوں سے شیف کی کیپ کو محسوس کیا اور کمر تک جھک کر شیف کو شکریہ کہا۔

"تخلیق کسی بھی صنف کی ہو، شفاف دل پر اترتی ہے۔"

اسے معلوم ہوا کہ جس ہوٹل میں وہ ہیلپر تھی وہ ہوٹل فوڈزل اسکول سے منسلک نہیں تھا۔ نہ ہی فوڈزل انتظامیہ نے اسے شیف کو ریفر کیا تھا، نہ ہی اس شیف کے پاس اس کی کٹنگ جاتی تھی۔ وہ تو فوڈزل کے ایک شیف نے اس کی سادگی اور کام میں مہارت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اسے ہیلپر رکھوا کر ہوٹل کی انتظامیہ کے ایک دو لوگوں سے ساز باز کر کے، اس کی ہر مہینے کی پندرہ ہزار تنخواہ خود لیتے رہے تھے۔

اسے یہ سب معلوم ہوا تو اسے دکھ ہوا۔ صرف اس لیے کہ کیا وہ دیکھنے میں اتنی ہی بے وقوف لگتی ہے کہ اسے کوئی بھی پاگل بنا دے اور اگر کوئی کم عقل ہو تو اپنی عقل سے اسے نقصان پہنچایا جاتا رہے۔ دنیا میں کم عقل، بے وقوفوں کو عقل والوں کے لیے امتحان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ نالائقوں کو قابلوں کے لیے، جیسے اندھوں کو آنکھ والوں کے لیے۔ کوئی کسی کو دھوکا دے کر کیا پا لے گا۔ کیونکہ ہر دھوکا پلٹ کر آتا ہے اور جو چیز پلٹ کر آتی ہے وہ دہری، تہری ہو کر آتی ہے۔ دہرا خراج لے کر جاتی ہے۔

"اگر کبھی کوئی تمہیں دھوکا دے تو سمجھ لینا تمہارا فائدہ مقصود تھا۔"

بابا نے ایک بار کہا تھا اور وہ جانتی تھی اس کے باپ کے تجربات کم تھے، لیکن جتنے تھے، نایاب تھے۔ پندرہ

ہزار تو شیف کی جیب میں چلے گئے تھے' لیکن لاکھوں' کروڑوں کا علم اس نے وصول کیا تھا۔ اس نے وگاشی بنانی سیکھ لی تھی۔

عمر کے سال گنے جا سکتے ہیں' ساعتیں نہیں... وہ ساعتیں جو سوال بن کر آئی ہوں اور جواب کے لیے تنہا چھوڑ گئی ہوں۔

اب وہ سب فوڈزل سے منسلک فائیو اسٹار ہوٹل آنے لگے تھے۔ انہیں پروفیشنل شیف کے انڈر دے دیا گیا تھا۔ اسے صبح آٹھ سے شام چھ بجے تک ہوٹل میں رہنا ہوتا تھا۔ اب وہ ایک ہی جگہ ہوتی تھی تو اسے کچھ سہولت ہوگئی تھی۔ گھر بھی جلدی آجاتی تھی۔

عنایہ بھی اسی ہوٹل میں تھی' لیکن اس سے کم ہی ملاقات ہو پاتی تھی' پھر وہ چھٹیاں بہت کرتی تھی۔ اسکول کی نسبت یہاں کے معمولات مشقت والے تھے۔ شیف انہیں سر کھجانے کا وقت نہیں دیتے تھے۔

پانچ ماہ شیف قاسم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے' وہ اتنا کچھ جان چکی تھی کہ ہوٹل کے شیف کبھی کبھی ٹھٹک جاتے۔

"تم انٹرن ہی ہونا؟"

وہ ہنس دیتی۔ اللہ کا شکر ادا کرتی۔

شاید یہ قانون قدرت ہے' ورنہ یقیناً "رموز زندگی" کہ شکر گزاری ابھی زیر لب ہوتی ہے کہ ناشکری کی نوبت آجاتی ہے۔ ایک مسکراہٹ ابھی ہونٹوں کے کونوں پر ہی ہوتی ہے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہو جاتی ہے۔ کیا اس لیے کہ حوصلے آزمائے جائیں یا اس لیے کہ دل آزمائیں جائیں۔ یا پھر اس لیے کہ مٹی کے تودوں کو پہاڑ بنا دیا جائے یا اس لیے کہ ہجوم میں سے اصل الگ کر دیا جائے۔

نئے سال کی آمد سے دو دن پہلے تک وہ اتنے کیک بنا چکی تھی کہ اسے لگنے لگا تھا کہ وہ باقی سب کچھ پکانا بھول چکی ہے۔ ان سب کی ڈیوٹی ڈبل ہو چکی تھی۔ لائیو کاؤنٹر کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ ہفتے میں دو کے بجائے چار دن لائیو کاؤنٹر پر کھڑا ہونا ضروری ہو گیا تھا۔

برہان' عمشل وغیرہ نے اسے "نوبادی" بنا دیا تھا۔ وہ ایسے ظاہر کرتے تھے کہ جیسے وہ کہیں موجود ہی نہیں ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ ان سب کے لیے نوبادی بنی رہے۔ اپنا کام سیکھے اور پھر ہمیشہ کے لیے ان کی نظروں سے دور ہو جائے۔

اور ایسا ہی ہوا۔ وہ ہمیشہ کے لیے ان کی نظروں سے دور ہو گئی۔

نیو ایئر کے جشن کے دو دن بعد وہ کاؤنٹر پر کھڑی تھی کہ ہوٹل کی سیکیورٹی کے دو افراد اس کے پاس آئے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ بند کمرے میں اسے بٹھا دیا اور اس کے بیگ کی تلاشی لینے لگے۔ پھر ان کے ہاتھ اس کا موبائل آیا۔ جسے انہوں نے کھول لیا۔

"یار! مجھے ایک ضروری کال کرنا تھی' لیکن میرا تو موبائل ہی ڈیڈ ہو گیا ہے۔"

یہ زوبیہ تھی۔ تین چار بار ان دونوں کا گروپ کاؤنٹر کے لیے بنا تھا۔ اچھی ہنس مکھ لڑکی تھی۔ اس کی کلاس فیلو نہیں تھی' دوسرے سیکشن سے تھی۔ ایک دو بار اسے اپنی کار میں ڈراپ بھی کر چکی تھی۔

"تم اپنا موبائل دے دو' پاپا کو ضروری کال کرنا ہے۔"

کاؤنٹر کے نیچے رکھے اس کے تھیلا نما بیگ کو نکال کر اس میں سے موبائل لیا اور کال کرنے لگی۔ بات کرتے کرتے وہ کچھ دور چلی گئی۔ پھر واپس آئی۔

"تمہارا سیل بھی چارج نہیں تھا۔ دو منٹ بات ہوئی تو فون بند ہو گیا۔"

"ہاں بس وہ ذرا پرانا ہے نا۔" اس کا بٹنوں والا موبائل بارش کی زد میں آنے کی وجہ سے تین گھنٹے کی چارجنگ پر بس یہی کوئی بیس بائیس منٹ چلتا تھا۔ اس لیے وہ انتہائی ضرورت پر ہی فون استعمال کرتی تھی۔

"پرانا نہیں' بہت پرانا ہے۔ دریا میں پھینک دو اسے۔" وہ ہنس دی اور موبائل کو واپس اس کے بیگ میں رکھ دیا۔

چالیس منٹ بعد سیکیورٹی آفیسر اس کے بیگ کی تلاشی لے رہا تھا اور موبائل کھول کر اس کی بیٹری کی

جگہ سے کیپسول نکال رہا تھا۔ پھر اس نے کیپسول کو کھولا' اسے ہتھیلی پر پھیلایا۔ سونگھا اور چکھا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر فوڈ نل اسکول کی انتظامیہ وہاں موجود تھی۔ اس کے شیف سر' پرنسپل' ہوٹل کا مینجر بھی۔

ایک کیپسول کی قیمت پانچ ہزار سے کچھ زیادہ ہی تھی اور وہ غیر ملکیوں کو یہ کیپسول بیچتی تھی۔

دن گزر گیا' رات ہوگئی۔ ہوٹل اور فوڈ نل دونوں کی ساکھ کے لیے وہ اس سے پرائیویٹ آفس میں پوچھ گچھ کرتے رہے۔ ہوٹل کے ایک گارڈ نے اسے یہ کیپسول ایک آئرش کو دیتے دیکھا تھا۔ روم سروس اسٹاف نے اسے کتنی ہی بار ہوٹل کے کمروں میں آتے جاتے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ لائیو کاؤنٹر پر کھڑی ہونے والی لڑکیوں زوبیہ اور عیشل' زیب اور فروا کو کئی بار اس پر شک ہوا تھا۔ وہ کوڈ ورڈز میں دو امریکیوں سے باتیں کرتی رہی تھی اور پھر انہیں اپنا فون نمبر لکھوایا تھا۔ آخری گواہ کچن اسٹور کا ہیڈ تھا جو خود دینا سے کیپسول خرید چکا تھا۔

اس رات شہر میں بہت بارش ہوئی تھی۔ اس رات شہر میں بہت جشن ہوا۔

اس رات.... وہ رات.... پھر ہر دن پر بھاری رہی۔

✡ ✡ ✡

اسکول اور ہوٹل دونوں نے اپنی ساکھ بچالی تھی۔

اسے نکال دیا گیا تھا۔ وہ گھر جاسکتی تھی۔ وہ گاؤں بھاگ سکتی تھی۔ وہ جو چاہے کرسکتی تھی۔

"کیا حاصل کرلیا تم نے اس کے ساتھ مقابلہ کرکے' بولو' اسکول بھی گیا اور کیریئر بھی۔ طاقت کے بل بوتے پر اس نے سارے تختے الٹ دیے نا۔ تم نے سنا نہیں کہ پیسہ اس دنیا کا سب سے بڑا سچ ہے اور یہی جھوٹ کا باپ بھی ہے۔ دنیا میں بس ایک "طاقت" ہی سانس لیتی ہے۔ اسے ہی زندہ رہنے کا حق ہے۔ جس کے ہاتھ میں پاور ہے' وہی کامیاب ہے۔ وہی لائق ہے۔ تم دنیا کو اپنے ہنر سے چونکا سکتی ہو' ہرا نہیں سکتیں۔ سمجھ رہی ہونا.... تو بس اب گاؤں لوٹ جاؤ دینا۔"

"نہیں.... میں شیف بن کر ہی جاؤں گی۔"

"اتنے پیسے ہیں کہ اگلے سال پھر سے کسی اسکول میں ایڈمیشن لے سکو۔ کیا کروگی؟" عنایہ کو اس کی ضد پر غصہ آیا۔

"میں ہوٹلز میں انٹرویو کے لیے جاؤں گی۔ کام کروں گی۔"

"دینا! تم نے اپنی زندگی کہاں گزاری ہے؟ تم نے دنیا میں رہ کر بھی دنیا کی چال نہیں سمجھی؟ تمہیں کسی تھری' فور' یا فائیو اسٹار ہوٹل میں پی آر کے بغیر جاب نہیں ملے گی۔ وہاں جو شیف کام کرتے ہیں' وہ تمہارا انٹرویو لیں گے اور تمہیں خواہ مخواہ فیل کردیں گے۔ کیونکہ وہ تم سے رشوت مانگیں گے۔ پھر تمہارے ساتھ یہ اسکینڈل بھی منسلک ہوچکا ہے۔ کہاں سے سیکھا' ڈپلومہ یا ڈگری' کیا دکھاؤ گی انہیں؟"

"لیکن میں گاؤں نہیں جاؤں گی۔"

اور وہ گاؤں نہیں گئی۔ وہ مختلف ہوٹلز میں انٹرویو کے لیے جاتی رہی۔ ریسٹورنٹ' فاسٹ فوڈ' بیکری۔ لیکن اگر جاب اتنی آسانی سے مل جاتی تو ملک میں اتنی بے روزگاری کیوں ہوتی۔ ایک ریسٹورنٹ میں اسے پندرہ دن کے ٹرائل پر رکھا گیا۔ لیکن اس نے ہفتے بعد خود ہی چھوڑ دیا۔ وہ بیماریاں نہیں پکاسکتی تھی۔ گندگی تو ایک طرف رہ گئی تھی' وہ تو حرام کھانوں تک آگئے تھے۔ اس نے بحث کی تو الٹا وہ اسے کھری کھری سنانے لگے۔

اماں کو نہ اسکول سے نکالے جانے کے بارے میں معلوم تھا' نہ ڈرگ کے چارج کا۔ اب وہ ایسے اچانک گاؤں جاکر کیا کہے گا کہ گھر کا سارا سونا چاندی اور ابا کی ساری نشانیاں بکوا کر بھی وہ شیف نہیں بن سکی۔ وہ خالی ہاتھ لوٹ جائے اور ماں کے دل کو خالی کردے۔

"منزل اپنے راستوں کے سارے خراج وصول کررہی تھی۔"

"ایکشن فلموں میں ایک اسٹنٹ مین ہوتا ہے جو

ہیرو کی جگہ سین فلمبند کرواتا ہے' لیکن اسکرین پر اسٹنٹ مین نہیں' ہیرو دکھائی دیتا ہے۔ جانتی ہو؟"

"تم بھی وہی بننے جارہی ہو۔ فائیو اسٹار ہوٹلز کے کچھ شیف ایسے بھی ہوتے ہیں' جو مارے بندھے اپنی جاب کرتے ہیں۔ ان کی سیلری لاکھوں میں ہوتی ہے۔ اس لیے وہ جاب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ کام کی جگہ آرام کرنا چاہتے ہیں۔ سست اور کاہل ہوجاتے ہیں۔ ایسے شیف ہیلپر ہائیر کرتے ہیں۔ ہوٹل انتظامیہ کی نظر میں تم شیف کی ہیلپر ہوگی' لیکن دراصل تم شیف ہوگی۔ اسٹپنی شیف۔ کل تم شیف سے مل لینا' وہ تمہارا ٹرائل لیں گے' اگر تم پاس ہوگئیں تو تمہیں یہ جاب مل جائے گی۔"

اگلے دن وہ فائیو اسٹار کے شیف کے آفس میں بیٹھی تھی۔ دس منٹ تک اس کا انٹرویو چلتا رہا' پھر اس کا ٹرائل ہوا۔ دو گھنٹے کے اندر اندر اس کے سامنے اس کا معاہدہ رکھ دیا گیا' جس پر اس نے دستخط کردیے۔

جو اپنے اسکول میں کسی بھی ٹرینی سے زیادہ جانتی تھی' وہ ایک "نوباڈی" کی حیثیت سے ایگری منٹ سائن کرچکی تھی۔

جس کے سر پر شیف یم جونگ نے اپنا شیف کیپ بہت فخر سے رکھا تھا۔ وہ "گم نام شیف کی حیثیت سے اسٹپنی" بن چکی تھی۔

بہترین فٹ بالر اسٹیڈیم سے' بہترین تیراک پانی سے اور بہترین گھڑسوار گھڑدوڑ سے باہر ہوتا ہے۔ جو دانا اور عقل مند ہوتے ہیں' جاہل ان کے حاکم ہوتے ہیں۔ جو اعلا درجے کے فن کار ہوتے ہیں' جو رول ماڈل ہوتے ہیں' وہ نوباڈی بن کر کہیں نہ کہیں خانہ بند ہوتے ہیں۔

وہ گمنامی کی اندھیری کوٹھریوں میں زندگی تمام کررہے ہوتے ہیں۔

یہ دنیا کا چلن ہے' گھٹیا چلن ہے... لیکن یہی چلتا ہے۔

☼ ☼ ☼

اس کی ڈیوٹی صبح سات بجے سے رات نو بجے تک کی تھی۔ اسے ہر حال میں شیف قمر سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے ہوٹل کے کچن میں پہنچنا ہوتا تھا۔ دو مہینے کے اندر اندر اس نے اکیلے آرڈرز تیار کرنے شروع کردیے تھے۔ شیف اس کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے' لیکن ظاہر ہے کہ کام اسے کرنا ہوتا تھا۔ پھر وہ وقت آیا کہ شیف کو ستانے کے لیے لمبا وقت ملنے لگا۔

وہ اداس رہتی تھی' مسکرا بھی دیتی تھی' رو بھی لیتی تھی۔ تھک کر آہ بھی بھر لیتی تھی۔ گھر واپسی پر سنسان سڑکوں پر چلتے' خالی بسوں میں بیٹھے' بھاٹی گیٹ کے کھانوں کی دکانوں کے سامنے سے گزرتے وہ اپنی اوقات بھی یاد کرلیتی تھی۔ شیف نے کبھی اس کی پیٹھ پر تھپکی نہیں دی تھی۔ وہ اسے بات بات پر جھڑک دیتے تھے' اس کی بے عزتی کرتے' چیخنے چلانے لگتے تھے۔ صرف اس لیے کہ یاد رہے کہ وہ "اسٹپنی" ہے' شیف نہیں۔ اگر اس کے پکائے کھانوں کے آرڈر بڑھنے لگے ہیں تو وہ اسے اپنا کمال نہ سمجھے۔

وہ جب جب اس کا کھانا ٹیسٹ کرتے' منہ بنالیتے۔ باہر سے آنے والی تعریفی چٹوں کو ہاتھ میں پکڑتے ہی پھاڑ دیتے تھے' لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی چٹ اس ہاتھ کے لگ ہی جاتی تھی۔

امیگز نگلی امیزنگ۔

یہ جملے کبھی اسے رلا دیتے' کبھی اس کی امید کے بجھتے چراغوں میں تیل ڈال دیتے۔ کوٹ کی جیب میں ہاتھ دے کر وہ بار بار ان چٹوں کو محسوس کرتی۔ شیف اسے کچن کے دوسرے شیفوں کے سامنے پھٹکار رہے ہوتے' تو وہ ان جملوں کو ذہن میں دہرانے لگتی۔ لیکن ساری ہمت پر بھی... کامل صبر پر بھی وہ کچن کے اسٹور میں چھپ کر سسک دیتی۔ کھانوں کی بھاپ میں اپنا دھواں دھواں چہرا چھپا دیتی۔ اس کے چہرے کی سفیدی' اس کی بیماری کی سرخی' آپس میں لہریں بنانے لگتیں اور وہ دنیا کی سب سے بد صورت لڑکی نظر آنے لگتی۔

اگر صرف خواہش کرنے سے سب حاصل ہونے

لگتا تو سب سے پہلے ستارے جھولی میں آ کر گرتے۔

اگر صرف خواب دیکھ لینے سے' تعبیریں ملنے لگتیں' تو سب سے پہلے دو پر انسان کے جسم سے آ لگتے۔

شیف اپنی "شیف اسپیشل" ڈش خود پکاتے تھے۔ ایسے کسی وقت میں اسے نیوز پیپر پڑھنے کا موقع مل جاتا' ورنہ وہ کسی دوسرے شیف کی مدد کروانے لگتی تھی۔ اسے کوئی ضرورت نہیں۔ "شیف اسپیشل" کا راز جاننے کی۔ بلکہ وہ تو ہنس دیتی تھی۔ دو تین قدیم عربی کھانوں کے ملغوبے کو شیف نے اپنے نام پر درج کروالیا تھا۔ راز کے نام پر جن مسالوں کو وہ چھپاتے پھرتے تھے' وہ 'وہ بھی جانتی تھی' لیکن کبھی ظاہر نہیں کیا تھا۔

یہ خصلت اس نے صرف انسان میں ہی دیکھی تھی کہ جو خود پالیا ہے وہ کوئی دوسرا نہ پائے' وہ یہ چاہتا ہے۔ جو خود کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ انسان ایک اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ پا رہا کہ جو شاگرد' استاد نہیں بنتا' اس سے شاگردی بھی چھین لی جاتی ہے۔ علم تو بس ظاہر کرنے کا عمل در عمل ہے۔ جو سیکھا ہے وہ سکھانا ہی ہوگا۔ جو پایا ہے وہ واپس لوٹانا ہی ہوگا۔

"ہر عمل کا انجام عمل خود طے کرتا ہے' علم کو روکے رکھنے کی سزا اللہ طے کرتا ہے۔"

☆ ☆ ☆

اب بسوں' رکشوں کے کرائے کے لیے اسے روحی باجی سے پیسے نہیں لینے پڑتے تھے' نہ ہی اماں سے منگوانے پڑتے تھے۔ ایک یہ آسانی تھی جو اسے میسر تھی۔ ایک اور نعمت بھی اسے میسر آگئی تھی۔

خالہ جی کی کم گویائی کی۔ ان کی بینائی نے کام کرنا شروع کردیا تھا اور انہیں خود یہ احساس ہو گیا تھا کہ دن بہ دن اس کی صحت گرتی جارہی ہے۔ اس کے پیر سوجے رہتے ہیں۔ آنکھوں کے گرد مستقل کالے حلقے بن گئے ہیں۔ کلائیوں تک اس کے بازو جھلسے ہوئے ہیں۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے کچن کی زندگی کچھ اتنی مشکل ہوتی ہے کہ ساری سہولیات بھی مل کر اس زندگی کو آسان نہیں کرسکتیں۔ کام کے بوجھ سے زیادہ دباؤ ہوتا ہے' جسے صرف مضبوط اعصاب کے شیف ہی جھیل پاتے ہیں۔ کتنے ہی شیف اپنے ساتھ دماغی' جسمانی کمزوری کی میڈیسن رکھتے تھے اور گاہے بگاہے کھاتے رہتے تھے۔ اس کی پیدائش گاؤں کی نہ ہوتی اور اس نے دیگوں کے پاس ہوش نہ سنبھالا ہوتا تو وہ بھی اپنی جیب کو دوائیوں سے بھر کر رکھتی۔ پانچ سو افراد کی تقریب کا کھانا پکاتے' وہ کمزوری و نقاہت سے بے ہوش ہو جایا کرتی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اب کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر کسی ڈش کی فرمائش کرتا تھا تو خالہ جی اسے بھگا دیتیں۔ اگر کوئی باہر والا اس سے کھانا پکوانا چاہتا تو وہ فوراً" پوچھتیں۔

"ہاں' پکا دے گی۔ پکوائی کے پیسے کتنے دو گے؟"

"پیسے؟"

"ہاں پیسے.... بچی اتنی محنت کرتی ہے۔ ٹھیک ہے' بازار کا ریٹ نہ دو' لیکن کچھ تو دو۔"

پیسوں کے تقاضے پر دس میں سے دو لوگ اپنے آرڈر سمیت موجود رہ جاتے۔ جن کا وہ وقت نکال کر کھانا پکا دیتی۔ واپسی پر پیسے خالہ جی کو پکڑا دیتی۔ وہ مفت ان کے گھر میں رہ رہی تھی' کھانے پینے کے نام پر آج تک اس نے ایک روپیہ نہیں دیا تھا۔ خالہ جی خاموشی سے وہ پیسے رکھ لیتیں۔ اور جب اماں اس سے ملنے آئیں تو انہوں نے پائی پائی نکال کر انہیں پکڑا دی۔

زندگی کے میدان میں تماشائیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔

اپنی ساری انا' غصہ' سستی' نالائقی' وہ کچن سے باہر چھوڑ کر آیا کرتی تھی۔ سوال کرنا' خاموشی کو توڑ دینا' شیف کے سامنے اف کرنا یا احتجاج کرنا' وہ یہ سب بھول کر آیا کرتی تھی۔ اپنی دوستیاں نبھانے کے لیے شیف قمر اسے دوسرے شیف کو بھی ریفر کردیا کرتے تھے۔ کسی تیسرے' چوتھے' شیف کی ڈیوٹی پر بیسمنٹ کے جہنم میں ہزار پانچ سو افراد کی تقریبات کا

کھانا پکانا بھی غیر معمولی نہیں رہا تھا۔ ڈش واشر اور سوشیف تک اس سے ہمدردی کرتے۔ اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے۔

"ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے... ہنر کی بھی... میں وہی قیمت چکا رہی ہوں۔"

وہ جانتی تھی کہ یہ اس کے پاس ایک آخری موقع ہے۔ یہاں پر جدید آلات' دنیا جہاں کے اجزا موجود تھے۔ وہ پکا رہی تھی کھلا رہی تھی۔ سب شیف اپنی تراکیب چھپا لیتے تب بھی وہ سیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اگر دنیا کی ساری کتابیں جل جائیں اور سب استاد گم ہو جائیں تو بھی صرف ایک "تجربہ اور مشق" کتاب اور استاد دونوں بن کر سب سکھا دیتے ہیں۔

"میں نے ایک ایسا جوہر خریدنا چاہا' جو کسی بازار میں میسر نہ تھا۔ جس کی قیمت سونے میں تھی' نہ چاندی میں۔"

وہ یہ کہتی کہ وہ تھکتی نہیں ہے' جھوٹ تھا۔ وہ یہ کہتی کہ وہ اداس نہیں ہوتی' اس سے بڑا جھوٹ تھا۔ جس دن وہ شیف قمر اور ٹیم کے ساتھ ایک پرائیویٹ تقریب میں لائیو کاؤنٹر کے لیے گئی تو اس دن اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور دل اندر ہی اندر غم سے پھٹنے لگا۔ وہ کہتی کہ ایسا نہیں تھا تو یہ سب سے بڑا جھوٹ تھا۔

وہ تقریب ایک بہت بڑے بنگلے میں ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے اسی کے اسکول کے بیچ فیلو اور کلاس فیلوز تھے۔ انہوں نے سروں پر شیف کیپ پہن رکھی تھی اور وہ گلاس ٹوسٹ کر رہے تھے۔ سلائیڈ اسکرین' فوڈزل میں ان کی کلاسز کی تصویریں دکھا رہی تھیں۔ اردگرد ان کے بڑے بڑے پوسٹر لگے تھے۔

اس رات اسے معلوم ہوا کہ اسے شہر آئے ایک سال دو ماہ ہو چکے ہیں۔ اس رات اسے یاد آیا کہ کون سی چیز اسے آج بھی راتوں کو سونے نہیں دیتی۔ "اسکول سے نکالے جانا" اسے کس راستے کی تلاش رہتی ہے۔ "فوڈزل" کی طرف جانے والے راستے کی۔

اس کے سر پر شیف کیپ نہیں تھی' نہ ہی شیف کوٹ۔ وہ دوسروں کے لیے "ہیلپر" تھی اور حقیقت میں "اسٹپنی" ہاتھوں میں گلوز' گلے میں ہیلپر کا ایک کارڈ' سر پر ڈسپوزیبل بل کیپ۔ اس کے اور سامنے جشن منانے والوں کے حلیے میں بھی فرق تھا اور حیثیت میں بھی۔ قابلیت میں بھی تھا... لیکن...

میرے ہنر اور قابلیت کی قدر و قیمت انہوں نے دو کوڑی لگائی۔

یہ دو کوڑیاں ان سے لے لو... یہ دو کوڑیاں سنبھال لو۔

پہلی بار اسے اپنی خاموشی توڑنا پڑی۔ اف کرنا پڑی اور اس نے جا کر شیف سے درخواست کی کہ وہ اسے ٹینٹ سے باہر آنے کے لیے نہ کہیں' وہ اندر ہی سب کچھ بنا لے گی۔

اندر ٹینٹ میں وہ پتھر کا بت بن کر بیٹھی رہی۔ خاموش' چپ' اسٹول پر بیٹھ کر باہر سے آنے والی آوازوں کو نہ سننے کی پوری کوشش کرتی ہوئی۔ وہ اتنے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی' جیسے آخری سانس لے رہی ہو۔ اس کے چند کلاس فیلوز اور ٹیچر نے اسے دیکھ لیا تھا' لیکن انہوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔ اس نے اٹھ کر کوکنگ کرنے کی کوشش کی۔

اس رات ان ڈشز میں رسیپی کے اجزا کے علاوہ ایک اور جز کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ اس کے آنسوؤں کا۔

سب مسالوں میں سب سے مہنگا... دنیا کے بازار میں سب سے سستا جز۔ "آنسو" کئی دنوں تک اس کے پراٹھوں کے بل کھلتے رہے' ڈوسا پھٹتا رہا' پوریاں پاپڑ بنتی رہیں۔ گرم کڑاہی کے کڑکتے تیل پر وہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار مار کر ان کی تپش بجھاتی رہی۔ کوؤں کی کائیں کائیں پر غصے سے منڈیروں کو دیکھتی۔ مکھیوں کو پرے کرنے کے لیے ہوا میں تیزی سے ہاتھ ہلاتی ہوئی وہ دیکھنے والوں کو دم بخود کر رہی

تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔" روحی باجی اسے کچن سے باہر لے آئیں۔ "تم آرام کرو اور ہوٹل سے بھی چھٹی لے لو۔"

شیف کو فون کرکے اس نے چھٹی کا کہہ دیا۔ شیف نے تیز لہجے میں اسے پھٹکارنے کی کوشش کی تو اس نے فون بند کردیا اور چپ چاپ جاکر تخت پر لیٹ گئی۔

"گاؤں چلی جاؤ دینا! ہوا بدل ہوجائے گی۔"

خالہ جی تک نے اس کی طبیعت پر پریشان ہوکر کہا۔ وہ کسی کو کوئی جواب نہیں دے رہی تھی' بس چپ تھی۔ اس کے ساتھ کیا کیا چلتا رہا' ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ کسی کو کیا بتاتی اور کیا سمجھاتی۔ ان کے لیے وہ آج بھی ایک ایسی لڑکی تھی جو شیف بن رہی ہے اور وہ دن دور نہیں جب وہ ایک بہت بڑے ہوٹل میں باقاعدہ شیف کی جاب کرنے لگے گی۔

"پھر تم ٹی وی پر بھی آیا کرو گی نا دینا!" رمشا کو لگتا تھا ہر شیف ٹی وی پر آکر کھانا پکاتا ہے۔

ٹی وی پر تو عنایہ آرہی تھی۔ عنایہ سے اس کی آخری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ اسے ہوٹل میں شیف کے انڈر رکھوا کر گئی تھی۔ پھر دینا خود اتنی مصروف ہوگئی تھی کہ وہ دن کی پوری روشنی کے لیے ترس گئی تھی' اس سے کیسے ملتی۔

ایک رات وہ سونے کی کوشش کررہی تھی کہ اسے ایسا لگا جیسے عنایہ کہیں قریب سے بول رہی ہے۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ کمرے سے باہر نکلی تو رمشا اور روحی باجی بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

وہ مسکرانے لگی اور پھر اداس بھی ہوگئی۔ "جس نے جو جو سوچا' اس نے وہ وہ پالیا' ایک میرا ہی خواب حد سے نکلا ہوا تھا۔"

"تم سوئیں نہیں؟"

"آپ سب کو کب سے کوکنگ سے دلچسپی ہوگئی؟" وہ ان کی توجہ پر حیران تھی۔

"بڑے پیارے پیارے کپڑے پہنتی ہے یہ لڑکی' اسے تو ڈراموں میں کام کرنا چاہیے۔ ہیروئن لگتی ہے پوری۔"

"مجھے تو بولتی ہوئی بڑی پیاری لگتی ہے اور ہیئر اسٹائل... اف توبہ... اسے تو سنگر ہونا چاہیے۔ مٹک مٹک کر گانے گائے گی تو بڑی کیوٹ لگے گی۔"

آہستہ آہستہ عنایہ کا پروگرام پرائم ٹائم پر آگیا تھا۔ میگزین میں ایک دو انٹرویو بھی آگئے تھے۔

"چینل کے لیے کوکنگ کی بک بھی لکھ رہی ہوں' مجھے تم سے بھی ریسپی چاہیے۔" ایک دن اس کا فون آیا۔

"دے دوں گی۔"

"اچھی والی دینا' جس سے بک ہاتھوں ہاتھ بک جائے اور مجھے دوسری کک بک لکھنے کا موقع بھی مل جائے۔"

"تمہیں سب دے دوں گی' اچھی والی نکال لینا جس سے بک سیل ہوجائے۔"

کامیابی کے تین راستے ہوتے ہیں۔ کچھ ترکیبیں لڑاؤ' لین دین کرو' کم کو زیادہ بتاؤ' پیتل کو سونے کی طرح چمکا دو۔ کہیں دماغ لگاؤ' کہیں چال چلو۔ کہیں پیسہ کہیں تعلقات' خرافاتی دماغ' ورنہ خوشامد۔ یہ عنایہ کا راستہ ہے۔ یہ راستہ ہر ایک کی پہنچ میں ہے۔

ایک راستہ طاقت کا (ٹیڑھا) راستہ ہوتا ہے۔ چال بازی' دھوکا دہی' کسی کو مکا' کسی کو دھکا۔ بدنیتی' چالاکی' ظلم' خودغرضی' مکاری' بے ایمانی' جھوٹ' پیٹھ پر وار... ہر طرح کا وار... دماغ سے' طاقت سے' یہ ہے برہان کا راستہ۔ یہ سب سے مقبول راستہ ہے۔ یہاں بہت رش رہتا ہے۔ یہ ہر پانچ میں سے چار کی پسندیدہ شاہراہ ہے۔ شارٹ کٹ' شارپ کٹ' اس راستے پر چلنے والوں کی ایک نشانی بہت واضح ہوتی ہے۔ "یہ فرعون صفت" ہوتے ہیں۔

تیسرا راستہ سیدھا راستہ ہے۔ یہ سب سے مشکل راستہ ہوتا ہے۔ سب سے کٹھن' ایمان داری' سچائی' انصاف پسندی' محنت' صبر' سادگی' لگن' کمال فن' بے

وقوفی' انکسار' بے ضرر ہونا' اس راستے پر چلنے والوں کی نشانیاں ہیں۔ یہاں کھائیوں' پستیوں اور بلندیوں پر گدھ بیٹھے ملتے ہیں۔ یہ بڑا کٹھن راستہ ہے۔ بڑا ہی غیر معروف بھی...... یہاں کبھی رش نہیں رہتا ویران اور اجاڑ...... یہ دینا کا راستہ۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو ہم دیکھنا نہیں چاہتے وہ بار بار ہماری نظروں کے سامنے آتے ہیں۔ جن لوگوں نے ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہوتا ہے' وہی سب سے زیادہ فائدے میں نظر آتے ہیں۔

رات کو گھر کے لیے' بس اسٹاپ کی طرف' ایر مال پر پیدل چلتے ہوئے وہ ایک بہت بڑے بل بورڈ کو دیکھ کر رک گئی۔ شیف کوٹ کیپ پہنے' سینے پر ہاتھ باندھے سامنے کھڑا برہان مسکرا رہا تھا۔

اسے گھر جانے کے لیے دیر ہو رہی تھی۔ رات کے کھانے کا سینڈوچ وہ چلتے چلتے کھانے والی تھی' لیکن وہ ہاتھ میں ہی دبا رہ گیا تھا۔ برہان کے ریسٹورنٹ کی اوپننگ کا بورڈ تھا۔ بورڈ کے ایک طرف فوڈ زل اور ملک کے نامور شیفوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں' جو شیف برہان کے لیے تعریفی کلمات کہہ رہے تھے۔

گھر جانے میں اسے کافی دیر ہو چکی تھی' لیکن پھر بھی وہ برہان کی مسکراہٹ کو دیکھتی جا رہی تھی' اس کے ریسٹورنٹ کا نام زیر لب دہرا رہی تھی۔ گیارہ مہینے ہو گئے تھے اس واقعہ کو' جس کی وجہ سے اسے اسکول سے نکالا گیا تھا۔ نو مہینے اسے اسٹینی بنے ہو چکے تھے۔ دنیا تو ہر طرف سے اس کی بدل گئی تھی۔ باقی دینا ویسے کی ویسی ہی تھی۔

دو بسیں اس کے سامنے سے گزر کر جا چکی تھیں۔ ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ اگر وہ ابھی بھی کسی بس میں نہیں بیٹھی تو وہ رات بارہ بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچ پائے گی۔ اتنی دیر سے پہنچے گی تو صبح فجر کے وقت کیسے اٹھے گی۔ اگلے دن ہوٹل کے کچن میں نو دس گھنٹے کھڑے ہو کر کام کیسے کرے گی۔ اگر وہ ایسے ہی سینڈوچ ہاتھ میں لیے' سنسان سڑک کے کنارے' اکیلی کھڑی رہی تھی تو ٹوٹ کر گر جائے گی۔

اور اس شہر میں...... جہاں روشنیوں کی کمی نہیں تھی۔ اس کے اندھیرے سمیٹنے کوئی نہیں آنے والا تھا۔

تین دن بعد اس نے ہوٹل کے کچن میں ٹی وی پر ایک انگلش چینل پر برہان کا انٹرویو چلتے ہوئے دیکھا۔ اس کی خوب صورتی اور انداز و بیاں کی شائستگی باکمال تھی۔ وہ یقیناً "فرشتہ تھا۔"

دو ہفتے بعد اس نے اسے ایک میگزین کور پر دیکھا۔ پھر وہ گاہے بگاہے اس کے ریسٹورنٹ کے اشتہار خبروں میں دیکھتی رہی۔ پھر ایک مہینے بعد اس نے اسے گولف کلب میں چند غیر ملکیوں کے ساتھ گولف کھیلتے ہوئے دیکھا۔

وہ لائیو کاؤنٹر پر کھڑی تھی۔ ریفریشمنٹ کے بعد اب وہ لنچ بنا رہے تھے۔ وہ وہاں پانچ افراد تھے۔ چار شیف' اور ایک وہ ہیلپر۔

"اوہ ہماری بے چاری سپر اسٹار شیف۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی گالف اسٹک اس کے شانے پر رکھی۔

اس نے سر اٹھایا اور اس کی اسٹک کو ہاتھ سے شانے سے پرے کر دیا۔

"تم آج بھی اتنی ہی نڈر ہو۔ اور میں آج بھی تم سے اتنا ہی جیلس۔"

اسٹک زمین پر ٹیک کر وہ مسکرا رہا تھا۔ اپنے کام سے ہاتھ روک کر وہ بڑی جرات سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے زیادہ قابل نہیں ہونا چاہیے تھا دینا! تم مجھ سے اچھی شیف ہو' لیکن بہت بری ماسٹر مائنڈ ہو۔"

چاروں شیف ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے ریسٹورنٹ میں جاب آفر کر سکتا ہوں۔ تم وہاں شیف بن کر کام کرو گی۔ لیکن میں تمہیں پہلے سے ہی بتا دوں کہ میں تھوڑا ٹف باس ثابت ہوں گا۔ تمہاری ایک غلطی پر تمہیں دھکے دے کر باہر نکالنے میں وقت نہیں لوں

گا۔"

"اس کے لیے تمہیں انتظار کرنا ہوگا' اس وقت کا جو مجھ پر آئے اور مجھے تمہارے ریسٹورنٹ میں جاب پر مجبور کردے اور تمہیں مجھے دھکے دینے پر مائل۔"

"مجھے تمہاری عقل اور قسمت پر افسوس ہے۔"

"اگر ایسا ہی رہا تو مجھے بھی......"

دنیا کے سامنے کھڑا مضبوط انسان' خود کو ٹوٹا ہوا ملتا ہے۔ چار گھنٹے کی نیند کے لیے ترسنے والی دینا' چار گھنٹے سے چھت پر چہل قدمی کررہی تھی۔ کبھی اس' کبھی اس منڈیر سے نیچے بازار میں جھانکتے' جھانکتے وہ بازار کے رش میں چلنے لگی۔ چلتے چلتے وہ فوڈزل پہنچ گئی اور اس نے فوڈزل کا بڑا پھاٹک کھول دیا۔

کتنے ہی اسٹوڈنٹس تھے جو آجارہے تھے' لیکن کوئی بھی ایک اس سے ہائے ہیلو نہیں کررہا تھا۔ کہیں لیکچر' کہیں سیمینار' کہیں کٹ کٹ اور لان میں اسٹوڈنٹس کا ہلا گلا۔ سیڑھیوں سے سفید کوٹ پہنے نئے سیشن کے ٹرینی' خوش گپیاں کرتے ہوئے' کچھ پرجوش' کچھ لاپروا' اتر رہے تھے۔ اسے ان میں اپنا چہرہ نظر آیا' لیکن پھر وہ کھو گیا۔

"دینا....." آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا تو اسے سارا اسکول خالی ملا' اپنا دل بھی.....

"تمہیں لگتا ہے کہ تم جو آئے دن اسٹار لے رہی ہو' شیف کی تھپکیاں' تعریفی جملے سمیٹ رہی ہو۔ تو یہ بہت بڑی بات ہے۔" عنایہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"چھوٹی بات بھی تو نہیں۔"

"پھر وہی خوش فہمی کی باتیں۔ تمہیں تو معلوم ہی نہیں کہ دنیا اب گلوبل ویلیج نہیں رہی' بلکہ "وولٹیج ویلیج" بن چکی ہے۔ وولٹیج سمجھتی ہو۔ کرنٹ جھٹکا۔ تم میں کرنٹ ہے؟"

"میں چین کے پینیدے میں آگ بھڑکا کر "اسپارک ایگ" بنا لیتی ہوں۔"

"اوہ شٹ اپ دینا! یہ وولٹیج سنچری ہے۔ صرف ایک ٹیلنٹ کی گن جیب میں رکھ کر تم کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ جیتنے کے لیے تمہارے پاس ہر ہتھیار ہونا چاہیے۔ خاص طور پر ایک عدد "خرافاتی دماغ" تمہیں کام لینا آنا چاہیے' کام نکلوانا آنا چاہیے "کام" نہیں۔ نااہلوں میں خود کو اہل ثابت کرنا۔ کسی کو پھلانگ کر اور کسی کو بہلا کر' تمہیں آگے نکلنا آنا چاہیے۔ ورنہ ساری قابلیت کے باوجود بھی تمہاری حیثیت کباڑیے کی دکان سے زیادہ نہیں ہوگی۔ جہاں کتنی بھی کار آمد چیزیں موجود ہوں کہلاتی وہ "بے کار" چیزوں کا انبار ہی ہے۔ سمجھ جاؤ دینا' ابھی بھی وقت ہے سمجھ جاؤ۔ ورنہ تم دیوانی تو ہوسکتی ہے' لیکن کامیاب نہیں۔"

عنایہ غائب ہوگئی۔ فوڈزل اس کے سامنے ہوا میں تحلیل ہوگیا اور وہ دنیا کے بازار کو منڈیروں سے جھانکتی رہ گئی..... سسکتی رہ گئی۔ تڑپتی رہ گئی۔ دیوانی ہوتی گئی۔

ہوٹل میں فوڈزل اسکول کے تین ٹرینی شیف بن کر اپائنٹ ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عیشل تھی۔ پہلے دن وہ اسے وہاں دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئی۔ دوسرے دن البتہ وہ فرصت سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"اور پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ دیا جاتا ہے فوڈزل کی سب سے لائق ٹرینی "دینا" کو۔"

اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور اپنا کام کرتی رہی۔ وہ بھی چار' چھ جملوں میں طنز کے وزنی بارود بھر بھر کر فائر کرتی چلی گئی۔

لیکن پھر آتی اور آتی رہی۔ وہ تب بھی سپاٹ رہی۔ اس کا خیال تھا عیشل ایسا کرنے میں حق بجانب ہے۔ ہر انسان وہی کرتا ہے' جو اسے ٹھیک لگتا ہے۔ جو اسے مزا دیتا ہے۔ جس سے وہ سکون حاصل کرتا ہے۔ وہ تکلیف دینا' ہتک کرنا' نیچا دکھانا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ دوسروں کو راستے سے ہٹانا' جال میں پھنسانا اور پھر اپنے تکبر کا بھرپور اظہار کرنا ہی کیوں نہ ہو۔

ایک دن شیف قمر نے اسے عیشل کو ریفر کرنا چاہا کہ وہ چند دن مس عیشل کے ساتھ کام کرے۔

"میں آج سے آپ کو جاب چھوڑنے کا نوٹس دیتی ہوں۔" آواز میں مرچیں بھرنا وہ بھی جانتی تھی' وہ بھی

تیز ہری۔

"کیوں؟" شیف نے اس کا یہ لہجہ ان دس مہینوں میں پہلی بار سنا تھا۔

"ایگری منٹ میں صاف صاف لکھا ہے کہ میں صرف آپ کی ہیلپر ہوں۔ آپ مجھے ایسے ریفر نہیں کر سکتے۔"

شیف حیران اس کی شکل دیکھنے لگے کہ یہ کون سی یادداشت ہے جو دس مہینوں بعد واپس آئی ہے۔ اور اسے یاد دلا رہی ہے کہ اسے کسی کو ریفر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جاب چھوڑنے کے اعلان سے وہ بوکھلا گئے۔ ایسی اسٹیپنی کو جو سارا کام کرے، صرف دس ہزار تنخواہ لے، خاموش رہے اور کوئی فساد اور چالاکی بھی نہ دکھائے، کون ہاتھ سے جانے دے گا۔

"آج سے پہلے تو تمہیں میرے ریفر کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔"

"اب ہو رہا ہے..."

"لیکن کیوں؟"

"میں جاؤں؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

شیف اس کی شکل دیکھتے رہ گئے۔

"اس ہوٹل کے ہر کچن کے ہر شیف کی تم اسٹیپنی ہو، صرف میرے لیے تمہاری ایگو ہرٹ ہونے لگی ہے۔ اچھا چلو ٹھیک ہے، میں تمہیں ڈیلی ویجز پر رکھ لیتی ہوں۔ بولو کتنے پیسے لو گی؟ پچاس روپے؟ سو؟ دو سو؟ بولو کتنے لو گی؟"

"تمہارا یہاں سے دفع ہونا..."

"غصہ نہ کرو دینا! تم نے سنا نہیں جن کی جیب میں پیسے نہ ہوں، انہیں سکوں کی طرح نہیں کھنکنا چاہیے۔"

"سنا ہے... اور یہ بھی سنا ہے کہ جن کے سروں میں تکبر کے کیڑے ہوں، ان کے سایوں میں نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔"

"ہاہا... یہ میری کیپ دیکھ رہی ہو؟ اسے شیف کیپ کہتے ہیں... اسے پہن کر سر اونچا نہیں کرنا پڑا، وہ اونچا ہو جاتا ہے۔"

"اس کیپ کی لاج رکھو، اور ڈیلی ویجز پر اسٹیپنی ڈھونڈنا بند کرو۔" اس نے سکون سے کہا۔

"اگر ہم جیسے شیف نہیں ہوں گے تو تم جیسے ناکارہ پرزوں کا کام کیسے چلے گا۔" اس کی نقل میں، اس کی تقلید میں، لوریل میک اپ کی تہوں پر اتراتے ہوئے اس نے بھی سکون سے ہی کہا۔

"میرے اتنے نقصان پر بھی میں اور تم ایک ہی جگہ کھڑے ہیں عیشل!" کچن کے دروازے سے باہر نکلتی عیشل سے اس نے گردن موڑ کر کہا۔ "میرے کھانے غیر ملکیوں کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ میرے نام کی تعریفی چٹیں کچن میں آ رہی ہیں۔ میں دنیا بھر کی ڈشز بنا رہی ہوں۔ میرا نام گم نام ہے، میری جیب خالی ہے، لیکن پھر بھی میں اور تم ایک ہی جگہ ایک ہی کام کر رہے ہیں۔ تمہاری تنخواہ لاکھوں میں ہے اور میری صرف دس ہزار۔ تم شیف ہو اور میں سٹیپنی... پھر بھی... میں فائدے میں ہوں... کم سے کم تم سے زیادہ... ہر طرح سے برہان سے زیادہ۔"

"ہمیشہ نہیں رہو گی... مجھ سے کم یا برہان سے زیادہ۔"

☼ ☼ ☼

"وہ بددعا کا لمحہ تھا..." جب وہ گاؤں واپس چلی گئی تو اس نے ایک بار سوچا تھا۔

اس سوچ سے کہیں پہلے... ایک دن اچانک ہیڈ کوارٹر سے جانچ پڑتال کی ٹیم آ گئی۔ وہ چھ افراد تھے اور جرمن شیف ان کا ہیڈ تھا۔ صبح ہی سب کو ٹیم کی آمد کی خبر ہو چکی تھی، اس لیے سب الرٹ تھے۔ صرف ایک اس دن دینا نے "ہیلپر" بن کر ہی کام کیا تھا۔

جرمن شیف کچن میں آیا تو وہ آرام سے کھڑی کٹنگ کر رہی تھی۔ جب تک وہ کچن کی پڑتال کرتا رہا وہ اپنا کام ہی کرتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کچن میں سب کسی نہ کسی سوال کے پوچھے جانے کے لائق تھے وہ نہیں۔ کیونکہ وہ ہیلپر تھی اور ہیلپر کی حیثیت ڈش واشر سے ذرا اوپر ہی تو ہوتی ہے۔

"آپ کون ہیں؟" وہ اس کے قریب آیا اور پوچھا جبکہ وہ کارڈ پڑھ سکتا تھا۔

"میں شیف قمر کی ہیلپر ہوں۔"

"کب سے کٹنگ کر رہی ہیں؟" ہاتھ اور نائف کی طرف اشارہ کیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ گاؤں کی تاریخ سے شروع کرے گا یا اسٹیپنی بننے کی تاریخ سے۔

"تین مہینے سے۔" شیف قمر نے جواب دیا۔

جرمن نے رخ موڑ کر انہیں ایسے دیکھا کہ شیف قمر کے ساتھ ساتھ باقی سب کی بھی سٹی گم ہو گئی۔ اور وہ دو قدم پیچھے ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"کریں کٹنگ۔" اس نے کہا اور وہ کٹنگ کرنے لگی۔

پھر اس نے ڈھیر میں سے ایک مچھلی اس کے آگے کی۔ "اس کی کریں۔"

اس نے مچھلی اپنے سامنے رکھی اور اس کی کھال ایسے اتاری جیسے آلو پر سے چھلکا اتارا جاتا ہے۔

"یہ تین مہینے کی کٹنگ سے آتا ہے؟" رخ موڑ کر شیف قمر سے پوچھا۔ شیف قمر نے اسے گھورا۔ "یہ جاہل لڑکی۔" دل میں سوچا۔

جرمن نے ایک پین اسٹوو پر رکھا، مچھلی کے ٹکڑے پین میں ڈالے اور پین اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

جیسے منڈیر پر بیٹھے کسی پرندے کو، شش کہو اور وہ اڑ جاتا ہے، وہ نہیں اڑے گا ایسا ہو نہیں سکتا۔ ایسے ہی پین پکڑ کر دینا نے کچھ ایسے جھٹکا دیا کہ مچھلی کے پیس ہوا میں اڑے....

کچن کی دنیا.... باہر کی دنیا.... سب شیف کی آنکھیں.... فریز ہو گئیں۔

اچھل کر ٹکڑے واپس پین میں آئے.... ایسا اس نے کیا نہیں، ایسا ہو گیا.... کیونکہ وہ شیف تھی ہیلپر نہیں۔

"تو مجھے ملنے والی رپورٹ درست تھی۔" جرمن بس اتنا بڑبڑایا۔

☆ ☆ ☆

وہاں اس جیسے کم و بیش چھ ہیلپر تھے۔ ٹیم نے ان سب کے ٹیسٹ لیے اور ان میں سے چار کو شیف کی جاب مل گئی۔ ان چار میں سے ایک دینا بھی تھی۔ وہ چاروں تین تین ماہ کے ٹرائل پر تھے، اس لیے ان کی سیلری ابھی صرف چالیس ہزار تھی۔ تین ماہ بعد بورڈ انہیں مستقل جاب دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کرنے والا تھا۔

شیف قمر کی جاب بس جاتے جاتے ہی بچی تھی۔ ان سب شیف کو جن کے انڈر اسٹیپنی کام کر رہے تھے کو یقین تھا کہ یہ ان اسٹپنیوں کی چال ہے۔ انہوں نے ہی ہیڈ کوارٹر رپورٹ کی تھی۔ کھانوں کے ٹرائل، کٹنگ اور انٹرویو میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ وہ پاس ہو جائیں اور شیف بن جائیں.... اور وہ شیف بن گئے۔

"آپ کے سامنے ہوا جو کچھ ہوا۔ میں نے کہیں کوئی رپورٹ نہیں کی۔"

"تم نے میری آنکھوں میں دھول جھونکی، میں نے تمہیں اتنا کچھ سکھایا، اپنے نام کے نیچے تمہیں کوکنگ کرنے دی اور تم نے میری ہی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ میں پہلے دن سے جانتا تھا کہ تمہیں میری جگہ لینے کی جلدی ہے۔" شیف قمر کی لعن طعن ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

"مجھے آپ کی یا کسی کی بھی جگہ لینے کی ضرورت کبھی نہیں رہی شیف، میں خود بھی ایک شیف ہوں۔ آپ نے میری قابلیت دیکھ کر ہی مجھے اپنے نام کے نیچے کام کرنے دیا تھا۔ میں کوئی نالائق شیف نہیں تھی۔ آپ کی ہر طرح کی سختی کے باوجود میں نے کبھی اف نہیں کیا۔ ڈے نائٹ، سولہ سترہ گھنٹے کی شفٹوں میں کام کیا ہے۔ صرف عید پر ہی میں نے لگاتار پانچ دن کی ڈیوٹی دی تھی۔ کبھی ایک بھی بار میں نے نہیں کہا کہ میں تھک گئی ہوں، بیمار ہوں۔ آپ جہاں جہاں گئے، میری بنائی ڈشز پر آپ کو انعام اور اسناد

تک ملیں لیکن میں نے ....."

"کیا کہا..... کون سے انعام؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔"

"میں اتنی بھی لاعلم نہیں شیف۔ گورنر ہاؤس کی دعوت کی تیاری میں ایک ہزار ڈالر' اور وزیر اعلیٰ ہاؤس سے پانچ ہزار ڈالر۔ سعودی شہزادے کے استقبالیہ کھانے کی تیاری پر تو آپ کو تعریفی سند تک ملی تھی کیا میں نے کسی ایک بھی چیز میں اپنی حیثیت اور انعام کا تقاضا کیا؟"

"تم کیسے تقاضا کر سکتی تھیں۔ جس چارج میں تمہیں اسکول اور ہوٹل سے نکالا گیا تھا' تھری اسٹار تو بہت دور کی بات ہے' تمہیں کوئی معمولی سا ریسٹورنٹ بھی اپنے کچن میں گھسنے نہ دیتا۔ میری وجہ سے تمہیں اس فائیو اسٹار ہوٹل کے کچن میں پکانے کا موقع مل گیا۔ دو چار ڈشز ہی بنانی آتی تھیں نا تمہیں؟"

"دو چار؟ جس وقت میں یہاں آئی تھی' میں اپنی کلاس کی سب سے لائق اسٹوڈنٹ تھی' میں ریسپی پڑھ کر ڈش بنا لیا کرتی تھی۔"

"اتنی ہی لائق تھیں تو اسپلنی کیوں بنیں؟"

"وہ میری بدقسمتی تھی۔"

"میں چاہوں تو بورڈ کو جا کر بتا سکتا ہوں کہ تمہیں فوڈ نزل اسکول سے کیوں نکالا گیا تھا۔"

وہ بے یقینی سے شیف کو دیکھ کر رہ گئی۔ مستقل دستانے پہننے کی وجہ سے اس کے ہاتھوں پر پھپھوندی لگ گئی تھی۔ انگلیوں کی جڑیں' گل گئی تھیں۔ گرمیوں میں بیسمنٹ اور سردیوں میں بیکری میں کام کرنے کی وجہ سے وہ کتنی ہی بار بخار کی حدت سے موت کو قریب سے دیکھ کر پلٹی تھی۔ شیف نے اسے جس جس شیف کے اندر بھیجا' اس نے جا کر کام کیا۔ کتنی ہی بار شیف اسے ذاتی تقریبات میں لے گئے اور پیسے اپنی جیب میں ڈالے۔ تین بار شیف نے اس سے اپنے گھر کی تقریب کا کھانا پکوایا۔ کبھی بہن' کبھی دوست' کبھی سالے' کبھی انکل کے گھر اس سے لائیو کاؤنٹر لگوائے اور اس نے اف نہیں کی۔ دس ہزار دے کر' شیف نے لاکھوں کا کام لے لیا اور ابھی بھی دغاباز' جھوٹی' بے ایمان وہ تھی۔

دنیا میں برے لوگ زیادہ اور اچھے لوگ کم نہیں ہیں۔ دراصل دنیا میں جو اچھے ہیں' وہ برے بھی ہیں' اور یہی سب سے برا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ شیف قمر ایک بہت شفیق باپ اور محبت کرنے والے شوہر ہیں۔ لیکن وہ ایک خود غرض باس' اور مغرور شیف تھے۔ بربان ایک قابل شیف تھا' لیکن انسانی معاملات میں وہ کسی فرعون سے کم نہیں تھا۔ عنایہ ایک ہمدرد لڑکی تھی' اس کی مدد کرتی رہی تھی' لیکن ٹی وی پر اس نے ایک دوسرے شیف کا شو اپنی پی آر سے ختم کروا دیا تھا' اور اس کی جگہ خود پرائم ٹائم پر شو کرنے لگی تھی۔

"دنیا اسی لیے تو ایک بری جگہ بنتی جا رہی ہے۔ ہم جتنے اچھے ہیں' اس سے کہیں زیادہ برے بھی ہیں۔"

✡ ✡ ✡

ایک وہ وقت تھا جب فوڈ نزل میں اس نے پہلی بار شیف کیپ سر پر پہنی تھی تو وہ مسکرا رہی تھی۔ اور ایک یہ وقت تھا جب اس نے کچن میں کھڑے ہو کر شیف کیپ پہنی اور وہ مسکرا رہی تھی۔ اس مسکراہٹ کی واپسی کی اس نے بڑی قیمت چکائی تھی۔

وہ شیف کی حیثیت سے کام کرنے لگی۔ اسے ملنے والے سولو آڈرز کی تعداد نے اسے پہلے ہی مہینے میں "ٹرائل" سے "تقریباً" پاس کروا دیا تھا۔ جس دن اسے پہلی تنخواہ ملی' اس دن وہ اتنی خوش تھی کہ اپنی ساری تکلیفیں بھول گئی۔ اس نے ساری تنخواہ اماں کو گاؤں بھجوا دی۔ وہ چاہتی تھی کہ ایک ایک روپیہ اس کی ماں کی وہ انگلیاں لگیں جو شیفون کے دوپٹوں پر پھول پتیاں بنا بنا کر' اپنی پوروں پر گڑھے کھدوا چکی تھیں۔

"تم نے اپنے خرچے کے لیے پیسے نہیں رکھے۔"

خوشی سے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔ صرف اس لیے کہ فائیو اسٹار ہوٹل نے ان کی بیٹی کے کھانوں کو اتنا پسند کیا تھا کہ وہ اسے اتنے زیادہ پیسے دینے لگے ہیں۔

"آپ بھیج دیں مجھے۔"

"اتنے بڑے ہوٹل میں شیف ہو گئی ہو دینا' اچھے اچھے کپڑے پہن کر جایا کرو۔ وہ جیسے ٹی وی میں نہیں پہنتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اماں!"

اسے خرچ کے پیسے دینے کے بہانے اماں ڈھیروں ڈھیر مٹھائی حویلی والوں کے لیے لے آئیں۔

اب انہیں وہ ہوٹل دیکھنا تھا جہاں لوگ کاروں میں بیٹھ کر آتے ہیں اور شیف دینا فضل کریم کا پکایا کھانا آڈر کرتے ہیں۔

اس نے اماں' جمیلہ اور جنت کو ہوٹل دکھادیا۔ کچن بھی جہاں وہ کام کرتی تھی۔ جنت اور جمیلہ کے لیے اس نے بیکری سے ایک کیک بھی پیک کروادیا جو اس نے بنایا تھا۔ وہ اب ان چیزوں کی قیمت پے کر سکتی تھی۔

اب وہ اپنے پیشے کے ایمان کو چار چاند بھی لگا سکتی تھی۔

وہ کچرے (ٹماٹر' مرچ کا گلا سڑا ڈھیر) میں ہاتھ ڈال کر اپنی ڈشنز نہیں پکاتی تھی۔ نہ ہی وہ کسی ڈیزرٹ' دیسی یا بدیسی ڈش میں کوئی دھوکا ایڈ کرتی تھی۔ اس نے بورڈ سے ان معاملات پر بھی بات کرلی تھی۔ جس تیزی سے ہوٹل کے کمروں اور بوفے میں اس کی ڈشنز کی ڈیمانڈ بڑھ رہی تھی' بورڈ نے اسے کھانے پکانے کی آزادی بھی دے دی تھی اور کچن اسٹور کی ٹیم کو اجزاء کی کوالٹی برقرار رکھنے کی ہدایات بھی۔

صرف دوسرے مہینے میں ہی اس کے بارے میں شیف کمیونٹی میں یہ چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں کہ وہ جلد ہی کسی ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ شیف بن جائے گی۔ ہیڈ کوارٹر سے آئی ٹیم ابھی بھی وہیں تھی اور وہ اس کے کام سے خوش تھی۔ عیشل کو تین بار نوٹس مل چکا تھا کہ وہ اپنی ریسپی کے ذائقے کو برقرار رکھے ورنہ اسے نوکری سے برخاست کردیا جائے گا۔

وہ جانتی تھی کہ جن سب کے ساتھ اس نے اسٹیپنی بن کر کام کیا ہے' ان سے اس کا شیف بننا برداشت نہیں ہو رہا۔ ہیڈ شیف کی افواہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ پروفیشنل جیلسی کی بو ہر طرف سے آنے لگی تھی۔ وہ ان سب میں اکیلی لائق نہیں تھی' لیکن وہ ایمان دار بہت تھی۔ پیشے کا ایمان' روح کے ایمان کے برابر ہے۔ وہ صرف اس ایمان پر قائم تھی۔ لیکن پہاڑوں پر چڑھنے والے جانتے ہیں عین چوٹی پر پہنچ کر پاؤں پھسلتا ہے۔

اور سب ملاح بھی کہ سمندر اپنے سینے میں بھنور رکھتا ہے۔

٭ ٭ ٭

وہ بھنور وہ زہر تھا جو اس نے امریکی مندوبین کے کھانے میں ملایا تھا۔ چھ میں سے دو افراد وہ کھانا کھا چکے تھے۔ بیس منٹ کے اندر اندر ہوٹل کے ڈاکٹر ان کے کمروں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ اور دو گھنٹے کے اندر اندر ہوٹل کی سیکیورٹی کے ساتھ سیکرٹ سروس کے لوگ اس کے سر پر کھڑے تھے۔

پندرہ دن اسے حراست میں رکھا گیا اور سولہویں دن اسے جانے کے لیے کہہ دیا گیا۔

"میں نے کھانے میں کوئی زہر نہیں ملایا تھا۔"

اسے واپس گھر بھیجا جا رہا تھا پھر بھی وہ یہی کہے جا رہی تھی۔ اس نے پندرہ دن لگاتار یہی کہا تھا۔ وہ ہفتے وہ ان سے زیادہ خود کو یہ یقین دلاتی رہی تھی کہ حالات اس کی خوش بختی میں ایسے کیسے زہر گھول سکتے ہیں۔ ایسے کیسے وہ ہوٹل کے کچن سے سیکرٹ سروس سیل میں آکر بند ہو سکتی ہے۔ ایسے کیسے ساری آفتیں اور مصیبتیں ملاقات کے لیے صرف اسی کو پسند کر سکتی ہیں۔ ایسے کیسے دینا فضل کریم' پر ہر آفت اپنا بوجھ لاد سکتی ہے۔

"آپ جا سکتی ہیں آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں؟"

"میں نے کھانے میں زہر نہیں ملایا تھا۔" گیلی آنکھیں گیلی ہتھیلیوں سے رگڑ رہی تھی۔ اتنے دنوں سے وہ بس یہی کر رہی تھی۔

"آپ اور کتنی بار یہ کہیں گی۔"

"میں نے زہر نہیں ملایا تھا.... میرا یقین کریں' میں

ایسا نہیں کر سکتی۔ آپ مان کیوں نہیں رہے۔"

آفیسر نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ اس کا دماغی توازن متاثر ہوا تھا۔ وہ معصوم' بے گناہ تھی' ایسے الزام اور اتنے دن کی حراست نے اسے بری طرح سے متاثر کیا تھا۔

"کھانا روم سروس کے حوالے کرنے سے صرف چند سیکنڈز پہلے زہر ملایا گیا تھا۔ وہ ڈش واشر تھا' کچن کے دو اور افراد بھی شامل تھے۔ حکومت اور اپوزیشن کی کھینچا تانی کے نتیجے میں ہوا ہے یہ سب۔ ایک کو دوسرے کی بدنامی اور نقصان مطلوب تھا۔ آپ بے گناہ ہیں' میں پہلے دن ہی جان گیا تھا۔" اس کی دماغی صحت دیکھتے ہوئے آفیسر نے تھوڑی سی تفصیل بتا کر ہمدردی کی۔

"پھر اتنے دن تک مجھے یہاں بند کیوں رکھا؟"

"تاکہ اصل مجرم لاپروا ہو جائیں۔ روم سروس اور کچھ دوسرے لوگوں کو بھی پکڑا گیا تھا۔ ایسے معاملات میں ایسا کرنا پڑتا ہے.... یہ ٹشو لیں۔"

"جی سر...." ٹشو اس نے پھر بھی نہیں لیا۔

"آپ کو خوش ہونا چاہیے.... گاڑی آپ کو گھر چھوڑ دے گی۔"

"جی سر...."

"زندگی میں ایسے واقعات ہو جاتے ہیں جو تکلیف دیتے ہیں۔ آپ کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔"

"جی سر!"

کسی مشین کی طرح جی سر' جی سر کہتی' وہ مسلسل رو رہی تھی۔ آفیسر کو اس پر ترس آیا۔

"آپ اور کتنا روئیں گی؟"

"میں؟ پتا نہیں کتنا اور روؤں گی.... شاید اس وقت تک جب تک میں بھول نہیں جاؤں گی کہ میں نے کیا بننے کی کوشش کی اور میں کیا بن گئی۔ جب تک خود کو یہ یقین نہیں دلا دوں گی کہ یہاں کے لوگ پتھر دل ہیں اور میں پتھر کو ذائقے دار نہیں بنا سکتی.... میرا باپ نانبائی تھا' میں ایک شیف نہیں ہو سکتی' مجھے یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے تھی۔ مجھے ایسے لوگوں میں نہیں آنا چاہیے تھا' جن کے تکبر ان کے ہنر سے بڑے ہیں۔ جن میں خود غرضی' جسم میں خون سے زیادہ ہے۔ مجھے ایسی زمین پر نہیں چلنا چاہیے تھا' جہاں جا بجا طاقت کے جال بچھے ہیں۔"

وہ سرخ آندھی کی زد میں تھی۔ ہر خواب کو قتل کر چکی تھی۔ بری طرح سے رو رہی تھی۔

"وہ ڈش واشر تھا' کچن کے دو اور افراد بھی شامل تھے۔ تین چار لوگ اس واقعے کی تھوڑی بہت کچھ سن گن رکھتے تھے۔ ان میں ایک شیف قمر بھی تھے۔ لیکن انہوں نے اسے خبردار نہیں کیا۔ ایک شیف کامران تھے' جن کی ناسازیٔ طبیعت کا سوچ کر وہ اکثر ان کی مدد کیا کرتی تھی۔ اور ایک عیشل تھی۔ جسے یقیناً" شیف قمر کے ذریعے معلوم ہوا ہو گا۔ اسے یاد آگیا تھا کہ جس وقت وہ کھانا بنا رہی تھی' شیف قمر نے ہنس کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ان کی ایسی معنی خیز ہنسی کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی۔ پھر عیشل آئی تھی۔ اس کے شانے کو چھوا' ایک چیری منہ میں رکھی....

"بیسٹ آف لک۔" سرگوشی میں کہا اور چلی گئی۔

وہ چاہتے تو ہوٹل انتظامیہ کو خبردار کر سکتے تھے لیکن ایک تو انہیں بڑی طاقتوں سے ٹکر لینے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ دوسرا' جب کانٹا خود نکل رہا تھا تو انہیں کیا ضرورت تھی راہ میں حائل ہونے کی۔

گاڑی نے اسے اس کی پسند کی جگہ ڈراپ کر دیا تھا۔

فوڈزل اسکول۔

رات کے سناٹے میں وہ اسکول کی عمارت کے سامنے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ پہلے دن جب وہ یہاں آئی تھی' تو دنیا میں سب سے زیادہ خوش لوگوں میں سے ایک تھی۔ اب جب وہ یہاں کھڑی تھی تو دنیا کے سب سے زیادہ دکھی لوگوں میں سے ایک تھی۔

حالات کی کتاب میں ایک ہی باب بار بار آتا ہے تو انسان کتاب بند کر دیتا ہے.... امید چھوڑ دیتا ہے.... مایوس ہو جاتا ہے۔

آج پندرہ دن بعد بھی' اسی طرح روتے' آنکھوں کو رگڑتے' وہ نیم تاریکی میں ڈوبی عمارت کے ہر دروازے

کو خود پر بند ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔ پھر سب سے بڑا دروازہ بھی بند ہو گیا۔۔۔ سب ختم ہو گیا۔

وہ سڑک 'سارا شہر اور پوری دنیا رواں دواں رہی۔ اور بت بن کر کھڑی لڑکی دینا۔۔۔ زار و قطار روتی رہی۔

☼ ☼ ☼

ان دو ہفتوں میں رو رو کر اماں نے سارے دکھوں کو جان لیا تھا۔ دو دن بعد انہیں ہوٹل سے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ اسے زہر ملانے کے جرم میں حراست میں رکھا گیا ہے۔ حویلی والے جتنا زور لگا سکتے تھے انہوں نے لگا لیا تھا لیکن انہیں دینا کا سراغ نہیں ملا تھا۔

دینا لوٹ آئی لیکن اپنے سارے پتے بھول آئی۔ اپنا سارا علم ' تجربہ ' قابلیت وہ ایک ایک آنسو میں بہانے لگی۔ وہ خود کو بالکل کورا کاغذ بنا لینا چاہتی تھی۔ وہ 'وہ سب بھلا دینا چاہتی تھی جو سیکھ آئی تھی۔

کبھی واپس نہ جانے کے لیے ہمیشہ نائی بنے رہنے کے لیے وہ گاؤں لوٹ آئی۔

تھوڑا بہت قرض جو چکا دیا تھا وہ پھر سے واپس لے لیا گیا اور اس نے دیگیں خرید لیں۔ ساتھ کے گاؤں کے نائی کے گھر جا کر اس نے کہہ دیا تھا کہ انہیں مددگار کی ضرورت ہو تو وہ موجود ہے۔

"دینا تو ہوٹل میں پکانے لگی تھی نا' واپس کیوں آ گئی؟"

پتا نہیں اماں کیا جواب دیتیں لیکن وہ خاموش رہتی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے بڑے جان لیوا ہو گئے تھے۔ لہجے کی ڈوریوں میں بڑی تپش آ گئی تھی۔ رات کے سناٹوں اور دن کے اجالوں نے اس کی شکل بدلنی شروع کر دی تھی۔ ہر سانس آہ ہو گئی تھی۔

ایک دن گاؤں والوں نے کھیت میں کھڑے باگڑ بلے (پتلا) کو عجیب حلیے میں دیکھا۔ اس نے ایک شیف کیپ اور کوٹ پہنا ہوا تھا۔ گاؤں کے بچے ' بوڑھے ' جوان ' کچھ ہنسے ' کچھ حیران ہوئے۔۔۔ وہ بھی ہنسی۔۔۔ ہنستی رہی۔

"تم دیوانی تو ہو سکتی ہو لیکن کامیاب نہیں۔"

وہ ساتھ کے گاؤں کے نائی کی مددگار بھی ہو گئی تھی اور اپنی پکوائی بھی کرنے لگی تھی۔ جہاں سے آگے جانے کے لیے سب پیچھے چھوڑ گئی تھی' وہیں سے پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ لیکن اب جوش مفقود تھا۔ خوشی ڈھول بن چکی تھی۔

جمیلہ بار بار اس سے کیک کی فرمائش کر رہی تھی۔ وہ اسے قریبی شہر لے گئی اور ایک چھوٹا سا کیک لے دیا۔

"تم تو کہتی تھیں کہ تم پریشر کوکر میں بھی کیک بنا لیتی ہو۔"

اس نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا "دوبارہ اپنی سہیلیوں کے سامنے میرے کام کی شیخی نہ مارنا۔"

"تم سب کچھ پکانا بھول گئی ہو؟ وہ میرا مذاق اڑائیں گی۔"

"اڑانے دو۔ میں اسی لائق ہوں۔"

وہ اسی لائق تھی 'اسی لیے ہر موسم آہ بنا دیا۔ ہر بول چپ کروا دیا۔ جس دن پکوائی کا کام ہوتا' اس دن صبح جلدی اٹھ جاتی' ورنہ دن چڑھے تک بستر پر لیٹی رہتی۔ دوپہر سے شام ہو جاتی' وہ جہاں بیٹھتی وہیں بیٹھی رہتی۔ چھ مہینے بعد حویلی والے اس کی یاد میں گاؤں آئے۔ اس نے انہیں ان کی پسند کے کھانے پکا پکا کر کھلائے' ان کے ساتھ ہنستی بولتی رہی' انہیں گاؤں کی سیر کرواتی رہی اور پھر وہ ویسی ہو گئی' جیسے بھیج کاگ (پتلا)۔

وہ کسی پر بھی اپنا راز نہیں کھول سکتی تھی۔ کسی کو یہ کیسے بتاتی کہ اس کے شفاف دل نے کتنی سیاہی سمیٹ لی ہے کہ اسے ہر ایک سے نفرت ہو گئی ہے۔ اور یہ بھی کہ جب وہ باگڑ بلے کو شیف کیپ پہنا رہی تھی تو کیسے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

مسکراہٹ پانی کا بلبلہ رہا۔۔۔ بدبختی خوش قسمتی پر حاوی۔۔۔

☼ ☼ ☼

دو سال، تین ہفتے بعد، جب وہ ہرباد کو اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہو چکی تھی، ایک دن شام ڈھلے، جب وہ ہینڈ پمپ سے دیگیں دھو رہی تھی تو دروازے پر دی جانے والی دستک اور دروازہ کھلنے پر آنے والی آواز نے اس کے ہاتھ روک دیے۔

"مجھے شیف دینا سے ملنا ہے۔"

سارے زخم تازہ ہو گئے۔ ایک ایک دن، اپنی ہرباد سمیت اس کی آنکھوں کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہارے گاؤں تک تو مشکل سے پہنچا لیکن تم تک بہت آسانی سے پہنچ گیا۔ گاؤں کی سڑک پر دو بچے کھیل رہے تھے، تمہارا نام لیا تو انہوں نے فوراً" سر ہلا کر کہا "کیوں نہیں جانتے جی! باجی بڑے مزے مزے کے کھانے پکاتی ہیں۔"

شیف زاہد احمد اس کے سامنے بیٹھے اطمینان سے بتا رہے تھے۔ وہ دس منٹ سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ وہ دس منٹ سے چپ چاپ انہیں سن رہی تھی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"کرایہ لینے....." جیب سے ایک خط نکال کر انہوں نے اس کے سامنے رکھا۔

"السلام علیکم سر شیف زاہد!

میں دینا فضل کریم، جس کے بارے میں آپ نے کہا تھا کہ میں ایک دن بہت بڑی شیف بنوں گی۔ دراصل سر، میرے پاس شیف نائف کیس لینے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ اسٹور کے انچارج نے مجھے آپ کا کیس چپکے سے دے دیا تھا۔ میں یہ بے ایمانی نہیں کرنا چاہتی تھی پر میرے پاس پیسے بھی تو نہیں تھے۔ میں نے پورے ستر دن آپ کا یہ کیس استعمال کیا ہے۔ آپ جب یہ خط پڑھیں تو مجھے اس نمبر پر کال کر لیں، میں آپ کو ستر دنوں کا کرایہ دے دوں گی۔ ورنہ جتنے پیسے آپ کہیں گے۔

آپ کا شکریہ سر۔"

ایک دو پکوائیاں جو اس نے بھاٹی گیٹ میں پکائی تھیں، اس کے اسے تھوڑے بہت پیسے ملے تھے۔ روحی باجی نے اسے چور بازار لے جا کر تقریباً" ویسا ہی نائف کیس آٹھ ہزار میں لے دیا تھا۔ سر شیف زاہد کا کیس واپس لاکر میں رکھتے ہوئے اس نے خط بھی کیس کے اندر رکھ دیا تھا۔

"کتنا کرایہ چاہیے آپ کو؟" وہ رو دینے کو تھی۔ یہ یہاں کیوں آئے۔ نہ آتے۔

"کرائے میں شیف دینا فضل کریم لینے....." انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے شیف نہ کہیں سر! دو سال لگے ہیں مجھے یہ لفظ بھولنے میں۔ میں نائی ہوں بس۔"

"اگر ایسا ہی ہوتا تو مجھے پینے کے لیے ایسا لیموں پانی نہ ملتا۔ صرف تین اجزاء سے تم نے ایسا ذائقہ کیسے نکال لیا دینا؟" انہوں نے سامنے میز پر رکھے گلاس کی طرف اشارہ کیا، جس کے کنارے لیموں کی گول قاش لگی تھی۔

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "آپ میرا مذاق اڑانے آئے ہیں؟ تماشا دیکھنے؟"

"نہیں..... تمہیں اڑانے۔"

اس کا دل چاہا، ایسی تذلیل پر سر کو فوراً" گھر سے باہر جانے کے لیے کہہ دے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ہر سال اسکول انٹرویو کے لیے ہی کیوں آتا ہوں؟ تاکہ تم جیسے قابل لوگوں کو اسکول میں ایڈمیشن دلوا سکوں۔"

"مجھ جیسے قابل..... لیکن مجھ جیسے بے وقوف....."

"تم بے وقوف نہیں ہو۔ کوئی بھی سچا انسان بے وقوف نہیں ہوتا، بس وہ معصوم ہوتا ہے۔ وہ مکار نہیں ہو سکتا، اس لیے۔"

"اگر آپ اتنا کچھ جانتے تھے تو آپ کو مجھے انٹرویو میں پاس نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ رو ہی دی۔

"میں نے تمہیں پاس کیا لیکن تم نے خود کو خود ناکام کر دیا۔ کیوں بھاگ آئیں گاؤں واپس۔ دینا راستہ کوئی بھی ہو، کانٹوں سے بھرا ہوتا ہے۔ منزل کوئی بھی ہو، آسانی کہیں بھی میسر نہیں آتی۔

میں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کچن کی صفائی کا کام کرتا تھا' برتن بھی دھویا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے کھانوں میں دلچسپی ہونے لگی۔ یہ دلچسپی اتنی بڑھ گئی کہ چار سال کے اندر اندر میں وہ سب پکانے لگا جو ہوٹل کے کچن میں پکتا تھا۔ میں زیادہ ڈشز پکانا سیکھ لوں' میں نے کسی نہ کسی طرح سے ایک بڑے ہوٹل کے کچن میں ملازمت حاصل کرلی۔ کبھی ڈش واشر بن کر' کبھی کچن اسٹور کا ملازم بن کر' کبھی کسی شیف کی منت سماجت کرکے اس کا ہیلپر بن کر۔ میں بس سیکھتا رہا۔

مجھے معلوم تھا مجھے کہیں جاب نہیں ملے گی' لیکن دیناہی تو اصل جنون ہوتا ہے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا پھر بھی انسان چلتا رہتا ہے۔ آٹھ سالوں میں' میں کم و بیش سب کچھ سیکھ گیا' لیکن کوئی بھی مجھے جاب دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کیونکہ میں تقریباً" جاہل اور حقیقتاً" غریب انسان تھا۔ ایک وہ وقت بھی آیا کہ میں شیف کے انڈر کام کرنے والے ٹرینیوں کو ٹپس دینے لگا۔ سب شیف جانتے تھے کہ میں بھی ایک شیف بن چکا ہوں لیکن پھر بھی مجھے شیف بننے نہیں دیا گیا۔

چھوٹے ہوٹلوں میں کام ملا بھی تو وہاں سے بھی کسی نہ کسی وجہ سے نکال دیا گیا۔ میرے دو چھوٹے بچے تھے' کب تک شوق کے لیے مارا مارا پھرتا۔ لڑکوں کے ایک ہوسٹل میں کک کی نوکری کرنے لگا۔ چھ سال تنور پر روٹیاں لگاتا رہا' دال' چاول' سبزی' گوشت پکاتا رہا۔ لڑکے میرے پکائے کھانے اپنے گھر والوں کے لیے ٹفن میں لے کر جایا کرتے تھے۔ اتنے ذائقے پر بھی مجھے کسی اچھے ہوٹل نے جاب نہیں دی۔

پندرہ سال تک میں کسی معجزے کے انتظار میں رہا' لیکن مایوس نہیں ہوا۔ ہوسٹل کا ایک لڑکا دبئی گیا اور وہاں ایک ہوٹل میں ملازم ہوگیا۔ اس نے مجھے بھی کسی نہ کسی طرح سے وہاں بلالیا۔ ہوٹل چھوٹا تھا لیکن انہوں نے میرے کھانے پاس کردیے اور مجھے ملازم رکھ لیا۔ سات سال بعد مجھے دبئی کے فائیو اسٹار ہوٹل نے ہیڈ شیف بنایا اور پھر مجھے فوڈزل جیسے اسکول میں اعزازی سیٹ ملی اور میں نے اپنے جیسے لوگوں کو انٹرویو میں پاس کرنا شروع کیا۔ مجھے بیس سال لگے دینا! گر گر کر اٹھتے۔ میں جانتا تھا اللہ کے پاس میرے لیے بہت کچھ ہے۔

اللہ کے پاس ہمارے لیے جو کچھ ہے' اسے پانے کے لیے ہمیں ہمارے پاس جو ہوتا ہے وہ دینا ہوتا ہے۔ معجزے بھی' ہماری ثابت قدمی پر ہی ہوتے ہیں۔

تمہارے انٹرویو کے وقت ہی میں جان گیا تھا کہ تم اتنا کچھ جان کر اسکول آئی ہو' جتنا مجھ جیسے شیف سالوں بعد جانتے ہیں۔ میں جان گیا تھا کہ تم اجزاء کی کتاب پڑھ کر نہیں' انہیں پرکھ کر آئی ہو۔ تمہارا ٹرائل صرف اس پرکھ کی حد دیکھنے کے لیے لیا تھا میں نے۔ تمہارا اعتماد دیکھنے کے لیے کہ تم کتنی آگے جا سکتی ہو۔ تمہاری ہمت کی حد کیا ہے۔ جس وقت تم نے مسالا اپنی ہتھیلی پر پھیلایا تھا' اس وقت میرے ساتھ کھڑے شیف نے ہنس کر کہا تھا۔

"اس نے خامیاں پکڑنی شروع کردی ہیں۔ تم ایسے ٹرینی کہاں سے ڈھونڈ کر لاتے ہو۔"

"صرف قابلیت سے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا کہ۔۔۔۔"

"کہ پہاڑوں پر رہنے والے اپنے بچوں کو گھروں میں بند کرکے رکھتے ہیں کہ کہیں وہ بلندی سے گر نہ جائیں۔ وہ انہیں ڈرا کر رکھتے ہیں کہ باہر نہ نکلو' شیر تمہیں کھا جائے گا۔ کیا یہ سب دینا؟"

تاریک آنکھیں۔۔۔۔ آہستہ آہستہ روشنی پکڑنے لگیں۔

"میں اور میرا ایک پاکستانی نژاد امریکی پارٹنر پاکستان میں فوڈ چین۔۔۔۔"

"آپ مجھے جاب آفر کررہے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔۔ کمپٹیشن۔۔۔۔ ورلڈ کیک ڈیزائنو ٹائٹل کا۔"

"میں ہی کیوں؟"

"تم ہی کیوں؟ اس کا فیصلہ میں نے نہیں اللہ نے کیا ہے۔۔۔۔ ورنہ تمہیں غریب رکھ کر وہ یہ خط میرے

کیس میں نہ رکھواتا۔ پھر یہ خط میرے سامان میں پیک ہو کر دبئی نہ جاتا۔ جس وقت ہم اپنے بزنس کے معاملات طے کر رہے تھے' اس وقت یہ خط پھر سے میری نظروں کے سامنے نہ لایا جاتا۔ مارکیٹنگ ٹیم نے ہمیں ایک بینگ (نیوز) کے لیے اس مقابلے میں کسی کو بھیجنے کے لیے نہ کہا ہوتا۔ تم سے پہلے بھیجے جانے والے دو شیف ناکام ہو چکے ہوتے.... دینا! یہ موقع تمہارے لیے طے تھا.... اللہ کی طرف سے.... اسے ہی اللہ کی پلاننگ کہتے ہیں۔ جو انسان کی گئی ہر پلاننگ پر بھاری ہوتی ہے۔

"اگر میں ہار گئی....؟"

"جیت سے پہلے کوئی ہار کے بارے میں کیسے سوچ سکتا ہے؟"

☆ ☆ ☆

سفر سے پہلے کوئی طوفان کے بارے میں کیسے سوچ سکتا ہے۔

اس کی تربیت کا دورانیہ لمبا تھا' اس کی مشقت کا دورانیہ بھی لمبا تھا۔ چار پانچ سال کی عمر میں اس نے بابا کے ساتھ معمولی کام کروانے شروع کیے تھے۔ چوبیس سال بعد وہ اس ساری تربیت کا امتحان دینے جا رہی تھی امریکا۔

اس کا فون بند ملا تو ایک دو بار پھر سے کوشش کر کے وہ اسے بھول گئے۔ خط ملنے کے ایک سال بعد ان کے پاکستانی نژاد امریکی دوست نے ان کے ساتھ مل کر پاکستان میں بیکری کا بزنس بڑے پیمانے پر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مارکیٹنگ ٹیم نے سارا پلان بنایا اور ملک بھر میں کامیاب پبلسٹی کے لیے ایک نیوز کو انڈر لائن کیا۔

"پہلا پاکستانی شیف' جس نے ورلڈ کیک ڈیزائنز کا ٹائٹل اپنے نام کیا۔"

پہلا پاکستانی شیف.... اسٹیڈیم نما ہال میں اپنے کاونٹر پر اپنے سامان سمیت کھڑا تھا۔

دو سال پہلے جب وہ اماں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے گاؤں واپس جا رہی تھی' تو اس نے اللہ سے شکوہ کیا تھا کہ اس کی قابلیت کے مقابلے میں لوگوں نے اسے چالوں سے ہرا دیا۔ کیا اسے اس قابل ہی سمجھا گیا تھا۔

مقابلے میں اسے دنیا بھر سے آئے تین ہزار لوگوں سے جیتنا تھا۔ قابلیت سے قابلیت.... اب اسے اس قابل سمجھا گیا تھا۔

گاؤں سے وہ شیف زاہد کے ساتھ دبئی ان کے ہوٹل گئی تھی۔ وہاں اس نے تین مہینے کیک ڈیزائنرز کے انڈر کام کیا تھا۔ اس نے لاتعداد کیک بنائے تھے۔ اسے زندگی نے ایک موقع دیا تھا۔ یہاں کوئی خرافاتی دماغ' چالاکی' دھوکا' چلنے والا نہیں تھا۔ نہ کوئی بریان جیسا' نہ کوئی عیشل جیسی' نہ وقت کی کمی' نہ موقع کی عدم دستیابی۔ وہ کتنے پانی میں رہی تھی' اور کتنی خوش فہمی میں وہ خود جان لے گی۔

"اگر میں ہار گئی....؟" اس نے خود سے پوچھا تھا۔

"ہار جانے والے لوگ ان لوگوں سے ہزار درجے بہتر ہوتے ہیں جو مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں کرتے۔"

چینی دانا کہتے ہیں انسان کی زندگی کے چار درجے ہوتے ہیں۔ زمین کی تیاری' بیج بونا' پھل لگتے دیکھنا اور پھر پھل کھانا۔

اس کا باپ نائی تھا' پھر وہ نائی بنی۔ اس نے کیک پر پہلا درجہ بنایا۔ چار سال کی عمر سے' دیگ کے پاس کام کرتے اپنے باپ کو دیگ پکاتے دیکھا۔ پھر اس نے اپنے باپ کے شانہ بشانہ پہلی دیگ پکائی۔ اس نے بیج بو دیا۔ کیک کے اوپر نیچے دو حصے تیار تھے۔

تخلیق کی ہر صنف کے احترام میں.... ارتکاز کے سب چراغ اس نے جلا دیے۔

اس نے ایک خواب دیکھا' شیف بننے کا۔ اس نے اپنی جان کی پوری قوت' روح کی ساری جانکاری سے اس خواب کی بوائی کی۔ ایک ایک جز کی کہانی پڑھی۔ اجزاء کو حسین بنالیا۔ ان کی خوشبو کو سانسیں۔

اس کی قابلیت کا پھل' اس کے جنون کے کھیت میں بڑی شان سے لہلہانے لگا.... پھل لگ گیا.... اس پھل کی طرف اس نے سیاہ ہاتھ لپکتے دکھائے۔ جو اسے توڑ

کر کسی گڑھے میں پھینک دینا چاہتے تھے۔ وینا فضل کریم.... اس درجے میں اس نے خود کو گرتے 'اٹھتے' گرتے 'دکھایا۔

ساری کہانی بیان کرتا کیک.... تین درجے تیار ہو گیا۔

تخلیق کی ہر درجہ کاملیت کے لیے.... وہ دل سے کامل شفاف ہو گئی۔

آخری حصے میں کیک کی چوٹی پر 'وہ شیف کیپ' کوٹ پہنے 'اکیلی کھڑی ہو گئی۔ اور اس کی شیف کیپ پر لکھا تھا۔

"آٹیل آف اسٹیپنی شیف۔"

کیک کے اس آخری حصے پر ایک آنسو گرا۔ اجزاء میں سب سے قیمتی 'اور دنیا کے بازار میں سب سے سستا۔

☆ ☆ ☆

ہال میں ہزاروں لوگوں کی چہل پہل تھی لیکن وہ کاؤنٹر کے پیچھے سر جھکا کر 'چپ کھڑی تھی۔

اسٹیج پر اعلانات ہونے لگے تھے۔ جگہ جگہ بڑی بڑی اسکرینیں لگی تھیں جو اسٹیج کی کارروائی دکھا رہی تھیں۔ کچھ خاص طرح کے کیک تھے جنہیں انعامات دیے جا رہے تھے۔ ان کی تکنیک پر شیف بات کر رہے تھے۔ وہ تب بھی اسکرین اور اسٹیج سے نظریں ہٹائے 'دونوں ہاتھوں کی پہلی انگلیاں پکڑے خاموش کھڑی نیچے دیکھ رہی تھی۔

"بیسٹ آف لک۔" شانے پر جھکی عیشل اس کے کان میں کہہ رہی تھی۔

تیسرے اور دوسرے نمبر کے کیک کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ ہال تالیوں اور شور سے گونج رہا تھا۔ اس نے تب بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ دونوں ہاتھ کھولے اور انگلیاں اپنے کانوں میں سختی سے ٹھونس لیں۔ آنکھیں میچ لیں۔

"تمہیں مجھ سے قابل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

اب کان کے پاس برہان جھکا سرگوشی کر رہا تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ دور گاؤں کی لمبی سڑک تھی، جس کے پار ہر طرف کھیتوں میں سنہری بالیاں لہلہا رہی تھیں۔۔۔ سبز، سنہری، سونا۔۔۔ وہ ان کھیتوں کی طرف بھاگ رہی تھی۔۔۔ خون، جنون، تپش۔

اس نے مڑ کر دوسری طرف دیکھا۔ بڑی بڑی اسکرینوں پر "آئیل آف اسٹیپنی شیف" کیک جگمگا رہا تھا۔ مائیک پر اس کے نام کا اعلان کیا جا رہا تھا۔

میں نے دو کوڑیاں سمیٹ لیں۔۔۔ انہیں سنبھال لیا۔

جوہر میں بدل کر دکھا دیا۔

✵ ✵ ✵

اپنے نام کے اعلان کے باوجود وہ وہیں کھڑی تھی۔

ہاں اب بس سر اٹھا کر اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کے ہاتھ سے لکھی کہانی کو جج شیف پڑھ کر سنا رہے تھے۔ اس کا کیک نمبرون کیوں رہا تھا' بتایا جا رہا تھا۔

پھر بھی وہ وہیں کھڑی تھی۔ اسکرین پر کیک بناتے ہوئے اس کی ویڈیو چلائی گئی کہ اس نے کس مہارت سے انعام یافتہ کیک کو بنایا۔ تالیوں کی آواز تھم نہیں رہی تھی۔ اس وقت تک اس کا نام اسٹیج پر دس بار پکارا جا چکا تھا۔ لیکن وہ اسٹیج کی طرف نہیں بڑھی۔ پھر اسپاٹ لائٹ اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے کاؤنٹر تک آئی۔ اور سارے اندھیرے میں وہ روشنی بن کر کھڑی ہو گئی۔

"دیتا فضل کریم۔"

کہیں الاؤ، کہیں کھائیاں، کہیں بھنور، کہیں چڑھائیاں' نظام کائنات' ناکارہ کو کوئلہ' کوئلے کو ہیرا کچھ ایسے ہی کرتی ہے۔

اپنی جگہ سے ہل کر' اپنے گھونگریالے بال لہراتی ہوئی' اپنے ناک کی سرخی کو خوشی سے مسلتی ہوئی۔ اپنی ساری خوش قسمتی کو' اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم کھڑا دیکھتے ہوئے دیتا' اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ہر بدبختی کی ایک وجہ تھی۔۔۔ ایک ہی۔۔۔ کہ وہ خوش قسمتی میں بدل جائے۔" اس نے جان لیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں نمبرون کی ٹرافی دی گئی۔

زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب ہم ہارتے ہیں' ہارتے ہیں' ہر بار ہار جاتے ہیں اور پھر ہر ہار کو جیت میں بدل دیتے ہیں۔

اس نے اللہ سے شکوہ کیا تھا کہ اس کے کلاس فیلوز نے اس کے سامنے ڈگری ملنے کا جشن منایا' اور اللہ نے ایسا ہونے دیا۔ اللہ نے اس کی جیت کا جشن ہزاروں لوگوں کے سامنے منایا' اور اللہ نے ایسا ہونے دیا۔

وہ کیک کے پاس کھڑی تھی اور ہنس رہی تھی۔۔۔ پھر اس نے فوٹو گرافرز کے لیے پوز بنانے شروع کر دیے۔

"اللہ ہمیں پھولوں کا پورا گلدستہ دینا چاہتا ہے اور ہم صرف ایک پھول کے لیے تڑپ رہے ہوتے ہیں۔" (اشفاق احمد)

✵ ✵ ✵

جب ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دوسرا کھل جاتا ہے۔ دوسرا بند ہوتا ہے تو تیسرا۔ اور جب سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو "اللہ کے فضل" کا دروازہ کھلتا ہے۔ جو کبھی بند نہیں ہوتا۔

اسے فوڈزل اسکول سے نکال دیا گیا تھا' امریکا کے تین کوکنگ اسکولوں نے اسے اسکالرشپ آفر کی تھی۔

وہ جب چاہے وہاں جا کر پڑھ سکتی تھی۔

وہ وہاں جا کر ضرور پڑھے گی' لیکن فی الحال اسے شیف زاہد کے لیے کام کرنا تھا۔

"تم ٹائٹل لے آئیں تو تمہیں اس فوڈ چین کی ہیڈ بنا دیا جائے گا۔ تمہارا کیک' ہماری بیکری کا "اسٹار" کیک ہوگا۔ بیکری کی پبلسٹی میں تمہارے ٹائٹل کو ہائی لائٹ کیا جائے گا۔ جو تمہیں بھی شہرت دلوائے گا۔ اسی فوڈ چین کے انڈر' ہم کوکنگ اسکول بھی کھولنے والے ہیں۔ تم اس اسکول کے بورڈ کا حصہ ہو گی۔۔۔ لیکن صرف اسی صورت' اگر تم یہ ٹائٹل لے آئیں۔" انہوں نے ایگری منٹ اس کے سامنے

رکھا۔

گاؤں میں، اس کے گھر میں بیٹھے شیف یہ باتیں کر رہے تھے۔ اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔ شیف زاہد نے فوڈزل اسکول سے اس کا اتا پتا لیا تھا، اور وہ ساری دنیا کے کام چھوڑ کر اس کے پاس آئے تھے۔ کیا واقعی اس میں ایسا کچھ تھا کہ کوئی دبئی سے چلتا ہوا اس کے چھوٹے سے گاؤں میں، اس کے پاس بیٹھا یہ سب کہہ رہا تھا۔ کیا واقعی اس نے وہ علم پالیا تھا کہ شیف زاہد اسے اتنی بڑی جگہ بھیجنا چاہتے تھے.... اور کیا واقعی یہ سب طے تھا۔

اس نے ہاں میں سر ہلانے میں دیر نہیں کی۔

یہ اس کی قسمت تھی، یا مارکیٹنگ ٹیم کی کارکردگی کہ اسے راتوں رات سوشل میڈیا پر وائرل کر دیا گیا۔ وہ ٹاک آف دی ٹاؤن بن گئی۔ "آنچل آف اسٹیپنی شیف۔" اس نام سے اس کی ویڈیو شیئر ہونے لگی۔ "پہلی پاکستانی شیف" اس نام سے بھی۔ شہروں میں، سنگنلز پر اس کی نیوز چل رہی تھی۔ نیوز پیپر میں دیے جانے والے اشتہار میں "کیک پکڑے" اس کی تصویریں چھپتی تھیں۔ چینل پر اس کے انٹرویوز ہو رہے تھے۔

اپریال پر عین اسی جگہ اس کا بورڈ لگا تھا، جس جگہ برہان کا بورڈ دیکھ کر وہ کتنی دیر تک ساکت کھڑی رہی تھی۔ اس کا بورڈ برہان کے بورڈ سے بڑا تھا۔ اس کے بورڈ پر دنیا بھر کے نامور شیفس نے، اس کی قابلیت اور کیک کے بارے میں اپنی رائے دی تھی۔ ان کی بیکری کا سیٹ اپ برہان کے چھوٹے سے ریسٹورنٹ سے کہیں بڑا تھا۔

عنایہ نے اسے اپنے شو میں بلانا چاہا۔

"ایک ہفتے بعد کا کہہ رہے ہیں تمہارے لوگ تو.... مجھے تو تم آج رات ہی چاہیے ہو۔ بس۔"

وہ اسی رات عنایہ کے شو میں مہمان بن کر چلی گئی جو کامیابی سے اپنا شو چلا رہی ہے، اور دو ایوارڈ بھی لے چکی تھی۔ اس کی چھ کک بکس مارکیٹ میں آچکی تھیں۔

تین مہینے بعد ان کی بیکری کا افتتاح تھا۔ اس کے کیک کے ایڈوانس آرڈرز سب سے زیادہ تھے۔ یہ سب تو آغاز تھا، اس اگلے باب کا جو زندگی نے اس کے لیے کھول دیا تھا۔ وہ جان گئی تھی، ہر اگلا درجہ، پہلے سے مشکل ہوتا ہے۔ وہ جان گئی تھی، ہر واقعہ، ہر بات، ہر تکلیف، ہر دشمن، ہمیں آگے بڑھنے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ جان گئی تھی کہ خوش قسمتی یہ نہیں کہ سب کچھ میسر ہو۔ راستہ باغ کی طرح سرسبز اور گھاس کی طرح نرم ہو۔ خوش قسمتی تو یہ ہے کہ نو میٹر واٹ ہم بس چلتے رہیں۔ یہ ہے کہ ہمارے آس پاس دشمن ہوں، جو ہمیں یہ اشارہ دیتے رہیں کہ آگے نکل جاؤ، ورنہ ہم تمہیں کچل دیں گے۔ وہ زندہ رہیں، سلامت رہیں، اور ہمیں بار بار نظر آتے رہیں۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ ہمیں آسمان دکھائی دیتا رہے۔ دن کی روشنی میں نیلا، یا رات کی روشنی میں ستاروں سے جگمگ کرتا۔ آگ اگلتا ہوا، یا بارش برساتا ہوا۔

فوڈزل اسکول کی انتظامیہ کے دو افراد اس سے مل کر گئے تھے۔ اخبار میں اسکول کے اشتہار میں وہ اس کی تصویر شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ اسے پیسے بھی دے رہے تھے۔ اس نے تصویر اور پیسوں دونوں سے انکار کر دیا۔ لیکن اسکول کے لیے لیکچر اور ہفتے، مہینے میں ایک بار کلاس لینے کی ہامی بھر لی تھی۔ صرف اس لیے کہ اگر وہاں اس جیسی کوئی دینا یا دین محمد موجود ہو تو وہ اس کی ڈھارس بندھا سکے۔ وہ ان کے شانے پر تھپکی دے کر انہیں آگے نکلنے کا راستہ دکھا سکے۔

اور آج کلاس کے سامنے کھڑی وہ اس راستے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"تخلیق کسی بھی صنف کی ہو، شفاف دل پر اترتی ہے۔ کامیابی کسی بھی درجے کی ہو، مسلسل جدوجہد سے ملتی ہے۔"

حاجرہ ریحان

سنجیدہ بدگمان

میں جانتی تھی کہ آپ کو میری بات پر کبھی یقین نہیں آئے گا۔۔۔ اسی لیے میں آپ کو اطمینان دلانے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے دعاؤں میں مصروف تھی۔ الحمد للہ مالک نے رحم کردیا۔ اب کیونکہ آپ کی والدہ کی حالت خطرے سے باہر ہے اور ان کو ہوش آگیا ہے۔۔۔ میں جارہی ہوں۔"

ہسپتال کے رائٹنگ پیڈ سے لیے گئے پرچے کے ایک طرف چھوٹے جمے ہوئے حرفوں میں تھمتی ہوئی عبارت لیے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ کب سے میری مٹھی میں بند تھا۔ جبکہ میں امی جان کی خیر خیریت پوچھنے میں لگا ہوا تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں اس سے ایمرجنسی وارڈ کے باہر کس بے رحمی اور بدتمیزی سے پیش آیا تھا۔ امی جان کے ایکسیڈنٹ کا سن کر میں ایسا ہی کچھ حواس باختہ آفس سے بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچا تھا اور اسے ایمرجنسی کے باہر کھڑا دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔۔۔ یقیناً" میں نے اسے ہمیشہ کی طرح ایمرجنسی کے باہر انتظار میں بیٹھے کھڑے دوسرے کئی اجنبی لوگوں کی موجودگی کی پروانہ کرتے ہوئے کافی سخت سنایا تھا۔ تب ہی وہ امی جان کے ہوش میں آنے کی خبر سنتے کے ساتھ ہی ان کو ایک نظر دیکھنے کے بجائے ہسپتال سے چلی گئی تھی۔۔۔ میں ایک بار پھر غصے سے اندھا ہونے لگا۔

"کتنا احساس کرتی ہیں امی جان اس کا۔۔۔ ہوش میں آتے کے ساتھ ہی سب سے پہلے اس کے بارے میں دریافت کیا۔۔۔ اور ایک وہ ہے۔۔۔ اتنا بھی نہیں ہوا کہ امی جان سے مل کر ہی چلی جاتی!"

میں کافی دیر بعد امی جان کے کمرے میں شفٹ ہونے اور ڈاکٹروں کے ان کے ٹھیک ہونے کے بار بار کے دلاسوں کے بعد رقعہ پڑھتے کے ساتھ ہی ہمیشہ کی طرح چھوٹے بچوں کی مانند دل ہی دل میں اس سے جی بھر کر بدگمان ہوا۔

شادی کو تقریباً" سال ہونے کو آیا مگر میری اس سے شکایت اور غصے میں کمی ہونے کے بجائے دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔ اوپر سے یہ بدگمانی اس وقت حد سے بڑھ جاتی جب امی جان اس کے لیے اچھے الفاظ استعمال کرتیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امی جان اتنی سیدھی کس طرح ہوسکتی ہیں۔ انہوں نے وقت اور حالات کو بدلتے دیکھا۔ اپنے سگے بھائیوں کے بدلتے رویوں اور صورتوں سے آشنا ہوئیں مگر اعتبار کرنے کا امی جان کا حوصلہ پست نہ ہوا اور یہ ان کی بہو عائشہ امی جان کے بڑے بھائی کی بیٹی بقول امی جس کو بچپن سے انہوں نے بس میرے لیے ہی پسند کر لیا تھا اور جس سے میری ایک سال چھوٹی بہن شہلا محبت سے ہمیشہ تو تڑاخ سے ہی مخاطب ہوتی تھی۔

عائشہ کی مکاری تو بتائے نہیں بتائی جاسکتی تھی مگر جس چالاکی اور مکاری سے اس نے اپنا نکاح کے ٹوٹ جانے کے بعد بھی امی جان اور میری چھوٹی بہن شہلا کو مجھ سے شادی کے لیے پٹایا تھا' میں قائل ہوگیا تھا کہ اچھی صورت چاہے تو اپنے عمل اور انداز سے ان لوگوں کو بھی دھوکا دے سکتی ہے جو اسے بچپن سے جانتے ہیں۔

امی جان تو جیسے اس پر واری صدقے جاتی ہی تھیں' شہلا بھی بھابی بھابی کرتی نہ تھکتی تھی۔ کیا یہ بات کسی سے چھپی ہوئی تھی کہ اس کے گھر میں جو کہ میرے سگے بڑے ماموں کا تھا ایک زمانے میں ہماری حیثیت محض کام کرنے والوں سے زیادہ نہیں تھی۔ بلکہ کام کرنے والے سے تو گھر کی بیگم صاحبہ پھر بھی دن بھر میں دو چار بار کام کی سہی' بات کرلیتی تھیں مگر یہاں تو ممانی جان کا امی جان سے اتنا ہتک آمیز رویہ رہتا کہ امی جان ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی کئی کئی روز ممانی جان کے سامنے نہیں جاتی تھیں اور ابھی بھی کون سادہ

ہمیں عزت دیتی ہیں۔ میں نے نخوت سے سوچا۔
اپنی طلاق یافتہ بیٹی پکڑا دی مگر ناک ایسی اونچی کر رکھی ہے محترمہ نے جیسے مجھ پر ہی احسان کر دیا ہو۔ ہاں ٹھیک ہے ان کی حیثیت اور میری حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر میں ان کے در کا تو نہیں کھاتا۔ جب سے شادی کی ہے اپنی بیوی کو بھی اپنی ہی کمائی سے پورا کر رہا ہوں مگر میری خودداری اور انا کہاں نظر آئے گی۔ ان کو تو بس یہی گمان ہے کہ انہوں نے مجھ جیسے کو اپنی بیٹی دے دی ہے۔ اوپر سے امی جان کے چونچلوں نے اور بھی سر چڑھا دیا ہے۔ ٹھیک ہے بھئی امی جان کو ایسی ہی محبت کرنا آتی ہے۔ بے لوث' بے حد۔ اٹھاتی رہیں امی جان اپنی بہو کا لاڈ مجھ سے تو نہیں ہو گا یہ سب۔ مجھے جب موقع ملے گا میں اسی شدت سے اسے اس کی اوقات یاد دلایا کروں گا جیسے آج۔
یہاں تک سوچتے سوچتے مجھے آہستہ آہستہ یاد آنے لگا۔

✡ ✡ ✡

آج مجھے آفس پہنچے کوئی دو گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ میرے موبائل پہ ایک نامعلوم نمبر سے بار بار فون آنے لگا۔ میں اس وقت ایک میٹنگ میں تھا۔ میٹنگ کے بعد میں نے کلائنٹ سمجھ کر چائے بسکٹ سے فارغ ہو کر فون کیا تو کسی مرد نے اٹھایا۔ میں نہ تو اس کی آواز پہچان سکا تھا نہ ہی بات کرنے والے نے فون اٹھاتے ہوئے میرے نام بتانے پر کسی طرح کی جان پہچان کا اظہار کیا تھا۔ خیر سلام دعا کے بعد میں نے اسے بتایا کہ ابھی کوئی ایک گھنٹہ پہلے آپ کے موبائل سے مجھے فون آرہے تھے' اس پر چونک کر اس شخص نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی بیوی کو لے کر ہسپتال آیا ہوا تھا اور وہیں ایمر جنسی کے باہر ایک لڑکی نے اس سے فون لے کر بار بار فون کیا تھا یہ بھی بتایا کہ اس لڑکی کی ساس ایکسیڈنٹ میں زخمی ہونے کے باعث ایمر جنسی میں لائی گئی تھیں۔ میں نے اس سے جلدی سے ہپتال کا نام پوچھا اور اسی وقت آفس سے نکل کھڑا ہوا۔



ہسپتال پہنچنے تک کے پورے راستے مجھے کل رات کی بات یاد آرہی تھی۔ جب امی جان مجھ سے بار بار کہہ رہی تھیں کہ میں عائشہ کو اس کی ماں سے ملانے اس کے گھر لے جاؤں کیونکہ ممانی جان دو دن سے کافی بیمار تھیں' وہ دل کی مریضہ تھیں۔ لہٰذا ان کی کھانسی بخار کو بھی خاندان کا ہر فرد بہت اہمیت دیتا تھا۔ اوپر سے وہ بڑے ماموں کی بیگم تھیں۔ ویسے بھی ان کا

پورے خاندان پر کافی رعب تھا۔ مگر میں اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔ میں نے امی جان اور شہلا کی ضد کے ہاتھوں مجبوراً" عائشہ سے شادی تو کرلی تھی مگر امی جان کو صاف کہہ دیا تھا کہ میں کبھی بھی اس گھر میں، جہاں کبھی ہمارے ساتھ نوکروں سے بھی بدتر سلوک ہوا تھا، داماد بن کر نہیں جاؤں گا۔

امی جان آئے دن میری ضد کو آزماتی رہتی تھیں۔ مجھے سمجھاتی رہتی تھیں کہ برے دنوں کو بھول جاؤں۔ اور اچھے دنوں کو اپنالوں اور یہی میں نہیں کرپا رہا تھا۔۔۔ گو شادی کے بعد جب بھی عائشہ سج دھج کر میرے سامنے آتی تو میں دل مسوس کر رہ جاتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ شہلا کی ہی طرح بے تکلفی سے اس کے حسن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاؤں۔ جس میں ایسا کچھ جھوٹ بھی نہیں تھا۔ وہ ویسے ہی صورت کی اچھی تھی۔ اچھا پہن اوڑھ کر وہ جیسے اور بھی نکھر جاتی تھی مگر میں بھولنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات جو میرے دل میں پھانس کی مانند چبھی ہوئی تھی، وہ اس کا پہلا نکاح تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کس طرح ممانی جان نے امی جان کو میرے سامنے عائشہ کا اپنے نکاح پر خوش ہونے کا بتایا تھا۔ گو واپسی کا پورا راستہ امی جان پہلی بار ممانی جان کی غلط بیانی کا کھلے عام ہم دونوں بھائی بہن کو بتا رہی تھیں۔ امی جان کا خیال تھا کہ ان کی بھابھی نے یہ نکاح زبردستی کرایا ہے ورنہ عائشہ۔۔۔ امی جان کو یقین تھا کہ عائشہ بھی امی جان کی بہو بننے کے خواب دیکھتی رہی ہے۔ ایسے میں مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے عائشہ کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہاں عائشہ 'ایک کروڑپتی بزنس مین کی بیٹی' کہاں میں لیدر بیگز بنانے کی ایک چھوٹی فیکٹری کا مالک۔۔۔ اوپر سے چھوٹی سی اس فیکٹری کے مالک کا ماضی۔

ابھی کچھ زیادہ پرانی بات بھی نہیں تھی کہ جب امی جان بڑے ماموں کے ہاں بیوہ ہونے کے بعد اپنے دو یتیم بچوں کے ساتھ رہنے آگئی تھیں۔۔۔ بقول امی جان کے ماموں جان کا یہی احسان بہت ہے کہ انہوں نے وقت پڑنے پر ہمیں سر چھپانے کے لیے چھت دی۔۔۔ مگر ایک اس چھت کی خاطر امی جان نے کس قدر ذلت و رسوائی اپنی بھابھی کے ہاتھوں اٹھائی تھی یا تو اللہ جانتا ہے یا وہ۔ جس نے اب تک ذلت سہی تھی۔ میں بھولنا نہیں چاہتا تھا اور اسی لیے اپنے اوپر ہر قسم کی روک لگا کر رکھتا تھا۔

ماموں جان تو ہمیشہ ہی سے مجھ اور شہلا سے محبت و شفقت سے پیش آتے رہے تھے مگر وہ سال کے زیادہ دن ملک سے باہر گزارتے تھے اور ان کے پیچھے ممانی جان ہم تینوں سے اپنی نفرت کا بھرپور اظہار کرتی رہتی تھیں۔

ماموں جان کے چار بچے تھے اور عائشہ تیسرے نمبر پر تھی۔ وہ ہمیشہ سے امی جان کے پہلو سے لگی رہتی تھی مگر شاید اس لیے کہ امی جان اس کو سلائی کڑھائی، بیکنگ اور بھی بہت طرح کی مختلف ٹریننگ مفت میں دیا کرتی تھیں۔ یہی سب وہ اگر کسی انسٹیٹیوٹ میں سیکھنے جاتی تو ہزاروں خرچ کرتی اور پھر بھی جس طرح امی جان سہولت سے گھر بیٹھے اسے سکھاتی تھیں ویسا نہ سیکھ پاتی۔ میں دل ہی دل میں عائشہ کا امی جان سے چمٹے رہنے کا جواز ڈھونڈتا۔

ہمیں کھانے پینے، کپڑے جوتے یہاں تک کے جیب خرچ کے لیے کبھی پریشان نہ ہونا پڑا۔ ماموں جان نے اپنی غیر موجودگی میں بھی اپنے آفس کے پرانے منیجر صاحب سے امی جان کے نام ہر مہینے باقاعدہ ایک اچھی رقم بھجوانے کا انتظام کر رکھا تھا مگر اس میں بھی ان کا کوئی احسان نہیں تھا۔ یہ کاروبار جس کو بڑے ماموں اب اپنا کہتے تھے۔ دراصل ہمارے نانا کی ملکیت تھا۔ ایک طرح سے امی جان کا ان پیسوں پر حق تھا۔ جو جب بھی منیجر لے کر آتا تو امی جان کی آنکھیں ہمیشہ احسان سے بھیگ جاتیں۔ میں نے امی جان کو ہمیشہ محبت کرتے ہی پایا ان کو کبھی بھی ممانی جان کا ہتک آمیز رویہ ماموں جان یا عائشہ سے متنفر نہیں کرسکا تھا مگر میں

دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر مجھے اس گھر اور اس گھر سے جڑے ہر شخص سے رشتہ توڑ دینا ہے۔

ایم بی اے کرنے کے بعد میں نے اپنا کاروبار شروع کرنے کا سوچا۔ ماموں جان نے کئی بار مجھے۔ اپنے آفس میں کام شروع کرنے کا کہا جہاں پر اب ان کے دونوں بڑے بیٹے بھی لگ چکے تھے مگر میں اپنی راہ الگ کر لینے پر بضد تھا۔ لہٰذا جلد ہی میں نے اپنی محنت اور لگن سے چھوٹی سی ہی سہی لیدر بیگز بنانے والی یہ فیکٹری کھڑی کر لی تھی اور مجھے اپنے کاروباری مستقبل سے اچھی امید تھی۔ چند ہی سالوں میں میرا اپنا الگ گھر کا دیرینہ خواب پورا ہوا۔ امی جان نے مجھے گھر خریدنے پر ڈھیروں دعائیں اور مبارک باد تو جی بھر کی دی مگر امی جان، ماموں جان کا گھر چھوڑنے پر تیار نہ تھیں مگر پھر... شہلا کے لیے بڑے ماموں نے ایک دن اپنے بڑے بیٹے کا رشتہ مانگا اور امی جان نے حسب عادت خوشی سے فوراً" ہاں بھر لی مگر پھر ممانی جان نے وہ وہ تماشے کیے۔ کچھ اس طرح شہلا کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ امی جان کو آخر کار سمجھنا پڑا کہ شہلا اگر بڑے ماموں کی بہو بن بھی گئی تو بھی ممانی جان کی دشمنی کا ساری عمر سامنا کرتی رہے گی۔ مگر اب ماموں جان کے ہاں اس طرح رہا بھی نہیں جا سکتا تھا... اور یوں آخر کار میرے خریدے گئے گھر کی بھی قسمت جاگی۔

☆ ☆ ☆

ہم اس زمانے میں نئے نئے اپنے گھر میں شفٹ ہوئے تھے اور امی جان اور شہلا سارا دن گھر کو سجانے اور بنانے میں جتی رہتی تھیں۔ میں بھی اپنے کچھ نئے پراجیکٹس میں کافی مصروف رہتا تھا۔ رات گئے گھر آتا امی جان ہمیشہ کی طرح میرے لیے جاگتی ملتیں۔ شہلا بھی جیسے میرے انتظار میں بیٹھی ہوتی پھر ہم تینوں ساتھ بیٹھ کر تھوڑی دیر ضرور گپ لگاتے تھے۔ امی جان مجھے زبردستی کچھ نہ کچھ کھلاتیں۔ جبکہ شہلا اپنے پسندیدہ ترین موضوع بھائی کی شادی پر اٹکی رہتی۔ لہٰذا

ہم چھوٹی سی ہی سہی مگر اپنی دنیا میں بہت مگن رہتے تھے کہ ممانی جان نے امی جان کو گھائل کرنے کے لیے ایک اور تیر پھینکا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ عائشہ کے نکاح کی بات یوں امی جان کو گھر بلا کر نہ بتاتیں۔ ویسے بھی کون سا ان کی نظر میں اپنی نند کی اہمیت تھی۔

ممانی جان، امی جان کا عائشہ کے لیے حساس ہونا جانتی تھیں۔ امی جان نے تو ہمیشہ ہی صدق دل سے عائشہ کی طرف اپنا جھکاؤ ظاہر کر دیا تھا اور جتنا امی جان عائشہ سے محبت اور انسیت رکھتی تھیں۔ ممانی جان اتنا ہی امی جان کو عائشہ سے دور رکھنے کی کوششیں کرتی رہتیں... گھر الگ ہونے سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ اب ہمیں ممانی جان کے نت نئے تیروں اور نشتروں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا مگر ممانی جان بھی بھولنے والی کہاں تھیں۔ شہلا کا رشتہ ختم کر کے امی جان کی خاندان کے بچوں کے ذریعے خاندان کو ایک رکھنے کی یہ آخری امید بھی ہمیشہ کے لیے توڑ دینا چاہتی تھیں۔ پھر اس میں ان کا بھی ایسا کوئی قصور نہیں تھا بقول ممانی جان، نکاح عائشہ کی پسند سے ہوا تھا۔ امی جان کو پہلی بار میں نے کئی دنوں اپنی بھابھی کی باتوں پر اس طرح دل دکھاتے دیکھا تھا۔ وہ بار بار جیسے خود کو یقین دلاتیں کہ عائشہ کے ساتھ ممانی جان نے زبردستی کی ہے۔ عائشہ ایسا نہیں کر سکتی۔ میں یوں تو شہلا کے ساتھ مل کر امی جان کو دلاسے دے رہا تھا مگر اندر ہی اندر یہ آخری دیوار بھی گر جانے پر خوش تھا۔

میں اس خاندان میں رشتہ کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ جہاں لوگ حق دینے پر احسان جتاتے ہوں وہاں رشتہ کر لینے پر تو پتا نہیں کیا کیا کریں مگر امی جان کو کسی صورت چین نہیں آتا تھا۔ ممانی جان نے امی جان کو اس وقت گھر بلایا تھا جب عائشہ موجود نہیں تھی۔ امی جان اپنی بھابھی سے شاید پہلی بار بدگمان ہوئی تھیں۔

وہ بار بار ماموں جان اور عائشہ سے بات کرنے کا کہتی رہیں مگر پھر شہلا نے ہی ان کو عقل کی بات سمجھائی کہ اس طرح کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ نکاح ہو چکا ہے۔ عائشہ کسی اور کی ہو گئی ہے، جو ہوا سو ہوا صبر کرنا ہی بہتر

ہے۔بات نمٹتے دیکھ کر میں نے بھی سکون کا سانس لیا مگر میرا اطمینان چند دنوں کا ہی تھا۔

عائشہ آئے دن بیمار پڑنے لگی۔اور ہر بار کچھ اس طرح بیمار پڑتی کہ ماموں جان کو امی جان کو فون کر کے بلانا پڑ جاتا.... میں کیونکہ اب اس طرف سے مطمئن تھا لہٰذا امی جان کے جانے پر میں ہمیشہ خود ان کو ماموں جان کے گھر کے دروازے تک چھوڑنے جاتا اور ساتھ میں بیمار عائشہ کے لیے پھول بھی بھجوا دیا کرتا مگر شہلا کی منگنی کے بعد سے امی جان بھی کافی مصروف رہنے لگی تھیں اور چند ماہ یوں ہوا کہ امی جان 'ماموں جان کے ہاں نہ جا سکیں۔خیر شہلا کی شادی میں ماموں جان اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ شامل ہوئے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عائشہ یکسر بدل چکی تھی.... دور سے کوئی بہت ہی بوڑھی لاغر عورت لگ رہی تھی اور قریب سے دیکھے جانے پر اس کی ناتواں صحت دیکھ کر اور بھی ڈر لگتا۔

وہ امی جان اور شہلا کے ضد کرنے پر آ گئی تھی گو کہ اس سے پورا وقت کرسی پر ٹھیک سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔امی جان اپنی بیٹی کی شادی کے دن بھی عائشہ کی حالت پر روہانسی ہوئے جا رہی تھیں۔مجھے بھی شاید زندگی میں پہلی بار عجیب احساس ہوا تھا۔ٹھیک ہے' میں اس سے محبت نہیں کرتا تھا مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ اسے اس حالت میں دیکھ کر خوش ہوتا بلکہ امی جان کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اسے اس طرح دیکھ کر انجانے سے دکھ نے آ گھیرا تھا۔

اسے کوئی جان لیوا بیماری لگ گئی ہے۔

یہ مرنے والی ہے۔

اب نہیں بچے گی۔

میں دل ہی دل میں عائشہ کے متعلق خاموش قیاس آرائیوں میں مشغول شہلا کی شادی کو نمٹا تا رہا مگر جیسے عائشہ کی حالت نے ہم سب کو بے حد اداس کر دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

شہلا نے دوسرے دن سسرال سے آتے ہی سب سے پہلا سوال امی جان سے یہی کیا تھا کہ عائشہ کیسی ہے؟وہ ایسی کیوں لگ رہی تھی؟اسے کیا ہوا ہے؟

امی جان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔یہ تبدیلی اچانک آئی تھی اور شہلا کی شادی میں مصروف امی جان سے چوک ہو گئی تھی۔شہلا کو اپنے گھر کا کرنے کے بعد امی جان کو بھی فراغت مل گئی تھی اور تب ہی انہوں نے مجھ سے ضد کرنی شروع کی کہ میں ان کو ماموں جان کے ہاں روز نہیں تو کم از کم ہفتے کے دو روز تو چھوڑ دیا کروں.... میں خود بھی تنہا تھا اور شہلا کے جانے کے بعد صرف امی جان ہی تھیں جن کی بدولت یہ گھر مجھے اچھا لگتا تھا مگر امی جان بضد تھیں' بقول ماموں جان کے عائشہ اپنے علاج میں دوائیاں لینے اور آرام کرنے میں باقاعدہ بے احتیاطی کر رہی تھی۔بہرحال اب کی بار میں بھی نرم پڑ گیا تھا۔عائشہ ہمارے خاندان میں سب سے خوب صورت نہ سہی مگر ہر دل عزیز ضرور تھی.... اس کی شکل کے ساتھ ساتھ سیرت بھی اچھی تھی۔

مجھے ابھی تک یاد ہے کہ بچپن میں وہ اپنے بہن بھائیوں کے آگے میری اور شہلا کی طرف داری کرتی تھی۔وہ شہلا سے کوئی تین سال چھوٹی تھی۔شہلا ہمیشہ سے کھلنڈری تھی۔لہٰذا وہ عائشہ کو بے تکلفی سے تو تڑاخ سے مخاطب کرتی تھی.... سب سے زیادہ حیرت تو مجھے اس وقت ہوتی تھی جب عائشہ بڑے تحمل اور بردبار انداز میں شہلا کے کھلنڈرے اور نہایت فضول قصے کہانیاں' بغیر تھکے نہ صرف سنتی تھی بلکہ بہت ہی احتیاط سے اسے رائے اور مشورے بھی دیا کرتی۔زیادہ تر یہ ہنگامی میٹنگ شہلا کی اپنی کلاس میں کسی لڑکی سے ان بن یا پھر کوئی بہت ہی احمقانہ حرکت کے بعد رکھی جاتی تھی پھر شہلا پہلے تو گھنٹوں عائشہ کو کئی بار مختلف طرح سے دہرا دہرا کر ایک ہی واقعہ سناتی پھر اسی طرح مختلف زاویوں سے عائشہ سے مشورے بھی مانگتی۔میں شہلا کی گھسی پٹی باتوں سے اکثر ایسا اوب جاتا تھا کہ یا تو ان دونوں سے دور ہو جاتا تھا یا پھر ڈانٹ کر چپ کرا دیا کرتا تھا۔شہلا مجھے دو ٹوک سنا دیا

کرتی مگر عائشہ معصوم سی صورت بنائے ہم دونوں کو لڑتے دیکھتی رہتی پھر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی یہ ہنگامی میٹنگز اکیلے میں ہونے لگیں۔

عائشہ زیادہ تر امی جان یا شہلا کے ساتھ ہی لگی رہتی تھی.... میں نے اسے کبھی اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ اس اپنائیت سے سر جوڑے بیٹھے نہیں دیکھا۔ جس طرح وہ شہلا یا امی جان کے ساتھ بیٹھتی تھی.... مگر میرے ساتھ وہ ہمیشہ ایک فاصلے پر رہتی تھی۔ مجھ سے اس نے بچپن میں کبھی کھیل کود میں بھی کھل کر بات نہیں کی تھی اور جب میں اپنی ہی دھن میں اپنا کاروبار سیٹ کرنے میں مگن رہتا تھا اور اکثر ہی دیر سے گھر آتا تھا۔ ان دنوں بلا ناغہ میں نے عائشہ کو ہمیشہ پورچ سے منسلک لان میں ٹہلتے پایا تھا۔ جدوجہد کے شروع کے دنوں میں میرے پاس بائیک تھی۔ جیسے ہی میں اپنی بائیک لیے پورچ میں داخل ہوتا' عائشہ دبے قدموں لان سے نکل کر اندر چلی جاتی تھی۔ معمول کے مطابق امی جان کو میرے آنے کی اطلاع دے کر وہ اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ شاید امی جان ہی اسے میرے آنے کی خبر رکھنے کے لیے لان میں کھڑا رکھتی تھیں۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ یہ کام اتنی جانفشانی اور مستقل مزاجی سے کیسے کرتی تھی۔

خیر ہمارے الگ ہو جانے کی خبر پر سب سے زیادہ دکھ عائشہ نے ہی منایا تھا۔ اس نے بقول امی جان کئی دنوں تک کھانے کی ہڑتال کر کے امی جان کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کرنا چاہا مگر پھر امی جان نے ہی اسے دلاسا دیا کہ وہ عائشہ کو بہت جلد اپنے ساتھ ہمیشہ کے لیے لے جائیں گی۔ ایسا دلاسا سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ میں نے امی جان کو کئی بار یاد دلایا کہ جب شہلا کے لیے ممانی جان نہ مانیں تو بھلا عائشہ کے لیے کیونکر مانیں گی پھر کیا یہ سب سہ کر ہمیں زیب دیتا ہے کہ اس گھر کی لڑکی لے کر آئیں مگر شہلا کے ساتھ ساتھ امی جان نے مجھے اس طرح سوچنے سے منع کر دیا کہ شہلا کے دل میں کوئی ملال نہیں تھا۔ وہ بہت خوش دلی سے عائشہ کو اپنی بھابھی بنانے پر تلی بیٹھی تھی۔ میں ممانی جان سے اچھی طرح واقف تھا۔

اگر امی جان کو کوئی خوش فہمی تھی بھی تو ممانی جان نے بہت احسن طریقے سے ان کی خوش فہمی ختم کر دی تھی اور اب اگر امی جان عائشہ کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھیں تو میں بھی ان کو روکنے کا کوئی جواز نہیں رکھتا تھا۔

امی جان ہفتے کے دو دن ضرور ماموں جان کے ہاں گزارتیں.... مجھے بھی آنے کے لیے کہتیں مگر میں کام اور مصروفیت کا بہانہ کر کے دروازے سے ہی جان چھڑا لیتا۔ امی جان کے ہر دم خیال رکھنے سے ایک تو عائشہ کی صحت پر خاطر خواہ اثر پڑا مگر ساتھ یہ نقصان ہوا کہ امی جان کو عائشہ کے لالچی سسرال والوں کے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا۔

بقول امی جان 'عائشہ تو اس رشتے سے ویسے بھی خوش نہیں تھی مگر سعادت مندی سے ماں کی خواہش کا احترام کر رہی تھی مگر اب تو ماموں جان بھی اس کے سسرال سے آنے والی آئے دن نت نئی فرمائشوں سے تنگ تھے۔ ویسے تو ماموں جان کے پاس بہت پیسہ تھا اور سب کو ہی معلوم تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو جہیز کے نام پر دنیا جہان کی نعمتیں دیں گے مگر عائشہ کے سسرال والوں کا پیٹ نہیں بھر رہا تھا۔ ابھی تو صرف نکاح ہی ہوا تھا اور انہوں نے جائیداد میں سے عائشہ کا حصہ مانگ لیا تھا .... ساتھ میں عائشہ کے شوہر کو ماموں جان کے کاروبار میں باقاعدہ شامل کر لینے کی بھی ڈیمانڈ کر دی گئی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ وہ لوگ عائشہ سے حد درجہ ذلت آمیز رویہ رکھتے۔

ممانی جان کے ہی منہ سے امی جان نے سنا کہ عائشہ کا شوہر تو عائشہ پر کم عقل ہونے کا بھی الزام لگاتا ہے۔ اسے عائشہ کی ہر بات اور کام میں نقص نکالنے کی عادت تھی' عائشہ اس قدر تنقید سہ سہ کر بیمار رہنے لگی تھی' امی جان جب گھر پر ہوتیں عائشہ کے متعلق ہی اپنی فکر کا اظہار کرتی رہتیں۔

آخر کار رخصتی کا دن آگیا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی شادی میں شریک ہوا۔ میں محسوس کر سکتا تھا کہ عائشہ کی شادی پر امی جان نے بھاگ بھاگ کر تمام

انتظام تو سنبھالا ہے مگر وہ دل ہی دل میں کافی افسردہ تھیں۔ ان کو ابھی بھی عائشہ کا دوسرے گھر جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ نکاح تو پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے لوگ بے فکری سے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے مگر بارات آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی.... آخر کار ماموں جان نے ہی فون کر کے حالات پوچھے اور پھر وہ گھبرا گئے۔

دوسری طرف سے صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا تھا کہ جو ڈیمانڈز ہیں پہلے وہ پوری کی جائیں پھر ہی بارات آئے گی۔ ماموں جان تو جلد از جلد اسٹامپ پیپرز پر تمام ڈیمانڈز کو پورا کرنے کا وعدہ کرنے کی تیاری کرنے لگے مگر اچانک ہمیشہ کی نرم مزاج اور کم گو عائشہ بپھر گئی۔ اس نے ______ صاف لفظوں میں ایسے آدمی کے گھر جانے سے انکار کر دیا جو اس کو وقت پڑنے پر ایک بلینک چیک سے زیادہ نہ سمجھتا ہو....

ماموں، ممانی اور امی جان کے لاکھ سمجھانے پر بھی عائشہ نہ ہلی اور آخر کار لڑکے والوں کو اطلاع کر دی گئی کہ اب بارات لانے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اس قدر ہی معلوم ہوا کہ عائشہ کے شوہر نے غصے میں اسی رات اس کا طلاق نامہ بھجوا دیا۔ جیسے اس کے پاس پہلے سے تیار رکھا تھا۔ بہر حال عائشہ کی طبیعت صدمے سے اور خراب ہوتی مگر ماموں جان نے عقل مندی دکھا کر اسے مکمل طور پر امی جان کے حوالے کر دیا تھا اور یہی وہ دن تھے جب امی جان نے مجھ پر زور ڈالا۔ مجھے پہلے تو بہت ہی دکھ ہوا کہ امی جان اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ایک طلاق یافتہ لڑکی لانے پر بضد ہیں اور اس ضد میں شہلا بھی شامل ہو گئی۔ قصہ مختصر مجھے ہاں کہتے ہی بنی مگر میں عائشہ سے حد درجہ بدگمان ہو چکا تھا۔

اس نے امی جان کی بے لوث محبت کو کس طرح اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا میں یہ سوچ کر ہی دل برداشتہ ہو جاتا تھا اب تو ممانی جان بھی کافی نرم پڑ گئی تھیں۔ عائشہ سے شادی کر کے بھی میری بدگمانی ختم نہیں ہو سکی تھی بلکہ جتنا وہ میرے گھر میں امی جان یا شہلا کے بال بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتی مجھے اتنا ہی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوتا یعنی میں اسی قابل تھا کہ بے کار اور ناکارہ سمجھ کر کسی کی چھوڑی ہوئی شے میرے حصے میں آتی۔ میں جان توڑ محنت کر کے بھی اپنی اوقات نہ بدل سکا۔ ماموں جان نے ہمیشہ ہمیں خیرات دی اور بیٹی بھی دی تو وہ جس کو دنیا میں ٹھکرایا جا چکا تھا۔ امی جان اور شہلا سے تو میں کچھ کہہ ہی نہیں سکتا تھا مگر ہاں عائشہ کو میں نے ممکن حد تک اپنی بدگمانی جتا دی تھی۔

میں جب بھی اس کے ساتھ اکیلا ہوتا، اسے کھری کھری سنا دیا کرتا.... اس کے ساتھ گھومنا پھرنا تو دور کی بات ہمیں تو گھر میں بھی اس کے ساتھ اکیلا بیٹھنا گوارا نہ کرتا۔ کمرے میں صرف اسی وقت جاتا جب نیند سے آنکھیں بوجھل ہو جاتیں، وہ ان تمام دنوں بہت ہی تحمل اور خاموشی سے میری زیادتیاں برداشت کرتی رہی تھی۔ ایک بار بھی اس نے امی جان یا شہلا سے میرے رویے کی شکایت نہیں کی۔ جس کی وجہ سے مجھے اور بھی شہ ملی ہوئی تھی۔

کل رات جب امی نے مجھ سے کہا کہ میں ممانی جان کی طبیعت کا پوچھنے عائشہ کے ساتھ چلا جاؤں تو میں نے امی جان سے تو معمول کے مطابق اپنی مصروفیت کا بہانہ کیا مگر کمرے میں آ کر اکیلے میں عائشہ کو بہت سنایا کہ اب وہ مجھے اپنے گھر لے جانے کی ضد امی جان سے کر کے مجھے اور بھی غصہ دلا رہی ہے اور اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میکے جائے۔ فون موجود ہے، وہ فون کر کے اپنی امی کی خیر خیریت معلوم کر سکتی ہے.... اور میں اس کی اب کوئی چالاکی چلنے نہیں دوں گا۔ بہر حال صبح میں حسب معمول آفس چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

جب بھی امی جان کو کہیں جانا ہوتا یا اگر شہلا کو آنا ہوتا تو میں آفس جا کر ڈرائیور سمیت گاڑی گھر بھجوا دیا کرتا تھا۔ مگر اس دن کیونکہ میں رات میں ہی عائشہ کو جانے سے منع کر چکا تھا۔ میرے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ مجھے گاڑی گھر بھجوانی ہے۔ اسی لیے شاید امی جان

عائشہ کے ساتھ ٹیکسی میں ہی نکل کھڑی ہوئی تھیں اور پھر وہی ہوا جس سے میں ہمیشہ ڈرا رہتا تھا۔ مجھے سب سے پہلے عائشہ پر اسی بات کا غصہ آیا تھا کہ جب میں نے رات میں اسے منع کر دیا تھا تو وہ امی جان کو لے کر گھر سے نکلی ہی کیوں؟ اوپر سے مجھ سے اس طرح چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ بتا دیتی تو میں گاڑی بھیج دیتا۔

امی جان کی ٹانگ میں فریکچر ہوا تھا اور کچھ معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر اب وہ بوڑھی ہو گئی تھیں اور اتنی سی چوٹیں بھی ان کے لیے کافی تکلیف کا باعث تھیں۔ میں ان کا ہاتھ پکڑے کب سے ان کے بستر سے لگا کھڑا دل ہی دل میں عائشہ کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ شہلا بھی چلی آئی۔ اس کو اطلاع عائشہ نے ہی اس اجنبی کے فون سے ہی دی تھی مگر اس وقت شہلا اپنے ایک بچے کو اسکول سے لینے گئی ہوئی تھی لہٰذا وہ بچے کو گھر چھوڑ کر فوراً ہسپتال چلی آئی تھی۔

"امی جان! آپ سے کہا بھی تھا کہ اکیلے نہ نکلیں مگر آپ سنتی کہاں ہیں؟" شہلا نے حال احوال لینے کے بعد امی جان کی حالت کو قدرے بہتر پا کر شکایت کر ڈالی۔

"ارے تو میں کون سا کہیں دور جا رہی تھی... میں تو گلی کے کونے پر جو سبزی والا ہے' اس تک ہی جانے کے لیے نکلی تھی۔ ابھی گھر سے تھوڑا دور ہی گئی تھی کہ وہ بدتمیز گاڑی والا لڑکا مجھے مار کر بھاگ گیا۔ بھلا ہو مالی کا جو بے چارا سائیکل پر گزر رہا تھا مجھے پہچان کر رک گیا اور جا کر عائشہ کو بتایا ورنہ مجھے تو کچھ ہوش ہی نہیں رہا تھا۔" امی جان نے آہستہ آہستہ بتایا۔

میں حیران رہ گیا جب سے امی جان کے اسپتال آنے کا سنا تھا میں یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ عائشہ کے ساتھ ماموں جان کے گھر کے لیے نکلی ہوں گی۔

"عائشہ آپ کے ساتھ نہیں تھی؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! وہ تو گھر پر تھی۔ جب مالی نے اسے جا کر اطلاع دی تو وہ بدحواسی میں ننگے پیر ہی بھاگی بھاگی آ گئی تھی پھر وہیں قریب سے ہی ایک ٹیکسی گزر رہی تھی تو بس اسی حالت میں وہ مالی کو گھر کا خیال رکھنے کا کہہ کر مجھے اسپتال لے آئی۔ میں ٹیکسی میں ہوش میں آ گئی تھی تو میں نے اسے ڈانٹا بھی تھا کہ ایسے کیسے آ گئی مگر پھر اس کا بھی قصور نہیں میری حالت دیکھ کر ڈر گئی تھی۔"

شہلا امی کے ساتھ باتوں میں لگ گئی تھی اور میں دل ہی دل میں شاید پہلی بار عائشہ سے اپنے رویے پر شرمندہ ہوا تھا۔ مجھے اب یاد آیا تھا ایمرجنسی وارڈ کے باہر میں نے عائشہ کو کتنی بے نقط سنائی تھیں۔ اس نے رقعے میں سچ ہی لکھا تھا کہ وہ کچھ بھی کہہ دیتی' میں سننے والا کہاں تھا۔ میں تو اسے ہی تمام تر ذمہ داری دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ میرے ایک دم خاموش ہونے کو امی جان نے محسوس کر لیا تھا۔

"تم نے عائشہ کو کچھ کہا ہے کیا؟ وہ اس طرح مجھ سے ملے بغیر ہی چلی گئی؟ اور کس طرح گئی؟ اسے اسی طرح ٹیکسی میں اکیلے بھیج دیا تم نے... خود کیوں نہیں گئے چھوڑنے؟"

امی جان نے ایک ساتھ کئی سوالات کر ڈالے میں بھی گڑبڑا گیا۔

اب تک میں نے دھیان ہی کب دیا تھا کہ میری تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود وہ ننگے پیر بے چینی سے ایمرجنسی وارڈ کے باہر ٹہلتی رہی تھی اور پھر اس نے جانے سے پہلے مجھے باقاعدہ مخاطب بھی نہیں کیا تھا۔ بس اچانک منظر سے غائب ہوئی تھی اور یہ رقعہ ایک نرس مجھے دے گئی تھی۔ میں نے امی جان کی بات کا جواب دینے کے بجائے عائشہ کے موبائل پر فون کیا جو کہ بند جا رہا تھا۔ پھر میں نے گھر کے نمبر پر فون کیا کافی دیر تک بیل جاتی رہی تھی مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا تھا۔

اب تک تو اسے گھر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی... اب مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ جس طرح امی جان کو لے کر اسپتال آئی تھی۔ اسی طرح بے یارومددگار ننگے پیر ہی اسپتال سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ میرے ہوتے ہوئے بھی اس نے مجھ سے

واپس جانے کے لیے مدد نہیں مانگی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس وقت وہ مجھ سے غلطی سے مدد مانگ بھی لیتی تو میں اسے بری طرح جھڑک ہی دیتا۔ میں نے ایک بار پھر رقعہ پڑھا۔ اس نے صرف یہ لکھا تھا کہ وہ جا رہی ہے' آیا گھر جا رہی ہے یا کہیں اور جا رہی ہے' یہ نہیں لکھا تھا۔

"کسی کو بھی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتے۔" مجھے امی جان کی عائشہ کے لیے اکثر کہی گئی بات یاد آنے لگی۔

"عائشہ بالکل مجھ پر گئی ہے۔ بہت خاموش محبت کرتی ہے۔ ہم سب سے' جس طرح میں بھائی صاحب اور ان کے بچوں کے لیے حساس ہوں۔ وہ بھی ہمارے لیے ویسے ہی جذبات رکھتی ہے۔ تم اس کی محبت کا' خلوص کا اس طرح امتحان نہ لیا کرو بیٹا' آخر کو وہ انسان ہے۔"

مجھے آج پہلی بار امی جان کی باتوں کو سمجھنے کا موقع مل رہا تھا اور ساتھ ساتھ ایک عجیب طرح کا دھڑکا تھا۔ کہیں عائشہ آخر کار مجھ سے مایوس تو نہیں ہو گئی؟ میرے پتھر دل' میرے سخت رویے سے دلبرداشتہ تو نہیں ہو گئی؟ اللہ کرے وہ گھر ہی گئی ہو.... میں گھر پہنچوں تو وہ کچن میں امی جان کے لیے سوپ تیار کرتی ملے۔ اس نے ہمیشہ کی طرح مجھے ایک بار پھر معاف کر دیا ہو۔ اب کی بار وہ مجھے معاف کر دے گی تو میں ساری زندگی اس کی قدر کروں گا۔ ساری زندگی اسے چاہوں گا۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگتا میں شہلا کو امی جان کے پاس رہنے کا کہہ کر گھر کے لیے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

اسپتال گھر سے قریب تھا مگر اس وقت یہ فاصلہ جیسے میلوں لمبا لگ رہا تھا۔ میں مسلسل گھر پر فون بھی لگائے جا رہا تھا مگر ہر بار فون کی بیل جاتے جاتے آخر کار کال بند ہو جاتی۔ ہم سب کے پاس مین گیٹ کے لاک کی چابی رہتی تھی للذا میں بلا تامل اندر داخل ہوا اور پھر .... عائشہ کو لاؤنج میں دیکھ کر جیسے مجھے پہلے تو اطمینان ہوا مگر اس کی حالت دیکھ کر ایک اور شدید قسم کا جھٹکا لگا۔

وہ جس طرح اسپتال سے نکلی تھی۔ اسی حلیے میں لاؤنج میں صوفے پر اپنی گود میں دونوں ہاتھ رکھے گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔ لاؤنج کے سفید چمکتے ٹائلز کے فرش پر اس کے ننگے پاؤں جو امی جان کو اسپتال لے جانے اور واپس آنے میں دھول مٹی سے اٹ گئے تھے کچھ زیادہ ہی واضح ہو رہے تھے۔ میں اس کے سامنے پہنچ کر اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا مگر وہ اسی طرح اپنی سوچ میں ڈوبی ہوئی خلا میں گھورے جا رہی تھی۔

اس نے ایک بار بھی میرے آنے یا میری موجودگی کو محسوس نہیں کیا تھا اس کے گندے پاؤں ایک بار پھر سے مجھے بے حد اداس کر گئے تھے۔ میں نے سر جھٹکا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہوں؟ معافی مانگوں۔ اس کی خیریت دریافت کروں یا جو کچھ بھی ہوا۔ اس کا احوال پوچھوں.... اس کے برعکس میں کچھ کہے بغیر گھر کے پچھلے حصے میں بنے کپڑے دھونے کی جگہ سے ٹب میں پانی اور صابن' تولیہ اٹھا لایا۔ میں نے عائشہ کو کندھے سے پکڑ کر صوفے سے ٹکا دیا تھا۔

وہ اب سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے ابھی تک مجھ سے نظریں نہیں ملائی تھیں۔ میں نے فرش پر بیٹھ کر اس کے دونوں پاؤں اٹھا کر ٹب میں ڈالے تو بھی وہ خاموش رہی۔ میں اس کے پاؤں کو صابن لگا کر ہلکے ہلکے مساج کرنے لگا.... ایک بار میں نے پھر سے اس کی طرف دیکھا۔ اب وہ آنکھیں بند کیے صوفے پر نیم دراز تھی مگر اس کی بند آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں نے بہت بار کوشش کی کہ آپ کو چھوڑ جاؤں۔ مگر آپ میری مجبوری سمجھیں۔ میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں آپ کی نفرت کو سمجھ کر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکی۔ یہ جان کر بھی کہ آپ مجھے بالکل پسند نہیں کرتے۔ کبھی کریں گے بھی نہیں۔ پھر بھی تمام تر ذلت سہہ کر بھی میں آپ کو نہیں چھوڑ سکی اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کے لیے اپنی والدہ کا حکم سر آنکھوں پر ہے اسی لیے آپ مجھے نہیں چھوڑ سکیں

گے۔۔۔ ایسے میں بس اب۔۔۔ اب یہی رہ گیا ہے کہ آپ میرے لیے دعا کریں۔

کہتے ہیں شوہر کی اپنی بیوی کے لیے دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل بہت ہے۔ اب آپ میرے لیے دعا کریں کہ میں۔۔۔ میں مر جاؤں۔۔۔ بس میں مر کر ہی آپ کو چھوڑ سکتی ہوں۔ میرے مرنے سے ہی آپ کی جان مجھ سے چھوٹ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم دونوں کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے جیسے نیند میں بولتی چلی جا رہی تھی اور اس کی بند پلکوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہتے چلے جا رہے تھے۔

میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ میں نے اپنے عمل سے اپنے رویے سے ایسی کوئی لچک بھی تو کبھی نہیں دکھائی۔ جس سے اسے میرے پلٹ آنے کی کوئی امید ہوتی۔ میں اسی طرح خاموشی سے فرش پر بیٹھا اس کے پاؤں کا ہلکے ہلکے مساج کر رہا تھا۔

امی جان نے ٹھیک ہی کہا تھا وہ بالکل ان پر گئی تھی۔ مجھے آج تک امی جان کی ماموں جان کے ساتھ محبت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ آخر کیوں امی جان اتنی ذلت اور بے عزتی سہہ کر بھی جیسے ماموں جان کے سامنے بچھی بچھی جاتی تھیں۔ ان کے بچوں پر واری صدقے جاتی تھیں۔ پہلے میں اسے امی جان کی مجبوری گردانتا تھا شاید وہ شہلا اور میرے لیے ماموں جان کی خدمت میں لگی رہتی ہیں مگر ہمارے الگ ہونے اور شہلا کے ساتھ ممانی جان کے رویے نے بھی ان کی اپنے بھائی کے لیے محبت کو کم نہیں کیا تھا۔ اس محبت کو میں شاید زندگی بھر نہ سمجھ پاؤں گا مجھے شاید ساری عمر بھی سمجھ میں نہیں آسکے گا کہ عائشہ بھی امی جان کی طرح محبت کرتی ہے۔ اس کے دل میں کھوٹ نہیں ہے۔ وہ کوئی چالاکی نہیں کرتی۔ بس وہ محبت کرتی ہے بے لوث اچانک شہلا لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"امی جان کو اسپتال کے کپڑوں میں الجھن ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا گھر سے ان کے کچھ کپڑے لے آؤں اور بھابھی کو بھی بتانا تھا کہ امی جان نے اسے آج اسپتال آنے سے منع کیا ہے۔۔۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ سختی سے عائشہ کو کہوں کہ وہ آج گھر پر آرام کرے اور کل صبح اسپتال جائے۔۔۔ اور آپ کو بھی بھیا ہدایات دی ہیں کہ شام تک اسپتال آنا۔" سب کچھ جلدی جلدی کہہ کر شہلا امی جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عائشہ اب آنکھیں کھولے مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے ابھی ہی میری موجودگی کا پتا چلا ہو۔ میں نے تب ایک طرف سرکا کر تولیے سے اس کے پاؤں خشک کر کے بہت مان اور احتیاط سے فرش پر رکھ دیے تھے۔۔۔ اور کسی ماہر بیوٹیشن کی طرح تولیہ کندھے سے لٹکائے اس کے پیروں کو الٹ پلٹ کر جائزہ لے رہا تھا کہ کہیں تلوؤں میں کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں لگی۔

اتنے میں شہلا ایک تھیلے میں کچھ سامان لیے برآمد ہوئی۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف جا رہی تھی کہ بیچ راستے میں رک کر ہماری طرف پلٹی۔

"ویسے بھئی' حد ہو گئی۔ آج تو میں تیری اصلیت جان گئی ہوں عائشہ اور دیکھنا امی جان کو بھی بتاؤں گی۔ بس بتا دیا ہے میں نے تجھے تیار رہنا!"

شہلا کی بات پر میری اور عائشہ کی نظریں ملیں اور میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"اب کیا کھڑے ہو رہے ہیں بھیا! اب تو میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی لیا ہے۔ اب تو بس امی جان کی آنکھیں کھولنا باقی ہیں۔" شہلا نے مجھے کھڑے ہوتے دیکھ کر اسی طرح گھمبیر لہجے میں کہا۔

"کیا بتاؤ گی؟" میں نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"لو۔۔۔ یہی بتاؤں گی کہ یہ جو ہے میری بھابھی جس کو امی جان ابھی تک بڑا معصوم اور سیدھا سمجھتی ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں ہمارے اتنے اچھے بھائی سے بھلا بتاؤ۔ شوہر سے اپنے پیر دھلواتی ہے۔۔۔؟" شہلا شوخی سے کہتی تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی۔

اور میں۔۔۔ کچھ سیکنڈ تک تو سمجھا نہیں مگر جب سمجھا تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ جبکہ عائشہ اسی طرح مجھے حیران نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

☆

تالیہ مراد ایک کرمنل جھوٹی چور اور دغاباز ہے جو اپنا ماضی بھول چکی ہے۔ اسے صرف یہ یاد ہے کہ اسے ایک کشمیری خاندان نے اسے یتیم خانے سے لے کر اپنی لے پالک اولاد بنالیا تھا مگر اس کی حیثیت ملازمہ کی سی تھی۔ انہوں نے اس کی شادی اسکائپ پر ایک ملائشین آدمی سے کردی۔ مگر وہ آدمی فراڈ نکلتا ہے۔ اور تالیہ کو منی لانڈرنگ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

تالیہ صاحب کشف ہے اور اسے سچے خواب نظر آتے ہیں' اسے اس فراڈ کا پتا چل جاتا ہے' ایرپورٹ پر الیانہ جو خود بے سہارا ہے اس کی مدد کرتی ہے۔ دونوں اس فراڈی آدمی سے پیچھا چھڑالیتی ہیں اور ایک دوسرے کا سہارا بن جاتی ہیں۔ تالیہ چیزیں چرا کر پہلے لوگوں کے لیے مسئلہ پیدا کرتی ہے پھر ان کرپٹنڈ فون پر' مردانہ آواز میں حالم بن کر ان مسائل کو حل کرتی ہے۔ یہی اس کا روزگار ہے۔ سب حالم کو ایک اس کام انویسٹی گیٹر کے طور پر جانتے ہیں' مگر پہچانتے نہیں۔ تالیہ عارضی طور پر تنگو کاٗل کی ملازمہ ہے' وہ بھولی بن کر اس کا اعتماد حاصل کرلیتی ہے۔ مولیا' حالم کا کلائنٹ اور تنگو کاٗل کے حریف کا ملازم ہے۔

تالیہ کو بار بار خواب میں ایک سکہ نظر آتا ہے جو مظفر شاہ کے زمانے کا ہے۔ تالیہ کو کئی بار اسے چرانے کا موقع ملتا ہے' مگر وہ اسے نہیں چراتی۔ داتن (لیانہ) چیزوں کی نقل بنانے کی ماہر ہے۔ سکے کی تاریخ یہ ہے کہ وہ کبھی کسی ایک شخص کے پاس نہیں ٹھہرتا کسی نہ کسی وجہ سے گردش میں رہتا ہے اور جس کے پاس بھی ہوتا ہے وہ کسی موذی بیماری میں مبتلا ہو جاتا

نمرہ احمد

حالم





ہے۔ تالیہ ایک جھوٹی کہانی سنا کر یتیم خانے کی آیا سے اگلوالیتی ہے کہ وہ پراسرار چمک دار سکہ جو چابی کا ایک حصہ ہے تالیہ کا ہی تھا۔ تالیہ کے قبضے سے نکلتے ہی وہ بجھ جاتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے اور تالیہ کی یادداشت چلی جاتی ہے۔ اب وہ سکہ تنگو کامل کے پاس ہے۔

تالیہ اب اکثر پریشان کن خواب دیکھتی ہے۔ ایڈم' عبداللہ کی جگہ گیارہ دن کے لیے فاتح رامزل کا باڈی مین بنتا ہے۔ اشعر' عصرہ رامزل کا بھائی خود وزیر اعظم بننا چاہتا ہے اور اس لیے فاتح اور عصرہ کے خلاف سازشیں بھی کرتا ہے اور ان کا دم بھی بھرتا ہے۔ فاتح اس کی ہر سازش سے باخبر ہے۔ ایڈم اپنے خدشات کا اظہار کرتا ہے تو فاتح کی ذہانت اسے اس کا گرویدہ کردیتی ہے۔ ایڈم فاتح کا بے لوث اور وفادار ملازم ہے۔

بریسلیٹ چرانے کا تالیہ اور داتن کا ہر منصوبہ ناکام ہوجاتا ہے۔ تالیہ سکہ چرانے کے لیے ایک امیر لڑکی کا روپ دھار کر عصرہ کی آرٹ گیلری میں پہنچتی ہے۔ جہاں اشعر کو وہ پسند آجاتی ہے۔

تالیہ کا لمس پاتے ہی عصرہ کے ہاتھ میں موجود بریسلیٹ چمکنے اور دہکنے لگتا ہے اور وہ اسے چرانے میں ناکام ہوجاتی ہے۔ تالیہ کی فاتح سے بھی ملاقات ہوتی ہے جو اسے تاشہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ ایڈم' تالیہ کو تنگو کامل کی ملازمہ کی حیثیت سے پہچان جاتا ہے۔ جس پر تالیہ ایک ہنگامہ کھڑا کردیتی ہے۔ بالآخر ایڈم کو اس سے معذرت کرنا پڑجاتی ہے۔ تالیہ کو بار بار القا ہوتا ہے اور وہ خود کو ایڈم کے ساتھ کسی خزانے کو تلاش کرتا دیکھتی ہے' جس کا کسی تاشہ کی لکھی ہوئی نظم میں ذکر ہے۔

تالیہ ایک لمبا ہاتھ مار کر پرسکون زندگی گزارنا چاہتی ہے' مگر داتن کی باتیں اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لے آتی ہیں۔ عصرہ فاتح کے رویے سے شاکی ہے۔ پارلیمنٹ میں فاتح کی تعلیمی بل کو پذیرائی نہیں ملتی' مگر وہ ناامید نہیں ہوتا۔ فاتح' ایڈم کو حضرت عبدالمطلب کے ایفائے عہد کے بارے میں بتاتا ہے۔ عصرہ کے پاس جو پینٹنگ ہے' وہ نقلی ہے۔ تالیہ اسے باخبر کرنا چاہتی ہے' کیونکہ فاتح کی نظر میں تالیہ میں ذاتی کوئی خوبی نہیں' تو وہ اسے اپنی صلاحیت سے متاثر کرنا چاہتی ہے۔ عصرہ ایک یتیم خانے میں جاتی ہے۔ جہاں ایک مخبوط الحواس بچہ اسے مستقبل کے خطرے سے آگاہ کرتا ہے' مگر وہ ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک نظر آتی ہے۔ وہ تنگو کامل کے گھر اس کی حقیقت معلوم کرنے جاتا ہے۔ مولیا کے بلیک میل کرنے پر تنگو کامل اور اس کی بیوی تالیہ کو سرے سے پہچاننے سے انکار کردیتے ہیں۔

مدیٰ فاتح رامزل کا انٹرویو کرتی ہے' جہاں وہ ایک مگ کو دیکھ کر چونک جاتی ہے جو اشعر نے فاتح کو گفٹ کیا ہے۔ اس پر علامتی نشان ہیں۔

وان فاتح کے گھر کی تقریب میں تالیہ مدعو ہوتی ہے۔ عصرہ کو بینک سے فون آتا ہے وہ اٹھ کر جاتی ہے تو تالیہ وان فاتح کے بچوں کو آپس میں لڑوادیتی ہے پھر انہیں بہلانے کے بہانے کچھ ہاتھ کی صفائی کی ٹرکس دکھاتی ہے اور اسی بہانے عصرہ کا بریسلیٹ اس سے مانگ لیتی ہے اور اس کے بجائے ویسا ہی دوسرا بریسلیٹ اسے واپس کرتی ہے۔ وان فاتح چوروں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے تو تالیہ کو احساس ندامت ہوتا ہے۔

تالیہ نقلی پینٹنگ کی اصلیت کھولنا چاہتی ہے' لیکن اشعر اس کوشش کو ناکام کردیتا ہے۔

تالیہ کا سابقہ شوہر آکر اس کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بریسلیٹ پہنتے ہی تالیہ کو پچھلی کچھ باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ اس میں خزانے کا ذکر بھی ہوتا ہے اور اس کو اپنا باپ بھی یاد آتا ہے جو شکار باز گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ایڈم محمد بہت سادہ اور ایمان دار شخص ہے۔ وہ تالیہ کے بارے میں مشکوک ہے۔ وہ جان جاتا ہے کہ تالیہ دراصل وہی ملازمہ ہے جسے تنگو کامل کے گھر میں دیکھا تھا۔

پانچویں قسط

میراث پدر من

اگلی صبح کی روشنی جب پھیلی تو سورج نے وان فاتح کی رہائش گاہ کے لان میں ایڈم کو سوچ میں ڈوبا بیٹھے دیکھا۔ وہ گاہے بگاہے کلائی پہ بندھی گھڑی بھی دیکھتا کیونکہ فاتح کے جاگنگ سے واپس آنے پہ اس کو الرٹ ہو جانا تھا۔ کچن میں ملازموں کی ٹھونکا ٹھاکی شروع ہو چکی تھی۔ اندر یقیناً" بچے اور عصرہ ناشتہ کر رہے تھے۔

تب ہی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا مگر نووارد فاتح نہیں تھا۔

پرس کہنی پہ ڈالے وہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ سنہرے بال اونچی پونی میں باندھے 'سن گلاسز سر پہ ٹکائے' وہ سفید پینٹ کے اوپر گھٹنوں تک آتی فراک نما شرٹ میں ملبوس تھی جو ملے لڑکیاں شوق سے پہنتی تھیں۔ مسکراتی ہوئی چیونگم چباتی اب وہ گارڈ سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ ایڈم کے ابرو بھنچ گئے۔ (یہ یہاں اتنی صبح کیسے؟)

مگر گارڈ اس کی آمد سے باخبر دکھائی دیتا تھا' اس لیے اس کو اندر لے آیا۔ وہ مسکرا کے آگے بڑھی۔ پورچ کے وسط تک پہنچی تھی کہ دروازہ کھلا اور اندر سے عصرہ آتی دکھائی دی۔

دونوں بچے اس کے ساتھ تھے۔ اسکول کے لیے تیار۔ عصرہ خود بھی کوٹ اسکرٹ پہنے ' گردن میں موتیوں کی لڑی ' اور بالوں کا جوڑا باندھے تیار لگ رہی تھی۔ تالیہ کو دیکھ کے ایک دم رکی۔ آنکھوں میں جیسے "اوہ" والے تاثرات ابھرے۔

" تالیہ... تم آگئیں۔" انداز کو معذرت خواہانہ بناتے ہوئے وہ تیزی سے اس کی طرف آئی۔

تالیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ "السلام علیکم مسز عصرہ... آپ کہیں جا رہی ہیں؟ مجھے لگا آپ نے رات ڈنر پہ میرے فیور مانگنے کو سنجیدگی سے لیا تھا۔"

وہ اداس ہو گئی تھی۔ چہرہ بجھ گیا۔

"سنجیدگی سے لیا تھا تب ہی ہامی بھری تھی کہ تم میرا پورٹریٹ بناؤ گی جس کو ہم نیلامی میں رکھیں گے۔" وہ نرمی سے کہتی اس کے مقابل آرکی۔ "مگر میرے بچوں کی ہنگامی پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کی کال آگئی ہے۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے مجھے جانا ہو گا۔"

تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ مایوس نظر آنے لگی تھی۔ "میں اسے کوئی کمپین پرامس سمجھوں پھر' مسز عصرہ؟"

(الیکشن سے پہلے مہم کے دوران کیے گئے وعدوں کو کمپین پرامس کہا جاتا ہے جو اکثر یہ کہہ کے پورے نہیں کیے جاتے کہ وہ محض کمپین پرامس تھے اور صرف کمپین کے لیے کیے گئے تھے۔)

" ہرگز نہیں تالیہ۔" خوش دلی سے مسکراتے ہوئے عصرہ نے اسے تسلی دی۔ "میں ابھی واپس آجاؤں گی۔ تم تب تک خود کو گھر میں کمفرٹیبل کر لو اور اپنا پینٹنگ کا سامان سیٹ کر لو۔"

"او کے!" تالیہ جیسے اداسی سے مسکرائی۔ عصرہ کار کی طرف آئی تو اس نے پکارا۔ "کیا میں آپ کا پورٹریٹ بنانے کے لیے اپنی مرضی کی جگہ ڈھونڈ سکتی ہوں گھر میں؟"

ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا' عصرہ نے بیٹھتے بیٹھتے مسکرا کے "شیور" کہا اور سن گلاسز آنکھوں پہ لگائے۔ بچوں نے کار میں بیٹھتے وقت تالیہ کو مانوسیت بھری مسکراہٹوں سے ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی مسکرا کے جواباً" بازو لہرا دیا۔ کار زن سے باہر نکل گئی اور تالیہ ان کو جاتے دیکھتی رہی۔

ادھر کار گیٹ سے نکلی' ادھر وہ ایڑیوں پہ گھومی اور تحکم سے لان میں کھڑے ایڈم کو انگلی سے اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔

"تم... ادھر آؤ!"

وہ پورچ میں کھڑی تھی۔ ایڈم لان میں تھا۔ پھر رات میں وہ اس کی حقیقت سے بھی واقف ہو چکا تھا کہ وہ جھوٹی لڑکی ہے۔ پھر بھی اتنے فاصلے اور دل کے میل کے باوجود کوئی رعب سا تھا اس میں جو وہ تابعداری سے چلا آیا۔

"جی، چچ تالیہ۔"

"میری کار کی بیک سیٹ پہ جو باکسز رکھے ہیں' وہ لے کر میرے ساتھ آؤ اور کار کو اندر پارک کر دو۔" کار کی چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

"مگر میں وان فاتح کے انتظار میں بیٹھا ہوں' ان کو فوراً "کچھ" چاہیے ہوتا ہے اور...."

"باکسز کے اوپر ایک پاؤچ میں برشز ہوں گے' وہ لانا مت بھولنا۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ گھوم گئی۔

ایڈم کو برا نہیں لگا۔ حالانکہ لگنا چاہیے تھا۔ کوئی بھی امیرزادی اور اوپر سے یہ طرح دار لڑکی جو روپ بدل کے آئی کھڑی تھی' اسے یوں حکم دے تو اسے لازماً "برا ماننا" چاہیے تھا مگر اس نے نہیں مانا۔ کچھ تھا اس امیرزادی میں جو اس کے اوپر چڑھے ملمع کے باوجود فطری اور عام لوگوں جیسا تھا۔ ایڈم نے چابی تھام لی اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔

(مگر آج میں فاتح صاحب سے ضرور بات کروں گا۔ جو بھی ہے' اس لڑکی کا پول کھلنا چاہیے۔)

ایڈم سامان اٹھائے اندر آیا تو وہ ڈرائنگ روم میں بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ جوس پیتے ہوئے' گردن پھیر پھیر کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی جس سے اس کی اونچی پونی جھول رہی تھی۔ ایڈم نے چیزیں سامنے دھر دیں۔ تالیہ آگے کو جھکی اور ایک نیلا شاپنگ بیگ اٹھایا جس میں سے کچھ کپڑے جھلک رہے تھے۔

"یہ تم لے جاؤ۔" وہ چونکا۔ پھر حیرت سے بیگ کو دیکھا۔

"میں اس کا کیا کروں گا' چچ تالیہ؟"

تالیہ نے جوس کا گھونٹ بھر کر گلاس نیچے کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔ "نور کو دے دینا۔ کہنا تالیہ نے بھیجا ہے پاکستان سے۔ اب جو وعدہ اس سے کر کے آئے ہو' اس کو سچا تو ثابت کرنا ہو گا نا۔"

اور ایڈم بن محمد برف کا بت بن گیا۔ ہکا بکا۔ شل۔

گویا سانس تک رک گیا ہو۔ (اس کو اتنی جلدی کیسے پتا چل گیا؟)

"اوہ پور تھنگ... چچ چچ..." تالیہ افسوس سے سر ہلا رہی تھی۔ "تمہیں لگا تھا تم جیسن بورن بن کے وہاں جاؤ گے اور مجھے معلوم نہیں ہو گا؟ میری دو آنکھیں میری گردن کے پیچھے بھی لگی ہیں ایڈم۔ میرے بارے میں سوال مجھ سے ہی پوچھو تو زیادہ بہتر ہو گا۔" جوس کا گلاس رکھ کے وہ اٹھی اور مسکرا کے شل ہوئے ایڈم کو دیکھا۔ "اور سنو... کوئی بھی بے وقوفی کرنے سے پہلے میری طرف کی کہانی ضرور سن لینا۔ یہ نہ ہو کہ بعد میں تمہیں وان فاتح کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ میری بات کے مقابلے میں تمہاری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی' یہ یاد رکھنا۔ باتھ روم کس طرف ہے؟"

شل سے کھڑے ایڈم نے میکانکی انداز میں کونے میں بنے گیسٹ روم کی طرف اشارہ کیا تو تالیہ سیدھی اس طرف چلی گئی۔

"عصرہ کی میٹنگ والی ٹرک کام کر گئی۔" کچھ دیر بعد وہ سنک کے سامنے کھڑی اپنے عکس کو دیکھتی فون پہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے کہا تھا نا' دو چار مائیں اسکول فون کر کے کہیں گی کہ عصرہ کا بیٹا کلاس میں سیاسی پمفلٹ تقسیم کر رہا ہے تو صبح صبح عصرہ کو بلوا لیا جائے گا۔"

"پکا کام کیا ہے۔ گھنٹے سے پہلے عصرہ بیگم فارغ نہیں ہوں گی۔ تم تب تک سکے کو ڈھونڈ لو اور سنو۔" داتن ساتھ میں کچھ کھا بھی رہی تھی۔ ایک دم یاد آنے پہ بولی۔ "ایڈم کا کچھ کیا؟ میں نے تمہیں بتایا تھا نا' میرے آدمی نے کہا ہے کہ وہ رات میں...."

"ہاں' اس کو میں نے الجھا دیا ہے۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے امید ہے مجھ سے بات کرے گا۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"کیونکہ کچھ لوگ لیڈ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ کچھ لیڈ ہونے کے لیے۔ ایڈم دوسری طرح کے لوگوں میں سے ہے۔ تم بتاؤ' وائی فائی کو جام کر دیا؟" وہ بے

چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔ میں گھر سے ذرا فاصلے پہ ہی ہوں۔ وائی فائی جام ہو چکا ہے۔ اب گھر کے کیمرے کام نہیں کریں گے۔"

"کیمرے صرف انٹرینس اور ڈرائنگ روم میں ہیں۔ پرائیویسی کے باعث ہر جگہ کیمرے نہیں لگے۔ اچھا اب میں اوپر جا رہی ہوں۔" سرگوشی میں کہہ کے اس نے فون رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دیتی تھی۔ سر جھکا کے موبائل کے بٹن بھی دبا رہی تھی۔ مصروف اور موڈی انداز۔ اسی طرح اوپر چلی گئی اور ملازم خاموش رہے۔

فاتح کا ایک انٹرویو چند ماہ پہلے اس کی اسٹڈی میں لیا گیا تھا۔ اس کی تصویر میں فاتح کے عقب میں شیلف میں سکوں کی کلکشن نظر آرہی تھی۔ کسی زمانے میں شاید وہ اکٹھا کرتا ہوگا۔ اسے وہی دیکھنی تھی۔ اگر گھر میں کہیں وہ سکہ رکھ سکتے تھے تو یا کلیکشن میں سجا کے یا عصرہ کے لاکر میں چھپا کے رکھ سکتے تھے۔ یہی دو جگہیں تھیں۔

وہ اوپر آئی اور ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھتی گئی۔ ایک دروازہ کھولا تو وہ گلابی رنگ سے سجا چھوٹا کمرہ تھا۔ (جولیانہ کا کمرہ ہے یہ۔)۔۔۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔ دوسرا کھولا تو پوسٹرز اور گیمز کلیکشن سے معلوم ہو گیا کہ وہ سکندر کا تھا۔ تالیہ نے اس کو بھی احتیاط سے بند کر دیا۔ پھر وہ ٹھہری۔

راہداری کے سرے پہ ایک اور دروازہ بھی تھا۔ تجسس اور اسرار میں لپٹا۔ تالیہ کا دل یونہی دھڑکا۔ وہ آگے آئی اور ڈور ناب گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

ایک کھڑکی کا پردہ ہٹا تھا جس سے روشنی چھن کر کمرے میں گر رہی تھی۔ وہ اونچی چھت کا کھلا سا کمرہ تھا۔ نہ بے بی پنک میں رنگا، نہ کھلونوں سے سجا۔۔۔ اس میں اونچے بک ریک رکھے تھے جن میں کتابیں سجی تھیں۔ کتابیں۔۔۔ بہت سی کتابیں۔۔۔

تالیہ نے اندر قدم رکھا اور بتی جلائی۔

کمرہ بالکل صاف تھا۔ مگر لگتا تھا عرصے سے بیڈ پہ کوئی بیٹھا نہیں ہے۔ کونے میں نفاست سے سجی اسٹڈی ٹیبل۔ اس پہ لکھنے پڑھنے کا سامان۔ وہ آگے آئی۔ بک ریک کے سامنے رکی۔ گردن اٹھا کے کتابوں کی جلدیں دیکھیں۔ فیری ٹیلز۔ فینٹیسی ناولز۔ ننھے غزال کی کہانیاں۔ دیومالائی جادوئی داستانیں۔ ایک ہزار ایک راتیں۔ (الف لیلیٰ وغیرہ)۔

کسی سحر میں وہ کتابوں کی جلدوں کو پڑھتی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ الماری کا پٹ کھولا تو اندر کپڑے ٹنگے تھے۔ عام نہیں۔ صرف خاص۔ پیروں تک آتی کامدار میکسیز جو کسی سات آٹھ سال کی بچی کو پوری آسکتی تھیں۔ تاج۔ موتیوں کی مالائیں۔ قدیم طرز کی شہزادیوں والے لباس، زیورات۔

"تو آریانہ کو شہزادیاں پسند تھیں۔ اور شاید فیری ٹیلز میں رہنا بھی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ "اگر اب وہ کہیں زندہ ہے تو تیرہ چودہ سال کی ہوگی۔ چچ۔" اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ وقت کم تھا۔ وہ احتیاط سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی تو یوں لگا، کسی گزرے زمانے کا دروازہ بند کیا ہے۔۔۔۔ جیسے کوئی عہد تمام ہوا۔۔۔۔ جیسے ماضی دفن ہو گیا۔

اسٹڈی خاموش پڑی تھی۔ گردن دائیں بائیں گھماتی، پونی جھلاتی وہ سبک قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے دیوار میں بنا اونچا شوکیس تھا۔ وسطی خانے میں اسٹینڈ کے اوپر سکے سجے تھے۔ مختلف ادوار اور حکومتوں کے سکے۔ وہ شوکیس کے شیشے کے بالکل قریب آرکی۔ ایک ایک سکے کو دیکھا۔ ان کے نشان، علامتیں پڑھیں۔ وہ سکہ نادارد تھا۔۔۔۔

اور تب ہی شوکیس کے شیشے میں عکس سا ابھرتا دکھائی دیا۔

"تم!" وان فاتح کی برہم سی آواز سنائی دی۔ مگر وہ تالیہ تھی۔ نہ ڈری، نہ گھبرائی۔ آرام سے پلٹی اور مسکراتی نظریں ان پہ جمائیں۔

"گڈ مارننگ فاتح صاحب!"

وہ جاگنگ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس پسینے میں

نہایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں چھوٹا تولیہ تھا جس سے بھیگی گردن پونچھتے ہوئے پتلیاں سکیڑے ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم رات یہیں رک گئی تھیں کیا؟"

"نہیں سر۔۔۔ مسز عصرہ کا پورٹریٹ بنانا ہے مجھے نیلامی کے لیے۔" وہ رسان سے مسکرا کے بتانے لگی۔ "اسی لیے انہوں نے مجھے صبح صبح بلوایا تھا۔"

"مگر عصرہ کو تو اسکول جانا تھا۔" وہ قدم قدم قریب آ رہا تھا۔ آنکھیں مشکوک انداز میں قدرے اکتاہٹ سے چھوٹی کر رکھی تھیں۔

"جی ' اور انہوں نے واپس آنے تک مجھے پورٹریٹ کے لیے مناسب جگہ ڈھونڈنے کے لیے کہا ہے۔ میں وہی جگہ تلاش کر رہی تھی کہ آپ کی اتنی خوب صورت اسٹڈی اور یہ کلیکشن دیکھنے۔۔۔"

"سے خود کو روک نہ سکی اور اندر چلی آئی۔ تم سب ہر دفعہ یہیں سے کیوں بات شروع کرتی ہو؟" فاتح نے افسوس بھری گہری سانس لے کر اس کو ٹوکا تو تالیہ ٹھٹک کے رک گئی۔

"جی؟"

"مجھے وقت نہیں ملتا ورنہ ضرور نوٹس کرتا' کہ تم نے میری بیوی کو آخر کس طرح اتنا چارم کر لیا ہے کہ اس نے تمہیں گھر میں داخل ہونے دے دیا ہے۔۔۔ لیکن میں کبھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم سب لڑکیاں ہمیشہ گھر میں گھومنے پھرنے سے ہی کیوں آغاز کرتی ہو؟" ٹھنڈے انداز میں کہتے ہوئے وہ اسٹڈی ٹیبل کی دراز تک آیا اور اسے کھولا۔ پھر سر جھکائے چند فائلز نکالیں۔ تالیہ کی سمجھ میں بات آئی تو اس کی رنگت سرخ ہوئی۔

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"بالکل۔" وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے فائل کے صفحے پلٹتے ہوئے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ "پھر بالکل یہی فقرہ بولا جاتا ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ اس کے بعد عموماً "تم میں سے کوئی رونا شروع کر دیتی ہے۔ میرے ساتھ فلاں مسئلہ ہے' فلاں مجھے ہراس کر رہا ہے' میرا فلاں کام اٹکا ہوا ہے۔" فائل پہ جھکے' بازو پیچھے لمبا کر کے اس نے میز سے قلم اٹھایا اور صفحے پہ کچھ انڈر لائن کیا۔ ساتھ ہی بے رحمی سے بولے جا رہا تھا۔

"پھر اس کے بعد لڑکی اپنا نمبر چھوڑ جاتی ہے۔۔۔ یا کارڈ۔۔۔ اور ہاں' مجھے بھول گیا' ساتھ میں اپنی کوئی چیز بھی۔۔۔ کوئی کلپ' کوئی ایئر رنگ۔۔۔ کوئی ٹشو۔۔۔ کبھی میری اسٹڈی میں۔۔۔ کبھی نیچے میرے کمرے میں نظر بچا کے داخل ہو کے۔۔۔ اس لیے۔" نظر اٹھا کے سادگی سے اسے دیکھا۔ "اگر تم نے کچھ چھوڑا ہے تو ابھی لے جاؤ کیونکہ میں ایسی چیزوں کو کچرے میں پھینک دیتا ہوں' اور میری بیوی ان کی اتنی عادی ہے کہ وہ ایسی بے وقوف لڑکیوں پہ ہنس دیا کرتی ہے۔" قلم رکھا اور چھوٹے تولیے سے چہرہ اور گردن دوبارہ۔۔۔ پونچھے۔

"ہوں!" تالیہ نے گلابی پڑتے چہرے کے ساتھ ضبط سے ہنکارا بھرا۔ "آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی فینز آپ کے گھر میں داخل ہو کر یہ سب کرتی ہیں۔"

"اور بالکل تمہاری طرح وہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ دوسری لڑکیاں یہ کام پہلے بھی کرتی آئی ہیں۔"

بولتے ہوئے وہ میز کے کنارے پہ بیٹھا اور سیل فون نکال کے فائل سے کچھ اس پہ فیڈ کرنے لگا۔

"اور اکثر یہ لڑکیاں کسی بہانے سے مسز عصرہ سے شناسائی بنا کے آپ کے ارد گرد یہ ساری حرکتیں کرتی ہیں' ہوں؟" وہ لب بھینچے بدقت مسکرا کے بولی۔

"کئی سالوں سے۔ بالکل اسی طرح۔" اس کی نظریں اسکرین پہ جھکی تھیں اور انگوٹھا ٹچ بٹنوں پہ حرکت کر رہا تھا۔

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے معدوم ہوئی۔ آنکھیں سرخ۔۔۔ پڑنے لگی تھیں مگر وہ سیدھی کھڑی رہی' گردن اکڑائے رکھی۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ یقیناً" یہ سب کرتی ہوں گی۔ میں صرف اتنا پوچھوں گی وان فاتح۔" چبا چبا کے وہ زہر

خندسا بولی۔ "کہ وہ یہ سب آپ کے آس پاس اتنا کمفرٹیبل ہو کر کیسے کر لیتی ہیں؟"

فاتح نے چونک کے نگاہیں اٹھائیں۔ اسے شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی مگر وہ لڑکی اب بازو سینے پہ لپیٹے ڈھٹائی سے بلند آواز میں بولے جا رہی تھی۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ اپنی بیوی سے وفادار ہیں 'اور یقیناً' ہوں گے۔ آپ کے بارے میں ایسی باتیں ہم نے کبھی نہیں سنیں۔ بہت سچے اور ایمان دار ہیں آپ لیکن ایک بات آپ کو ماننی پڑے گی کہ آپ ان فینز کو آرام سے یہ سب کرنے دیتے ہیں۔ بے شک آپ کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ پا کر وہ پلٹنے پہ مجبور ہو جاتی ہوں گی مگر آپ... ان کو... یہ سب... کرنے دیتے ہیں کیونکہ اس سے آپ کے سیلبریٹی والے جذبات کو تسکین ملتی ہے۔ ہے نا؟"

تلخی سے مسکرائی تو فاتح کے ماتھے پہ برہمی سے بل پڑے مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا' تالیہ نے تیزی سے بات جاری رکھی۔

"آپ نے ابھی تک صرف خوب صورت چہرے اور خالی دماغ والی لڑکیاں دیکھی ہیں جو آپ کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں اور آپ کے غرور میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس لیے اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو تالیہ مراد سے بات کرنے سے پہلے اپنے الفاظ کو خوب چن لیتی کیونکہ یہ نہ ہو کہ کسی دن گدلے پانی میں کھڑے ہو کر آپ کو اعتراف کرنا پڑے کہ آپ کو... میری... ضرورت ہے!"

تیز تیز بولتے ہوئے اس کا سانس چڑھنے لگا تھا مگر وہ کمال ضبط سے آواز کو ہموار رکھے ہوئے تھی۔ چبھتی نظریں فاتح پہ جمی تھیں جو اس کی بات پہ آنکھیں سکیڑ کے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا۔ فائل رکھی اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"مجھے صبح صبح... اپنے گھر میں... اجنبی لڑکیوں کا... یوں گھومنا پھرنا... پسند نہیں ہے... میری بیوی کی خوشامد تم ڈرائنگ روم کی حد تک بھی کر سکتی ہو۔"

"تو اپنے ملازموں سے کہئے کہ مجھے اٹھا کے باہر پھینک دیں کیونکہ میں یہاں پینٹنگ بنانے آئی ہوں' جگہ بنانے نہیں' اور اپنی مرضی کا اسپاٹ ڈھونڈے بغیر نیچے نہیں جاؤں گی۔" وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے پلک تک نہیں جھپک رہی تھی۔

فاتح نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی کی۔

"پتا ہے میں تمہیں اتنے دن سے برداشت کیوں کر رہا ہوں؟" اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ "کیونکہ آریانہ... تمہیں پسند کرتی تھی' تاشہ آگا پووا!" وہ واپس پیچھے ہوا۔ پھر اس کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

تالیہ چند لمحے شل کھڑی رہی۔ "تاشہ آگا پووا؟" بجلی کے کوندے کی طرح وہ نام ذہن میں لپکا اور اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

فاتح جا چکا تھا اور حیرت سے نکلتے ساتھ ہی تالیہ کو اسٹڈی کی خاموشی میں اپنے کہے الفاظ کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ اس نے ایک دم دل پہ ہاتھ رکھا۔ جیسے خوف زدہ اور بے یقین ہو۔

"میں نے یہ سب کہہ دیا ان سے؟ وہ وان فاتح تھے... وہ ملائیشیا کے محبوب وان فاتح تھے۔ لوگ ان کے قدموں میں رل جانے کو تیار رہتے ہیں اور میں... میں ذرا سی توہین برداشت نہ کر سکی۔" رنگت سرخ ہو رہی تھی اور آنکھیں پانی سے بھر رہی تھیں۔

"پسند تو کرتی ہوں میں بھی ان کو۔ سب کرتے ہیں۔ ہاں نہیں ہوں میں ان لڑکیوں کی طرح مگر میں بھی تو چوری کی نیت سے آئی تھی۔ پھر ان کو ناراض کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ساری عمر کے لیے ان کو خود سے ناراض کر لیا۔ اب تو وہ مجھے شدید ناپسند کرنے لگیں گے۔" اپنے سر پہ اس نے بے بسی سے چپت لگائی۔ "وہ وان فاتح تھے تالیہ... ان کو روز ایسی ہی لڑکیاں ملتی ہیں... اتنا زیادہ اکڑنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں۔ خاموشی سے برداشت کر لیتیں؟ اف تم نے کس کو ناراض کر دیا۔"

"مگر وہ مجھے ہتک سے دیکھ رہے تھے۔" اندر کی لڑکی نے انگڑائی لی۔ "اور میں ایسی ہتک کسی کی طرف سے برداشت نہیں کر سکتی۔"

کیا سچ تھا کیا جھوٹ۔ اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے آنکھیں رگڑیں اور باہر نکل آئی۔ عصو آنے والی ہوگی۔

مگر دل ابھی تک کرلا رہا تھا اور احساس توہین سے کان ہنوز سرخ پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک قلعہ نما بلند و بالا گھر تھا جس کے چاروں طرف وسیع سبزہ زار پھیلے تھے۔ لان کے کونے میں ایک اونچا ٹیلہ تھا جس پہ لکڑی کی گول کینوپی بنی تھی۔ لکڑی کے ستونوں کی مدد سے کھڑی اونچی چھتری جس کے نیچے کرسیاں بچھی تھیں۔ وہاں بیٹھے افراد نشیب میں جاتے سبزہ زار اور دور واقع قلعے کا دلفریب نظارہ کر سکتے تھے۔ گھاس پہ چرتے ہرن.... ایک طرف ٹہلتا کتا.... بھاگتے پھرتے خرگوش.... غرض وہاں قدرتی حسن کو بکھیرنے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔

یہ اشعر محمود کے والد محمود بن عزیزی کا گھر تھا جو اشعر کو ترکے میں ملا تھا۔

اشعر اس وقت کینوپی کی کرسی پہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک سرمئی سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر گورا چٹا چینی شخص بیٹھا تھا۔ اشعر خاموشی سے مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا جو فون پہ ہدایات دے رہا تھا۔

"ہدیٰ کی اسٹوری کل تو کیا کسی بھی دن پبلش نہیں ہوگی۔ جیسا میں نے رات میں کہا تھا' ویسے ہی کرو۔ ایک مگ کے پیچھے ہم اپنے اخبار کو قانونی کیسز کی طرف نہیں دھکیل سکتے۔ ہم نے ایک نسل پرست ایشو کو اٹھایا تو حکومت بھی ہمیں بیک نہیں کرے گی۔" پھر موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا اور مسکرا کے سامنے بیٹھے اشعر کو دیکھا۔ "میں مزید تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں ایش؟"

"آپ نے رات کو ہی یقین دہانی کروا کے میرے لیے سب کچھ کر دیا تھا۔ اب میرے کچھ کرنے کا وقت ہے۔" کہہ کے اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' اور ایک فائل میز پہ رکھی۔

"یہ ٹورازم ملائیشیا کے اشتہاروں کی تفصیلات ہیں' جو کل سے آپ کے اخبار کی زینت بنیں گے۔" بادل زور سے گرجے اور پل بھر میں ٹپ ٹپ قطرے برسنے لگے۔

"یہ حکومتی اشتہار ہیں۔"

"اور میں اپوزیشن میں ہوں' جانتا ہوں لیکن میرے دوست ہر جگہ ہوتے ہیں۔"

چینی صاحب مسکرائے اور فائل کے صفحات دلچسپی سے پلٹنے لگے۔ اشعر نے گردن موڑ کے دیکھا۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی اور کینوپی کے چھاتے کے کناروں سے پانی نیچے لڑھک رہا تھا۔ ہرن قلانچیں بھرتے آشیانے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کتا قلعے کی طرف دوڑا۔ پل بھر میں سارا منظر جل تھل ہو گیا تھا۔

"میرا خوب صورت ملائیشیا۔" وہ ستائش سے مسکرایا۔ (اور یہ ملک میں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔)

"روزانہ کی بنیادوں پہ آدھے صفحے کے اشتہارات۔ وہ بھی فرنٹ پیج پہ۔ زبردست اشعر!" اخبار مالک نے خوشگوار حیرت سے ابرو اٹھائے۔

"اور یہ سرکاری اشتہارات ہیں۔ پیسہ سرکاری خزانے سے جائے گا۔ کسی کو میرے اور آپ کے تعلق پہ شک نہیں ہو گا۔" وہ بینچ کی پشت پہ بازو پھیلائے اطمینان سے بتا رہا تھا۔ "لیکن آپ کو ایک اور کام بھی کرنا ہو گا۔"

چینی صاحب نے چونک کے عینک کے پیچھے سے آنکھیں اٹھائیں۔ "اور وہ کیا ہے؟"

"جس صحافی نے خبر لگانی چاہی تھی۔ اس کو نوکری سے نکال دیں۔"

"وہ کیوں؟" اخبار مالک ٹھٹک گئے۔

"کیونکہ کل کو وہ اگر کسی دوسرے اخبار کا رخ کرے تو ہم یہ کہہ سکیں کہ اس نے یہ سب صرف اور صرف اپنے چینی مالک کے خود کو نوکری سے نکالنے کی وجہ سے کیا ہے۔ تعصب' یو نو۔"

مسکرا کے ہلکے سے شانے اچکائے تو چینی صاحب

کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے اور ہونٹ مسکرا اٹھے۔
"میں سمجھ گیا۔"
اشعر نے دوبارہ سے گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ پتھریلا قلعہ بارش میں بھیگتا جا رہا تھا۔ سارے جانور، چرند پرند چھپ گئے تھے۔ تنہا بھیگتا قلعہ۔۔۔۔

☆ ☆ ☆

بارش نے موسم ٹھنڈا کر دیا تھا مگر وان فاتح کے لاؤنج میں پھر بھی ہلکا اے سی چل رہا تھا جیسے ہر وقت ہر جگہ ملائیشیا میں چلتے رہتے ہیں۔ کھڑکی کے ساتھ اونچی شاہانہ کرسی پہ عصرہ بیٹھی تھی۔ روایتی لمبی سفید قمیص پہنے، نیچے نیلا اسکرٹ جسے باجو کرونگ کہتے تھے۔ (باجو قمیص اور کرونگ اسکرٹ)۔ کندھے پہ سلک کا اسٹول تھا۔ بال جوڑے میں تھے۔ وہ مسکرا کے تالیہ کو دیکھ رہی تھی جو اپنا ایزل اور کینوس سامنے سیٹ کیے کھڑی تھی۔ اونچی پونی باندھے، وہ برش کا پچھلا کنارہ لبوں میں دبائے، تنقیدی پُرسوچ نظروں سے عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

"ایک منٹ۔" پھر برش رکھ کے آگے آئی اور کسی ماہر اسٹائلسٹ کی طرح عصرہ کا دوپٹہ کندھے پہ درست کرنے لگی۔ اپنی شرٹ سے بروچ اتار کے اسٹول کو بروچ کے ذریعے عصرہ کے کندھے کے ساتھ نتھی کیا۔

"آپ کسی دوسرے کا زیور پہننا برا خیال تو نہیں کرتیں؟"

سوال پہ عصرہ مسکرا دی۔ "یہ بروچ بہت خوب صورت ہے۔"

(ہوں۔۔۔ یعنی۔ برا خیال کرتی ہے مگر ابھی تکلف میں برداشت کر لے گی۔ گڈ۔)

"آپ کا پورٹریٹ بہت خوب صورت ہو گا مسز عصرہ۔ مجھے نیلامی کے ڈیڑھ درجن کارڈز بھی دیجیے گا کیونکہ میں چند ملکی اور غیر ملکی آرٹ کلیکٹرز کو مدعو کرنا چاہوں گی جو ویسے تو شاید وان فاتح کا نام سن کر بھی نہ آئیں، مگر میرے کہنے پہ آجائیں گے۔"

کن اکھیوں سے فاتح کو دیکھ کے اونچا سا بولی جو تیار ہو کے اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ سیاہ سوٹ، ٹائی میں ملبوس، بالوں کو دائیں طرف پیچھے کر کے جمائے، پارٹی آفس جانے کے لیے مکمل تیار تھا۔ اپنے نام پہ ایک اچٹتی نگاہ اس طرف ڈالی جہاں اونچی سنہری پونی والی لڑکی قدرے خفگی سے عصرہ کا اسٹول جوڑتے کہہ رہی تھی۔

(جیسے اس کو پرواہ تھی؟) سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گیا۔

"مسز عصرہ۔۔۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو۔۔۔" وہ پیچھے ہوئی اور پھر سے تنقیدی نظروں سے عصرہ کا جائزہ لیا۔ "موتیوں کے بجائے ڈائمنڈز پہنیں۔ موتی آپ کو سیاسی بیوی کا لک دیتے ہیں جو کہ آپ ہیں، مگر میں مسز فاتح کا پورٹریٹ نہیں بنانا چاہتی۔ میں عصرہ محمود کو پینٹ کرنا چاہتی ہوں جو ایک وکیل، ایک ماں، ایک بیوی کے علاوہ بھی اپنی پہچان رکھتی ہیں۔ آپ وہ جیولری پہنیں جو بطور ایک عورت آپ نے سب سے زیادہ دل سے خریدی ہو۔ جو عصرہ نے عصرہ کو تحفے میں دی ہو۔"

اس کی بات پہ عصرہ چونکی۔ بات دل کو لگی تھی۔ وہ مسکرا کے "میں سمجھ گئی۔" کہتی اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

فاتح لاؤنج سے ملحقہ ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا جہاں اس کا ناشتہ تیار تھا۔ عصرہ کے اٹھتے ہی تالیہ "میں ذرا ہاتھ دھولوں" کہہ کے لاؤنج کے کونے میں بنے گیسٹ باتھ روم کی طرف چلی آئی۔

دروازہ بند کرتے ہی اس کے ہاتھوں میں تیزی آ گئی۔ فون نکالا، اور ہینڈ فری نتھی کر کے کانوں میں گھسائے۔ پھر بے چینی سے اسکرین کو دیکھنے لگی، جہاں عصرہ کے بروچ میں نصب ننھا کیمرہ وہ سب دکھا رہا تھا جو عصرہ دیکھ رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہونے کا انداز۔۔۔ پھر کیمرہ آگے بڑھتا گیا۔ لاکر کے پاس ٹھہر جانا۔۔۔ عصرہ کا ہاتھ سامنے آیا۔۔۔ لاکر کے پہیے کو مخصوص نمبروں پہ گھمایا (تالیہ

نے ان کو زبانی یاد کیا۔ ویڈیو کلیئر تھی) لاکر کا دروازہ کھل گیا۔ اب سارا لاکر سامنے تھا۔ عصرہ نے ایک ایک ڈبہ ہٹایا۔ چند زیورات چیک کیے۔ اور ایک نیکلس (لاکر میں چیزیں سلیقے اور ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں) نکالا کہ تالیہ اسکرین پہ دیکھ سکتی تھی۔۔۔ سکہ وہاں نہیں تھا۔۔۔ تالیہ کے وجود میں مایوسی پھیلنے لگی۔ وہ ہینڈز فری اتار دیتی کہ آواز سنائی دی۔۔۔

"عصرہ!" کیمرہ گھوما (عصرہ گھومی) تو فاتح سامنے آیا۔ وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کے آیا تھا غالباً۔ چہرے سے ناخوش لگتا تھا۔ پیچھے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا' تاکہ آواز باہر نہ جائے۔

"تم ناشتہ نہیں کر رہے؟"

"یہ لڑکی کب تک ہمارے گھر میں منڈلاتی رہے گی؟ اس کو فارغ کرو۔ مجھے یہ بالکل پسند نہیں آئی۔" تاریک باتھ روم میں کھڑی تالیہ موبائل کی روشن اسکرین پہ فاتح کا خفا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

"کیا میں تمہارے سیاسی دوستوں کے ساتھ ایسے ہی کرتی ہوں؟"

"وہ تمہاری نئی کاروباری دوست ہے' یہاں تک ٹھیک ہے لیکن مجھے اس کا اپنے گھر میں یوں منڈلانا پسند نہیں آیا۔ کیا یہ وہی ہے جو یہ خود کو کہتی ہے؟" (تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔)

"اشعر نے معلوم کروایا ہے۔ اس کی اچھی ریپوٹیشن ہے۔ کیا تم نے اس کو بی شیخ سے نہیں سنا؟ وہ تک اس سے واقف تھے۔ اور اشعر اس کو پسند کرنے لگا ہے' میں یہ سب اس کے لیے کر رہی ہوں۔" تالیہ مراد نے دونوں آنکھیں کھول کے اسکرین کو دیکھا۔ (کیا؟ تو سمیع جو کہہ رہا تھا وہ درست تھا؟)

"تو پھر یہ سب ایش کے گھر جا کر کرو۔ مجھے اس کا اپنے گھر میں گھومنا پھرنا پسند نہیں آ رہا۔ کچھ عجیب ڈس آنسٹ سا ہے اس لڑکی کے بارے میں جو مجھے کھٹک رہا ہے۔" وہ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

عصرہ کے سانس لینے کی آواز آئی۔ "چند دن کی بات ہے' پھر ہم نے کون سا ملائیشیا میں رہنا ہے جو۔۔۔"

"ہم ملائیشیا سے کہیں نہیں جا رہے عصرہ۔" وہ سختی اور درشتی سے بولا۔ نظریں عصرہ پہ تھیں۔ کیمرے پہ۔ تالیہ کو اس کی نظریں خود پہ محسوس ہوئیں۔

"اشعر کی باتوں سے نکل آؤ۔ میں نے اپنی بیٹی کھوئی ہے اس جدوجہد میں۔ اگر اب میں نے یہ سب چھوڑ دیا تو اس کا مطلب ہے آریانہ کو ہم نے بے مقصد ضائع کیا۔"

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے فاتح!" عصرہ کی خشک آواز سنائی دی اور پھر کیمرہ آگے بڑھ گیا۔ عصرہ باہر آ رہی تھی۔ تالیہ نے جلدی سے ہینڈز فری کانوں سے نکالی۔

تھوڑی دیر بعد فاتح ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہا تھا۔ دروازے کھلے تھے اور سامنے لاؤنج میں ایزل پہ برش چلاتی تالیہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کاکا۔" مرکزی دروازہ کھلا اور مانوس سی آواز آئی۔ جہاں بت بنی عصرہ مسکرائی' وہیں تالیہ مراد کے اندر تلخی سی پھیل گئی' مگر بنا اثر لیے پینٹ کرتی رہی۔

اشعر اندر داخل ہوا۔ مسکراتا ہوا' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔ کوٹ غالباً" کار میں چھوڑ آیا تھا۔ دور بیٹھے فاتح نے بس ایک نظر اٹھا کے اس کے سلام کا جواب دیا اور سوپ پینے لگا۔ عصرہ البتہ مسکرا کے متوجہ ہوئی تھی۔

"آو ایش! میں تمہیں ہی مس کر رہی تھی۔" وہ آگے آیا اور تالیہ کو دیکھ کے خوشگوار حیرت سے رکا۔ "چے تالیہ۔ السلام علیکم۔"

برش کرتی تالیہ نے نظریں کینوس پہ جمائے وعلیکم السلام کہتے ہوئے سر کو جنبش دی۔ اشعر نے اس کا انداز غور سے دیکھا مگر اثر نہیں لیا۔ وہ عصرہ کے سامنے کرسی پہ آبیٹھا اور متفکر انداز سے بات شروع کی۔

"میں نے سوشل میڈیا پہ ویڈیو دیکھی۔ آپ کے ساتھ یتیم خانے میں کل کسی نے بدتمیزی کی؟"

عصرہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔ "ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک ذہنی معذور بچہ تھا۔ جیسے کچھ لوگ دعوا کرتے ہیں کہ ان کو سچے خواب آتے ہیں' وہ بھی یہی

دعوا کر رہا تھا۔"

برش کرتی لڑکی کی ہرنی جیسی آنکھیں چونک کے تیزی سے اس طرف اٹھیں۔ ساری دنیا تھم سی گئی۔

"مگر اس نے کہا کیا ہے تم سے 'کاکا'؟" اشعر ہنوز فکر مند تھا۔

"پتا نہیں۔ کچھ اول فول بول رہا تھا۔ کوئی شکار بازوں میں سے آکر میرا شوہر مجھ سے چرا لے جائے گا تو میں اسے گھر میں نہ داخل ہونے دوں۔"

سوپ پیتا فاتح ایک دم ہنس دیا تو عصرہ بھی جھینپ کے مسکرا دی۔ اشعر کے ابرو تحیر سے بھنچ گئے اور تالیہ مراد... اس کا سانس تک رک چکا تھا۔ وہ بالکل شل کھڑی تھی۔

"آبنگ' آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ ایسے لوگوں کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔" وہ شکایتی انداز میں سر اٹھا کے دور بیٹھے فاتح سے بولا تو وہ دوبارہ سے ہنس دیا۔

"تم ایسی باتوں پہ کب سے یقین کرنے لگے ایش۔ نان سینس۔" مسکرا کے سر جھٹکتے چمچ میں سوپ بھرا۔ (گزشتہ رات کی لڑائی کا شائبہ تک نہ تھا۔)

"کیا آپ اس بات پہ یقین نہیں رکھتے وان فاتح کہ لوگوں کو سچے خواب آسکتے ہیں؟" وہ ایک دم بولی تو فاتح نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ عصرہ اور اشعر بھی اسے دیکھنے لگے۔

"دنیا بہت عجیب ہے اور یہاں سب ممکن ہے تاشہ... لیکن یہ تو کوئی فراڈ لگ رہا ہے۔ یو نو... اکثر لوگ اس طرح دوسروں کا ہاتھ دیکھ کے ان کے بارے میں پیش گوئی کر کے پیسے بٹورتے ہیں۔" سنجیدگی سے اسے دیکھ کے جواب دیا اور سوپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ ان باتوں کو مانتی ہیں؟" اشعر کے استفسار پہ وہ چونکی، پھر شانے اچکا کے برش اٹھا لیا۔

"نہیں۔ کسی کو سچے خواب نہیں آیا کرتے۔ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ بس۔" تلخی سے کہہ کر وہ پینٹ کرنے لگی تھی۔ عصرہ اسی طرح واپس مسکراتا مجسمہ بن گئی اور اشعر گہری سانس لے کر اٹھ گیا۔

"تمہارے تاثرات سے لگ رہا ہے تم نے خبر کو رکوا دیا ہے۔" اشعر اس کے پاس میز پہ آکے بیٹھا تو وہ سوپ میں چمچ ہلاتے ہوئے بے نیازی سے پوچھنے لگا۔

"آپ نے مجھے انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا' آبنگ۔"

"کیا دیا تم نے اخبار کے مالک کو' ہوں؟ اپنے بزنس کے شیئرز کم قیمت پہ فروخت کیے یا اخبار کے شیئرز کی قیمت بڑھوانے کے لیے اسٹاک مارکیٹ میں کوئی چال چلی' یا آف کورس۔" فاتح نے سمجھ کے سر ہلایا۔ "اشتہار... اشتہار دیے تم نے!

سیاستدانوں کو جب بھی کسی چینل یا اخبار میں کوئی خبر لگوانی یا رکوانی ہوتی ہے' وہ اس کو اشتہارات دے دیتے ہیں جو قومی منصوبوں کے ہوتے ہیں۔ ان کا پیسہ قومی خزانے سے اخبار مالک کو جاتا ہے' سیاستدان کو صرف دستخط کرنے ہوتے ہیں اور جہاں اخبار عام طور پہ ایک ڈالر کا اشتہار لے گا' وہاں سیاستدان پچاس ڈالر کے اشتہار پہ دستخط کر دے گا۔ اخبار مالک کو ایک کی جگہ پچاس ڈالر ملیں تو وہ وہی کرے گا جو سیاستدان کہے گا۔"

"مان لیجیے کہ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔" وہ فاتح کے قریب چہرہ کر کے سرگوشی میں بولا۔ مسکراتی شاطر آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔ "آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔ اور ملائیشیا کو جوان خون کی ضرورت ہے۔"

وان فاتح نے سوپ کا پیالہ پرے کیا اور نیپکن سے ہونٹ تھپتھپائے۔

"جب میں لاء اسکول میں تھا تو ہمارا کرمنل لاء کا ایک پروفیسر تھا۔ بوڑھا' ٹھگنا' سفید بالوں والا۔ ساری عمر اس نے قانون پڑھنے پڑھانے میں گزاری۔"

پھلوں والی پلیٹ اپنے قریب کرتے ہوئے فاتح مسکرا کے بتانے لگا۔ "وہ کہتا تھا جب لوگ جرم کرتے ہیں نا' تو ان کو ان کا جرم نہیں پکڑواتا۔ ان کو ان کا خوف پکڑواتا ہے۔ وہ خوف جس کے ہاتھوں وہ اس جرم کو ڈھانکنے اور چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کوشش... وہ کور اپ... ان کے خلاف سب سے بڑی گواہی بن جاتا ہے۔"

اشعر کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں سے برہمی جھلکی۔ "دکسی تنظیم سے نوجوانی کے دنوں میں وابستگی کوئی جرم نہیں ہے۔"

"تو پھر تم اس کو اس طرح کور کر کے جرم کیوں بنا رہے ہو' ایش؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا تھا۔

اشعر پل بھر کو سن رہ گیا۔

"اگر تم اس خبر کو چلنے دیتے' اور اس کو لاپروائی سے ہنس کے اڑا دیتے اور قوم سے اس پہ معذرت کرلیتے تو تم لیڈر بن سکتے تھے لیکن تم نے خود ہی ایک معمولی چیز کو جرم بنا دیا۔ تم نے اخبار کے چینی مالک کو اپنی کمزوری تھما دی اور اب وہ جانتا ہو گا کہ تم سے مزید کام کیسے نکلوانے ہیں۔ تم نے یہ گیند بزنس مین کی طرح کھیلی۔ اوہ ایش!" افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے پھل کی قاش منہ میں رکھی۔

اشعر کی رنگت متغیر ہوئی۔ آنکھوں سے چھلکتا غصہ بڑھتا گیا۔ "آپ میرے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیا؟" وہ لاتعلقی اور بے نیازی سے کندھے جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا اور سیل فون اٹھالیا۔ منہ میں پھل چباتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کیا اور لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

اشعر دبے غصے کے ساتھ وہیں بیٹھا رہا۔

فاتح لاؤنج سے باہر کھلتے دروازے پہ رکا... اور ایک لمحے کے لیے... ایک خود سر' بے اختیار لمحے کے لیے ... اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا... وہ اونچی سنہری پونی والی لڑکی گردن ترچھی کیے... نظریں کینوس پہ جمائے... اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

فاتح آگے بڑھ گیا۔

اسی پل تالیہ نے برش روکا... اور گردن ذرا موڑی تھی... باہر نکلتے آدمی کی پشت دکھائی دی۔ تالیہ نے واپس عصرہ کی طرف دیکھا تو اس کے پیچھے کھڑکی کے باہر کا منظر دکھائی دیا۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا اور چھتری اٹھائے ایڈم ساتھ تھا۔

بارش ابھی تک برسے جا رہی تھی۔ ٹپ... ٹپ

... وقت کی سوئیوں کی طرح...

☼ ☼ ☼

شیشوں سے ڈھکی تکون عمارت بھی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ اس کے اندر بنے مال میں گاہکوں کا رش اور رونق معمول کی لگی تھی۔ مال سے چند منزلیں اوپر آفس فلورز بنے تھے جن میں سے ایک پہ بارسن نیشنل کے ورکرز اور سیاستدان اپنے معمول کے کام نپٹاتے دکھائی دیتے تھے۔

فاتح اپنے آفس میں میٹنگ میں تھا اور ایڈم بے کار سا باہر بیٹھا تھا۔ صبح صبح تالیہ کی باتوں نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ مگر اس وقت زیادہ بڑی کشمکش ماں کی طرف سے ڈالی گئی تھی۔ ماں نے عجیب مطالبہ سامنے رکھا تھا جس کو فاتح کے سامنے رکھتے ہوئے اس کو شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایڈم!" فاتح کا پولیٹکل سیکرٹری عثمان چوکھٹ پہ نمودار ہوا تو وہ فورا" سیدھا کھڑا ہوا۔

"جی سر!" ملازمت کے آخری تین دن رہ گئے تھے' اور وہ عثمان سے کسی قسم کی آفس پالیٹیکس میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"میں گھر جا رہا ہوں' والدہ کی طبیعت خراب ہے۔" اس نے بازو پہ رین کوٹ فولڈ کر کے ڈالا ہوا تھا اور خلاف معمول نرمی سے بتا رہا تھا۔ "مس فرح آئیں تو تم ان کو یہ لسٹ دے دینا۔ وہ اگلی میٹنگ سنبھال لیں گی۔ مجھے گھنٹہ لگ جائے گا' اچھا۔"

"شیور' سر' آپ جائیں۔ ہم دیکھ لیں گے۔" اس نے لسٹ تھامی تو عثمان تھینکس کہتا عجلت میں مڑا۔

پیچھے سے ملازم کافی کے کپ ٹرے میں سجائے لا رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے موبائل پہ ٹائپ بھی کر رہا تھا۔ ایڈم بوکھلا کے "دھیان سے" چیخا مگر ٹکر ہو گئی۔ کافی الٹ گئی۔ موبائل بھی دور جا گرا۔ گرم گرم مائع عثمان کے اوپر جا گرا۔ سب اس کی طرف دوڑے مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

"بچت ہو گئی۔" اس نے میز سے چند ٹشو کھینچے اور

رین کوٹ (برساتی) پہ گری کافی صاف کی۔ اس کے کپڑے بچ گئے تھے۔ ایک کنفیلی نظر ملازم لڑکے پہ ڈالی جو ڈر گیا تھا مگر کچھ کہے بنا آگے بڑھ گیا۔ ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔ یقیناً" وہ والدہ کی وجہ سے الجھا ہوا تھا اس لیے موڈ خراب نہیں کیا۔

فرح کے آتے ہی ایڈم نے لسٹ اس کے حوالے کر دی۔ وان فاتح نے اگلے دو گھنٹے کس کس سے ملنا ہے' اور کس کی کیا خاطر کرنی ہے' سب اس پہ درج تھا۔ سیاستدان کا ایک ایک منٹ کئی دن پہلے سے پولٹیکل سیکرٹری کی ڈائری میں جمع تفریق کے ساتھ درج ہوتا تھا۔ اگر کوئی مہمان فاتح کے پاس مقررہ وقت سے پانچ منٹ بھی اوپر بیٹھ جائے تو سیکرٹری اندر آکے وقت کا احساس دلاتا اور فاتح کو نشست برخاست کرنی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ایڈم سوچا کرتا کہ کون کس کے تابع ہے؟ سیاستدان سیکرٹری کے' یا سیکرٹری سیاستدان کے؟

"مس فرح!" فرح کے بیٹھتے ہی اپنی ازلی مداخلت کی عادت سے وہ باز نہ رہ سکا۔ "سب کو چائے پیش کرنی ہے مگر یہ گیارہ بجے والے مہمانوں کی اتنی خاطر داری کیوں کرنی ہے؟"

فرح' عثمان جیسی نہ تھی۔ اسکارف پہنے مستعد اور خوش اخلاق سی ملے لڑکی تھی۔ فوراً" مسکرا کے سمجھ داری سے بولی۔ "کیونکہ ان لوگوں سے وان فاتح کو کام ہے' اور جن سے ہمیں مطالبے منوانے ہوتے ہیں ان کی خاطر داری کی جاتی ہے تاکہ وہ خود کو اہم سمجھیں۔"

"مگر وان فاتح کو تو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ تو ہر ایک سے بے نیاز رہتے ہیں۔"

"کس دنیا میں رہتے ہو ایڈم؟ انہیں واقعی کسی کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ روز اتنے لوگوں سے ملاقات نہ کرتے۔ وہ ظاہر نہیں کرتے مگر ہر سیاستدان کو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو اپنی ذات کے لیے ضرورت نہ ہو تو بھی اپنے کاز کے لیے ہے۔"

اور ایڈم چونک سا گیا۔ وان فاتح اتنے بڑے بڑے کام کروا سکتے ہیں لوگوں سے' اور میں اتنا چھوٹا سا کام نہیں کہہ سکتا؟

"میں چند منٹ کے لیے اشعر صاحب کے پاس جا رہا ہوں' مس فرح! مجھے ان سے کام ہے۔" وہی درست بندہ تھا۔ وہ فرح کو بتا کر باہر نکل آیا۔ بھاگم بھاگ لفٹ پکڑی۔ نیچے آیا اور برستی بارش میں ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

اشعر کے آفس روم کے باہر لابی بنی تھی جہاں لوگ صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ سیکرٹری اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ بھی کونے میں بیٹھ گیا۔ اشعر کسی میٹنگ میں تھا۔ ایڈم کو انتظار کرنا تھا۔

سامنے میز پہ پڑے اخبار میں فاتح کا انٹرویو چھپا نظر آ رہا تھا۔ وہ مسکرایا اور اخبار اٹھا لیا' مگر پھر.... آنکھ کے کنارے نے کوئی شے پکڑی.... جیسے ذہن میں کوندا سا لپکا.... ایڈم نے نظریں موڑیں.... سیکرٹری کے قریب کوٹ اسٹینڈ پہ رین کوٹ لٹکا تھا۔

سفید رین کوٹ جس کے اوپر دھبے لگے تھے....

ایڈم سن رہ گیا۔ عثمان؟ ادھر؟ کیوں؟ اس کی تو ماں....؟

مگر آج اس کا سیاست دانوں کے ساتھ نواں دن تھا اور دماغ اب تیزی سے کام کرتا تھا۔ عثمان مجھے دیکھ نہ لے۔ اوہ نو۔ جلدی سے اخبار اٹھایا اور چہرے کے سامنے پھیلائے ستون کی اوٹ میں جا کھڑا ہوا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ عثمان کو چھپ کے اشعر سے ملنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟

اندر آفس میں مرکزی کرسی پہ اشعر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سنجیدہ نظریں سامنے بیٹھے عثمان پہ جمی تھیں جو تابعداری سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے اور تو کوئی بات نظر نہیں آئی لیکن صبح وان فاتح اپنے کسی دوست سے ملاکہ والے گھر کی بات کر رہے تھے۔ شاید وہ اس کو بیچنا چاہتے ہیں۔"

اشعر جواب تک اکتایا بیٹھا نظر آتا تھا' اس بات پہ ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ پھر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"ملاکہ والا گھر.... سن باؤ کا گھر؟" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"سن باؤ؟" عثمان الجھا۔ "سن باؤ یعنی تین خزانے؟"

"وہ سن باؤ والا گھر۔۔۔ آہنگ اس کو بیچ کے چیئرمین کا الیکشن لڑنا چاہتا ہے؟" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"کیا بہت قیمتی گھر ہے وہ' سر؟"

"قیمتی؟" اشعر کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"وہ آہنگ کے والد کا ان کے لیے آخری تحفہ تھا۔ وہ گھر قدیم ہے۔ تاریخی ورثہ۔ صدیوں پہلے کسی چینی سفار تکار کی ملکیت تھا۔ اس کا نام پتا نہیں کیا تھا مگر اس کو "سن باؤ" (تین خزانے۔ تین نگینے) کہتے تھے۔ آہنگ کے والد نے سستے داموں یہ ساری زمین لی تھی۔ کچھ عرصے بعد کاکا کو معلوم ہوا کہ یہ سن باؤ کا ویئر ہاؤس ہے جو وہ چھ سو سال پہلے استعمال کرتا تھا۔ کاکا نے اس کی احتیاط سے مرمت کروائی اور خوب صورت بنا دیا۔ تاریخی ورثے کی تصدیق بھی کروائی گئی۔ وہ گھر اگر نیلامی پہ چڑھا دیا جائے تو تاریخی نوادرات کے دیوانے امیر لوگ اس کو کروڑوں بلکہ اربوں میں خریدیں گے۔ آہنگ کو پھر پیسے کی کبھی کمی نہیں ہو گی۔" اس نے پریشانی سے کہتے ہوئے ٹائی ڈھیلی کی۔ رنگت اڑ چکی تھی۔ وہ گھر فاتح کو عزیز تھا۔ اتنا عزیز کہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کو بھی بیچ سکتا ہے۔

"میرے لیے کیا حکم ہے' سر؟"

اشعر چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر خود کو سنبھال کے بولا۔

"تم وان فاتح کے ساتھ رہو۔ کسی سائے کی طرح۔ اس کی ہر حرکت کی خبر مجھے کرو۔ تمہیں ماہانہ اتنا پیسہ میں اسی لیے دیتا ہوں کیونکہ تمہارا اصل باس میں ہوں۔ اب جاؤ۔" تحکم سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ موڈ خراب ہو گیا تھا۔ عثمان دروازے تک پہنچا تھا کہ وہ بولا۔

"رکو۔" آواز بدلی ہوئی تھی۔ عثمان چونک کے پلٹا تو دیکھا' اشعر کی آنکھوں میں چمک تھی جیسے کچھ نیا سوچ رہا ہو۔ "ایک کام تم آج بھی کر سکتے ہو۔"

ایڈم باہر ستون کی اوٹ میں کھڑا تھا جب اشعر کے آفس کا دروازہ کھلا۔ باہر نکل کے تیزی سے اپنا رین کوٹ اٹھانے والا عثمان ہی تھا۔ ایڈم نے اخبار چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔ عثمان متوجہ نہ تھا۔ وہ جلدی میں لگ رہا تھا۔ سیدھا آگے بڑھتا گیا۔

ایڈم کا ذہن شل تھا۔ وہ وان فاتح کو کیسے بتائے گا کہ نہ تالیہ مراد وہ ہے جو وہ خود کو کہتی ہے نہ عثمان اس کے ساتھ مخلص ہے۔ بیک وقت دو لوگوں پہ الزام سے تو لگے گا ایڈم خود عثمان کی جگہ لینا چاہتا ہے۔۔۔ مگر ماں کا کام؟ ایک نئی الجھن نے الجھنوں کے ہجوم سے سر نکالا تو وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پہلے اسے ماں کا کام کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اشعر لفٹ میں سوار ہوا' نیچے آرہا تھا۔ مصروف' بے نیاز سا۔۔۔ لفٹ کے دروازے لابی میں جا کر کھلے تو وہ باہر نکلا' پھر یکایک رک گیا۔ سامنے سے بارش میں بھگتا ایڈم آتا دکھائی دے رہا تھا۔ انداز سے لگتا تھا وہ ابھی ابھی عمارت میں داخل ہوا ہے۔

"سر۔۔۔" ہانپتا کانپتا اس کے پاس پہنچا تو اشعر نے ابرو بھینچ کے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"کیا ایک چھتری تک نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"جلدی میں تھا سر۔ عثمان صاحب کو اپنی والدہ کے پاس جانا پڑا' پیچھے وان فاتح کو اٹینڈ کرنے کے لیے کوئی نہیں ہے' مجھے جلدی واپس جانا ہے' مگر آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔"

گو کہ اشعر کو پروا نہ تھی کہ عثمان کو کوئی دیکھ سکتا ہے کیونکہ عثمان اپنی حفاظت کرنا جانتا تھا' مگر ایڈم کے انداز سے لگتا تھا وہ اپنی ہی دھن میں ہے۔ ناواقف۔ بے وقوف۔

اشعر نے گھڑی دیکھی اور پھر جبرا" رکتے ہوئے بولا۔ "جلدی بولو۔"

"سر۔۔۔ میری والدہ کو نوکری چاہیے۔ کسی اچھے گھرانے میں ملازمہ رکھوا دیں ان کو۔ انہوں نے اصرار کیا ہے۔" عزت نفس پہ پیر رکھ کے اس نے کہہ دیا۔ "وہ صفائی' ستھرائی' گارڈننگ' سب کام جانتی ہیں اور۔۔۔"

"کھانا پکانا جانتی ہیں؟ خاص چینی طرز کا کھانا؟"
اشعر تیزی سے بولا تو ایڈم رکا۔ پھر جھٹ سر ہلایا۔
"ہر قسم کا کھانا بنا لیتی ہیں وہ۔ ملے۔ انڈین۔ چینی۔"

"میں نے ابھی ابھی شام کو گھر میں پارٹی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ صرف چند چینی دوست مدعو ہوں گے۔ اگر تمہاری ماں بہترین چینی کھانا بنا سکتی ہے تو اس کو میرے گھر لے جاؤ اور کچن اس کے حوالے کر دو۔ اگر مجھے کوئی شکایت نہ ملی تو میں اس کو کہیں شیف رکھوا دوں گا۔" پھر ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا اشارہ کیا تو ایڈم ہکا بکا سا ہٹ گیا۔
"شکریہ.... شکریہ سر۔" پیچھے سے بوکھلا کے پکارا مگر اشعر اپنے گارڈز سمیت آگے بڑھ گیا تھا۔ ایڈم لابی میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔
(تھوڑی دیر پہلے مجھے اشعر پہ غصہ تھا کہ وہ فاتح کے ملازم سے خفیہ تعلق کیوں رکھے ہوئے ہے۔) لابی میں آتے جاتے سوٹڈ بوٹڈ امیر لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگا۔ (مگر میں نے اپنا کام کہتے دیر نہیں لگائی۔ کیا میں بھی سیاست سیکھنے لگا ہوں؟) پھر سر جھٹکا۔
"نوکری کے لیے سفارش کروانا بری بات نہیں۔ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ چوری نہیں کی۔ محنت مزدوری کر کے پیسے کمانا چاہتے ہیں ہم۔ اگر یہی سیاست ہے تو بری چیز نہیں ہے یہ۔"

✡ ✡ ✡

حالم کا خوب صورت اور اونچا گھر اس دوپہر خاموش پڑا تھا۔ بارش رک چکی تھی اور لان کی گھاس پانی سے جھل تھل تھی۔ تالیہ نے کار پورچ میں روکی اور خاموشی سے باہر نکلی۔ وہ بھیگی ہوئی لگ رہی تھی۔ شاید وہ عصرہ کے گھر سے واپسی پہ وہیں کار روک کے باہر نکل کے بارش میں کھڑی رہی تھی۔ سنہرے بالوں سے موٹے موٹے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے.... وہ ان میں انگلیاں چلاتی دروازے کی طرف آئی۔
"میں نے آج دو چیزیں دریافت کیں۔ سنو گی تو داد دو گی۔" دروازہ کھولا تو سامنے لاؤنج کے صوفے پہ پھیل کے بیٹھی بھاری بھرکم داتن دکھائی دی۔ زانو پہ پیالہ رکھے اس میں سے اخروٹ نکال نکال کے کھاتی بھی جا رہی تھی۔
"پوچھو کون سی دو چیزیں؟"
تالیہ اندر آئی۔ دروازہ بند کیا۔ جوتے اتارے۔ ریک سے نرم چپل نکال کے پہنی۔ چہرہ جھکا ہوا اور خاموش تھا۔ داتن نے بے چینی سے چند لمحے انتظار کیا۔
"چونکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی ہاں تصور کی جاتی ہے اس لیے میں سمجھ گئی ہوں کہ تم میری دریافت جاننے کے لیے بے چین ہو' سو تمہارے پوچھے بغیر ہی بتائے دیتی ہوں۔"
تالیہ نے پرس اسٹینڈ پہ لٹکایا اور کچن تک آئی۔ ایک الماری کا پٹ کھولا۔ اندر سے سفید تولیہ نکالا۔
"جانتی ہو' سمیع کو کیسے معلوم ہوا کہ اشعر محمود نے تمہاری تحقیقات کروائی ہیں؟ میں نے صرف سمیع کے شناختی کارڈ نمبر سے اس کا ایڈریس معلوم کروایا تو پتا چلا' وہ اشعر کے آفس میں کام کرتا ہے۔ یعنی ڈائریکٹ رملی (اشعر کا منیجر) کے نیچے۔"
تالیہ نے کمر موڑی اور سر جھکا دیا' پھر گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹ کے سیدھی کھڑی ہوئی۔
"سمیع کا تعلق منی لانڈرنگ گروہ سے تھا' اور وہ کئی سالوں سے اشعر کے پاس ہی کام کر رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اشعر بھی اسی کام میں ملوث ہو۔ منی لانڈرنگ کر کے ہی بنائی ہو گی اشعر اور اس کے باپ نے اتنی بڑی جائیداد۔ اب دوسری دریافت کا پوچھو۔"
تالیہ سر نیہوڑائے بالوں کو تولیے سے رگڑ رہی تھی۔ خاموش بالکل خاموش۔
"ہاں ہاں میں جانتی ہوں تم مزید جاننے کے لیے بے چین ہو۔ تجسس تمہارے اندر ابل ابل رہا ہے۔ اس لیے تمہیں انتظار کیوں کرواؤں' اتنی ظالم تو نہیں ہوں میں۔ بتا ہی دیتی ہوں۔" وہ مٹھی بھر اخروٹ پھانکتے ہوئے جلدی جلدی جوش سے بتانے لگی اور

تالیہ خاموشی سے بال خشک کرتی رہی۔

"اس کویتی شیخ کا ملازم نوفل شیخ بن کے جب عصرہ سے ملا تو عصرہ یا فاتح تو نہیں جانتے تھے کہ اصلی شیخ کی صورت کیسی ہے۔ لیکن اشعر تو ساتھ تھا۔ اس نے عصرہ کو نہیں بتایا کہ یہ اصلی شیخ نہیں ہے۔ نہ جب تم نے ڈائننگ ہال میں شیخ کو کال ملائی' تب اشعر نے شیخ سے واقفیت ظاہر کی۔ لیکن یہ دیکھو۔" صوفے سے ایک کاغذ اٹھا کے لہرایا۔ "اشعر اور وہ شیخ جاسم ایک ہی گالف کلب کے ممبر رہے ہیں اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کبھی ملے نہ ہوں۔ لوگ گالف کھیلتے بھی تو اونچی دوستیوں کے لیے ہیں۔ میرا خیال ہے ان دونوں کی پرانی دوستی ہے یعنی یہ اشعر ہی ہے جس کے کہنے پہ شیخ نے نقلی پینٹنگ اور اپنا ملازم دونوں اس کے حوالے کر دیے۔ یعنی یہ اشعر ہے جو عصرہ اور فاتح کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔"

تالیہ نے تولیہ زور سے کھینچ کے پرے اچھالا اور مڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

"کون فاتح؟ کون اشعر؟ لیانہ اور تالیہ کی بات کرو۔"

داتن حیران رہ گئی۔ "تالیہ....."

"ہمارے ہر اسکام کے لیے لوگوں کو تم ہائر کرتی ہو' میں پس منظر میں رہتی ہوں' اپنا چہرہ نہیں دکھاتی... رات کو چھپ کے چوری کرتی ہوں اور دن میں کسی نوکرانی' کسی ویٹرس جیسا معمولی سا کردار کرتی ہوں جو کسی کو یاد بھی نہیں رہتا۔ لیکن مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔" وہ اتنی درشتی سے بولی کہ داتن دھک سے رہ گئی۔

"چار ماہ پہلے ہم نے ڈریم اسکام کھیلا تھا... وہ اداکار چالاک لڑکا احمد جس نے یتیم خانے کے دورے پہ آنے والی امیر انڈونیشن خاتون کے سامنے پیش گوئی کی اور پھر ہم نے اس کو ڈرا کے اس سے مزید پیش گوئیوں کے لیے پیسے بٹورے تھے۔ کچھ یاد آیا؟"

داتن کے کھلے لب بند ہو گئے۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ "تمہیں پتا چل گیا؟"

"نہیں چلنا تھا کیا؟" وہ دبا دبا سا چلائی۔ "تم میری طرف ہو یا میری مخالف ہو داتن؟ کیوں تم نے عصرہ کو اسی دن ڈرانا چاہا جب وہ مجھے گھر بلا رہی تھیں۔ میں اس کا شوہر چھین لوں گی؟ واٹ نان سینس؟"

چند لمحے لاؤنج میں موت کا سناٹا چھایا رہا۔ پھر داتن نے گہری سانس لے کر آنکھیں اٹھائیں۔ "میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس کا شوہر چھین لو گی۔ اتنا کہا تھا کہ تم اس کو عصرہ کی دنیا سے دور لے جاؤ گی اور یہ سب تمہارے خواب کہتے ہیں تالیہ۔ وہ دو دریاؤں والا خواب.... اس کا یہی مطلب ہے۔"

مگر تالیہ نفی میں سر ہلاتی غصے سے ٹہلنے لگی تھی۔

"تم نے میری گردن کے نشان کی تصویر لی... تم اس کتاب کو چھپ چھپ کر پڑھتی رہیں... مجھے سب پتا چل رہا تھا مگر میں چپ رہی... میری دو آنکھیں میری گردن کے پیچھے بھی ہیں داتن مگر میں ہر وقت زبان نہیں چلاتی کیونکہ مجھے لگا تم میری حفاظت کر رہی ہو گی۔"

"میں تمہاری حفاظت ہی کر رہی ہوں۔"

تالیہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

"ہو سکتا ہے تم مجھ پہ بالکل یقین نہ کرو تالیہ۔ یہ تمہارا حق ہے لیکن میں جانتی ہوں۔ وہ چابی تمہیں تباہ کر سکتی ہے۔ وہ ملعون ہے اور تم خفا ہوتی ہو تو ہو لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اس بریسلیٹ یا سکے کو چراؤ کیونکہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" داتن کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"وہ خزانے کی چابی ہے' داتن۔ وہ میرے باپ کے خزانے کی چابی ہے۔ وہ میری وراثت ہے۔ میرے باپ کا ترکہ ہے۔" وہ سینے پہ انگلی رکھے درد سے اونچا سا بولی۔ اب آواز میں غصہ کم اور دکھ زیادہ تھا۔ مگر داتن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی خزانہ نہیں ہے تالیہ۔ اس الوژن سے نکل آؤ۔ اس چابی سے تمہاری زندگی تباہ ہو جائے گی۔" آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکے اور سیاہ گال پہ لڑھک گئے۔

"نہیں میں جانتی ہوں۔ خزانہ ہے' تاشہ کا خزانہ میرے پاپا کا خزانہ۔ وہ جو بھی تھی اس نے میرے لیے خزانہ چھوڑا ہے۔ ایڈم اور میں اس کے قریب پہنچنے والے تھے۔ جب میرے خواب غلط نہیں ہوتے تو تم میرے راستے میں رکاوٹ کیوں بن رہی ہو؟" وہ غصے اور دکھ سے بولی تو داتن اٹھ کھڑی ہوئی۔ میز پہ رکھا جار اٹھالیا جس میں سے خستہ بسکٹ جھلک رہے تھے۔

"تم نے خواب میں کوئی خزانہ نہیں دیکھا۔ کیا تم نے دیکھا؟ نہیں نا۔ لیکن تم نے دو دریا دیکھے۔ تم نے ہما پرندے کو دیکھا۔ اس کا مطلب حکومت یا طاقت نہیں ہے۔ یہ شکار بازوں کے نشان ہیں۔ تم شکار بازوں میں سے ہو اور وہ اچھے لوگ نہیں تھے تالیہ۔ یہ اچھی چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن اگر تم اتنی ہی کونفیڈنس ہو کہ خزانہ وجود رکھتا ہے تو تم اس کو ڈھونڈو۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی' لیکن کنویں میں چھلانگ لگانے میں اپنی دوست کی مدد بھی نہیں کروں گی۔" تالیہ اسے ان ہی خفا نظروں سے دیکھتی رہی اور وہ کہتی گئی۔

"البتہ تمہارے راستے کی دوسری رکاوٹوں کو میں تم سے دور کرتی رہوں گی جیسے سمیع — یہ بسکٹ کھالینا' اور جار کا ڈھکن بند کر کے رکھنا۔ نمی گھس جائے تو ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔"

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ بس صوفے پہ بیٹھی اور کشن گود میں رکھ لیا۔ پھر چہرہ موڑے خفگی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"جانتی ہو دوستی کا سب سے تکلیف دہ لمحہ کون سا ہوتا ہے؟ جب دوست کچھ غلط کر رہا ہو۔ اگر نہ روکا تو دوست تباہ ہو گا۔ روکا تو دوستی۔ مجھے نہیں معلوم اس لمحے میں کس کو چننا چاہیے۔ دوست کو۔ یا دوستی کو۔"

اتنا کہہ کے اس نے جار میز پہ رکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو تالیہ نے خفا نظریں موڑ کے کھڑکی کو دیکھا۔ داتن باہر لان عبور کرتی نظر آرہی تھی۔

وہ چند لمحے بیٹھی رہی۔ ایک دو دفعہ جار کو تندی سے دیکھا بھی۔

"پہلے اپنے بیٹے کو دینے لگی ہو گی' پھر آخری وقت ارادہ بدل کے مجھے یاد کیا ہو گا۔ ہونہہ۔" اور منہ موڑ لیا۔ کچھ دیر مزید گزری۔ پھر وہ تیزی سے آگے جھکی' جار اٹھایا' کھول کے گود میں رکھا اور بسکٹ نکال کے چکھا۔

"یہ بسکٹ موٹی نے یتیم خانے والی حرکت سے پہلے بنائے ہوں گے۔ یہ حلال ہیں۔ میں کھا سکتی ہوں۔" اور اسی طرح خفگی سے ایک ایک بسکٹ کترنے لگی۔ چہرہ ہنوز سرخ دہک رہا تھا اور گیلے سنہرے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ اسے داتن پہ بہت سارا غصہ تھا۔

اور حالم کے گھر سے میلوں دور.... اپنے آفس میں کھڑا' مسکرا کے ملاقاتیوں سے مصافحہ کرتا وان فاتح ان کو الوداع کہہ رہا تھا۔ وہ لوگ باہر نکلے تو وہ تکان سے اپنی کرسی پہ گرا' ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی اور موبائل اٹھا لیا۔ ساتھ ہی عینک ناک پہ جمائی' اور اسکرین روشن کی۔ بیسیوں پیغامات۔ ای میلز۔ وہ میکانکی انداز میں ایک ایک کھولتا گیا۔ دفعتاً "ایک ای میل پہ ٹھہرا۔

"ہدیٰ!!"

"سر.... میری اشعر کے متعلق اسٹوری نہیں چھاپی گئی اور مجھے نوکری سے بھی نکال دیا گیا ہے' کچھ کیجیے۔ یہ سب اس اسٹوری کی وجہ سے ہوا ہے جو آپ نے مجھے دی تھی۔"

فاتح کی انگلیاں کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

"کون سی اسٹوری؟" سپاٹ چہرے کے ساتھ اس نے لکھا۔

"سر.... آپ نے جو مجھے ہنٹ دیا تھا اشعر کے بارے میں.... میں اس کی بات کر رہی ہوں۔"

"کون سا ہنٹ؟ آئی ایم سوری ہدیٰ! مگر مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہی ہو۔" حیرت سے لکھا گیا جملہ اس نے بھیجا تو چہرہ شانت تھا۔ چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا تھا۔

"یا اللہ' آپ سارے سیاست دان ایک سے

ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیے گا اب کہ میں کیا کرتی ہوں۔"

فاتح نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بدی کا جواب پڑھا اور اگلی میلز دیکھنے لگا۔ چہرہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھا۔

☆ ☆ ☆

سہ پہر ڈھلی تو کوالالمپور کے خوب صورت آسمان کو بادلوں نے راستہ دے دیا اور خود چھٹ گئے۔ خوشگوار ٹھنڈی شام اونچی عمارتوں والے شہر پہ اترنے لگی۔ ایسے میں اشعر محمود کے شاہانہ قلعے میں اچانک منعقد کی جانے والی دعوت کے ہنگامے جاگنے لگے۔

سرخ رنگ جو چینیوں سے منسلک تھا' لان میں کیٹرنگ میں ہر جگہ نظر آرہا تھا۔ اندر قلعے کے کچن میں جھانکو تو چند باوردی ملازم کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اشتہا انگیز کھانوں کی مہک سارے میں پھیلی تھی اور ایک کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی ایڈم کی ماں ایپرن' ٹوپی اور دستانے پہنے طعام سے بھری ایک ڈش کو سجانے میں مصروف تھی۔

چند میل دور..... وان فاتح کی رہائش گاہ پہ بھی شام اترنے کو بے تاب نظر آتی تھی۔

اپنے کمرے کے ڈریسر مرر کے سامنے کھڑا فاتح اپنے عکس کو دیکھتا' ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ ایک نظر گھڑی پہ بھی ڈالی۔ دیر ہو رہی تھی۔

تب ہی دروازہ دھاڑ سے کھلا اور عصرہ آندھی طوفان کی طرح اندر آئی۔ فاتح نے ایک نظر عکس میں اسے اپنے عقب میں دیکھا۔ وہ زرد لباس' میک اپ اور جوڑے میں تیار نظر آتی تھی مگر چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"ایلش کا فون آیا تھا۔"

"وہ فکر نہ کرو ہم وقت پہ پہنچ جائیں گے۔ میں ابھی تو گھر آیا ہوں۔" ٹائی کو بل دے کر باہر نکالتے وہ سادگی سے بولا۔

"تم کس کی سائیڈ پہ ہو' فاتح؟" وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کے دائیں طرف آکے غرائی۔ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھے۔

"باریسن نیشنل کی۔" وہ آئینے کی طرف متوجہ رہا۔

"تو اگر میرے بھائی کا لحاظ نہیں کرنا تھا تو باریسن نیشنل کے رکن کا تو کرلینا تھا۔ تم نے کیسے صحافی سے کہہ دیا کہ وہ اشعر کے خلاف خبر لگائے؟" وہ درد سے دبا دبا چلائی۔

"میں نے کسی کو کوئی خبر لگانے کو نہیں کہا۔" اس نے گھڑی اٹھائی اور کلائی میں باندھنے لگا۔

"مگر تم نے اسے ذلیل کرنے کی کوشش کی' فاتح!" اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"ایک خبر کسی کو ذلیل نہیں کرسکتی عصرہ! میرے بارے میں ہر شام ایک سے زیادہ خبریں لگتی ہیں۔" گھڑی بند کرکے اس نے کف لنکس اٹھائے۔

"ایلش کے ambitions (عزائم) خاک میں مل سکتے تھے فاتح۔"

"اور میرے عزائم؟ میرے گولز؟" وہ کف لنک پہنتے ہوئے چہرہ موڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں کہہ چکی ہوں' تم چیئرمین کا الیکشن نہیں لڑو گے اور ہم نیلامی کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"اگر کہنے سے فیصلے ہو جاتے ہیں تو چلو میں بھی کہہ دیتا ہوں۔" دوسرا کف لنک آستین پہ نتھی کرتے ہوئے وہ نظریں عصرہ پہ جمائے بولا۔

"پچھلے چھ ماہ سے جو اشعر کے دوستوں نے اس کا دماغ خراب کرکے اسے میرے خلاف اٹھنے پہ مجبور کیا ہے نا' اور تب سے مجھے ہر طرف سے جو مالی خسارہ ہو رہا ہے' کبھی میرے شیئرز ڈوب جاتے ہیں' کبھی مجھے مقدموں میں پھنسا کے قلاش کیا جاتا ہے' کبھی مال میں میری ہی دکانوں کو آگ لگ جاتی ہے.... یہ مت سمجھو کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ کون کر رہا ہے۔ اگر میں اب تک خاموش تھا تو اس لیے کہ مجھے امید تھی اشعر پلٹ آئے گا' لیکن وہ مجھے اس مقام پہ لے آیا ہے کہ مجھے اس کو ایک پیغام دینا پڑا ہے۔ وہ یہ مت سمجھے کہ

میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو میں الیکشن کیمپئن نہیں چلا سکتا۔ میں کسی سے بھیک نہیں مانگوں گا مگر الیکشن بھی لڑوں گا۔ فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے اور تم ..... تم آج آخری دفعہ سن لو۔ تمہیں نیلامی کرنی ہے اپنی آرٹ کلیکشن کی تو شوق سے کرو' امریکہ جانا ہے' میرے بچوں کو بھی لے کر جانا ہے تو تم جاؤ۔ میں ملائیشیا کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ اب تمہیں کچھ اور کہنا ہے یا ہم پارٹی میں جا رہے ہیں؟" وہ جیسے چبا چبا کے..... تلخی سے بولا تھا۔

عصرہ محمود بالکل چپ ہو گئی۔ وان فاتح کو کبھی کبھار بہت شدید غصہ آتا تھا اور ایسے وقت میں عصرہ کو لگتا' وہ ہر ایک کو چھوڑ سکتا ہے۔ بے نیاز۔ سرد مہر۔

"مجھے تمہارا جواب چاہیے' عصرہ! تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے یا امریکہ جانا ہے؟" وہ اسی غراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ چبھتی ہوئی آنکھیں عصرہ پہ جمی تھیں۔

عصرہ نے خود کو سنبھالا۔ چہرے کی سرخی قدرتی طور پہ کم ہوتی گئی۔ "کیا تمہیں لگتا ہے' مجھے تمہارے خوابوں کا احساس نہیں ہے؟ میں....."

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے عصرہ!" اور سیاسی بیوی نے گہری سانس لی اور اس کی کہنی تھامی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ غصہ مت کرو۔ ہم نہیں جائیں گے امریکہ۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔" وہ ٹھنڈی پڑ گئی اور رسان سے اسے ٹھنڈا کرنے لگی۔ "مگر مجھے نیلامی کرنے دو۔ نیلامی کے پیسوں سے تمہارے فنڈز کا انتظام ہو جائے گا۔ میں نے تمہاری ہر سیاسی مہم میں حصہ لیا ہے ہمیشہ' اس دفعہ بس میں خوف زدہ ہوں فاتح' ورنہ میں....."

"مجھے تمہارے پیسوں کی نہیں' تمہارے سپورٹ کی ضرورت ہے۔" بیوی کو معلوم ہوتا ہے شوہر کو ٹھنڈا کیسے کرنا ہے اور اسے con کیسے کرنا ہے۔ فاتح ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کف لنک ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ عصرہ نے نرمی سے وہ اس سے لیا تو اس نے مزاحمت نہیں کی۔

"ایسا سوچنا بھی نہیں کہ میں کبھی تمہیں چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔" وہ کف لنک دل جمعی سے اس کے کف میں لگانے لگی۔ "اگر یہ تمہارے لیے اتنا ہی ضروری ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جیتے۔ بات ختم۔ ٹھیک؟"

فاتح بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے غور سے دیکھتا رہا' گویا یقین کرے یا نہ کرے' پھر اس نے یقین کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہلکا سا مسکرایا اور سر کو خم دیا۔ "تھینک یو۔ میں کار میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" پھر کوٹ کو کندھوں پہ برابر کیا اور سیل فون اٹھا کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ اسے عبور کر کے لاؤنج میں آیا تو ایک دم ٹھٹکا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

سامنے بڑے صوفے پہ ٹانگ جمائے سنہرے بالوں والی لڑکی بیٹھی تھی۔ سرخ چھوٹی آستین کے چینی طرز کی لمبی میکسی میں ملبوس' اس نے میک اپ کچھ ایسا کر رکھا تھا کہ شکل چینیوں کی طرح لگ رہی تھی۔ (ملے لوگوں کے نقش بھی چینیوں سے ملتے ہیں' مگر رنگت گندمی مائل یا سانولی ہوتی ہے۔ تالیہ البتہ کافی گوری گلابی سی تھی۔) فاتح کو دیکھ کے وہ سادگی سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر کو خم دیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ تم ادھر؟" وہ حیران ہوا اور اسے تھوڑا برا بھی لگا۔

"مسز عصرہ نے ایمرجنسی میں بلوایا تھا۔ وہ کسی پارٹی میں مجھے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔" وہ اس کی ناگواری دیکھ کے ذرا پھیکی پڑی' پھر جبراً" مسکرائی۔

"ہوں۔" وہ آگے بڑھ گیا تو وہ بے اختیار بول اٹھی۔

"کیا آپ بھی اس پارٹی میں جا رہے ہیں؟" فوراً" زبان دانتوں تلے دبائی۔ (کیا صبح والی بے عزتی کافی نہیں تھی تالیہ؟ مگر یہ دل کیا کیا کروا دیتا تھا۔)

"ظاہر ہے۔" وہ بے نیازی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

"سی یو۔ تو انکو! (پھر ملتے ہیں' میرے محترم!)"

لبوں سے بے اختیار پھسلا تھا۔ بنا کسی ارادے، کسی سازش، کسی سوچ، کسی مطلب کے۔۔۔ اس لفظ پہ فاتح ٹھہرا۔ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سامنے سے آتی عصرہ کی طرف بڑھ گئی تھی اور اب مسکرا کے اس سے مل رہی تھی۔ سنہرے بال چہرے کے ایک طرف ڈال رکھے تھے اور کانوں میں سرخ آویزے لٹک رہے تھے۔ عصرہ مسکراتے ہوئے اسے اشعر کی پارٹی کا بتا رہی تھی جس پہ اشعر نے اسے خاص الخاص مدعو کیا تھا۔ فاتح یوں ہی اسے دیکھے گیا۔

(توانکو۔۔۔) وہ لفظ اتنی محبت اور عقیدت لیے ہوئے تھا کہ اس کی بازگشت لمحے بھر کو سارے گھر میں پھیل سی گئی۔ (توانکو) (میرے آقا، مائی لارڈ) بس ایک لمحے کے لیے فاتح نے اسے ذہن میں دہرایا پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

(توانکو Tuanku ایک قابل احترام اصطلاح ہے۔ جو ملے اللہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور کسی محترم کے لیے بھی۔ جیسے میرے مالک، میرے آقا کہنا)

"ایڈم۔" باہر نکلتے ہی فاتح نے برے موڈ کے ساتھ ایڈم کو پکارا۔ "تم میری کار چلاؤ۔ ہم پہلے جائیں گے۔ بیگم صاحبہ اپنی مہمان کے ساتھ دوسری کار میں آئیں گی۔" اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اتنی بری کیوں لگتی تھی اسے؟

ایڈم نے جھٹ چابی تھام لی۔

راستے میں فاتح خفگی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ ہمیشہ سنبھلا ہوا اور پرسکون رہتا تھا، سوائے جب اسے بہت شدید کا غصہ آتا، لیکن یہ لڑکی۔۔۔ یہ ان دونوں میاں بیوی کی لڑائی کے وقت ان کے کمرے کے باہر بیٹھی تھی، یہ بات اسے بہت بے چین کر رہی تھی۔ شاید صرف یہی بات تھی یا شاید اس کو دیکھ کے آریانہ یاد آتی تھی۔ آریانہ کو وہ اچھی لگی تھی۔ اتنی کہ وہ کتنے ہی دن اس کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی۔ سنہرے بالوں والی ناشہ آگا پودا۔۔۔

"ایک سوال پوچھوں، سر؟" ایڈم کی آواز نے اسے سوچوں سے باہر کھینچ نکالا۔ فاتح نے گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"پوچھو۔"

"سر۔۔۔ کچھ دن اچھے گزرتے ہیں مگر کچھ دن ہمارے بہت برے گزرتے ہیں۔ دل خراب ہوتا ہے۔ وجہ کبھی پتا نہیں ہوتی کبھی ہوتی ہے۔ ایسے دنوں میں کیا کیا جائے؟"

"یہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ برے دنوں سے لڑنا سیکھو۔ اپنے دل سے پوچھو مسئلہ کیا ہے، غلطی کیا ہے، اور اس کا حل سوچ کے خود کو پرسکون کرنا سیکھو۔ جتنا زیادہ تم برے موڈ کے آگے ہتھیار ڈالو گے، اتنے ہر گزرتے دن کے ساتھ کمزور ہوتے جاؤ گے۔ جتنا اس سے لڑو گے، پرسکون رہو گے۔"

"سر، کبھی کبھی مسئلہ ہمارے کچھ عزیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جن سے ہمارا خونی رشتہ نہیں ہوتا، مگر ان کے بارے میں دل فکر مند رہتا ہے۔ اگر ان کو کچھ غلط کرتے دیکھیں تو ان کو روکنے کا دل چاہتا ہے، مگر ان کی ناراضی سے ڈر بھی لگتا ہے۔ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟"

"تمہارا مطلب ہے کسی کے ساتھ کوئی انہونا سچ بولتے ہوئے تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔" فاتح اب کھڑکی سے باہر بھاگتی عمارتیں دیکھ رہا تھا۔

"جی سر!" ایڈم نے موڑ کاٹتے شرمندگی سے آواز پست کی۔

"تمہیں معلوم ہے ایڈم۔۔۔ چودہ سو سال پہلے عرب میں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا تھا۔ غار حرا میں فرشتہ ان کے پاس حق لایا تھا۔ جب وہ گھر واپس آئے تو حضرت خدیجہ نے ان کی بات پہ من و عن اعتبار کیا۔ بات کتنی ہی انہونی کیوں نہ تھی، انہوں نے وہ کیا جو ایک اچھا دوست، ایک اچھا ساتھی کرتا ہے۔ اپنے پارٹنر کو کمفوٹ کیا۔ ہمت بندھائی۔ ان کو کہا کہ آپ کو اللہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مصائب میں گھرے لوگوں کا سہارا بنتے ہیں۔ مشکل

وقت میں اپنے ساتھی کو امید دکھائی' انؐ کی اچھائیاں ان کو یاد دلائیں۔ اور انؐ کی بات پہ یقین کیا۔ جانتے ہو کیوں؟"

"کیوں؟"

"کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے اچھے طریقے سے جانتی تھیں کہ ان کو معلوم تھا' یہ جو کہہ رہے ہیں' سچ کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام معاملات میں بھی سچ بولتے تھے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری ہر خاص بات کا اعتبار کریں تو تم عام معاملات میں بھی سچ بولا کرو۔"

"اور اگر اس کا وقت نہ ہو؟ اگر مجھے اپنے اس عزیز کو....." بیک ویو مرر میں فاتح کا چہرہ دیکھا جو بے نیاز سا باہر دیکھ رہا تھا۔ "ابھی آج ہی کسی شے سے آگاہ کرنا ہو.... تو میں کیا کروں؟"

"تمہیں سچ اور حق کا فرق معلوم ہے' ایڈم؟" وہ جواباً" سوال پوچھ رہا تھا۔ "سچ تو برہنہ تلوار ہے' جو سامنے آئے گا' کاٹ ڈالے گی۔ مگر حق وہ سچ ہوتا ہے جو درست طریقے سے درست وقت پہ درست جگہ بولا جائے۔" ذرا ٹھہر کے وہ باہر دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "تمہیں معلوم ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر وہ Blunt نہیں تھے۔ کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ لوگوں کے منہ پہ ان کے لباس' گھر اور جسمانی اعضا کے عیوب نہیں بیان کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ دس سال ان کے ساتھ رہے۔ وہ کہتے ہیں' آج تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں ٹوکا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ ہم لوگ ایسا نہیں کرتے۔ خود میں ایسا نہیں کرپاتا۔ بول دیتا ہوں۔ بعد میں سوچتا ہوں سامنے والے کا دل دکھا دیا۔ مگر بہرحال.... تم نے پوچھا ہے تو تمہیں درست بات بتاؤں گا.... سچ کی جگہ حق کہنا سیکھو۔ یعنی صحیح طریقے سے صحیح وقت پہ سچ بولنا سیکھو۔ اور یہ تم تب ہی سیکھ سکو گے جب تم خود سے سچے ہو گے۔"

"خود سے سچے کا مطلب' سر؟" وہ انہماک سے سنتا ڈرائیو کر رہا تھا۔

"کبھی اپنی کسی بری عادت سے جنگ کی ہے تم نے؟ بہت سے لوگوں میں بہت سی بری عادتیں ہوتی ہیں۔ ڈرگز' عورتیں' جوا.... یا کم سے کم انٹرنیٹ پہ غلط اشیاء دیکھنا۔ لوگ ان کے ساتھ خود سے جھوٹ بول کے لڑتے ہیں۔ "اب میں نہیں کروں گا" کہہ کر چند دن ان کو دبا لیتے ہیں' پھر وہی کام کر بیٹھتے ہیں۔ پھر گلٹ' توبہ' پھر وہی کام۔ یوں یہ ایک گھناؤنا سائیکل چلتا رہتا ہے۔"

"مگر بری عادتوں کو اسی طرح تو چھوڑا جاتا ہے' سر' خود سے عہد کر کے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔" وہ حیران ہوا۔

"ایڈم! بری عادت بیماری نہیں ہوتی۔ بیماری کی ایک علامت ہوتی ہے۔ جو ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو چکن پاکس نکل آئے تو وہ دانوں پہ کریم لگانے سے نہیں جاتی۔ دانے تو ایک علامت ہیں۔ اس کو دوا لینی پڑے گا جو جسم کے اندر جا کر اصل مسئلے کو ختم کرے گی۔ Cause (جڑ) کو ٹریٹ کرنا ہوتا ہے' علامتوں کو نہیں۔ مگر اس کے لیے خود سے سچ بولنا پڑتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"اپنے آپ سے پوچھنا ہوتا ہے کہ اگر میں یہ کرتا ہوں تو کیوں کرتا ہوں؟ کس چیز کی کمی اس چیز میں ڈھونڈ رہا ہوں؟ بری عادت بار بار واپس آئے گی جب تک تم خود سے سچے نہیں ہو گے۔ بیماری کی وجہ کا علاج نہیں کرو گے۔ جب تم اپنے آپ سے سچے ہو گے تو دوسروں کے بارے میں تمہاری رائے بھی سچی ہو گی کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ جو تم دیکھ رہے ہو' وہ سچ بھی ہے۔"

"یعنی ہمیں ایک دم سے مداخلت کرنے کے بجائے پہلے تصدیق کرنی چاہیے' پھر انصاف کی بنیاد پہ فیصلہ کر

کے درست طریقے سے بات پہنچانی چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ہم میں مداخلت کی عادت کچھ زیادہ ہی ہو۔" اس نے گویا اعتراف کیا۔

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ ہر بات کا جواب نہیں دیا کرتا تھا۔ وہ بس کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

وہاں سڑک کے پار دور اونچی آسمان کو چھوتی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ یکایک ان عمارتوں کی رنگت پیلاہٹ بھری ہو گئی۔۔۔ ارد گرد کا ماحول زرد ہو گیا۔۔۔ وان فاتح نے گردن موڑی تو کار کو ایک بوڑھا ڈرائیور چلا رہا تھا' اور فرنٹ سیٹ پہ قدرے نوجوان سا اشعر بیٹھا تھا۔ چھ سال پہلے کا ماحول۔۔۔

پیچھے فاتح کے بائیں ہاتھ ایک لمبے بالوں والی بچی بیٹھی تھی۔ وہ گردن سیدھی رکھے' سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ عمر کم تھی مگر ذہانت اور تمکنت ہر انداز سے جھلکتی تھی۔

"آبنگ' آپ کو گیارہ بجے فنڈ ریزر میں جانا ہے' مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ وہاں سے آدھے گھنٹے میں فارغ ہو جائیں کیونکہ پھر میں نے آپ سے ملاقات کے لیے چند انڈسٹریلسٹس کو وقت دے رکھا ہے۔" وہ اپنی ڈیجیٹل ڈائری دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ "اور اگلے الیکشن سے پہلے آپ کو بار بار ان سے ملنا پڑے گا۔"

"شیور!" سوٹ میں ملبوس' سیل فون دیکھتے فاتح نے ہلکے سے کندھے اچکائے تھے۔

"کاکا فنڈ ریزر پہ نہیں آسکیں گی' میں نے ان کو آپ کی ری الیکشن کمپین کے لیے مختلف ٹاسک دیا ہے' ان کو آج دو ایونٹ اٹینڈ کرنے ہیں۔ ٹھیک ہے نا' آبنگ۔" اشعر تائیدی انداز میں بیک مرر کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا' گویا اتنا رعب تھا کہ اگر وان فاتح انکار کر دے تو وہ فوراً" شیڈول بدل دے گا۔

"مجھے تم پہ بھروسا ہے' ایش۔ تم میرے چیف آف اسٹاف اسی لیے ہو۔"

اشعر مسکرایا' پھر بیک ویو مرر کو ہاتھ سے ترچھا کیا تو اس میں سنجیدہ' مگر بور سی ہوئی آریانہ بیٹھی دکھائی دی۔ "آریانہ۔۔۔ اتنی بری شکل کیوں بنا رکھی ہے؟

تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے ڈیڈ ہر گزرتے دن وزیر اعظم بننے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔"

آریانہ نے بھنویں بھینچ کے پہلے اسے دیکھا اور پھر چہرہ موڑ کے باپ کو۔

"کسی کو بتایا بھی ہے کہ کل کون سا دن ہے؟"

فاتح کی سیل فون پہ جمی نظریں چونک کے اٹھیں۔ چونکنے انداز میں آریانہ کو دیکھا۔

"تمہاری برتھ ڈے تو دسمبر میں آتی ہے نا۔" ذہن نے فوراً" جمع تفریق کی۔

"اور جولیانہ اور سکندر کی سالگرہ ابھی دور ہیں۔" ایش نے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے حیرت ظاہر کی۔

آریانہ ہنوز خفگی سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ "ڈیڈ۔۔۔ کل آپ کی برتھ ڈے ہے۔"

"اوہ!" جہاں فاتح کے ہونٹ سکڑے' وہیں اشعر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"آبنگ کا برتھ ڈے تو اپریل میں ہوتا ہے۔"

"نہیں' آریانہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بچپن سے پیپرز میں غلطی رہ گئی اور اس کو بدلوانا بڑا مسئلہ تھا جو سالگرہ سیاسی طور پہ میں مناتا ہوں وہ واقعی میری درست سالگرہ نہیں ہے۔" پھر مسکرا کے بیٹی کو دیکھا۔

"اور صرف آریانہ کو میری اصل سالگرہ یاد رہتی ہے۔"

آریانہ نے اسی سنجیدگی سے ہتھیلی پھیلا دی۔ "میرا گفٹ' ڈیڈ!"

فاتح کے ابرو بے اختیار اٹھے۔ "اصولاً" تمہیں مجھے گفٹ دینا چاہیے۔۔۔ نہیں؟"

"مگر میرا تو کوئی سورس آف انکم ہی نہیں ہے' ڈیڈ۔" معصومیت سے کہہ کر وہ آگے بڑھی اور فاتح کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ اسے اپنا بٹوہ نکالنے دیا۔ آریانہ نے اس میں سے کریڈٹ کارڈ نکال کے لہرایا۔

"میں آج اس سے اپنے اور آپ کے لیے گفٹ لوں گی اور آپ کو کل مجھے وہیں لے جانا ہو گا جہاں

گفٹ ہوگا۔" دھونس سے بولی۔

"اور کیا ہے تمہارا گفٹ؟" اس نے والٹ واپس جیب میں ڈالتے دلچسپی سے پوچھا۔

آریانہ پہلی دفعہ مسکرائی اور پراسرار انداز میں بولی۔ "تاشہ آگا پووا!"

"تاشہ آگا پووا؟" فاتح نے اچنبھے سے دہرایا۔ "یہ کون ہے؟"

"کون نہیں ڈیڈ... یہ پوچھیں کہ کیا ہے!"

کار کی رفتار سست ہوئی تو وہ چونکا۔ منظر بدلا۔ چھ سال گزر چکے تھے اور وہ ایڈم کے ساتھ کار میں تھا۔ اشعر کا گھر آچکا تھا جہاں پارٹی شروع ہو چکی تھی۔ سر جھٹک کے اس نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور چہرے پہ مخصوص مسکراہٹ طاری کرلی جس کے ساتھ اسے اب نیچے اتر کے مہمانوں سے ملنا تھا۔ سیاست دان کا مسکراتا ہوا چہرہ۔ بزنس فیس۔

✲ ✲ ✲

شام گہری ہو رہی تھی اور قلعہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ لان میں مختلف قسم کے لوگ سرخ' سفید یا سیاہ لباس میں خوش گپیوں میں مصروف ٹہل رہے تھے۔ موسیقی بج رہی تھی۔

"سو یہ پارٹی ہے کس کے اعزاز میں؟" روش پہ چلتی تالیہ' عصرہ سے سوال کرتے ہوئے خوش گوار انداز میں دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ چونکہ وہ عصرہ محمود کے ساتھ کار سے اتری تھی تو بہت سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

"معلوم نہیں۔ اب مجھے سیاسی دعوتوں کے مقاصد میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی۔" عصرہ شا نے ذرا اچکا کے بولی تو تالیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔ وہ بھرپور تیار اور کافی خوب صورت لگ رہی تھی' مگر ذرا اکتائی ہوئی۔ نظریں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

"ایک زمانے میں آپ سیاسی طور پہ بہت ایکٹیو تھیں۔ لوگ کہتے تھے وان فاتح کو اس کی بیوی کی سپورٹ نے وان فاتح بنایا ہے۔"

"تب آریانہ ہمارے پاس تھی۔" پھر اس نے گہری سانس لی اور ایک بے تاثر نگاہ تالیہ پہ ڈالی۔

"تم خود کو کمفو ٹیبل کرلو... میں ایلش سے مل لوں۔" اور تالیہ کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

تالیہ نے نظریں گھما کے اطراف میں دیکھا۔ سرخ لباس پہنے' کلچ اٹھائے' وہ کسی خالی دماغ والی امیر حسینہ جیسی لگ رہی تھی' مگر اس کی آنکھیں دائیں سے بائیں سارے لان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جیسے ہر پارٹی پہ "مارک" (جس آدمی سے کچھ چرانا ہو) کے گھر کو case کیا کرتی تھی۔ وہ عموماً" ان جگہوں پہ اسی نیت سے جایا کرتی تھی اور عادتاً" آج بھی وہی کر رہی تھی حالانکہ اسے کچھ نہیں چرانا تھا۔ سیکیورٹی کے کتنے افراد ہیں' کیمرے کہاں لگے ہیں' ہنگامی صورت حال میں بھاگنے کا پہلا راستہ کون سا ہوگا۔ وہ عقابی نظروں سے جائزہ لیتی آگے بڑھتی آئی۔

ایک جگہ سامنے فاتح کھڑا تھا۔ تین افراد کے گروہ میں' ہاتھ میں گلاس اٹھائے وہ مسکرا کے بے فکری سے کسی بات پہ تبصرہ کر رہا تھا۔ بولتے ہوئے چہرہ دوسرے آدمی کی طرف موڑا تو اس کے کندھے کے پیچھے تالیہ کھڑی دکھائی دی۔ فاتح نے اسے نظرانداز کر کے بات جاری رکھی۔ تالیہ بھی شاید وہاں سے ہٹ جاتی' مگر... وان فاتح پہ جمی نظروں کے سامنے ایک دم سفیدی چھانے لگی... اتنی چمکدار سفیدی کہ وہ ٹھہر گئی... ساری آوازیں بند ہو گئیں... ایک خواب سا منظر ابھرا...

لکڑی کی سلاخوں والا بڑا سا پنجرہ جسے چند لوگ اٹھا کے لے جا رہے ہیں... کسی جنگل میں درختوں کے درمیان... پنجرے کے دروازے پہ تالے پڑے ہیں اور اندر وہ اکڑوں بیٹھی ہے۔ سنہرے روکھے بال اور چہرے پہ مٹی۔ ٹھوڑی گھٹنے پہ رکھی ہے اور خاموش سپاٹ نگاہیں فاتح پہ جمی ہیں جو پنجرے کے دوسرے کونے میں بیٹھا ہے... اسی طرح اکڑوں' مگر چہرہ زخمی لگتا ہے...

"تاشہ... میرے ساتھ رہو۔" وہ اسے دیکھ کے

آہستہ سے کہتا ہے۔ "مجھے تمہاری ضرورت ہے اور تمہیں میری۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں' توانکو۔ (میرے آقا)۔" وہ بولی تو آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔۔۔ سفیدی مزید چھاتی گئی۔۔۔ اتنی کہ منظر غائب ہونے لگا۔

تالیہ نے چونک کے پلکیں جھپکیں تو پارٹی کا لان واپس دکھائی دینے لگا۔ فاتح کے ساتھ والے افراد بکھرے گئے تھے یا کیا۔۔۔ وہ "واپس" آئی تو دیکھا' وہ گلاس لیے اس کے سامنے کھڑا ہے اور غور سے اسے دیکھ رہا ہے۔ پارٹی کا شور پھر سے کانوں میں سنائی دینے لگا اور وہ مکمل طور پہ جاگ گئی۔ زبردستی مسکرائی اور سر کو خم دیا۔ "توانکو!"

"تم کیا دیکھ رہی تھیں؟" پوچھتے ہوئے فاتح نے گردن موڑ کے اپنے پیچھے دیکھا اور پھر دوبارہ اسے۔

"میں۔۔۔" وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ صبح والی توہین بھول گئی۔ اس کا سحر اتنا تھا کہ الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔ "یوں ہی۔۔۔ پارٹی کو دیکھ رہی تھی۔"

"اچھا؟۔۔۔" وہ آنکھیں سکیڑ کے سوچتی نظروں سے اسے گویا پرکھ رہا تھا۔ "مجھے لگا تم کچھ اور دیکھ رہی ہو۔۔۔ کچھ غیر ماورائی۔۔۔ جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔۔۔ جیسی کسی دوسری دنیا میں جھانکنا۔۔۔"

"کیا کوئی دوسری دنیا وجود رکھتی ہے 'توانکو؟" وہ اس کی آنکھوں پر سے نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "مجھے اس دنیا کی زیادہ فکر ہے۔ ہم نے اس کے لیے بہت کچھ کرنا ہے' دوسری دنیاؤں کی مخلوقات اپنی فکر خود کرلیں گی۔"

"آپ نے کبھی کسی سے درخواست کی ہے تو ان کو (Tuanku) کہ وہ آپ کے ساتھ رہے کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت ہے؟ کبھی ایسا موقع آیا؟"

وہ پھر سے مسکرایا اور کندھے اچکائے۔ "میرے کاز کو بہت سے لوگوں کی ضرورت ہوگی' مجھے۔۔۔" انگلی سینے پہ رکھی۔ "وان فاتح کو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی نہ وہ کسی سے ایسی درخواستیں کرتا ہے۔" نرمی سے کہہ کے وہ گلاس لیے آگے بڑھ گیا۔

سحر ٹوٹا۔ منتر سا ختم ہوا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور سر جھٹکا۔ کھانا لگایا جا رہا تھا۔ وہ اپنے نام کی میز ڈھونڈتی آگے بڑھ گئی۔

"تالیہ بنت مراد۔" جس گول میز پہ اس کے نام کا کارڈ لگا تھا' اس پہ اس کی نشست کے عین سامنے وان فاتح کا کارڈ تھا۔ فاتح البتہ ابھی میز پہ نہیں آیا تھا۔ تالیہ تلخی سے مسکرائی اور کرسی کھینچی' پھر ٹھہر گئی۔

کرسی کے قریب گھاس پہ لکیر کھنچی تھی۔ جوتے سے کھینچی گئی یہ لکیر کسی دوسرے کسی شخص کو نظر نہ آتی شاید۔۔۔ لیکن وہ تالیہ تھی۔ اس کا کام یہی تھا۔ لکیریں کھینچ کے خود کو یاد دلانا کہ کس جگہ کھڑا ہونا ہے۔ ایسا پوائنٹ جہاں سے کوئی خاص شے دکھائی دیتی ہو۔ چونک کے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

لکیر والی جگہ پہ ابھی کوئی نہیں کھڑا تھا' مگر یقیناً "کسی نے وہ جگہ مختص کر رکھی تھی۔ وہ آہستہ سے اس جگہ پہ کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے گھومنے لگی۔ یہاں سے کیا نظر آتا تھا؟ میز کی طرف گھومی تو سامنے وان فاتح کے نام کی خالی کرسی تھی۔ کون تھا جو فاتح کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا تھا؟ وہ خاموشی سے اپنی جگہ آبیٹھی۔ دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

ان سے فاصلے پہ بفے ٹیبل کے قریب اشعر کھڑا تھا۔ سفید کوٹ میں ملبوس' گلاس اٹھائے' وہ ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا' شاندار لگ رہا تھا۔ عصرہ کے جلے بھنے انداز پہ بھی اس کی مسکراہٹ نہیں جا رہی تھی۔

"میں کسی سوشلائٹ کو اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ اسے اپنے ساتھ پارٹی پہ لے آؤں۔ ویسے بھی فاتح کو اس لڑکی کا ہمارے گھر آنا جانا پسند نہیں ہے۔ اب مجھے بتاؤ میں اسے کیوں ساتھ لائی ہوں؟" "ہمیں تو اس سے صرف نیلامی کی حد تک مطلب تھا۔" عصرہ بہت برے موڈ میں تھی۔

"کاکا!" اس نے مسکرا کے بہن کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے دبایا۔ "آپ کے شوہر نے جو بکھیڑا پھیلایا ہے' اس کو صاف کرنے کے لیے مجھے اس کی ضرورت تھی۔"

عصرہ کی پیشانی کے بل ڈھیلے پڑے۔ آنکھوں کی خفگی، خفت میں بدلی۔ "مجھے بہت افسوس ہے اس کے لیے۔"

"صرف افسوس کافی نہیں ہے کاکا۔ آپ کو ثابت کرنا ہو گا کہ آپ مجھے پردھان منتری دیکھنا چاہتی ہیں یا آبنگ کو۔" وہ مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں بولا تو عصرہ نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"صرف تمہیں ایش۔ میں فاتح کو اس جنون کے ہاتھوں مزید تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ وہ غصے میں تھا اور مجھے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے یہ کہنا پڑا کہ ہم امریکا نہیں جا رہے۔ وہ تو مجھے چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔"

"وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔"

"وان فاتح صرف وان فاتح سے محبت کرتا ہے، ایش!" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔ اس نے اپنے محبوب وان فاتح کو طاقت کی کرسی پہ بٹھانا ہے۔ بس۔"

"اور اس کام سے انہیں روکنے کے لیے آپ کا امریکا جانا ضروری نہیں ہے، صرف ان کا اس دوڑ سے نکلنا ضروری ہے۔" اس کے قریب جھکے وہ سرگوشی میں بولا۔ "اور یہ کام صرف آپ کر سکتی ہیں۔"

"وہ کیسے؟" وہ چونکی۔

"آبنگ کے پاس فنڈز نہیں ہیں۔ وہ نہ قرض لیں گے، نہ عطیہ۔ پہلے وہ مجھ پہ انحصار کیے ہوئے تھے، مگر حال ہی میں جو آگ لگی تھی، ظاہر ہے وہ ایکسیڈنٹ تھا، اس کے بعد ان کے پاس پیسوں کی شدید کمی ہو چکی ہے۔ ایسے میں وہ ملاکہ والا گھر بیچنے کا سوچ رہے ہیں۔"

"واٹ؟" عصرہ کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "سن باؤ کا گھر؟ تین خزانوں والا گھر؟ یہ تم سے کس نے کہا؟"

"جس نے بھی کہا۔ غلط نہیں کہا۔"

"وہ اس کے پاپا کی وراثت ہے۔ وہ اس کو عزیز ہے۔ میں اسے وہ نہیں بیچنے دوں گی، ایش۔" عصرہ کی آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

اشعر نے گہری سانس لی۔ ایک نظر اطراف کا جائزہ لیا۔ لوگ اب اٹھ اٹھ کے بوفے کارنر کی طرف آ رہے تھے۔ وہ عصرہ کے کان کے قریب جھکا۔ "اگر آپ آبنگ کو اس جنون سے بچانا چاہتی ہیں، اگر اپنے بچوں کو آریانہ کی طرح کھونا نہیں چاہتیں، تو آپ کو میرے لیے... اپنے لیے... ایک چوری کرنی ہو گی۔"

"ہاں تم نے فون پہ یہ کہا تھا کہ مجھے آج فاتح کے لاکر سے کچھ چرانا ہو گا۔ اب بتاؤ، کیا چیز؟ کیونکہ میں تیار ہوں۔" وہ گردن اکڑا کے عزم سے بولی تو وہ اس کی آنکھوں میں تپش دیکھ سکتا تھا۔

تالیہ کھانا ڈالنے کی بجائے لان کے ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی اور کلچ کھولا۔ اس میں ایک موٹے ہیرے والی انگوٹھی پڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے یہ عصرہ کی انگلی میں تھی اور عصرہ ابھی تک ناواقف تھی کہ یہ تالیہ اتار چکی ہے۔ وہ ہلکا سا مسکرائی اور موبائل نکال کے نمبر ملایا۔

داتن نے پہلی گھنٹی پہ اٹھا لیا تھا۔

"تم غلط ہو لیانہ صابری اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ بھلے تم نے میرے لیے ہی کیا، جو کیا، مگر میں تمہیں اس لیے فون نہیں کر رہی کہ..." داتن کا ہیلو سنتے ہی وہ (مصنوعی) خفگی سے تیز تیز بولتی گئی۔

"بسکٹوں میں میٹھا زیادہ تو نہیں تھا؟" وہاں سے بے نیازی سے پوچھا گیا۔

"پتا نہیں۔ میں نے کون سا چکھے تھے۔"

"تو آدھا ڈبہ خالی کیوں ہے؟" تالیہ نے بے اختیار فون کو گھورا۔ (موٹی پھر سے میرے گھر میں بیٹھی ہے؟ ہونہہ۔)

"مجھے کیا پتا۔ تم نے دیا ہی آدھا ہو گا۔" کلس کے بولی۔

"اچھا... مجھے معاف کر دو۔ میں نے غلط کیا، مگر تمہارے لیے ہی کیا۔ اب بھی نہیں چاہتی کہ تم اس ملعون چابی کا پیچھا کرو، لیکن اگر تم کرنا ہی چاہتی ہو تو یاد

رکھو، تمہیں ایڈم سے چھٹکارا پانا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "کسی کا کچھ چرا کے اس کے کوٹ میں ڈال دو۔ جب اس کے پاس سے برآمد ہو گا تو اس کا اعتبار اور نوکری ختم ہو جائے گی اور وہ تمہارا راز نہیں کھول سکے گا۔"

"ہاں... عصرہ کی انگوٹھی کا انتظام کر لیا ہے میں نے۔ ایڈم کی نوکری ختم کروانی پڑے گی آج۔" وہ دبی سرگوشی میں بولی۔ نظریں اس میز پہ جمی تھیں جہاں اب فاتح اور عصرہ آ کے بیٹھ چکے تھے اور اس لکیر والی جگہ پہ... فاتح کا سیکریٹری عثمان ہاتھ باندھے آ کھڑا ہوا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے فاتح کے عین سامنے۔

"داتن... ایک بات بتاؤ... اور ہاں، تمہیں معاف نہیں کیا میں نے ابھی... اچھا بتاؤ... ہم نے جب اس سنگاپوری میئر کو اسکام کیا تھا، تو ایک سیاسی ٹرم ہم نے سنی تھی... ٹریکر... ذرا مجھے یاد دلاؤ... کیا ہوتا ہے ٹریکر؟" وہ آنکھیں عثمان سے ہٹائے بغیر بولی۔

عثمان کی شرٹ کا دوسرا بٹن قدرے مختلف سا تھا۔ اتنے فاصلے سے بھی صرف ایک نظر دیکھ کے ہی تالیہ بتا سکتی تھی وہ بٹن کیمرہ کس کوالٹی کا تھا۔

"ٹریکر؟ ٹریکر بنیادی طور پہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو موبائل کیمرے یا بٹن کیمرے یا پین کیمرے وغیرہ آن کر کے کسی سیاست دان کے پاس نجی محفلوں میں جا بیٹھتے ہیں اور سیاست دان ٹھہرے سدا کے شوباز قسم کے لوگ... ان کو بولنے کا شوق ہوتا ہے... موضوع کو خاص سمت موڑو اور سیاست دان کو کسی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنے پہ مجبور کر دو۔ جیسے بچے اپنے دوستوں میں بری زبان استعمال کر لیتے ہیں، مگر کبھی نہیں چاہتے کہ والدین کو پتا چلے۔ سو سیاست دان اپنے دوستوں میں وہ کمنٹ بھی پاس کر دیتا ہے جو وہ عوام یا میڈیا کے سامنے نہیں کرتا۔ اس کی ویڈیو میں سے ایک آدھ فقرے کی چھانٹی کرو اور یوٹیوب پہ لگا دو۔ کسی بھی سیاست دان کے کیریئر کو ایسی ٹریکر ویڈیوز سے اچھا خاصا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"تو سیاست دانوں کو بھی سوچ سمجھ کے بولنا چاہیے۔"

"ہر انسان غلطی کرتا ہے تالیہ، مگر ہماری غلطیاں پرائیویٹ ہوتی ہیں اور سیاست دانوں کی غلطیاں پبلک، مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"فاتح کا سیکریٹری شاید فاتح کے لیے نہیں، اشعر کے لیے کام کرتا ہے۔ وہ اس وقت خود ٹریکر بنا ہوا ہے۔ گھائل غزال کے پیچھے بھی اشعر تھا، اس کے پیچھے بھی ہو گا۔" وہ دلچسپی سے دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ تو یہ تھا پارٹی کا مقصد۔ انٹرسٹنگ۔

"تالیہ... یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے۔ اس کی فکر چھوڑ دو۔ تم ایڈم کا بندوبست کرو۔"

"زیادہ حکم نہ چلاؤ۔ میں ابھی تک ناراض ہوں تم سے۔"

"میں تو بس میری بچی یہی بتانا چاہتی تھی کہ بسکٹ میں، میں نے ڈائٹ شوگر کی جگہ اصلی شوگر ڈالی ہے۔"

"کیا؟" تالیہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔ "یا اللہ، داتن! تمہیں اندازہ ہے میں نے کتنے کھا لیے؟ اف اتنی کیلوریز۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم نے چکھے تک نہیں۔"

اب مگر تالیہ غصے سے بول رہی تھی۔ "میں، لیانہ صابری، تمہیں اپنی حرام اور حلال دونوں کی کمائی سے عاق کرتی ہوں۔ بات مت کرنا اب مجھ سے۔" غصے سے فون رکھا تھا۔ اف... آج ان کیلوریز کو جلانے کے لیے زائد محنت کرنا پڑے گی۔ اف اف۔

میز پہ تمام افراد بیٹھ چکے تھے اور کھانا کھایا جا رہا تھا۔ خوش گپیاں جاری تھیں۔ تالیہ کھانا لے کر آئی تو سب کسی بات پہ ہنس رہے تھے جو "یقیناً" فاتح نے کہی تھی۔ (اور یقیناً" اسے عثمان کے کیمرے نے محفوظ کر لیا تھا۔) اشعر نے سب کو سیلفی کے لیے متوجہ کیا۔ وہ بھی پلاسٹک کی گڑیا کے انداز میں مسکراتی رہی اور اشعر نے سیلفی اتاری۔ سب واپس باتوں میں مصروف ہو گئے تو اشعر مسکرا کے آبنگ کی طرف جھکا۔

"ابھی ابھی اسی صحافی لڑکی نے وہ ساری خبر ٹوئیٹ کردی ہے۔ پوری کیس رپورٹ بنائی ہے۔ میرے کسی پرانے دوست تک کا انٹرویو شامل کرلیا ہے۔"

فاتح نے گہری سانس لی۔ "برا ہوا۔"

"اوہ آبنگ... جیسے مجھے اندازہ ہی نہیں کہ وہ نوکری جانے کے بعد سب سے پہلے آپ کے پاس گئی ہوگی' مگر آپ نے اس کو ایسا جواب دیا ہوگا کہ اس نے غصے میں آکر خبر بریک کردی۔ رپورٹرز کو لگتا ہے وہ سیاست دانوں کو پھنساتے ہیں اور جواب اگلواتے ہیں' مگر سیاست دانوں کو رپورٹرز کو پھنسانا زیادہ اچھا آتا ہے۔" اس کے قریب جھکے بظاہر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

فاتح نے چاولوں سے بھرا چمچ منہ میں رکھتے ہوئے سر ہلایا۔ "جیسا کہ میں نے کہا... برا ہوا۔" پھر منہ میں ذائقہ گھلا تو خوش گوار حیرت سے اشعر کو دیکھا۔ "کھانا بہت اچھا ہے۔"

"جی... ملواتا ہوں آپ کو شیف سے۔" اشعر نے ایک دم چٹکی سے رملی کو اشارہ کیا جو فوراً" سر ہلا کے آگے بڑھ گیا۔

عصرہ نے دبی دبی سی مداخلت کی۔ "شیف کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" مگر اشعر نے ان سنا کردیا۔

فاتح اب شوق سے کھا رہا تھا۔

تالیہ کھا کم رہی تھی' ان سب کے تاثرات زیادہ پڑھ رہی تھی۔ غور سے' خاموشی سے۔ پھر پل بھر کو گفتگو میں وقفہ آیا تو وہ کھنکھاری۔

"فاتح صاحب... مجھے سیاست کی اتنی سمجھ تو نہیں جتنی اس میز پہ بیٹھے دوسرے لوگوں کو ہوگی..." بلند آواز اور مضبوط لہجے میں بات کا آغاز کیا تو تمام افراد کھانا جاری رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔ "مگر کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کی پہچان نہیں ہے؟ کیا آپ کو تھوڑا سا زیادہ شاطر نہیں ہونا چاہیے تھا تاکہ آپ غلط لوگوں پہ بھروسا کرکے دھوکا نہ کھائیں؟"

"تمہارے خیال میں انسانوں کی پہچان رکھنا اور شاطر ہونا بہت ضروری ہے' تاشہ؟" وہ ہاتھ روک کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھنے لگا۔ "تالیہ!" اشعر نے تصحیح کی' مگر کسی نے نہیں سنا۔

"سیاست دان کے لیے تو بہت ضروری ہے' سرد گرم چشیدہ' گھاگ اور شاطر ہونا۔"

فاتح مدھم سا مسکرایا۔ "سیاست دان کے لیے؟ ہاں۔ مگر لیڈر کے لیے... وژنری کے لیے... جانتی ہو کیا ضروری ہے؟" نظریں تالیہ کی آنکھوں پہ تھیں۔

"ایک مقدس کاز کا ہونا۔ نظریے اور اصولوں کا ہونا... مجھے انسانوں کی پہچان یا شاطر پن کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس ایک کاز ہے کہ مجھے اپنے ملک کو صوفیہ رحمٰن جیسے چوروں سے پاک کرنا ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں گھاگ نہیں ہوں اور لوگ مجھے دھوکا دے کر چھوڑ جاتے ہیں' مگر میں اس چیز کو ایسے نہیں دیکھتا۔"

"آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں؟" صبح والی توہین بھلائے وہ بے خودی اسے دیکھے گئی۔

"میں جس آنکھ سے دنیا کو دیکھتا ہوں تاشہ' وہ کہتی ہے کہ جو لوگ میرے کاز کے ساتھ مخلص ہوں گے' وہ آخر تک میرے ساتھ رہیں گے اور جو دھوکے باز' غیر مخلص' بددیانت لوگ ہیں' وہ خود ہی ساتھ چھوڑتے جائیں گے۔ جیسے چھلنی سے کنکر چھن جاتے ہیں۔"

وہ لمحے بھر کو بالکل لاجواب ہوگئی' مگر پھر... کھنکھاری۔ "مگر تب تک وہ لوگ آپ کو کتنا نقصان پہنچا چکے ہوں گے' یہ سوچا کبھی آپ نے؟"

"وہ مجھے اس لیے نہیں چھوڑ جاتے کیونکہ میں سادہ ہوں اور وہ مجھے دھوکا دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ نہیں۔" وہ لقمہ چبانے کو رکا' پھر اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "لوگ میرے ساتھ اپنے مفاد کے لیے اپنی مرضی سے آتے ہیں۔ کسی کا مفاد خود غرض ہوتا ہے' کسی کا بے غرض۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ مجھے اور میرے نظریے کو نہیں بدل سکتے' تو وہ چھوڑ جاتے ہیں۔ لیڈر بننے کے لیے شاطر ہونا ضروری نہیں ہوتا... نہ جھکنے والا کردار ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"اشعر صاحب۔" رملی کی آواز نے گفتگو میں مداخلت کی تو سب اس طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ایڈم اور

ایک ادھیڑ عمر اسکارف والی عورت کے ساتھ نظر آرہا تھا۔ عورت پرسکون اور سادہ لگتی تھی البتہ ایڈم خفت زدہ نظر آرہا تھا۔ (ماں کو ان لوگوں سے ملوانے کی کیا ضرورت تھی؟ خواہ مخواہ کی شرمندگی۔)

مگر تالیہ دیکھ سکتی تھی کہ رملی نے ایڈم کو وہیں کھڑا کیا جہاں کچھ دیر پہلے عثمان کھڑا تھا۔ (کل کو وان فاتح کی کوئی ٹریکر ویڈیو ریلیز ہوئی تو تصویروں میں اس اینگل پہ کون کھڑا نظر آئے گا؟ ایڈم! یعنی الزام ایڈم پہ لگایا جائے گا۔ واہ۔) نخی سے سر جھٹکا۔

"اچھا۔!! یہ کھانا ایڈم کی والدہ نے بنایا ہے؟" عصرہ نے حیرت سے اشعر کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرایا اور ایڈم کی ماں کو دیکھا۔

"میں آپ لوگوں سے مسز محمد کا تعارف کروانا چاہتا تھا کیونکہ ان کو نوکری کی ضرورت ہے اور ان کا کھانا آپ چکھ ہی چکے ہیں۔ میری سفارش بھی ساتھ ہوگی۔"

فاتح ابھی تک چاول کھا رہا تھا۔ قدرے بے نیاز سا۔ بس مسکرا کے ایک دفعہ دیکھا' پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دوسرے افراد نے سرہا کے توصیفی کلمات کہے۔ عصرہ نے بھی بظاہر خوش دلی سے تعریف کی۔ تالیہ البتہ دلچسپی سے آدھی گھوم کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں اپنے دوستوں میں پتا کروں گی۔ کسی کو ضرورت ہوئی تو پہلا نام آپ کا تجویز کروں گی مسز محمد۔ کھانا واقعی بہت اچھا ہے۔" ایک نظر قدرے خفیف سے کھڑے ایڈم کو بھی دیکھا۔

"آپ کا شکریہ' میڈم!" عورت سادگی سے ممنون ہوتی نظر آئی۔

"ایڈم کے بھی بس دو دن رہ گئے نوکری کے۔ آگے کیا ارادہ ہے تمہارا ایڈم؟" اشعر نے نرمی سے پوچھا۔ وہ ایڈم کے وہاں کھڑے ہونے کے دورانیے کو بڑھانا چاہتا تھا' سو بات کو طول دے رہا تھا۔

"سر۔۔۔ میں نوکری ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"اور اگر نوکری نہ ملی تو؟"

"میرے والد اسٹور پہ کام کرتے ہیں' وہاں بیٹھ جاؤں گا پھر۔" وہ نظریں جھکا کے متانت سے بولا۔

"اسٹور میں بیٹھنے سے تو تمہارے مستقبل کے روشن ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔" اشعر ٹیک لگائے' افسوس سے بولا تو اسکارف والی عورت بول اٹھی۔

"ایڈم کا مستقبل بہت روشن ہے' اشعر صاحب۔"

"اور یہ آپ کو کیسے پتا؟" تالیہ نے دلچسپی سے گفتگو میں مداخلت کی۔

"ایڈم کے ساتھ اس کے تایا کی دعائیں ہیں۔"

ابھی وہ اتنا بول پائی تھی کہ ایڈم نے ہڑبڑا کے اسے دیکھا۔ (نہیں ماں۔۔۔ اللہ کا واسطہ' ان لوگوں کے سامنے نہیں۔) گھبرا کے آنکھوں میں منت کی مگر ماں سب کو متوجہ دیکھ کے بات جاری رکھے ہوئے تھی۔

"ایڈم کے تایا اس کے لیے بہت دعا کرتے تھے۔ ان کو سچے خواب بھی آتے تھے۔ انہوں نے۔۔۔" مگر ایڈم کی آنکھوں کی منت دیکھ کر وہ چپ ہو گئی۔

"کوئی خواب دیکھا تھا انہوں نے ایڈم کے بارے میں؟" تالیہ نے چونک کے بات پکڑی۔ ایبو کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

"جی میڈم۔ جب یہ بہت چھوٹا سا تھا تو انہوں نے اس کے بارے میں کوئی اچھا خواب دیکھا تھا۔ بتایا نہیں کبھی۔ بس ہر وقت دعا کرتے تھے کہ (یہاں پہ ایڈم نے مارے شرمندگی کے آنکھیں بند کر دیں) ایک دن آئے گا جب ایڈم محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفون خزانوں کے راز بتا دے گا اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہو گا۔"

اس میز پہ چند ممبرز پارلیمنٹ اور سینیٹرز اپنی بیویوں کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ عثمان' رملی جیسے مضبوط نوکریوں والے لوگ بھی پیچھے کھڑے تھے جن کی عام لوگ' سیاست دانوں سے ایک ملاقات کے لیے منتیں کرتے تھے۔ ایسے طاقت ور لوگوں کی میز پہ پہلے تو

خاموشی چھا گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ فاتح بھی ہنسا تھا اور ایڈم شرم سے زمین میں گڑ گیا۔ سب نے اس بات کو انجوائے کیا تھا۔

"آمین۔" قہقہہ تھما تو تالیہ کی آواز گونجی۔

میز پہ یک دم خاموشی ہوئی۔ تمام گردنیں اس کی طرف مڑیں اور وہ ایڈم کی ابیو کو دیکھ رہی تھی۔ صرف وہ نہیں ہنسی تھی۔

"ثم آمین!" وہ حوصلہ افزا انداز میں مسکرا کے ابیو سے کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے بے یقینی سے نظر اٹھائی۔ اسے لگا تالیہ نے طنز کیا ہے، مگر اس کا چہرہ کسی بھی کھوٹ سے پاک لگ رہا تھا۔

"آپ میرے معزز دوستوں کے قہقہے کا برا نہ منایئے گا، مگر یہ ایسا ناممکن بھی نہیں ہے مسز محمد۔ اس دنیا میں اگر لوگوں کو سچے خواب آسکتے ہیں تو وہ سچ بھی ہوسکتے ہیں۔ اب اشعر صاحب کے دادا کو ہی لے لیجیے۔" ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "وہ چائے کی پتی کا کام کرتے تھے۔ آٹھ ضرب دس کی چھوٹی سی دکان تھی اور اب ان کا گھر دیکھیں۔ (اشعر اور عصرہ دونوں کے ماتھے پہ ایک جیسے بل پڑے)۔

سینیٹر ذکری کو لے لیں۔ ان کے والد بجلی کے محکمے میں میٹر ریڈر تھے اور یہ ممبر پارلیمنٹ لائی کھنوی صاحب بیٹھے ہیں جن کا قہقہہ سب سے اونچا تھا۔ یہ جوانی کے دنوں میں اخبار بیچا کرتے تھے۔ وہ بھی سائیکل پہ۔ خود اپنے انٹرویوز میں بتاتے ہیں اور اب یہ ان ہی اخباروں کی سرخیوں میں آتے ہیں اور وان فاتح کو ہی لے لیں....." نظریں گھما کے فاتح کو دیکھا جو دوسروں کی طرح بھنویں اکٹھی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ "ان کے والد....."

"وکیل تھے، معزز تھے، خوش حال تھے اور عزت دار زندگی گزارتے تھے۔" فاتح نے برہمی سے فقرہ مکمل کیا، مگر تالیہ نے بات جاری رکھی۔

"ان کے والد وکیل تھے، معزز اور خوش حال تھے، مگر کافی شاطر اور گھاگ بھی تھے۔ لوگوں کو خوش رکھتے تھے، مگر فاتح صاحب ایسے نہیں ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے کردار اور قد کا تعین اس کے باپ کی وراثت نہیں اس کی اپنی قسمت اور محنت کرتی ہے۔" وہ اٹھی اور کرسی پیچھے کی۔ سب اس کو ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔ پہلو بدل رہے تھے، مگر کسی نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔

"میں چلتی ہوں۔ دعوت کا شکریہ اشعر صاحب۔" پھر ٹھہری اور عصرہ کو مخاطب کیا۔ "آپ کی کرسی کے ساتھ ایک انگوٹھی پڑی ہے۔ کیا آپ کی ہے؟"

عصرہ جو خفا لگ رہی تھی، چونکی۔ گردن گھمائی۔ گھاس پہ انگوٹھی سامنے ہی دمک رہی تھی۔ سر جھٹک کے اسے اٹھایا اور بادل نخواستہ بولی۔ "تھینک یو تالیہ۔"

تالیہ نے بھی ایک مصنوعی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ ان سارے مصنوعی، اونچے، طاقت ور لوگوں میں ایک وہی قدرتی سی لگی تھی۔ ایک دم اس کی ڈھال بن کے آگئی اور جیسے اس کو کسی کموڈو ڈریگن سے بچالے گئی ہو۔

اب وہ چلتی ہوئی لان میں آگے جارہی تھی۔ میز پہ اشعر نے مسکرا کے کوئی اور بات چھیڑ دی، مگر ایڈم ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ راستے میں وہ عثمان سے ٹکرائی، مگر سنبھل گئی۔ عثمان نے معذرت کی تو وہ اٹس اوکے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ تب ایڈم کو یاد آیا کہ اس کی کار تو فاتح کے گھر کھڑی تھی۔ وہ گھر کیسے جائے گی؟ وہ اجازت لے کر اس کی طرف بھاگتا آیا۔

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ سڑک کنارے۔ سرخ لباس میں کلچ اٹھائے۔ خاموش، گم صم۔ ایک دم گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا تو انگلی سے اشارہ کیا یعنی ادھر آؤ۔ کوئی رعب ساتھا اس میں جو وہ دوڑا چلا آیا۔

"جی، جی تالیہ۔" اس کے دھوکے، جھوٹ سب بھول گیا۔ یاد رہا تو صرف یہ کہ وہ ڈھال بنی تھی۔

"میں نے کیب منگوائی ہے۔ میری کار وان فاتح کے گھر کھڑی ہے۔ میں عصرہ بیگم کے ساتھ آئی تھی۔ میری کار میرے گھر پہنچا دینا۔" چابی اس کی طرف بڑھا

کے تحکم سے بولی۔

تب ہی ایک لگژری کیب سامنے آرکی۔ باوردی ڈرائیور نے باہر نکل کے دروازہ کھولا تو ایڈم نے جلدی سے چابی تھام لی اور تالیہ کار میں سوار ہوگئی۔ اس کے انداز میں سب شاہانہ تھا مگر ایڈم کو آج لگا کہ اگر وہ ذرا سا کھرچے تو اندر سے ایک عام مڈل کلاس لڑکی نکلے گی۔

وہ اسی طرح اسے یک ٹک دیکھے گیا.... یہاں تک کہ کار دور نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

لگژری کیب کوالالمپور کی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ تالیہ پچھلی سیٹ پہ خاموش بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی جہاں سیاہ رات میں اونچی روشن عمارتوں والا شہر دور تک پھیلا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور پرس کھول کے سنہری زنجیر نکالی جس کے آگے ڈلی سی جڑی تھی۔ عصرہ کا بریسلیٹ جواب اس کا لاکٹ تھا۔ کوئی عجیب اسرار سا تھا اس میں۔ جیسے اس کی یادوں کا پنجرہ ہو۔ جیسے اس کے ماضی کا مقبرہ ہو۔

تالیہ نے اسے گردن میں ڈالا اور کنڈا بند کیا۔ لمحے بھر کی دیر تھی کہ.... زنجیر نے اس کی گردن کو حصار میں لیا اور....

کوالالمپور کی سیاہ روشن رات ارد گرد سے غائب ہوتی گئی....

گیارہ سالہ تالیہ درختوں کے درمیان ایک ڈوبتی شام میں پہنچ گئی.... وہ خود کو نہیں دیکھ سکتی تھی.... بس اپنے کندھوں پہ آگے کو گرے لمبے بال اور مٹیالا لباس دکھائی دیتا تھا.... منظر اس کی آنکھ سے دیکھا جارہا تھا۔

اس نے خود کو پتوں سے ڈھکی زمین پہ بیٹھے پایا.... چوکڑی مار کے.... ہاتھوں میں ٹوٹا ناریل تھا جس میں پانی بھرا تھا۔ وہ اسے منہ کے قریب لے گئی اور اوپر اٹھا کے منہ میں انڈیلا.... ٹھنڈا میٹھا پانی....

"تالیہ!" پکار پہ وہ جو ناریل کے پیالے سے پانی پی رہی تھی، رکی اور گردن موڑی۔ وہی دبلا پتلا آدمی چلا آرہا تھا۔ لکڑیوں کا گٹھا کندھے پہ اٹھائے، وہ پسینے میں بھیگا تھا۔ "چلو۔ گھر چلیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک جالی دار تھیلا اٹھالیا جس میں ناریل ہی ناریل بھرے تھے۔

"بابا۔" دونوں درختوں کے درمیان سے گزرتے پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے جب اس نے پکارا۔

مراد نے قدم اٹھاتے ہوئے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ "کیا؟"

"تمہاری چابی تیار ہوجائے گی تو ہم خزانے کے مالک بن جائیں گے کیا؟"

"میں نے کہا تھا نا' میں یہ ذکر نہیں سننا چاہتا۔" مراد کے ابرو بھنچ گئے۔

"مگر گاؤں کے لوگ...."

"کوئی اور بات کرو تالیہ۔" اس نے خفگی سے گھرکا تو وہ چپ ہوگئی۔ تھیلا کندھے پہ لادے چلتی گئی۔ سر خفگی سے خوب جھکالیا۔

"کیا تم کل شکار پہ چلوگی میرے ساتھ؟" کچھ دیر بعد اس نے نرمی سے پکارا۔

"نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے قدم اٹھاتی رہی۔

اونچے درختوں کے درمیان گیلی زمین پہ وہ چلتے جارہے تھے۔ جیسے کوئی جنگل ہو۔ درختوں کے اوپر آسمان پہ سورج ڈوبتا دکھائی دیتا تھا۔ اندھیرا پھیلنے کو تھا۔

"ادھر سے مڑجاؤ۔" وہ اپنی دھن میں آگے چلتی جارہی تھی۔ مراد نے شانے سے پکڑ کے موڑا تو وہ چونکی۔

"ہم نے اس طرف نہیں جانا؟"

"نہیں بے وقوف ہم دوسری طرف سے آئے تھے۔"

"جنگل میں سارے راستے ایک سے ہیں بابا۔ تمہیں راستہ کیسے مل جاتا ہے؟" وہ ناراضی بھول کے پوچھنے لگی۔

"کیونکہ میں زمین کو نہیں دیکھتا۔ آسمان کو دیکھتا ہوں۔ راستہ اوپر دیکھنے والوں کو ہی آسانی سے ملتا ہے۔ وہ دیکھو۔" اس نے درختوں سے دور اوپر انگلی اٹھائی تو

لڑکی سر اٹھا کے دیکھنے لگی۔

"وہ تارہ... اس کو دائیں ہاتھ رکھو گی اور سیدھ میں چلتی جاؤ گی تو ہم گاؤں پہنچ جائیں گے۔ غور سے دیکھو۔"

"میرے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے پاپا۔ تمہیں راستہ معلوم تو ہے۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکاتی سامنے دیکھ کے چلنے لگی۔

"میں تمہیں سکھانا چاہ رہا ہوں بیٹے۔ اگر کبھی کھو جاؤ... جنگل میں یا کسی دور کی جگہ پہ تو اس ستارے کو... غور سے دیکھو۔" اس نے زبردستی اس کا سر اٹھایا تو وہ اوپر دیکھنے لگی۔

"اس کو دائیں ہاتھ رکھو اور یوں سیدھ میں چلتی رہو۔ کسی راہ گیر' کسی مسافر' کسی کی مت ماننا۔ صرف اپنے پاپا کی بات یاد رکھنا اور صرف اس تارے پہ بھروسا کرنا..." منظر دھم پڑتا گیا... بوجھ سا بڑھتا گیا تو اس نے بے اختیار لائٹ تو چ اتارا۔

"آپ کی منزل آگئی' میم!" ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ کوالالمپور کی چمکتی' جاگتی رات میں واپس آچکی تھی۔

جھرجھری سی لے کر اس نے سر جھٹکا اور سنبھل کے اتری۔ سامنے حالم کا اونچا بنگلہ کھڑا تھا۔

اور کوئی وہاں اس کے انتظار میں موجود تھا۔

☼ ☼ ☼

فاتح پارٹی سے آتے ہی اپنی اسٹڈی میں چلا گیا تھا جب کہ عصرہ گھر کے بیرونی پورچ میں کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ خاموشی سے ایڈم کو دیکھ رہی تھی جو تابعداری سے بتا رہا تھا۔

"چے تالیہ نے اپنی کار کی چابیاں دی ہیں۔ ان کے گھر ڈراپ کر آؤں کار؟"

"ہوں۔ کر آؤ اور سنو۔" آہستہ سے بولی۔ "مگر فاتح کو بالکل پسند نہیں کہ اس کا بادی مین دوسری امیر خواتین کا پوڈل (پالتو کتا) بن جائے۔ اگر کوئی پوچھے تو کہنا' تالیہ خود لے گئی تھی کار۔ تمہاری جاب کے دو دن رہ گئے ہیں' فاتح سے ڈانٹ نہ کھاؤ تو اچھا ہے۔"

"میں خاموش رہوں گا' میڈم!" ایڈم نے سمجھ داری سے سر تسلیم خم کیا تو عصرہ نے ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

اوپر وان فاتح اپنی اسٹڈی میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ کوٹ اتار چکا تھا اور آستینوں کے کف موڑ رکھے تھے۔ آنکھوں پہ عینک لگی تھی اور نظریں اسکرین پر جمی تھیں۔

موبائل بار بار بج رہا تھا جس کو وہ نظرانداز کر رہا تھا۔ تنگ آکے اس نے اٹھالیا۔

دوستوں' عزیزوں کے ایک ساتھ پیغامات آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے چونک کے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج چکے تھے۔ نیا دن شروع ہو گیا تھا۔

"آریانہ بنت فاتح کی یاد میں۔"

"خدا کرے آپ کی بیٹی جو آج کے روز چھ سال پہلے کھوئی تھی' کسی اچھے گھرانے کو مل گئی ہو۔"

"آریانہ جہاں بھی ہو' اللہ اسے خوش رکھے اور آپ سے دوبارہ ملا دے۔"

وہ سب آریانہ کے نام کے پیغامات تھے۔ دعائیں۔ گڈ لک میسجز۔ وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ پڑھتا گیا۔ چند ایک کو شکریہ لکھ کے بھیجا۔

پھر ایک دم دل ایسا اداس ہوا کہ اس نے عینک اتار دی اور ٹیک لگالی۔ بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر کے پیچھے رکھ لیا۔ مسکراتی غم زدہ نگاہیں سامنے دروازے پہ جمی تھیں۔ سفید نکھرا نکھرا سا دروازہ... جیسے سفید دودھیا لباس ہو... کسی پری جیسا...

"میرا کریڈٹ کارڈ!" وہ دونوں ہال میں اوپر تک جاتی کرسیوں کے وسط میں بیٹھے تھے جب فاتح نے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے ہتھیلی اس کی طرف پھیلائی۔ ساتھ بیٹھی آریانہ نے جھٹ سے کارڈ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ ہیئر بینڈ لگائے وہ خوش اور پرجوش نظر آتی تھی۔

ان کی نشستیں اندھیرے میں تھیں۔ روشنی اسٹیج پہ تھی۔ جہاں ڈرامے کا ایکٹ جاری تھا۔ کردار اپنے

اپنے مکالمے بول رہے تھے۔
"ان میں سے تاشہ آگا پووا کون ہے؟" اس نے آریانہ کی طرف جھک کے سرگوشی میں پوچھا۔
وہ جو ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ رکھے، دلچسپی سے اسٹیج پرفارمنس دیکھ رہی تھی، مداخلت پہ بدمزہ ہوئی اور خفگی سے نگاہیں موڑیں۔
"آپ کو ابھی تک کہانی سمجھ نہیں آئی ڈیڈ۔"
"مجھے فکشن بور کرتا ہے بیٹا۔" وہ بے بسی سے شانے اچکا کے بولا۔ آریانہ نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "جو لوگ جادوئی چیزوں پہ یقین نہیں رکھتے، ان کی زندگی میں کبھی جادو آتا ہی نہیں ہے ڈیڈ!"
"یہ تم نے خود سے کہا؟"
"اگر آپ اسٹوریز پڑھتے تو آپ کو پتا ہوتا کہ یہ کس نے کہا تھا۔" خفگی سے کہہ کر بتانے لگی۔ "یہ ایک پلے ہے۔ رشین پلے۔ اس میں ایک پری ہے تاشہ آگا پووا۔"
"وہ کالے کپڑوں والی؟"
"وہ اس کا گارڈ ہے ڈیڈ اور اس کی مونچھیں بھی ہیں۔ تاشہ سفید کپڑوں والی ہے۔" آریانہ روہانسی ہوئی۔
"اچھا ٹھیک۔۔۔ آگے؟" بظاہر سمجھتے ہوئے اس نے اسٹیج پہ کھڑی لڑکی کو دیکھا جس کے لمبے سنہرے بالوں پہ تاج رکھا تھا، اور سفید میکسی پاؤں تک آتی تھی۔ وہ گردن اکڑائے کھڑی اپنے قدموں میں جھکے شخص کی بات نخوت سے سن رہی تھی۔
"تاشا ایک رحم دل پری ہے جو دوسروں کی مدد کے لیے دنیا میں آئی ہے۔"
"مجھے تو یہ کوئی مغرور اور خشک عورت لگ رہی ہے۔ بورنگ پریٹی وومن۔" ابرو اٹھا کے تبصرہ کیا، پھر آریانہ کا چہرہ دیکھا تو سنبھلا۔ "میں ویسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔"
مگر آریانہ مزید کہانی سنانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ہونہہ کر کے سامنے دیکھنے لگی۔ کوئی جدید طرز کی فیری ٹیل جس کو دکھانے وہ باپ کو اس کی سالگرہ کے دن کھینچ کے تھیٹر لائی تھی۔
آریانہ کی ناراضی تھوڑی دیر برقرار رہی پھر جیسے جیسے کہانی آگے بڑھی، اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔ ایک موقع پہ اس نے جوش سے فاتح کی کلائی دبائی۔
"تاشہ کتنی پیاری ہے ڈیڈ۔" وہ اس گوری گلابی، پھولے گالوں والی لڑکی سے نظریں ہی نہیں ہٹا پا رہی تھی۔
"میں اس ہاتھ سے لکھتا ہوں، بیٹے۔" اس نے کراہ کے ہاتھ پیچھے کھینچا۔
"ڈیڈ! مجھے تاشہ کا آٹوگراف لینا ہے۔ جیسے ہی شو ختم ہوگا، آپ مجھے اس کے پاس لے کر جائیں گے۔"
فاتح نے بے اختیار جھرجھری لی۔ "میں نے آج تک کسی کا آٹوگراف نہیں لیا۔ اس لیے خاموشی سے بیٹھو۔"
"اچھا فوٹو تو لینے دیں۔" وہ اپنی سیٹ پہ اوپر نیچے اچھلتی دبی آواز میں منت کر رہی تھی۔ اوپر نیچے بیٹھے لوگ گردنیں موڑ کے دیکھنے لگے۔
"بے بی! اگر تم یوں ہی بولتی رہوگی تو ان بے چاروں کے ڈائیلاگ مس کر دوگی۔"
آریانہ چونکی۔ پھر فوراً سیدھی ہوئی اور سب بھول بھال کے سامنے دیکھنے لگی۔
پھر کتنے ہی دن وہ تاشہ آگا پووا کی باتیں کرتی رہی۔ آریانہ یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ تاشہ کوئی انسان تھی۔ اس کے نزدیک وہ کوئی پری تھی۔ آریانہ کہانیوں کی پریوں کی دنیا میں رہنے والی پیاری سی ننھی بچی تھی جس کی خواہش تھی کہ وہ خود بھی کسی کہانی کا کردار بن کے کتابوں میں چلی جائے۔ فاتح اس کو تاشہ سے ملوانے نہیں لے کر گیا، اس بات پہ کتنے دن آریانہ نے اس سے ٹھیک سے بات نہیں کی۔
وہ ممبر پارلیمنٹ تھا۔ لوگ اس سے ہاتھ ملانے دیوانہ وار قطاروں میں کھڑے ہوتے تھے۔ وہ کسی عام سی اداکارہ کے پیچھے پیچھے جاتا اپنی بیٹی کے ساتھ؟ نان سینس۔

مگر آریانہ کا جنون ختم نہیں ہوتا تھا۔ عصرہ نے بھی اس سے شکایت کی' پھر اگلے ہفتے وہ اسے دوبارہ تاشہ آگاپووا کے ڈرامے پہ لے گیا۔ مگر اس دفعہ ڈرامے میں جہاں دوسرے تمام اداکار وہی تھے' تاشہ کا کردار کرنے والی لڑکی کوئی اور تھی۔

آریانہ کو مزا نہیں آیا۔ وہ واپسی پہ منتظم کو روک کے پوچھنے لگی۔ "پچھلی دفعہ تو تاشہ کوئی اور لڑکی بنی تھی۔ وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"ہماری ایکٹرس میڈم روز کی کار خراب ہوگئی تھی' وہ آ نہیں سکی تھیں' تو ہم نے جلدی میں ایک ایکسٹرا سے یہ رول کروایا تھا۔"

آریانہ مزید اداس ہوگئی۔ "تو کیا وہ دوبارہ نہیں آئے گی؟"

"نہیں۔ میں تو اس کا نام بھی ٹھیک سے نہیں جانتا۔ ایک ہی دن آئی اور پھر غائب بھی ہوگئی۔"

وہ آریانہ کو وہاں سے لے آیا مگر اس نے پورے راستے فاتح سے بحث کی کہ وہ اصلی پری تھی۔

"او کے۔ مجھے کنوینس کرو کہ وہ اصلی پری کس طرح تھی؟" کار ڈرائیو کرتے ہوئے فاتح نے کھلے دل سے پوچھا تو وہ جوش میں تیز تیز بولتی گئی۔

"کیونکہ وہ غائب ہوگئی یعنی وہ اڑ گئی ہوگی۔ اور وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی ہی لگتی تھی۔ کسی کو اس کا نام تک نہیں معلوم۔"

"میں پتا ہے کیا سوچ رہا ہوں۔" وہ ٹھوڑی کو دو ناخنوں سے رگڑتے ہوئے بولا۔ "اصلی اداکارائیں کبھی پرفارمنس مس نہیں کرتیں۔ لیکن پچھلے ہفتے اصل ایکٹرس نہیں آسکی کیونکہ اس کی کار خراب ہوگئی تھی۔ عجیب!! مجھے لگتا ہے یہ کوئی اداکارہ بننے کی خواہش مند لڑکی تھی جس نے اصل اداکارہ کو کسی مشکل میں پھنسا کے آنے سے روکا اور خود رول لینے پہنچ گئی۔"

"آپ کا مطلب ہے وہ پری نہیں تھی؟" وہ برا مان کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جا رہی تھی۔"

آریانہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "ہر کوئی آپ کے ان... (سیاست دانوں) جیسا نہیں ہوتا' ڈیڈ۔" وہ منہ پھلا کے رخ پھیر کے بیٹھ گئی اور فاتح نے گہری سانس لی۔

"میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔"

"پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔"

چند ہفتوں بعد آریانہ اس کو بھول بھال گئی... مگر وہ چہرہ... اور وہ نام فاتح کی یادداشت میں محفوظ ہو چکا تھا۔ سنہرے بالوں والی تاشہ آگاپووا۔ ایک دفعہ وان فاتح سے کسی کا تعارف ہو جائے اور کسی کا کوئی امپریشن بن جائے تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتا تھا۔

اور جس لمحے اس نے عصرہ کی گیلری میں اس لڑکی کو دیکھا' وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ پہلے سے دبلی پتلی اور گرویڈڈ لگ رہی تھی مگر واللہ یہ وہی تھی۔ پھر اس نے سنا ایڈم نے اس سے بدتمیزی کی ہے۔ ایڈم کا خیال تھا کہ وہ تنگو کامل کے گھر کی نوکرانی کی طرح لگتی تھی۔ یہ بات ایڈم کو کسی نے پوری بولنے نہیں دی مگر فاتح سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے تنگو کامل کی نوکرانی کو نہیں دیکھا تھا' شاید چند سیکنڈ کے لیے کوئی نوکرانی اندر آئی تھی مگر اس کے کندھے کے پیچھے سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ وہ ایڈم کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا' نہ ہی عصرہ نے اس نوکرانی کو دیکھا تھا۔ مگر اس کے دل میں موجود اس لڑکی کے لیے لکھا "فراڈ" کا لفظ مزید گہرا نقش ہو گیا تھا۔

کچھ غلط تھا اس لڑکی میں۔ کچھ پر اسرار۔ کچھ اچھوتا۔

"وہ پری ہے' ڈیڈ۔ یا پھر کوئی شہزادی۔ آپ مانیں یا نہ مانیں!" آریانہ چپکے سے کان میں بولی تو وہ سوگوار سا مسکرا دیا۔ ماضی غائب ہو گیا تھا اور وہ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا تھا۔

موبائل پہ آریانہ کے لیے پیغامات ہنوز آرہے

تھے۔ اس نے پھر سے عینک لگائی اور ان کو پڑھنے لگا۔

✲ ✲ ✲

اشعر محمود کے اونچے قلعے کے لان میں کیٹرنگ والے چیزیں سمیٹ رہے تھے۔ صفائی جاری و ساری تھی۔ قلعے کے اندر آؤٹو گول لاؤنج میں وہ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگیں قینچی کی صورت میز پہ رکھی تھیں اور ٹائی ڈھیلی کر رکھی تھی۔ ہاتھ میں موبائل تھا جس پہ وہ فاتح کو پیغام لکھ رہا تھا۔

"آریانہ کو اللہ آپ سے دوبارہ ملا دے۔ آمین۔"

پیغام جانے کے چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا۔

"شکریہ ایش!"

اشعر نے موبائل پرے ڈالا اور گردن اٹھا کے اوپر جگر جگر کرتا فانوس دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

"پاپا... کاش آپ یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ ہوتے۔" تلخی سے وہ بڑبڑایا تھا۔

فانوس کی روشنی سارے لاؤنج کو روشن کیے ہوئے تھی۔ اونچی دیواروں پہ خوب صورت بڑی بڑی سی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ قیمتی لمبے صوفے، مخملیں نفیس پردے... اس عشرت کدے میں وہ تنہا صوفے پہ نیم دراز تھا۔

کبھی اس طرح اس کے پاپا یہاں بیٹھے ہوتے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے سارا منظر سامنے آگیا۔

وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ قدرے بے چین اور غیر مطمئن سا۔ وہ ایک چینی نقوش اور صاف رنگت والے صاحب، بڑے صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر برہمی تھی۔

"کب تک فاتح کے غلام بنے رہو گے؟"

"میں ان کا غلام نہیں ہوں، پاپا!" وہ برا مان کے بولا۔ "میں ان کا کمپین منیجر اور پولیٹکل سیکریٹری ہوں۔ میں ان کو الیکشن جتوانا چاہتا ہوں تاکہ..."

"اور کب تک تم یہ سب کر سکو گے، ایش؟" وہ ناگواری سے کہہ رہے تھے۔ "تمہارا اپنا بزنس ہے، اس کو تمہارا وقت چاہیے۔ تمہاری ایک زندگی ہے۔ کل کو شادی کرو گے۔ کیا تب بھی فاتح کے پیچھے پیچھے ڈائری لیے پھرتے رہو گے؟"

"آبنگ ایک کاز (مقصد) لے کر نکلا ہے اور میں ملائیشیا کے لیے۔"

"تمہارا آبنگ بادشاہ آدمی ہے۔ بے نیاز اور بے فکر۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تم اس کے لیے اپنے کئی سال لگا بھی دو، وہ تب بھی اقتدار میں آکر تمہارے لیے کچھ نہیں کرے گا۔ ایش، میرے بیٹے! تمہیں اس شخص سے کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔" ان کی آواز دھیمی ہوئی۔ آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی اور فکرمندی تھی۔

اشعر کا دل دکھنے لگا۔ "میں صرف ملائیشیا کے لوگوں کے لیے یہ کر رہا ہوں ڈیڈ۔ مجھے اپنے ملک سے بہت محبت ہے..."

"تم ملائیشیا کو ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہو جو اتنے برس باہر رہا۔ اسے ہم سے زیادہ ملائیشیا سے محبت نہیں ہے، ایش۔"

"میں آبنگ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ باریسن نیشنل میری زندگی ہے۔" وہ تڑپ اٹھا۔ "میں ہمیشہ باریسن نیشنل سے منسلک رہنا چاہتا ہوں۔"

"ایک کمپین منیجر کی طرح؟ ایک پولیٹکل سیکریٹری کی طرح؟ یا کسی بڑے درندے کی طرح؟"

اشعر چونکا۔ "بڑا درندہ؟"

"اگر تمہیں اس گندے سمندر میں رہنا ہے تو رہو۔ شوق سے رہو۔ لیکن مچھلی بن کے رہنا ہے یا مگرمچھ بن کے، اس کا فیصلہ تمہیں ابھی کرنا ہوگا۔ تم فاتح سے کم نہیں ہو۔ تم نے اس کی پچھلی کمپین بھی چلائی اور اب وہ دوسری دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے جا رہا ہے۔ پانچ سال بعد وہ وزیراعظم بننے کا سوچے گا اور تم کہاں ہو گے؟ اس کے پیچھے ڈائری اٹھا کے گھوم رہے ہو گے کیا؟"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"تم بھی اس دفعہ الیکشن لڑو۔ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہو۔ پھر تم پہ نئے مواقع اور نئے راستے کھلیں گے۔ تم فاتح کی مدد کرتے رہو، مگر اپنے لیے بھی راستے ہموار کرو۔ فاتح تمہیں کچھ نہیں دے گا۔ اس کو کل کو کوئی بہتر سیکریٹری مل گیا تو وہ ایک منٹ میں تمہیں نکال باہر کرے گا لیکن اگر تم ممبر پارلیمنٹ بن جاؤ تو تمہیں کوئی آسانی سے نکال نہیں سکتا۔"

"میں؟" وہ حیران رہ گیا۔ "مجھے کون ووٹ دے گا؟"

پلیا نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھک کے بیٹھے۔ "وان فاتح کو کس نے پچھلا الیکشن جتوایا تھا؟ تمہاری محنت نے اور عصرہ کی سپورٹ نے۔ اگر تم اس کے لیے یہ کر سکتے ہو تو اپنے لیے کیا نہیں کر سکتے، ایش؟"

فانوس ابھی تک جگر جگر کر رہا تھا۔ اس کی روشنی میں کھویا اشعر شاید مزید ماضی میں رہتا مگر اس کا موبائل بجنے لگا۔ چونک کے وہ سیدھا ہوا اور موبائل اٹھا لیا۔

"جی کاکا۔"

"میں فاتح کے لاکر سے فائل نکالنے جا رہی ہوں۔ وہ اسٹڈی میں ہے، اسے علم نہیں ہوگا۔" وہ دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "تم اسٹریٹ کے کارنر پہ آجاؤ، میں فائل تمہیں دے دوں گی۔"

"میں خود نہیں آؤں گا، رملی کو بھیجوں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔" اشعر نے مسکرا کے فون بند کیا اور ٹی وی ریموٹ اٹھا کے بٹن دبایا۔ دیوار پہ لگی جناتی اسکرین جل اٹھی۔ اشعر نے چند چینل بدلے اور پھر ایک پہ ٹھہرا۔

"اشعر محمود کی نسل پرست چینی مخالف تنظیم سے وابستگی نے چینی حلقوں میں مایوسی اور بدظنی کی لہر پیدا کی ہے۔" اینکر آگے کو جھکی، آواز کو سنگین بنا کے بتا رہی تھی۔ اشعر کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے فون اٹھایا اور ٹوئیٹر کھولا۔ اس کے نام کے مخالف ٹرینڈ چل رہے تھے۔ لوگ اسے گالیاں دے رہے تھے۔

"وان فاتح... میں ہر چیز کے لیے تیار تھا... آپ نہیں تھے۔ چند دن بعد کاکا کی نیلامی پہ نقلی پینٹنگ کا اسکینڈل جہاں آپ کی کریڈیبلٹی تباہ کرے گا، وہیں مکان کے اصلی کاغذات کی گمشدگی آپ کو مالی دھچکا لگائے گی۔" موبائل کے بٹن دباتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "مگر اس سے پہلے اپنے خلاف ہوئے سارے پراپیگنڈے کو میں اس ایک تصویر سے قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس ایک تصویر کی دھوم اور ہائپ میں ہر شے دب جائے گی۔ کسی خبر کو قتل کرنے کے لیے اس کی وضاحتیں دینا ضروری نہیں ہے، صرف اس سے زیادہ دلچسپ خبر لوگوں کو دینا ہوتا ہے۔"

ایک بٹن دبایا اور... تصویر ٹوئیٹ ہو گئی۔ مسکرا کے اشعر نے فون پرے ڈال دیا۔ اس نے فاتح کا دیا دھچکا سہ لیا تھا۔ کیا فاتح اس کا دیا دھچکا سہ پائے گا؟

☸ ☸ ☸

وان فاتح کی رہائش گاہ پہ رات دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔ عصرہ نے ٹرے اٹھائے اسٹڈی کا دروازہ کھولا تو وہ ٹیک لگائے، عینک آنکھوں پہ جمائے، مسکرا کے موبائل پہ ٹائپ کرتا دکھائی دیا تھا۔

"تمہاری بیڈ ٹائم چائے۔" زبردستی مسکراتی وہ قریب آئی اور میز پہ کپ رکھا۔ کانچ میز کی سطح کے شیشے سے ٹکرایا تو خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ ارتعاش اس کی انگلیوں میں بھی تھا جسے اس نے مٹھیاں باہم پھنسا کے چھپا لیا۔ وہ احتیاط سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

"جلدی سو جانا۔ زیادہ دیر کام نہ کرنا۔" اسے متوجہ نہ پا کر وہ بولی۔ وہ مسکرا کے میسجز دیکھتا رہا۔ وہ چند لمحے کھڑی رہی، پھر مڑی۔

"تھینک یو عصرہ۔ امریکہ جانے کا خیال بدلنے کے لیے۔"

عصرہ کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ ابھری۔ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ اب بھی موبائل پہ ٹائپ کر رہا

تھا۔

"جو تم چاہو، فاتح۔ میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔" فاتح نے نظریں فون پہ جھکائے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

عصرہ وہاں سے نکل آئی۔ اب اس کے قدم تیز تھے۔ لاؤنج میں آکر ایک نظر سی سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا جو وہ بند کر چکی تھی۔ پھر تیزی سے فاتح کے کمرے میں آئی اور الماری کھولی۔ لاکر کا پاس ورڈ دبایا اور اندر کاغذات الٹ پلٹ کرنے لگی۔ ایک پورا فولڈر نکالا اور لاکر بند کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ سر پہ شال اوڑھے، پیروں میں جوگرز پہنے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ رات کو دو گارڈز ہی گیٹ پہ ہوتے تھے۔

"میں واک پہ جا رہی ہوں۔" وہ اکثر رات کو واک پہ نکل جاتی تھی۔ گارڈ نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ فائل شال میں چھپائے، سینے پہ بازو لپیٹے تیز تیز چلتی گئی۔

اگلی اسٹریٹ کے کونے پہ رملی کار میں موجود تھا۔ وہ فوراً باہر نکلا۔ عصرہ نے شال سے فائل نکال کے اس کو دی اور کچھ کہے بنا مڑ گئی۔ چند منٹ بعد وہ گھر میں واپس داخل ہو رہی تھی۔

"آپ جلدی آگئیں۔" گارڈ نے دروازہ بند کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں شوگر لو ہو رہی تھی۔" اس نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے فکر مندی سے کہا۔ "مگر فاتح کو میری طبیعت کا مت بتانا۔ اس کے دوسرے مسئلے کم ہیں کیا۔ میں دوا لے لیتی ہوں۔" گارڈ نے سر تسلیم خم کیا اور وہ آگے بڑھ گئی۔

فاتح بے خبر ابھی تک اوپر اسٹڈی میں موبائل ہاتھ میں لیے سوگواریت بھری مسکراہٹ سے پیغامات کا جواب دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

حالم کے اونچے گھر کی بیرونی بتیاں روشن تھیں جب باہر سڑک پہ سپر لکس کیب آر کی۔ شوفر نے دروازہ کھولا تو تالیہ مراد نے اونچی سفید ہیل سڑک پہ رکھی اور نیچے اتری۔ کندھوں پہ قیمتی شال لیے، وہ کلچ والے ہاتھ سے لمبی میکسی احتیاط سے اٹھائے ہوئے تھی۔ کانوں سے لٹکتے ہیرے رات کے اندھیرے میں دمک رہے تھے۔

"کیوں آئے ہو؟" درشتی سے بولی تو سامنے درخت کی اوٹ سے ہیولہ سا نکلا۔ چند قدم آگے آیا تو اس کا چہرہ روشنی میں آیا۔ وہ استہزائیہ مسکراتا، شیو کھجاتا سمیع تھا۔ کالا کوٹ، اندر سفید ٹی شرٹ اور گردن میں لٹکتی سنہری چین۔ بڑھی شیو میں اگے چند سفید بال اور سیاہ موٹی آنکھوں سے جھلکتی خباثت۔

"اپنے وظیفے کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں۔"

تالیہ کی آنکھوں میں سرخی در آئی۔ "میں تمہیں نہیں جانتی۔"

"میرے پاس نکاح کی ویڈیو بھی موجود ہے۔ دیکھنا چاہو گی؟"

"مجھے نہیں معلوم، تم کیا کہہ رہے ہو اور کیوں میرے پیچھے پڑے ہو۔" وہ اکتائی ہوئی آواز میں بولی اور واپس گھوم گئی۔

"کل پھر آؤں گا۔ اور جو تمہارے خواب ہیں نا، اشعر کی فیملی بننے کے جیسا کہ اس نے ٹوئیٹ کیا ہے، وہ صرف تب پورے ہو سکتے ہیں جب میں اپنا منہ بند رکھوں۔"

اس نے گیٹ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ دروازہ بند کرنے مڑی تو سمیع نے آگے بڑھ کے دروازے کو پکڑ لیا۔ تالیہ نے غصیلی نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"یہ دولت چاہے جس طرح بھی کمائی ہو تم نے، اس میں میرا بھی حق ہے۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے 'میرے وظیفے کی پہلی قسط تیار کر لو، جس میں پانچ صفر آتے ہوں' تاکہ میں تمہاری اوقات اس اعلا خاندان کے سامنے صفر نہ کروں۔" کہتے ہوئے کوٹ کو بیلٹ کے قریب سے ہٹایا تو ایک پستول جھلکا۔ تالیہ نے جھٹکے سے گیٹ اپنی طرف کھینچا تو اس نے ہاتھ ہٹا دیا۔

"کل آؤں گا اور پیسے لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔" وہ

پیچھے ہٹتے ہوئے دھونس سے بولا تھا۔

"اور تم نے ایڈم کی نوکری نہیں چھڑوائی؟" چند منٹ بعد وہ اندر لاؤنج میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی۔ خاموش 'سنجیدہ۔ گھٹنے سے۔ جوڑے سوچ میں ڈوبی۔

"ایڈم دشمن نہیں ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ اور میں جتنی بری سہی 'ایک اچھے انسان کے ساتھ یہ نہیں کر سکتی۔ میں امیر لوگوں اور میوزیمز سے چوری کرتی ہوں۔ غریبوں کے خواب نہیں چراتی۔"

"مگر ان طاقت ور لوگوں کے سامنے اتنی زبان چلانے کی کیا ضرورت تھی؟" داتن خفا ہوئی۔

"وہ ایڈم پہ ہنس رہے تھے 'مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"وہ ایڈم تمہاری جاسوسی کرتا پھر رہا ہے 'کسی بھی پل تمہارا پول کھولنے والا ہے۔ تمہیں اس نیکی کی قیمت چکانی پڑے گی۔"

"ڈونٹ وری۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ تم بتاؤ 'یہ اشعر نے کیا ٹوئیٹ کیا ہے؟ ابھی کسی نے مجھے بتایا۔" اس نے سمیع کا ذکر نہیں کیا تاکہ داتن پریشان نہ ہو۔

"تم نے نہیں دیکھا؟ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ میں کہتی تھی نا' یہ اشعر کسی اور چکر میں ہے۔" کہہ کے داتن نے موبائل پہ بٹن دبائے اور اسکرین سامنے کی۔

"فیملی یونین 'لکھ کے اس نے ایک تصویر پوسٹ کی تھی۔ کھانا کھاتے وقت کی سیلفی جو اشعر نے لی تھی اور فریم میں چار افراد نظر آرہے تھے۔ اشعر 'عصرہ' فاتح اور تالیہ۔ سرخ لباس میں مسکراتی ہوئی خوب صورت تالیہ 'جو نیچے کمنٹس کا مرکز تھی۔

"یا اللہ۔ اس نے میرا چہرہ مشہور کر دیا۔" اس نے پیشانی چھوئی۔

"ہمارے بہت سے جاننے والے یہ دیکھیں گے تالیہ۔ یہ سب غلط ہو رہا ہے۔"

"میں سب کو سنبھال لوں گی۔ بے فکر رہو۔ ویسے بھی یہ میری آخری واردات ہے۔"

"لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ اشعر محمود کی منگیتر ہے اور وہ تردید نہیں کر رہا۔" داتن نے اسے تصویر کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔ "تصویر وائرل ہو گئی ہے اور صبح سے جسے چینیوں نے بندوقوں کی زد میں رکھا ہوا تھا' اب سارا ملک اس کا میکہ بنا بیٹھا ہے۔"

تالیہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ "وہ مجھے پسند نہیں کرتا' داتن۔ وہ خبروں میں رہنے کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ میں بھی بدلہ لے آئی ہوں۔" پرس کھول کے بٹن کیمرہ نکال کے دکھایا۔ "یہ وائی فائی سے جڑا ہوا نہیں تھا' سواس پہ جو بھی فوٹیج فاتح کے سیکرٹری نے بنائی ہے' وہ اب میرے پاس ہے۔" داتن نے اسے گھورا۔

"تم اتنی بے فکر کیوں ہو اشعر کی طرف سے؟ کہیں تم اسے پسند تو نہیں..."

"موٹی مرغی... کان کھول کے سنو... اشعر محمود اگر سمیع کا باس ہے تو وہ ان منی لانڈرز کا سربراہ ہے جنہوں نے مجھے ایئرپورٹ پہ رلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں اس کو کبھی پسند نہیں کر سکتی۔" تیزی سے کہہ کے پرس سے ایک کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"تمہارے پاس نیچے میرے لاکر روم میں تمام مشینیں موجود ہیں نا۔ پرنٹنگ وغیرہ کی۔"

"ہاں۔" داتن نے الجھ کے اس کے کارڈ کو دیکھا جو پولیس آئی ڈی تھی اور اس پہ ساشا کمال لکھا تھا۔

"ساشا کو تاشہ کرو۔ ابھی۔ اسی وقت۔"

"تاشہ؟ وہ جو فاتح تمہیں کہتا ہے۔"

"ہاں۔ یاد ہے وہ پلے 'تاشہ آگا پووا' جس میں میں نے حصہ لیا تھا؟ اور ڈائریکٹر کے لاکر سے بانڈز چرا کے نقلی رکھ دیے تھے؟ وہ آریانہ کے ساتھ اس پلے کو دیکھنے تھیٹر گیا تھا اس لیے اس نے مجھے پہچان لیا۔"

"اف تالیہ۔ اس کو شک تو نہیں ہوا کہ تم فراڈ ہو؟"

"بہت سی امیر لڑکیاں تھیٹر میں شوقیہ اداکاری کرتی ہیں۔ پوچھے گا تو کہہ دوں گی 'شوقیہ کام کیا تھا۔"

"مگر..."

"اگر مگر کچھ نہیں کیونکہ میں اس چیز کا فائدہ اٹھانے جا رہی ہوں۔ تالیہ کے پاس... ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

مسکرا کے وہ اٹھی، شال کندھوں کے گرد لپیٹی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

قریباً" پون گھنٹے بعد وہ اپنے باغیچے کے بینچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی نظر آرہی تھی۔ کارڈ اس کی گود میں رکھا تھا۔ ہنی جیسی آنکھیں باہر سڑک پہ جمی تھیں جو گیٹ کے جنگلے سے صاف دکھائی دیتی تھی۔

ایڈم اس کی کار سیدھی اندر لے آیا کیونکہ گیٹ کھلا تھا۔ پھر اتر کے اس کے سامنے آیا۔ ادب سے چابی بڑھائی۔

"جی تالیہ۔ آپ کی کار۔"

"بیٹھو' ایڈم!" شہزادی کے سے انداز میں اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سا بینچ کے پرلے کنارے پہ بیٹھ گیا۔ آگے کو ہوئے۔

"تم مجھے کوئی قاتل' چور یا جاسوس سمجھتے ہو' ہے نا۔" وہ کہنی بینچ کی پشت پہ جمائے' اس کی طرف گھوم کے بیٹھی اور مسکرا کے گویا ہوئی۔

"میں نے آپ کو ایک گھر میں نوکرانی بن کے کام کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اور کیا سمجھنا چاہیے۔"

"تمہارا قصور نہیں ہے۔ بہرحال میں ایک انڈر کور پولیس آفیسر ہوں اور مجھے وان فاتح کی حفاظت کا ٹاسک دیا گیا ہے۔" اعتماد سے گردن اکڑائے وہ بولی تو ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔

"واقعی؟" وہ ٹھٹکا۔ "مگر میں کیسے مان لوں۔"

"تم وان فاتح سے پوچھ سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں سچ بتا دیں' ہو سکتا ہے وہ تم پہ اتنا اعتماد نہ کریں۔ لیکن کیا تم نے نوٹ نہیں کیا کہ وہ مجھے تاشہ کہتے ہیں۔"

"جی میں نے نوٹ کیا ہے۔" وہ چونکا۔

"تاشہ کمال۔ رائل ملیشیا پولیس!" اس نے شان بے نیازی سے کارڈ دو انگلیوں میں پکڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔ ایڈم نے اسے تھاما۔ الٹ پلٹ کے دیکھا۔ پھر ذرا پیچھے ہو کے بیٹھا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"یعنی باس جانتے ہیں کہ آپ..."

"آف کورس وہ جانتے ہیں۔ میری جاب ہی ان کے قریب موجود لوگوں پہ نظر رکھنا ہے کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ وان فاتح کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔"

ایڈم نے گہری سانس لی۔ "میں جانتا ہوں۔"

"تو یقیناً" تم جانتے ہو گے کہ پچھلے ماہ لنکاوی جزیرے پہ کیا ہوا تھا؟ اور تین ماہ قبل سنگاپور میں کس طرح وان فاتح کو دھمکانے کی کوشش کی گئی تھی؟"

ایڈم چونکا۔ "نہیں... کیا ہوا تھا؟" تالیہ نے "اوہ" میں لب سکیڑے۔

"اگر وان فاتح نے تمہیں نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تم پہ بھروسا نہیں کرتے' یعنی تم ان کے لیے ایک عارضی ملازم ہو۔ جس کو وہ فارغ ہو جانے کے بعد مس بھی نہیں کریں گے۔"

ایڈم کے چہرے پہ اداسی اتری۔ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔ "پھر آپ مجھ پہ بھروسا کیوں کر رہی ہیں؟"

"دو وجوہات ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم گھر والوں کے سامنے میرا کور blow کرو۔ میری تو یہ نوکری ہے' میں کسی دوسرے ٹاسک پہ لگا دی جاؤں گی' لیکن وان فاتح کے دشمن چوکنے ہو جائیں گے۔"

"اور دوسری وجہ؟"

"میں چاہتی ہوں تم میری مدد کرو۔ اشعر محمود' فاتح صاحب کے خلاف جو اقدامات کرنے جا رہا ہے' ان کو روکنے میں میرا ساتھ دو اور میں ڈپارٹمنٹ سے تمہیں اس کام کا پے چیک دلوا دوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وان فاتح کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"دیکھو ایڈم..." وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ "پولیس میں جب ہم سے اوپر والے ہمیں تنخواہ یا بونس دیتے ہیں تو اپنی جیب سے نہیں دیتے۔ قومی خزانے سے دیتے ہیں اور اس پہ ہمارا حق ہوتا ہے... تم کیوں آرام سے ملنے والے تیس چالیس ہزار ٹھکراؤ گے؟"

"تیس چالیس ہزار؟" ایڈم محمد کی آنکھیں کھل

گئیں۔(سات آٹھ لاکھ پاکستانی روپے)

"جتنا بڑا آدمی، اتنے زیادہ بونس۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہم اشعر محمود کو پکڑ بھی لیں۔ اور ہاں، مجھے اس کے لیے تمہاری فائل اوپر بھیجنی پڑے گی۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپروو بھی ہو جائے مگر میں تمہاری سفارش کروں گی۔"

"مگر آپ کیوں کریں گی میری سفارش؟"

تالیہ مسکرائی۔ "کیونکہ ایک دن تم دنیا کے سارے بادشاہوں اور حکمرانوں سے زیادہ طاقت ور بن جاؤ گے۔ میں نہیں چاہتی تب تم مجھے بھول جاؤ۔"

ایڈم جھینپ گیا۔ "وہ تو بس ماں کو لگتا ہے کہ...." خفت سے سر جھٹکا۔

"خیر.... اب ہو سکتا ہے کہ تمہیں میری باتوں پہ یقین نہ آئے۔ تم مجھ پہ شک کرو کہ شاید میں واقعی کوئی چور یا قاتل وغیرہ ہوں، تو ٹھیک ہے یہ تمہارا حق ہے۔ اب آگے تم چاہو تو وان فاتح سے پوچھ لو میرے بارے میں۔ مجھے نہیں معلوم وہ تم پہ کتنا بھروسا کرتے ہیں، لیکن اپنی تسلی کے لیے تم۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آپ کی بات پہ بھروسا ہے۔" وہ گہری سانس لے کر سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں وان فاتح کے لیے سب کر سکتا ہوں۔ لیکن،" اس نے اعتراف کیا۔ "مجھے واقعی پیسے بھی چاہئیں۔ آپ بتائیں، مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"اتنی جلدی نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ مجھے بھی تو دیکھنا ہے کہ میں تم پہ بھروسا کر سکتی ہوں یا نہیں۔"

ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ "او کے۔ یعنی آپ مجھ پہ نظر رکھیں گی۔ ٹھیک ہے۔ جب آپ مناسب سمجھیں، مجھے بتا دیجیے گا۔ میری جاب کا کل دسواں اور پرسوں گیارہواں دن ہے۔ پرسوں میری جاب ختم ہو جائے گی۔"

تالیہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھا۔ جتنا اس کے انداز میں رعب تھا، ایڈم اتنا ہی مؤدب نظر آتا تھا۔

"وان فاتح سے میں بات کر لوں گی۔ تمہارے گیارہ دن ابھی ختم نہیں ہوں گے ایڈم۔"

"او کے!" ایڈم نے سر کو خم دیا اور مسکرایا۔ پھر اجازت چاہی۔ دفعتاً" رکا۔

"تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟"

"میں.... مجھے اپنی منگیتر کو...." تذبذب سے الفاظ ادا کیے۔ "تحفہ دینا ہے۔ کیا دینا چاہیے؟" اگر وہ اس کی ڈھال نہ بنی ہوتی تو وہ نہ کہہ پاتا مگر اس ایک واقعے نے ایڈم کا دل اس کی طرف سے صاف کر دیا تھا۔ اور اب بھی وہ اتنے سادہ انداز میں سب بتائے دے رہی تھی کہ اسے اعتبار آہی گیا تھا۔

"تم کیا دینا چاہتے ہو؟"

"کوئی سونے کا زیور وغیرہ، جیسا کہ مسز عصرہ نے کہا تھا۔ یا کوئی پرس، کپڑے۔" وہ الجھا ہوا نظر آتا تھا۔

"تحفے کی قیمت نہیں ہوتی ایڈم۔ وقعت ہوتی ہے۔ تم اس سے پوچھو کہ اس کو اس کے پاپا نے کیا تحفہ دیا تھا ان اولین سالگرہوں پہ جو اس کو یاد ہیں؟ تم بچپن کے اس تحفے کو کسی نئی شکل میں دے دو۔ کوئی ناسٹیلجک سی قدیم شے جو اس کو خوش گوار ماضی کی یاد مستقبل میں بھی دلاتی رہے۔ باپ کا تحفہ لڑکیوں کو بہت عزیز ہوتا ہے۔"

ایڈم بالکل ٹھہر گیا۔ دل و دماغ جیسے منور ہو گیا تھا۔ آہستہ سے سر ہلایا۔ "تھینک یو، چے تالیہ۔"

اس کے جانے کے بعد وہ اندر آئی تو داتن لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ تند نظروں سے اسے گھورتی۔

"اس کہانی کا کیا مقصد تھا؟"

"وقت حاصل کرنا۔" وہ سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور کانوں سے ایئر رنگ اتارنے لگی۔ "بہت سے اسپیشل فورس اہلکاروں کو اسی طرح سیاست دانوں کی حفاظت پہ مامور کیا جاتا ہے، کہانی ٹھوس تھی۔"

"اگر اس نے فاتح سے پوچھ لیا تو؟"

"ظاہر ہے وہ پوچھے گا، لیکن فوراً" نہیں۔ میں نے اس کے ذہن میں یہ تاثر ڈالا ہے کہ فاتح کے لیے وہ اجنبی ہے۔ وہ کچھ عرصہ اس بات پہ غور کرے گا اور مجھے اتنا ہی وقت چاہیے۔ ایک یا دو دن۔ تب تک میں

سکہ تلاش کر چکی ہوں گی۔ اس کے بعد میں جانوں اور میرا خزانہ۔"

اب وہ جھک کے جوتے اتار رہی تھی۔

"کوئی خزانہ نہیں ہے تالیہ۔" داتن نے دکھ اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"خزانہ ہے داتن۔ اور وہ ہمارا ہے۔ صرف ہمارا۔" وہ تیزی سے بولی جیسے خود کو بھی یقین دلایا ہو۔

داتن خاموش ہو گئی۔ باہر پچھلی رات کی طرح۔

☆ ☆ ☆

صبح صادق کی پہلی کرن کوالالمپور پہ پڑی تو جامنی اندھیرے میں ڈوبی اونچی عمارتیں مدھم مدھم سی روشن دکھائی دینے لگیں۔ عصرہ محمود اپنے نرم گرم بستر میں اے سی کی ٹھنڈک بھرے کمرے میں لحاف تانے سو رہی تھی جب زور سے دروازہ کھلا۔

"عصرہ!" فاتح کی آواز..... اور اس کا تیزی سے بتی جلانا۔ عصرہ کی آنکھیں فوراً" کھلیں۔ تیز روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیائیں، پھر پلکیں جھپکیں۔ بصارت واضح ہوئی۔ سامنے فاتح کھڑا تھا۔ ٹراؤزر پہ ٹی شرٹ پہنے، اس کے ابرو بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پہ پریشانی تھی۔

"عصرہ تم نے میرا لاکر کھولا ہے کیا؟"

"نہیں۔ کیوں کیا ہوا؟" وہ بال سمیٹتی، آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔

"ملاکہ والے گھر کی تمام فائلز کل صبح تک اس میں تھیں۔ اب نہیں ہیں۔"

"تم نے اچھی طرح دیکھا فاتح؟ کیا معلوم تم نے کہیں اور رکھ دی ہوں۔" وہ بستر سے اتری اور سلیپرز پہنے۔

"نہیں مجھے یاد ہے اور میرا پاس ورڈ بھی کسی کو نہیں معلوم سوائے میرے اور تمہارے۔"

"تمہارا پاس ورڈ بھی تو آریانہ کی برتھ ڈے ہے۔ آسانی سے کوئی بھی گیس کر سکتا ہے۔ میں ملازموں سے پوچھتی ہوں۔" اس نے بالوں کو پونی میں باندھا اور شال اٹھا کے کندھوں کے گرد لپیٹی۔ "تم فکر نہ کرو مل جائے گی۔"

"کیسے فکر نہ کروں، اس فولڈر میں گھر کے اصل کاغذات ہی نہیں، اس کے تاریخی ہونے کی مصدقہ دستاویزات بھی ہیں۔ مہینے لگ جائیں گے مجھے یہ دوبارہ بنوانے میں۔" وہ دبی آواز میں بظاہر آرام سے کہہ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے چھلکتی پریشانی اور گردن کے پیچھے ہاتھ رکھا..... وہ بے حد پریشان تھا۔

"تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں ہو گا۔ میں ڈھونڈ لیتی ہوں۔ ویسے بھی ملازموں میں سے کوئی ایسے نہیں کرے گا۔ ایڈم تو ہمارے ساتھ کل پارٹی میں تھا اور دوسری میڈ بھی۔ شام کو گھر میں کوئی نہیں ہوتا۔ بلکہ تالیہ بھی کار لینے آئی تو کہہ رہی تھی کہ اسے چابی لاؤنج میں ڈھونڈنے کے لیے کافی تگ و دو کرنی پڑی کیونکہ میڈز نہیں تھیں۔" وہ اس کے ساتھ باہر آتے ہوئے بتا رہی تھی اور فاتح رامزل ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

"کون؟ وہ تالیہ؟ ادھر کیوں آئی تھی ہماری غیر موجودگی میں؟"

"اس کی کار یہاں کھڑی تھی نا فاتح۔ پھر مجھے اس کو اشعر کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔" وہ اکتا کے کہتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ لاکر سامنے کھلا پڑا تھا اور کاغذات بیڈ پہ رکھے تھے۔ عصرہ سلیقے سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ "اور تمہیں اتنی اچانک ملاکہ والے کاغذوں کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

مگر وہ بالکل ساکت چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ ذہن ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔

"وہ لڑکی..... صبح وہ میری اسٹڈی میں تھی پھر وہ ہمارے پیچھے ہمارے گھر میں پھرتی رہی اور آج میری فائل غائب ہو گئی۔" اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ فائلیں الٹ پلٹ کرتی عصرہ نے چونک کے سر اٹھایا۔

"اوہو فاتح! مل جائے گی فائل۔ پھر تالیہ ایسا کیوں کرے گی۔ وہ تو اشعر....."

"اس کو تم سے متعارف کس نے کروایا تھا، ہاں؟"

ہم کیسے جانتے ہیں اس لڑکی کو؟" اس نے تیزی سے سوال کیا جو عصرہ کے لیے غیر متوقع تھا مگر وہ محمود بن عزیزی کی بیٹی تھی۔ اس کے ذہن نے فوراً "جمع تفریق کی اور بہترین جواب سوچ لیا۔

"اشعر نے۔ وہ اس سے شاید پہلے سے واقف تھا۔ شاید وہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور یہ ان دونوں کا کام ہے۔" وہ کسی نتیجے پہ پہنچ چکا تھا۔

"میں سمجھی نہیں۔" پھر جیسے سمجھ آیا تو ایک دم حیران نظر آئی۔ "یا اللہ 'فاتح' اشعر ایسا کیوں کرے گا؟"

فاتح نے گہری سانس لی اور بہت سارا غصہ اندر دبایا۔ "میں تمہارے بھائی کے بارے میں کوئی تبصرہ اس وقت نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے بتاؤ وہ لڑکی کہاں رہتی ہے۔"

"یہ تو اشعر کو پتا ہوگا' مگر وہ ابھی میرا پورٹریٹ مکمل کرنے آئے گی۔ آج دوسری اور آخری سٹنگ ہے نا۔ لیکن تم....."

"وہ آئے تو اس کو میرے پاس بھیجنا۔ تمہارے بھائی نے اسے بہت آسمان پہ چڑھا رکھا ہے اور مجھے لوگوں کو زمین پہ اتارنا اچھی طرح آتا ہے۔"

"فاتح..... تم اس کو کیا کہو گے؟ اگر اشعر کو پتا چلا تو۔" وہ ہراساں سی کہنے لگی تو اس نے قطعیت سے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

"وان فاتح کے گھر میں..... چوری کرنے سے پہلے..... اس لڑکی کو اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ فاتح کو دنیا میں سب سے زیادہ نفرت چوروں سے ہے۔ اس نے میرا کتنا نقصان کر دیا ہے' کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ جیسے ہی آئے' اس کو میرے پاس بھیجو۔" برہمی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ کے تاثرات بدلے۔ خوف' ہراس' پریشانی سب غائب ہوا اور اس نے اطمینان سے گہری سانس لی۔

فاتح کو جلد یا بدیر پتا ہی چل جانا تھا کہ یہ اشعر کا کام ہے۔ مگر اشعر کی مدد کا الزام وہ کس کو دیتا ہے' یہ عصرہ کے نزدیک زیادہ اہم تھا۔ اپنے بچوں اور اپنے شوہر کو اس جنون سے بچانے کے لیے وہ ہر جنگ اور ہر محبت میں ہر جائز' ناجائز کام کر سکتی تھی۔

گہری سانس لے کر وہ مسکرائی اور کھڑکی کو دیکھا جہاں ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔

اور حالم کی رہائش گاہ میں..... بیڈ پہ بے خبر سوئی تالیہ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔ چند لمحے لگے اس کو حواسوں میں واپس آنے میں اور پھر وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی۔

اس نے ابھی ابھی خواب میں جو منظر دیکھا تھا..... وہ اس کے اندر کے خون کو جوش دلانے اور رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی تھا۔

"خزانہ ہے..... خزانہ واقعی ہے۔" اس کے ہونٹوں کے کنارے مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے اور چہرے پہ خوشگوار بے چینی در آئی..... "اور جو جگہ میں نے ابھی دیکھی ہے..... تو یہاں دفن ہے وہ خزانہ!" بے یقینی اور خوشی سے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"میں جانتی ہوں خزانہ کہاں دفن ہے۔ صرف میں..... جانتی ہوں!" اس نے تیزی سے سلیپر پہنے اور باہر کو بھاگی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سائرہ رضا

حسن المآب اور...



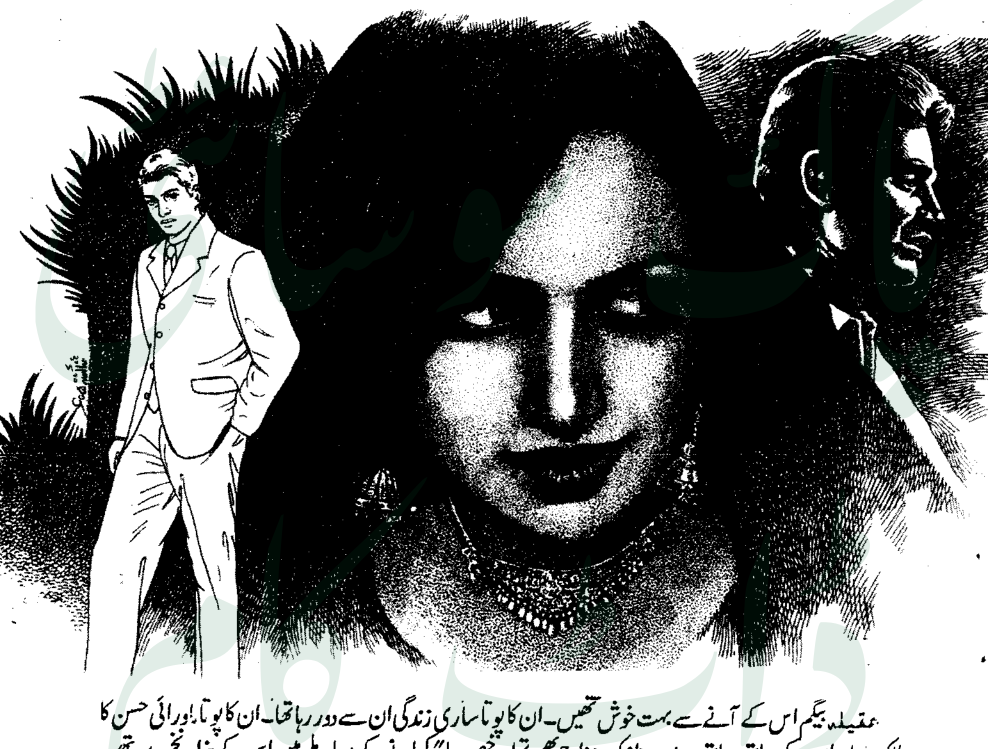
صحرا کا آگ اگلتا سورج' شدید پیاس' پھوڑے' پھنسیوں سے بھرا جسم وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ نام' عہدہ' شخصیت' رشتے' محبت' نفرت.... اس لمحے اسے اپنے گناہ یاد آرہے تھے وہ اللہ کو پکار رہا تھا۔

ماہ رو' اریبہ' حلیمہ اور حسن المآب کالج میں دوست تھیں۔ ماہ رو کا آزاد خیال اور ماڈرن گھرانے سے تعلق ہے۔ اریبہ ایک مڈل کلاس فیملی سے ہے اور بڑی بہنوں کے رشتے نہ ہونے سے پریشان رہتی ہے۔ حلیمہ کا تعلق ایک بہت مذہبی گھرانے سے ہے۔ حسن المآب غیر معمولی حسین ہے۔ اس نے سن شعور سے اپنے گھر میں شریعت کے احکام سنے اور مذہب کی سختی سے پابندی دیکھی ہے۔ مفتی عبیدالرحمٰن اس کے نانا تھے۔

حسنل کا خاندان تبلیغ دین کے لیے مشہور تھا۔ جبکہ حلیمہ کے گھر والوں کی حیثیت ان کے مریدین جیسی تھی۔ حلیمہ کے والد کی انتہا پسندی کی وجہ سے حلیمہ کی بڑی بہن اور دو بھائیوں کے رشتے نہ ہو سکے تھے۔

مکمل ناول

حلیمہ اپنے والد کا پرتو تھی' جبکہ حسنل اپنے مذہبی ماحول سے شدید بے زار تھی۔
میری اپنی خالہ زاد کی شادی میں شرکت کرنے چرچ جاتی ہے۔ وہاں دولہا یوحنا اسے شکوہ بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔
یوحنا نے پہلے اس کے لیے رشتہ دیا تھا۔ ماما کو بھی شدید رنج ہے کہ میری نے یوحنا کے رشتے سے انکار کیوں کیا۔
حسنل کے لیے عبدالمبین اور عبدالمتین کا نام لیا جاتا ہے۔ جن سے حسنل شدید نفرت کرتی ہے۔
حسنل' ماہ رو اور اریبہ کے شدید اصرار پر ایک میوزک کنسرٹ میں جاتی ہے۔ وہاں موسیٰ بی کو دیکھتی ہے۔ اسے لگتا ہے کہ جس شخص کو وہ اپنے تصورات میں دیکھتی رہی ہے۔ وہ موسیٰ بی ہے۔ اس کا خیالی پیکر مجسم ہو کر سامنے آگیا تھا۔



عقیلہ بیگم اس کے آنے سے بہت خوش تھیں۔ ان کا پوتا ساری زندگی ان سے دور رہا تھا۔ ان کا پوتا اور ائی حسن کا مالک تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بے حد نازک مزاج بھی تھا۔ خصوصاً" کھانے کے معاملے میں اس کے ہزار نخرے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے خاص طور پر شیف رکھا تھا۔
حسنل کی تصورات کی دنیا موسیٰ بی سے آباد تھی۔ موسیٰ انڈین میوزک ڈائریکٹر کی چال بازیوں سے دل برداشتہ ہو کر پاکستان اپنا کیریئر بنانے آگیا۔ جہاں چالاک اور نسبتاً" بڑی عمر کی اداکارہ شہرزاد عیسانی نے اسے گھیر لیا اور دونوں ہی اپنے مفادات کی خاطر دوستی کے رشتے میں بندھ گئے۔
سعد حسن نے دور اندیشی سے کام لے کر محی الدین سہگل کو اپنا داماد بنا لیا۔ جو کہ مفتی عبید الرحمٰن کا کلاس فیلو تھا۔ محی الدین سہگل نے ذہانت کے بل بوتے پر خوب ترقی کی اور اسی دوران وہ ایک بیٹے بدر الدین کا باپ بن گیا۔ بدر الدین کی آمد

سہگل اور عقیلہ کے لیے ڈراؤنا خواب تھی۔ وہ صرف کیریئر بنانا چاہتے تھے۔

وہ اپنے دوستوں ایڈورڈ اور کیلاش کے ساتھ تفریح کی غرض سے نکلا تھا۔ مگر ایڈونچر کے شوق میں راستہ بھٹک گیا۔ اس کے دوستوں نے اسے بہت ڈھونڈا، مگر وہ صحرا میں کہیں کھو گیا تھا۔

خدیجہ بانو نو عمری میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے بل بوتے پر پالا۔ خدیجہ بانو کے اپنے بھائی اور اس کی فیملی سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ خدیجہ بانو کا بیٹا ماریہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ماریہ عیسائی ہے۔ دونوں کے خاندان اس رشتے کے لیے تیار نہیں۔ مگر ماریہ اور منا دونوں ہی کسی معجزے کے منتظر ہیں۔

اپنے اپنے تحفظات کے ساتھ ماریہ اور منے کی فیملی مان جاتی ہے اور دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ ماریہ کے والدین اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ خدیجہ اور ماریہ کے درمیان روایتی ساس بہو والی چپقلش نہیں۔ ماریہ عملی مسلمان بننے کی کوشش کرتی ہے، مگر خدیجہ بانو اس کے عقائد کے بارے میں شک میں پڑ جاتی ہیں۔

حسنل کو اس کی سہیلیاں سمجھاتی ہیں کہ موسیٰ کا حصول ایک خواب ہے مگر حسنل اسے اپنی دعاؤں کا حصہ بنا لیتی ہے اور اسے پانے کے لیے نیک بن جاتی ہے۔ اس کی یہ کوشش اس کے نانا سے مخفی نہیں، مگر وہ اصل بات نہیں جانتے۔ موسیٰ نیم نیم ڈاکٹر کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جس پر شہرزاد چراغ پا ہو جاتی ہے، مگر حقیقت کا ادراک کر کے موسیٰ سے دوبارہ دوستی کر لیتی ہے۔

محی الدین سہگل نے بدر کی تربیت کے لیے فلپ اینڈرسن کو رکھا تھا۔ وہ ایک ہوس ناک مرد تھا جس نے بدر کو لوٹ لیا۔ بدر لندن تعلیم حاصل کرنے جاتا ہے، فلپ اس کے ساتھ ہے، مگر ایک حادثے میں فلپ ہلاک ہو جاتا ہے۔ فلپ کی موت بدر الدین کو توڑ دیتی ہے۔ وہ اپنے ماں باپ سے برگشتہ ہو کر اسکارلٹ کی دوستی میں پناہ تلاش کرتا ہے جو بلا کی مے نوش ہے۔

کیلاش اسے تلاش کرنے میں اور وہ صحرا میں راستہ تلاش کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔ اب اس کی تلاش ملکی سطح پر ہو رہی ہے کیوں کہ وہ برطانوی شہریت رکھتا ہے۔

جیک کی دوست اس کی محبت میں گرفتار ہے اور خود بھی اس کی تلاش کا عزم رکھتی ہے۔ محی الدین سہگل اپنے پوتے سمیع الدین کے ساتھ کچھ بے باک لڑکیوں کو دیکھ کر خدشات کا اظہار کرتے ہیں، مگر سمیع ان کی تسلی کرا کے اپنی شادی کے سارے اختیارات انہیں سونپ دیتا ہے۔

ماریہ اور خدیجہ بانو کے درمیان تناؤ آجاتا ہے۔ ماریہ چار بچوں کی ماں بن جاتی ہے۔ منے کا ایک روز ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے تو ماریہ کا بھائی ڈیوڈ اسے خون دیتا ہے۔ اسی اسپتال میں ماریہ کے والد بھی داخل ہوتے ہیں۔ ماریہ محبت سے مجبور ہو کر دوبارہ اپنے گھر والوں سے تعلقات قائم کر لیتی ہے۔ خدیجہ بانو سخت برا مانتی ہیں۔ ان کی پوتی میری اپنی دادی اور ماں کی چپقلش سے متاثر ہوتی ہے۔ شہرزاد ہر موقع پر موسیٰ بی کی پسند ناپسند کا خیال رکھ کے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ صحرا میں بے بسی سے کسی مدد کا منتظر ہے۔ اس بات سے بے خبر کہ عالمی میڈیا اس کی جانب متوجہ ہو چکا ہے اور اس کی تلاش کے لیے ہیلی کاپٹر سے مدد لی جا رہی ہے۔

خاندانی شرافت پر یقین رکھنے والی لڑکی کی تلاش میں محی الدین سہگل اپنے حلقے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ مفتی عبید الرحمٰن ان کی توجہ ان کوتاہیوں کی طرف دلاتے ہیں جو بدر الدین کی پرورش کے سلسلے میں ان سے ہوئی تھیں۔

حسنل چھپ چھپ کے ریڈیو پر موسیٰ بی کے گانے سنتی ہے۔ صبغہ اسے ٹوکتی ہے اور اس کے پاس موسیٰ کی جیکٹ بھی نکلتی ہے، مگر حسنل اپنی زبان درازی کے آگے اس کی ایک نہیں چلنے دیتی۔

موسیٰ بی اور شہرزاد کو پرستار گھیر لیتے ہیں۔ وہیں قریب ماہ رو بھی ہوتی ہے وہ بھی موسیٰ کی شخصیت سے متاثر ہو جاتی ہے۔ موسیٰ کی رفاقت نے شہرزاد کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ خدیجہ بانو نے میگی کا نکاح اس کی پسند کو دیکھتے ہوئے ذیشان سے کروا دیا۔ میری کے لیے سمیع الدین کا رشتہ آتا ہے۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو پسند کر لیتے ہیں مگر میری کسی ایسے شخص سے شادی کے لیے تیار نہیں، جس کی ماں کا مذہب دوسرا ہو۔ اور اس حوالے سے وہ اپنی دادی کو موردِ الزام

ٹھہراتی ہے۔

اسے صحرا میں بھٹکے تین دن و رات گزر جاتے ہیں' اس کی تلاش کی کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اس کی حالت خراب ہونے لگتی ہے جیک کی دوست اس کے حوالے سے بے حد پریشان ہوتی ہے۔

مفتی عبید الرحمن' حسنل کی بغاوت دیکھ کر زبردستی اس کی شادی سمیع الدین سے کر دیتے ہیں۔ جس کا رشتہ پہلے وہ کئی دفعہ رد کر چکے تھے۔ اپنی دانست میں انہوں نے حسنل سے چھٹکارا پایا تھا۔ مگر سمیع الدین ہی موسیٰ بی ہے۔ حسنل' موسی کو اپنی محبت کی دیوانگی اور دعاؤں کا بتاتی ہے۔

شہزاد' موسی کی شادی سے ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ اور منفی باتیں سوچتی ہے۔

میری جو اصل میں حسنل کی دوست ماہ رو ہے۔ حسنل اور موسیٰ بی کو ساتھ دیکھ کر غم زدہ ہوتی ہے اور حسنل کے پروردگار پر ایمان لے آتی ہے۔

حسنل کی ساری دوستوں کو حسنل اور موسیٰ کی شادی سے اس کی دعاؤں کی قبولیت پر یقین آجاتا ہے۔ مگر ماہ رو جب اپنے انکار اور کرسچن ننھیال کا بتاتی ہے تو حلیمہ سخت ردِ عمل کا اظہار کرتی ہے۔

جیک اپنی دوست کو خوش خبری سناتا ہے کہ وہ صحرا سے زندہ سلامت مل گیا ہے۔

اسے ایک ساربان دیکھ لیتا ہے اور گاؤں والے اسے تھانے لے آتے ہیں۔ تھانے کا انسپکٹر رام ناتھ ایک اوباش شخص ہے۔ بی ایم پرشاد باجپائی کی ایک عورت کے معاملے میں اس سے ٹھن جاتی ہے اور اس نے اس کا تبادلہ پاک 'انڈیا بارڈر پر کرا دیا ہے' جہاں وہ ہر طرح کی عیاشی سے محروم ہے۔

نویں قسط

ایڈورڈ نے ایمانے کو موسیٰ کی خواہش پر اس کی رانوں پر بٹھا دیا.... حسنل نے محی الدین سہگل کی وہیل چیئر موسیٰ کی وہیل چیئر کے قریب سرکائی تو ٹائر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

جوان پوتے کو اس حال میں دیکھنا۔ عذاب ناک تھا۔ وہ اونچی آواز سے رو پڑے۔ موسیٰ نے پہلی بار حسنل کا چہرہ دیکھا۔ وہ ملتجی نگاہوں سے انہیں چپ کروانے کا کہہ رہا تھا۔

یہاں رش.... شور تھا انہیں جلد از جلد نکلنا تھا۔ موسیٰ کے کچھ دوست آگے بڑھ آئے۔ وہ اب گھر کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ہاسپٹل اور گھر میں ملاقاتیوں کا تانتا بندھا تھا۔ مگر موسیٰ سے ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ پھر بھی ہر ایک آکر اپنی حاضری لازمی لگوا رہا تھا۔ اس کا کمرہ گلدستوں کی وجہ سے گل فروش کی دکان لگنے لگا۔ ایک سے ایک خوب صورت کھلے خوشبودار پھول.... نقاہت کے باعث پلکیں جھپکنا تک بار لگتا تھا۔ مگر وہ آنے والے ہر گلدستے کو چند منٹ کے لیے اپنے ہاتھوں میں لینے کی خواہش ضرور کرتا تھا۔ اس نے ہنی کو بھی منع کر دیا۔ جب وہ پھولوں کو کمرے سے ہٹوانے لگی۔ نہیں.... اسے لق و دق صحرا یاد آجاتا۔

اس نے تو یہ بھی سوچ لیا تھا ناں.... کہ اسے مرقد بھی میسر نہیں ہو گا کہ کوئی چار پھول ڈال جاتا.... کوئی پانی کا ڈول چھڑک جاتا۔ اسے اپنی بے نام و نشان موت کا یقین ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے گناہوں کو چن چن کر یاد کیا تھا۔ ایسے جیسے سگھڑ بیبیاں دال سے کنکر چنتی ہیں اور پھر اس نے گناہوں سے معافی مانگی تھی۔ جیسے بھوکا روٹی مانگتا ہے پیاسا پانی.... جیسے بے بس ایڑیاں رگڑتے ہیں۔

تو یہ صحرا میں بھٹک جانے والے آٹھ روز نہیں تھے۔ ایسے لگتا تھا۔ وہ کسی تبلیغی اجتماع کے ساتھ سہ روزہ یا ہفت روزہ لگا کر آیا تھا۔ آٹھ دن میں اس نے

زندگی کو سیکھ لیا تھا۔ زندگی .... یعنی انسان کی کل اوقات۔

☆ ☆ ☆

واڈ روب سے ہینگرز نکالتی حسنل نے خاموشی سے موسیٰ کو دیکھا۔ وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے۔ دونوں پہلوؤں میں ہاتھ چھوڑے ٹانگوں کی قینچی بنائے بالکل خاموش بیٹھا کسی غیر مرئی نقطے کو تک رہا تھا۔ اس کے گھنے بال پیشانی پر گرے ہوئے تھے۔ اس کا خوب صورت چہرہ کمزوری کے باعث دیکھا نہ جاتا تھا۔ گالوں کی ابھری ہڈیوں سے دھوپ سے جلے کے نشان ابھی تک مدہم نہیں ہوئے تھے۔

زخم دیر سے ہی بھرتے ہیں۔ مگر موسیٰ کی خاموشی کو کیسے توڑا جائے۔ اور آنکھوں کے خالی پن کو بھرنے کے لیے بھی کوئی آئی ڈراپ ہوتا۔

"آپ کپڑے بدل لیں موسیٰ....!" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے حلیمی سے بولی۔ موسیٰ بری طرح چونکا پھر اسے دیکھا اور کپڑوں کو۔ نفیس قیمتی برانڈڈ لباس.... وہ شاپنگ باہر ہی سے کیا کرتا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہیں؟" اس نے اپنے لباس کو دیکھا۔ حسنل چونکی پھر ہنس دی۔

"ٹھیک تو ہیں مگر آپ تو دن میں تین تین بار ڈریس چینج کرتے ہیں۔ رات سے یہی پہن رکھا ہے۔"

"اچھا....!" اس نے یوں سر ہلایا جیسے اپنے بارے میں یہ بات ابھی اسی کے منہ سے پتا چلی ہو۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"میں کھانا یہیں منگوا لوں؟"

"کھانا....!" وہ واش روم میں گھستے گھستے رک گیا۔ کتنا عجیب لگا تھا اسے یہ جملہ۔ اس کا سر ہل گیا۔

حسنل نے تیزی سے کچن کا رخ کیا۔ وہ مشینی تیزی سے جب ٹرالی بھر کے لائی موسیٰ واش روم سے نکل کر دروازے پر ہی کھڑا تھا۔

حسنل نے واڈ روب کے سب سے آخری حصے میں سے لٹکتا سفید شلوار کرتا اسے نکال دیا۔ وہ فقط نہا کر آ کر ہی تھک گیا تھا۔ حسنل نے کرتا خود اس کے گلے میں ڈالا.... سلوٹیں نکالیں اور بٹن بند کر دیے۔ پھر برش اٹھا کر پنجوں کے بل اونچا ہو کر اس نے اس کے بال بھی سنوار دیے۔ ہتھیلی پر لوشن مل کر اس کے چہرے پر ملنے سے پہلے شریر مگر اجازت طلب نگاہوں سے اسے دیکھا۔

اور کوئی وقت ہوتا.... مگر ابھی موسیٰ نے آنکھیں موند لیں۔ حسنل کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ہاں، وہ بہت بڑے حادثے سے بچ کر آیا تھا مگر ایسا بھی کیا گریز وہ نظر ہی نہ ملا رہا تھا۔

ایئرپورٹ سے اسے سیدھا ہاسپٹل لے گئے تھے۔ وہاں اسے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں تھا۔ حسنل کو بہت دیر بعد موقع ملا کہ وہ اس سے لپٹ گئی اور اسے بتانے لگی کہ کیسے اس نے وہ آٹھ روز انگاروں پر لوٹتے ہوئے گزارے ہیں۔ ایک ایک پل کی اذیت.... وہ زار و قطار روتے ہوئے اسے اپنی محبت کا بتا رہی تھی اور فکر کا.... اور یہ کہ اگر وہ نہ ملتا.... آگے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

موسیٰ حسنل کی طرف سے ایسا اظہار ہمیشہ بڑی دل جمعی اور تسلی سے سنتا تھا لیکن ابھی اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ اسے وہ لق و دق صحرا یاد آنے لگا۔ جہاں وہ اکیلا انسان تھا۔ اور سورج تھا اور ٹھنڈ تھی اور حشرات الارض تھے اور ہاں چیلیں کوے اور.... اور گدھ بھی تھے۔ جو ایک وقت آنے پر اس کے گرد ایک فاصلے سے دائرہ بنا کر بیٹھ گئے تھے اور اس کی سانسیں گنتے تھے۔

حسنل نے ابھی کہا تھا کہ اگر وہ نہ ملتا.... تو اس کی زندگی بھی ختم ہو جاتی وہ بھی مر جاتی اور ایمان کا کیا ہوتا؟ اور محی الدین سہگل کا کیا ہوتا؟ اور.... اور.... موسیٰ کے اندر شدت سے نفی کی تکرار ہونے لگی۔ اس پر ابھی کے ابھی ادراک ہوا۔

اگر وہ نہ ہوتا.... ہاں اگر وہ نہ ہوتا تو بھی سب کچھ ہوتا۔

اگر وہ نہیں ملتا۔۔۔ یعنی کھو ہی جاتا۔ تو اپنے ہی لیے کھوتا۔ جو نقصان ہوتا اسی کا ہوتا۔ نقصان دنیا سے جانے والوں کا ہی ہوتا ہے۔ دنیا والے تو تین دن بعد چٹائی لپیٹ کر چولہا جلا لیتے ہیں۔

موسیٰ نے خود سے لپٹی حسنل کو دور کر دیا۔

آنکھیں موند لی تھیں۔ پھر منہ بھی موڑ لیا۔ اس وقت حسنل نے اس چیز کو محسوس نہیں کیا۔

لیکن آج اتنے دنوں بعد بھی اس کے اتنے التفات و قربت پر وہ ساکت و جامد تھا۔۔۔ حسنل کے پندار کو ٹھیس لگی۔ ہاں سب کچھ اپنی جگہ بالکل درست مگر۔۔۔ وہ مسکرا کر تو دیکھ سکتا تھا۔

مگر چہرے اور ہاتھوں پر لوشن ملوا لینے کے بعد وہ کرسی پر جا بیٹھا۔ حسنل کے چہرے پہ سنجیدگی آ گئی جو تھوڑی دیر بعد پریشانی میں بدل گئی۔ ٹرالی اس کی پسندیدہ چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور وہ کھا تو رہا تھا مگر کہاں تو وہ پکا انگریز کانٹے چھری اور نیپکن کے ساتھ کھانے والا اور کہاں اس نے مزار کی سیڑھی پر بیٹھے فقیر کی طرح لقمہ توڑا تھا۔ اور منہ میں رکھا تھا۔

اس نے حسنل کے بڑھائے توس پر جیم انگلیوں سے اٹھا کر رکھا تھا۔ جس میں سے کچھ انگلیوں کی درزوں سے بہا' تو اس نے ہاتھ کی پشت چاٹ لی اور اس نے اتنے لوازمات میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا۔۔۔ بس توس اٹھاتا رہا پورے چھ۔ حسنل شاک میں تھی ورنہ ٹوکتی۔۔۔ بہت سے مسائل کے ساتھ ایک یہ بھی ہوا۔ کہ اسے کھانا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ الٹی ہو جاتی تھی۔

"آپ کے لیے نیا فون لائی تھی میں۔" وہ مزید نہ کھائے۔ حسنل نے دھیان ہٹانے کو کہا۔

"میں نے اس میں تمام نمبرز فیڈ کر دیے ہیں۔ آپ چیک کریں۔" اس نے اس کے ہاتھ ٹشو سے صاف کر کے ان میں موبائل دے دیا۔ موسیٰ کا دھیان پلٹ گیا۔

موبائل کی بڑی سی سکرین چھونے سے کھل گئی۔

اس پر حسنل' موسیٰ اور ایمانے کی خوب صورت تصویر نمایاں تھی۔

"ایمانے۔۔۔؟" اس نے چونکنے انداز میں پوچھا۔

"اسکول۔۔۔" حسنل کے چہرے پر نرمی پھیل گئی۔ موسیٰ نے نمبر لسٹ کھول لی۔

سب سے پہلا نام احمد غفار کا تھا۔ موسیٰ کو بہت زور دینے پر بھی یاد نہیں آیا کہ یہ کون شخص ہے' نام جانا پہچانا تھا۔ حسنل تیار ہونے چلی گئی تھی۔ اسے موسیٰ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔

"احمد غفار۔۔۔!" موسیٰ نے نمبر ڈائل کر کے کان سے لگا لیا۔

"اوہ۔۔۔!" اسے یاد آ گیا۔ احمد غفار کون تھا۔ اس کا پورا وجود جھنجھنا گیا تھا۔

زمین میلی نہیں ہوتی' زمن میلا نہیں ہوتا
محمد کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا
جو نام مصطفیٰ

نجانے کدھر تھا احمد غفار جو فون اٹھاتا ہی نہ تھا اور انسپکٹر رام ناتھ۔

اس کا چہرہ پلکوں کے پیچھے طلوع ہوا تھا۔ تو آنکھوں میں مرچیں بھر گئیں۔ رام ناتھ اس کا سب سے بڑا استاد یا نقاد جو سبق اس نے دیا۔ جیسے حاصل مطالعہ۔ وہ پہلے کبھی نہیں پڑھا اور جو سوال اس نے اٹھائے۔ جو رویہ اس نے اپنایا۔

بھٹکے ہوئے آٹھ دنوں میں اس نے اپنی کل زندگی کو سوچا تھا۔ اور لوٹ آنے کے بعد ان آٹھ دنوں میں دراصل وہ انسپکٹر رام ناتھ کو سوچ رہا تھا۔ مگر ادراک نہیں ہو رہا تھا۔ اور اب جب اس کے کانوں میں نعت کے بول گونجے۔ اسے سب یاد آ گیا۔ آنکھوں کے آگے اس رات کی فلم چلنے لگی۔

دنیا کو لگا' وہ بھٹک گیا تھا۔ شاید۔۔۔

مگر بھٹک کر ادھر ادھر چکراتے چکراتے نجانے کب صراط مستقیم شروع ہو گئی۔

(اسے ابھی اس چیز کا ادراک نہیں تھا۔ کسی کو بھی نہیں ہوا)

☆ ☆ ☆

"میں تمہیں کال کر رہا تھا احمد.....!"

"جی سر..... آرڈر کریں۔" وہ بہت مستعدی اور جوش سے بولا تھا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں کال کر رہا ہوں..... مگر تم کال ریسیو مت کرنا۔"

"جی سر.....!" احمد کی بھنویں سکڑیں اس نے شاید غلط سنا تھا۔ موسیٰ نے الفاظ دہرا دیے' ایک نئے اضافے کے ساتھ۔ "مجھے تمہاری رنگ ٹون..... میرا مطلب ہے یہ نعت سننی ہے۔"

"جی..... جی جی۔" اور یہ صرف دو مصرعے تھے جو بار بار شروع ہو جاتے اور مصرعے بھی تو ہوں گے۔ کاش وہ انہیں بھی سن سکتا مگر کیسے..... تین دن تک اسے کوئی راہ نہ سوجھی حالانکہ اس کے قیمتی موبائل کے ایک ٹچ کے نیچے سب کچھ مل سکتا تھا۔ مگر اس کا دماغ ہی تو صحیح سے کام نہیں کر رہا تھا۔ کبھی تو یوں لگتا' وہ اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ وہ کھو گیا تھا۔

کچھ چہرے دھندلے تھے۔ دوستوں کے' رشتوں کے' پیاروں کے..... ایک چہرہ واضح تھا انسپکٹر رام ناتھ۔ وہ نہیں بھولتا تھا اور جو بھی یاد آتا وہ اسی سے متعلق ہوتا۔

وہ کچھ سوچتا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا گھر سے باہر آ گیا۔ احمد غفار فرصت سے کرسی پر پیر اوپر کو رکھ کر بیٹھا چائے کی چسکیاں بھر رہا تھا۔ اسے اپنے سر پر دیکھ کر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

موسیٰ نے اس کے آگے اپنا موبائل کر دیا۔ "یہ جو نعت ہے۔ یہ پوری تو نہیں ہے۔ یہ مجھے پوری سننی ہے احمد.....؟"

"یہ کون سی پرابلم ہے سر.....!" وہ کھل کر مسکرایا۔ موسیٰ کے چہرے کی الجھن کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی۔ احمد نے اس کے ہاتھ سے اس کا نیا قیمتی موبائل لیا..... ایک منٹ بعد جب اس نے موبائل اس کی سمت بڑھایا۔ نعت اپنی پوری خوب صورتی کے ساتھ کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ موسیٰ ششدر رہ گیا' وہ بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہٹا تھا۔

ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ وہ ایسے ہی الجھن میں رہا۔ ایک ٹچ کے نیچے اس کے سکون کا سامان تھا۔ اس کی الجھن کا سرا..... مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ سکون کا احساس تھوڑی دیر کا تھا۔ سکون تو اس وقت ختم ہو گیا تھا ناں' جب رام ناتھ نے.....

البتہ احمد غفار نے سکھ کا سانس لیا۔ سر نے دوبارہ اس کے نمبر پہ کال نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

وہ شاور کے نیچے کھڑا تھا اور آنکھیں بند کیے بھیگ رہا تھا۔ اس کا لباس جسم پر موجود تھا۔ نجانے کون سی نجاست سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بے چینی تھی۔

رام ناتھ کا اکسانا اور پھر جبرا" پلانا..... جب وہ اس کے جبڑے کو جبرا" کھول کر اس میں شراب انڈیل رہا تھا۔ اور پھر جب اس نے اس بھرے منہ کی پچکاری اس کے منہ پر مار دی۔ پھر رام ناتھ کو یہ کھیل ایسا بھایا۔ اس نے یہ عمل بار بار دہرایا تھا۔

اور دوسری مصیبت جو سراسر بے یقینی تھی کہ..... بہت کوشش کے باوجود وہ نعت کو پڑھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے حلق سے بھدّی سی آواز نکلتی تھی۔ جبکہ ساری دنیا اس کی آواز کی عاشق تھی۔ اس کا سانس پھول جاتا تھا۔ اور سر اونچا نہیں ہو پا رہا تھا۔ کہیں راستے میں کھو جاتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ جو طرزیں بناتا تھا۔ دھنیں ترتیب دیتا تھا۔ اسے سر توڑ کوشش کے بعد بھی اس نعت کی طرز یاد نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کی آواز پھٹ جاتی۔

رام ناتھ نے نعت کو بورنگ کہا تھا۔ اس نے موسیٰ سے بھجن گوایا تھا۔

کاش وقت پلٹ سکتا..... تو وہ رام ناتھ کے منہ پر کس کے الٹے ہاتھ کا جھانپڑ دے دیتا یا اسے زمین پر گرا کر اس کی گردن کو اپنے جوتے کی ایڑی سے مسل دیتا۔

لیکن وہ تو بہت بعد کی کہانی ہے۔ ابھی تو اسے خود کو مصفا کرنے کی فکر تھی۔

ایسا کیا کرے کہ۔۔۔ جسم صاف ہو جائے۔ اس نے اپنے چہرے پر زور زور سے ہاتھ ملے جیسے رام ناتھ کی پچکاریاں ہٹا رہا ہو۔

تو ایسا کیا کرے کہ۔۔۔ چہرہ صاف ہو جائے۔۔۔ اور روح۔۔۔؟ وہ چونکا تھا۔

شاور سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سیاہ شیشوں والی پراڈو سیاہ تارکول پر پھسلتی جا رہی تھی۔

حسن المآب کی سوچوں کی رفتار گاڑی کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ الجھی 'نڈھال' پریشان اس یقین کے ساتھ جلد از جلد منزل پر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ کہ وہاں اس کا دل ہلکا ہو گا۔ وہ وہ سب کہہ سکے گی جس نے اس کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کر دیا تھا اور اسے ایک صائب مشورہ بھی ملے گا۔

وہ حلیمہ یا اریبہ سے بھی مشورہ کر سکتی تھی۔ مگر وہ تو اسے مبارک باد دینے لگ جاتیں۔ اس کے خدشات پہ الٹا اسے لتاڑ دیتیں، نصیحت کرتیں اور اگر بس چلتا تو حلیمہ جیسی ایک تھپڑ تو لازمی جڑ دیتی۔ تو اسے ان کے پاس نہیں جانا تھا۔

خود سے سوچ سوچ کر بھی وہ تھک گئی تھی۔ پر کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔ بلکہ دراصل وہ مسئلے کو ہی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ وہ اب تک اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اپنی مرضی سے لے کر چلی تھی۔

اس نے ہر فیصلے پر عمل اپنے فائدے نقصان کو دیکھتے ہوئے کیا تھا۔ مگر اس بار چونکہ معاملہ کلیئر نہیں تھا۔ اس لیے وہ اپنے خدشات کو مل بیٹھ کر بانٹنا چاہتی تھی۔

اور اس کے علاوہ اگر موسیٰ کو کوئی جانتا تھا۔ وہ ایک ہی ہستی تھی۔

"میں تمہیں فون کر دوں گی دو گھنٹے تک۔۔۔" اس نے سر اٹھا کر دکھ کو رہ فلیٹ کی گیلری کو کھوجا۔

"وہ جو فلموں میں ہوتا ہے ناں۔ ایک شخص بچھڑ گیا اور پھر لوٹ آیا۔ وہ ہو تا وہی شخص ہے۔ رنگ روپ' شکل۔۔۔ مگر۔۔۔ کچھ۔۔۔ کچھ ان کہا سا نادیدہ سا ہوتا ہے۔ جو مستقل احساس دلاتا ہے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے بھیس بنا کر آیا ہے ہو بہو ویسا ہے۔ مگر کچھ فرق۔۔۔ کچھ کمی سی

مجھے لگتا ہے میں کسی اور شخص کے ساتھ رہ رہی ہوں۔۔۔ یہ' یہ آدمی۔۔۔ موسیٰ۔۔۔ نہیں ہے جیسے۔۔۔"

حسن المآب نے بہت موزوں الفاظ جوڑ کر پیراگراف ترتیب دیا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی ہنی!؟"

"غلط فہمی!! کیسی غلط فہمی؟ ایک ماہ ہونے والا ہے۔ ان کا کھانا پینا سونا جاگنا بولنا۔۔۔ بلکہ بولنا کیا وہ تو یوں خاموش رہتے ہیں جیسے مجرم ہوں خاموش سب بدل چکا ہے' موسیٰ کی زندگی بالکل الٹ ہو رہی ہے جیسے۔"

"مجھے تو ایسا محسوس نہیں ہوا۔ ایک ٹف ٹائم گزارا ہے اس نے۔ زندگی اور موت کو اپنے اوپر جیتتا' ہارتا دیکھنا کتنا تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ دھیرے دھیرے نارملٹی کی طرف لوٹے گا۔ تم۔۔۔"

"میں بیوی ہوں شہر۔۔۔!" اس نے ناگواری سے جتاتے ہوئے اس کا جملہ کاٹا تھا۔

"آئی نو دیٹ۔۔۔" شہرزاد نے طویل ٹھنڈی سانس لی۔ (یہی تو زندگی کی سب سے بڑی ہار تھی۔ کاش وہ جیت پاتی۔)

"ایک ایک جنبش سے واقف ہوں۔ وہ کس وقت کیا چاہتا ہے۔ اسے کس چیز کی طلب ہے۔ میں اسے پا لینے سے پہلے ہی اس سے پوری طرح واقف تھی شہر!" اس کی آواز خود کلامی میں بدل گئی۔

"اور میں اسے پائے بغیر تم سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کر سکتی ہوں حسن المآب" شہرزاد کا دل مسوس گیا مگر میرے اس دعوے کی کیا حیثیت۔۔۔ کیا مقام۔۔۔ کیا عزت۔۔۔

"وہ خاموش ہو گئے ہیں۔ بالکل خاموش۔۔۔ اتنے بے ضرر کہ احساس نہیں ہوتا' وہ گھر میں ہیں کہ نہیں۔ سب جانتے ہیں۔ وہ اپنی ممی پاپا کا ذکر نہیں کرتے۔

پسند ہی نہیں کرتے اور پتا ہے تین دن پہلے ایک بہت پرانی شاید بچپن کی تصویر اپنے سامنے رکھے رو رہے تھے شہر...! بچوں کی طرح بلک بلک کر.... ہچکیوں سے.... بیچ میں کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ کبھی کہتے ہیں مجھے معاف کر دیں.... میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔

مجھے نہیں پتا کہ ان کے درمیان کیا مسائل رہے ہوں گے لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ بابا (محی الدین سہگل) ممی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور انہیں کی وجہ سے ڈیڈ کو بھی.... لیکن کیوں.... کس لیے.... میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا.... نہ پوچھا۔ میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی جو موسیٰ ناپسند کریں یا۔"

وہ بولتے بولتے تھک سی گئی۔

"لیکن وہ مجھے اگنور کر رہے ہیں۔" اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔

"تمہارا وہم ہے۔" شہرزاد کو عجیب سا سکون محسوس ہوا۔

"نہیں....!" حسنل نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ "اب کیا کہوں....!" وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

"جب.... جب سے.... وہ آئے ہیں۔" وہ ٹھنڈا سانس لے کر چپ ہوئی۔

"جب سے وہ آئے ہیں انہوں نے مجھے چھوا تک نہیں۔" اس نے تیزی سے کہہ کر جان چھڑائی.... شہرزاد کے جسم پر پھوار سی پڑی۔

"ایسا کیوں....؟"

"پتا نہیں...." حسنل انگلیاں چٹخانے لگی۔

"یوں لگتا ہے انہیں ایمانے کے علاوہ کچھ یاد نہیں.... وہ مجھ سے باقاعدہ نظریں چراتے ہیں۔ اور ان کا رویہ.... میں وضاحت نہیں دے سکتی' وہ گھنٹوں خاموش رہتے ہیں خالی نگاہوں سے ٹکٹکی باندھ کر غیر مرئی چیزوں کو گھورتے ہیں۔ جیسے کسی نے جادو کی چھڑی پھیر دی ہے' وہ بدل گئے ہیں شہر....!"

حسنل تیز تیز بولنا شروع ہو گئی۔

"کھانے کی ٹیبل پر جو مرضی رکھ دو' سوچ سوچ کے نوالہ منہ میں ڈالتے ہیں۔ شیف کو اپنی نوکری خطرے میں نظر آ رہی ہے۔ میں نے چیک کرنے کے لیے.... پالک پنیر کی جگہ فرائی بھنڈی سے پلیٹ بھر دی۔ ساکت نظروں سے نوالے ہاتھ میں پکڑ کر اندھا دھند منہ میں ڈالتے رہے۔ بے حد چھوٹے نوالے.... اور پانی کے گلاس کو ہاتھ میں پکڑ کے گھورتے ہیں۔

شامی کباب کھا لیا۔ مرچوں کی عادت نہیں ہے ناں ذرا سا چونکے پھر کباب کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کچھ لمحے دیکھتے رہے پھر کھانے لگے۔"

"ان بلیوایبل...." شہرزاد کا ماتھا ٹھنکا۔ "تم نے بات نہیں کی کہ ایسے کیوں کر رہے ہو....؟"

"جواب نہیں دیتے۔ اجنبی نگاہوں سے گھورتے ہیں۔ ناخن نہیں کاٹتے شیو بڑھ جاتی ہے۔" وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

دونوں کے درمیان خاموشی آ گئی۔

"کسی سے ملتے نہیں ہیں۔ کیلاش وغیرہ فون کریں تو ہوں ہاں سے زیادہ نہیں بولتے۔ بابا کے پاس بیٹھ جائیں تو نجانے کیوں رونے لگتے ہیں.... جے کے.... نئی ویڈیو کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ اس دن...."

"وہ ملا تھا مجھے...." شہرزاد کو بھی یاد آیا تو فوراً" بولی۔

"کہہ رہا تھا' موسیٰ ابھی تک ٹراما سے باہر نہیں نکلا۔ جس البم کے حوالے سے وہ اس قدر کنسرن تھا۔ اب جیسے اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کسی اور کا ذکر ہو.... یا جے کے دیواروں سے بول رہا ہو...."

شہرزاد کے بھی حسنل جیسے محسوسات تھے۔ مگر اتنا سب ہو جانے پر ایسا ہو جانا نارمل ہے۔ لیکن حسنل بیوی تھی۔ اس کے سب سے نزدیک۔ اس کی رائے۔

"ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" شہرزاد نے پریشان ہو کر حسنل ہی سے دریافت کیا۔

"وقت دینا ہو گا.... اس سب سے نکلنے کے لیے۔"

اس نے تائیدی انداز میں خود ہی جواب دیا۔

"وقت نہیں... اگر آپ کل رات کی بات سنیں تو۔"

رات یاد کر کے حسنل کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی تھی۔

شہزاد منہ سے کچھ نہ بولی مگر اس کا پورا وجود سماعت بنا ہوا تھا۔

"رات کو سوتے ہی نہیں... میں کب تک ساتھ جاگ سکتی ہوں۔ خاموش۔ لاکھ متوجہ کرنے پر بھی رد عمل ظاہر نہیں کرتے لیکن کل مجھے سوتے سے جگا دیا۔ میرے پیروں کے پاس کھڑے ہو کر چادر کھینچ رہے تھے۔ (شہزاد کے جسم میں سنسنی پھیلی' حسنل کیا سنانے والی تھی۔)

"ہنی... ہنی اٹھو... اٹھو تو... وہ دھیمی مگر عجلت بھری آواز میں پکار رہا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی' گہری تاریکی۔ سامنے بڑی کھڑکی پاٹ واپاٹ کھلی تھی اور سفید جالی دار پردے ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے۔

"کک... کیا ہوا؟" وہ سخت اچنبھے اور کسی حد تک خوف سے موسیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

"تت... تت... تم نماز نہیں پڑھو گی؟" اس کا سوال جھجک سے بھرپور تھا۔ اور "ہاں" سننے کا متمنی بھی۔

"نماز...؟" کھڑکی کے باہر کی تاریکی... "ابھی نماز کا وقت..." اس نے سائیڈ لیمپ جلا کر گھڑی پر نگاہ جمائی۔ پونے چار کا عمل تھا۔

"ابھی وقت نہیں ہوا۔"

"وقت سے پہلے نماز نہیں پڑھ سکتے کیا؟"

"پڑھ تو سکتے ہیں لیکن... ابھی کیوں...؟" اس نے پیر نیچے کر کے سلیپر ٹٹولے۔

"مم... مم... مجھے نماز پڑھنی ہے... حسن المآب۔" موسیٰ نے بہت وقت سے مگر پھر کمان سے نکلے تیر کی طرح تیزی سے جملہ مکمل کیا۔

"اذان میں وقت ہے مگر آپ پڑھ لیں۔ تہجد پڑھ سکتے ہیں دو رکعات..."

"تم... میرے... ساتھ پڑھو... پڑھو گی...؟"

"میں پڑھ لوں گی... پڑھ لیتی ہوں۔" اس نے نرمی سے جواب دیا مگر وہ بے حد حیران اور خوف زدہ تھی... پتا نہیں کیوں؟

کپڑے تبدیل کرتے... وضو کرتے... وہ سخت حیرت کا شکار تھی۔ مگر اس نے خود کو قصداً "نارمل رکھا تھا۔

وہ دبے قدموں باہر جا کر دو جائے نماز اٹھا لائی۔ اس نے برابر بچھا دیں۔

"نہیں' تم اپنی آگے رکھو... جیسے نماز پڑھانے والے کھڑے ہوتے ہیں۔"

"لیکن موسیٰ! عورت نماز نہیں پڑھا سکتی... اسے امامت کرنے کا حکم نہیں ہے۔" اس نے ٹھٹکے ہوئے انداز میں بہت نرمی سے کہا تھا۔

موسیٰ کے ہونٹ لرز اٹھے۔ اس نے تیز تیز پلکیں جھپکی تھیں۔

"اور اگر مرد کو نماز ہی نہ آتی ہو... تو؟" اس نے اپنے آپ کو عیاں کر دیا تھا۔

"مجھے وضو کا طریقہ معلوم تھا۔ لیکن میں نے بسم اللہ کے سوا کچھ نہیں پڑھا۔ میں سیکھ لوں گا... مگر... اس وقت مجھے صرف... نماز پڑھنی ہے۔" اس کے انداز میں بے چینی تھی "تم پڑھا دو گی ناں...؟" وہ بہت حسرت امید سے پوچھ رہا تھا۔

حسن المآب... کو ہنی موسیٰ بنے پندرہ سال ہوئے تھے۔ مگر اس کے خون کے اندر آج بھی حسن المآب عبدالمنان... مفتی عبدالرحمٰن کی نواسی زندہ تھی۔

"ہم ساتھ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔" اس نے... بتایا تھا۔

شہزاد سحر زدہ سی سن رہی تھی۔ حسنل تھک سی گئی تھی۔ شہزاد بہت دیر تک بولنے کے قابل نہیں ہوئی اور جب بولی تو...

"ہم کسی سائیکاٹرسٹ سے کنسلٹ نہ کریں۔ موسیٰ کا بی ہیویر (رویہ) نارمل نہیں ہے۔"

اس نے ایپرن کی ڈوریاں باندھنے کے بعد آستین موڑتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ سے موسیٰ کو دیکھا اب وہ پشت پر ہاتھ لیے نپے تلے قدم اٹھاتی اس کی طرف آرہی تھی۔

"مجھے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔" وہ مسکرایا۔ وہ گردن جھکا کر ہنس دی۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے حضور۔۔۔ سر جھکا لیجیے؟ کیا اس میں خنجر ہے؟" اس نے آنکھ کے اشارے سے وینٹی بکس کو دیکھا اس کی رکتی ہنسی کو دوبارہ زندگی ملی۔ موسیٰ نے اپنا ہاتھ بیڈ پر تھپتھپایا کہ وہ ادھر آکر بیٹھے۔ وہ سر تسلیم خم کرتی بیٹھ گئی۔ موسیٰ اس کی سمت جھکا۔

"موسیٰ۔۔۔!" اسے اپنی گویائی سلب ہونے کا گمان ہوا۔ کتنے دنوں بعد۔۔۔ کتنے بہت سے دنوں کے بعد موسیٰ کی جانب سے ایسا التفات آیا تھا۔

"اس میں کیا ہے بلکہ تم میرے ساتھ کیا کرنے والی ہو؟" وہ سوال پر لوٹا۔

"اس میں۔۔۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ اس نے تولیہ موسیٰ کے گریبان میں پھنسا دیا۔

"جب آپ خود نہیں کریں گے تو یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔" وہ اس کی شیو کرنا چاہتی تھی۔

موسیٰ کے چہرے کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی شرارت معدوم ہو گئی۔ اس کے چہرے پر دس بارہ روز پرانی شیو تھی۔

حسنل کو تو وہی موسیٰ پسند تھا ناں۔۔۔ وہ خود سے اتنا لاپروا کیوں رہنے لگا تھا۔ یہ ایک شریر لمحہ تھا جس میں حسنل کو فوقیت حاصل رہی۔ اس نے کام مکمل کر لیا۔ تولیے سے منہ پونچھ کر اس نے بڑے لاڈ بھرے انداز میں موسیٰ کی ٹھوڑی پکڑ کے چہرہ ہلایا۔

"لیں اب دیکھیں خود کو۔"

اس نے دوسرے ہاتھ میں آئینہ تھاما اور خود موسیٰ کے پیچھے ہو کر اس کے شانے سے اپنا چہرہ نکال کر خود بھی آئینہ میں دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ فاتحانہ تبسم و خوشی سے سجا ہوا تھا۔ موسیٰ اس کی خوشی میں خوش ہو رہا تھا۔ آئینے میں نظر آتا اس کا حسن جہاں سوز۔۔۔ اللہ اللہ۔۔۔ وہ اپنے کارنامے پر نازاں تھی۔ مگر نجانے کیوں موسیٰ کی آنکھیں بجھ گئیں۔ چہرہ اتر گیا۔ اس نے یک دم آئینہ رکھ دیا۔ حسنل کو دھچکا لگا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ موسیٰ کے شانے پر دھرے اس کے ہاتھ میں سختی آگئی تھی۔ اس نے لمبا سانس بھرا۔

ہاں وہ سمجھ سکتی تھی۔ موسیٰ کو اپنا چہرہ دیکھ کر افسوس ہوا تھا۔ کہاں وہ بھرپور مردانہ حسن کا شاہکار شاداب چہرہ۔۔۔ اور کہاں ابھی۔

دراصل موسیٰ کو اپنا چہرہ دیکھ کر کسی اور کا چہرہ یاد آگیا تھا۔

کس، کون۔۔۔ وہی مردود رام ناتھ۔۔۔ جو بھولتا ہی نہیں تھا۔

اور تازہ ترین صورت حال یہ تھی۔۔۔ خبروں سے غائب رہنے والا موسیٰ دوبارہ سے ان ہو گیا۔ بات تھی ہی اتنی عجیب۔۔۔ عجیب یا ناقابل یقین۔ حسنل تو اسی تفریق میں اٹک گئی۔ اور پھر جب ہوش سنبھالا۔

"موسیٰ نماز پڑھنا ٹھیک ہے اوکے۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔ آپ مسجد گئے ماشاء اللہ پہلے بھی جانا چاہیے تھا۔ مگر اب آپ کہتے ہیں آپ تبلیغی اجتماع میں شرکت کریں گے؟" اسے خود پتا نہیں چل رہا تھا۔ غصہ زیادہ ہے یا حیرانی زیادہ ہے۔

"سب جانے کا ذکر کر رہے تھے۔ میں نے سوچا میں بھی۔۔۔" وہ خود بھی الجھا ہوا تھا مگر نام لکھوا کر آیا تھا۔

"جانے کا ذکر" وہ چونکی؟ "مطلب یہ اجتماع یہاں کی مسجد میں نہیں ہو رہا؟ کہیں باہر۔۔۔؟" موسیٰ نے زبان نہ ہلائی مگر چہرہ اثبات کا نشان ہو گیا۔

"او موسیٰ!" وہ تیزی سے اس کے صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ "آپ باہر نہیں جائیں گے۔ آپ کو نہیں پتا یہاں کا۔۔۔ یہاں۔۔۔ وہ بالکل الگ طرح کا ماحول ہوتا ہے۔ او اللہ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔۔۔ آپ کا جانا خطرناک ہوگا۔۔۔ وہاں۔۔۔ وہاں بم دھماکا بھی ہو سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے ایسے اجتماعات میں۔۔۔ آپ کچھ نہیں جانتے موسیٰ۔" وہ بے چینی سے ہاتھ ملنے

لگی۔

"میں جاننا چاہتا ہوں۔" اس نے تیزی سے اسے ٹوک دیا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو موسیٰ؟" اس کی آواز بھرا گئی اس نے بہت دردمندی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پتا نہیں۔۔۔" موسیٰ نے بالوں میں ہاتھ چلایا۔ پھر چھت پر نگاہیں جما دیں۔ ان میں نمی تھی۔ حسنل ششدر رہ گئی "میں کھو گیا ہوں ہنی۔۔۔" وہ بولا تو آواز بھی بھرائی ہوئی تھی۔

"نہیں موسیٰ۔۔۔" اس نے پریقین انداز میں اپنی گرفت میں گرم جوشی سموتے ہوئے زور و شور سے نفی میں سرہلایا۔ "آپ مل گئے ہیں' اس خوف سے نکل آئیں۔ سب ٹھیک ہو گیا۔ آپ اپنے گھر' اپنوں میں واپس آچکے ہیں۔ ابھی چند دن اور گزریں گے تو وہ سب اک خواب لگے گا۔ سب بھول جائیں گے۔"

"ڈراؤنے خواب کبھی نہیں بھولتے ہیں!" اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"ارے۔۔۔!" حسنل یک دم ہلکی پھلکی ہو گئی۔ ہنس دی۔ "ڈراؤنے خوابوں سے بچنے کی تو دعا ہوتی ہے ناں۔۔۔ ہر رات کو سونے سے پہلے۔" "مجھے وہی دعا سیکھنے جانا ہے ہنی۔" اس نے اس کی بولتی بند کر دی۔

حسنل بالکل بھول گئی وہ کہہ کیا رہی تھی۔

"میں آپ پر دم کر دوں گی۔" وہ بہت دیر تک اس کے چہرے کا خوف دیکھنے کے بعد بولی۔ "میرا مطلب ہے آپ پر پڑھ کر پھونک دوں گی۔ پھر آپ کو کبھی ڈراؤنے خواب نہیں آئیں گے۔" اس کا لہجہ یقین سے بھرپور تھا۔ جیسے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔۔۔ موسیٰ کی آنکھوں میں تحیر پھیلا۔

"کیا واقعی۔۔۔؟" مگر اگلے ہی لمحے وہ خود بھی اپنے سوال پر حیران رہ گیا۔ "پر جب تم نہیں ہوں گی تب۔۔۔"

حسنل لاجواب ہو گئی۔ "میں کیوں نہیں ہوں گی موسیٰ۔۔۔"

"کوئی نہیں ہو گا۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب سب ہوتے ہیں مگر کسی کام کے نہیں ہوتے۔ میں نے اس وقت کو دیکھ لیا ہے۔ جیسے ایک ہوتی ہے فلم۔۔۔ اور ایک ہوتا ہے اس کا ٹریلر۔۔۔ اندازہ تو ہو جاتا ہے ہنی!"

"آپ کو کون سکھا رہا ہے ایسی باتیں۔۔۔؟"

حسنل کو احساس نہیں ہوا۔ وہ بلاشبہ چیخی تھی۔ موسیٰ چونکا پھر جیسے یاد کرنے لگا کہ کیا کہہ رہا تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے' کوئی نہیں سکھا رہا۔۔۔ جبکہ میں سیکھنا چاہتا ہوں۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی' فکر تھی' درد تھا' غم تھا۔

حسنل باقاعدہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔ یہ تو بہت خطرناک علامات تھیں۔

وہ بات ختم کر کے سینے پر ہاتھ لپیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

بارش کے بعد چلنے والی سرد ہواؤں نے کراچی شہر کو ٹھٹھرا کر رکھ دیا۔ ایک چادر اس نے خود کو مخفی رکھنے کے لیے اوڑھ رکھی تھی۔

وہ زانوؤں کے گرد بازو لپیٹے گھٹنوں پر ٹھوڑی جمائے ہر ایک کا چہرہ دیکھتا تھا۔ سب مؤدب تھے۔ مہذب تھے اور مستعد۔۔۔ ہر چیز کو فراموش کیے۔ بہترین سامع۔۔۔ اور مقرر کی بلاغت عروج پر تھی۔ اسے موضوع پر کمال دسترس حاصل تھی۔ مقفیٰ و مسجع اردو۔۔۔ اور بامحاورہ انگلش۔۔۔ تلفظ بھی خوب تھا۔

اس نے کتنی ہی بار مقرر کا چہرہ دیکھا۔ ایک مسلسل مسکراہٹ کے ہمراہ بولتا وہ بڑا بھلا دکھائی دیتا تھا۔ مجلس تمام ہوئی تو علماء کی ایک جماعت نے اسے خصوصی توجہ سے نوازا۔

"میں کھو گیا ہوں۔۔۔ نہیں کھو گیا تھا!" اس نے سب کو باری باری دیکھا۔ پھر اس نے چادر کو اچھے سے لپیٹ لیا۔ وہ اپنے پیر کو ناخن سے کھرچ رہا تھا۔ پھر چھت کو دیکھنے لگا۔ اور وہ سب تحمل سے مہربان چہرے لیے اس کے بولنے کے منتظر تھے۔

"نہیں۔۔۔ بلکہ مجھے لگتا ہے میں ابھی پیدا ہوا

ہوں۔ بلکہ۔۔۔۔ جیسے یہ میرا دوسرا جنم ہے۔"

"دوسرا جنم نہیں ہوگا سمیع الدین صاحب۔! جسمانی موت کے بعد زندگی نہیں ملتی۔ ہاں روحانی طور پر آپ دوبارہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ آپ بھی ہو گئے ہیں۔ یہاں روزانہ ہزاروں لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔" ٹوکنے والے نے مسجد کی چار دیواری کو دیکھا۔

"دوبارہ پیدا ہونے پر اتنا حیران مت ہوں۔ میں نے کہا ناں یہاں یہ روز ہوتا ہے۔ ہاں آپ کی پیدائش خاص الخاص ہے۔ اتنے عوام میں ایک خاص۔۔۔۔" بولنے والے کا لہجہ متبسم تھا۔ سب مسکرانے لگے۔

"سمیع الدین!" موسیٰ چونکا تھا۔ محی الدین سہگل اسے سمیع الدین پکارتے تھے مگر فالج کے بعد وہ بہت کم بولنے لگے تھے۔ ہاں ڈیڈ۔۔۔۔ اس کے اس نام سے کم لوگ ہی واقف ہوں گے تو پھر یہ کون۔۔۔۔؟ بغور دیکھنے اور یاد کرنے پر کہ کہاں دیکھا تھا اس شخص کو۔۔۔ وہ پہچان ہی گیا۔

یہ عبدالمبین تھا۔ مفتی عبدالرحمٰن کا بھتیجا۔

تو وہ بھی اس اجتماع میں موجود تھا۔ نجانے کب سے۔ اور سب سن رہا تھا۔

اس نے تو اسے نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ سارا وقت ہر ایک کی شکلیں ہی تکتا رہتا تھا۔ شاید ہی کوئی ان دونوں کے مابین رشتے سے واقف ہو۔

"آئیے تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آئے گی مگر آجائے گی۔ ان شاء اللہ۔"

عبدالمبین کھڑا ہو گیا اور ہاتھ بڑھایا کہ وہ تھام کر اٹھے اور اس کے ہمراہ چلے۔ موسیٰ نے باقیوں کے چہرے پر تائید دیکھی۔ وہ بڑھے ہاتھ کو تھام کر کھڑا ہو گیا۔"

☆ ☆ ☆

"تو آپ کیا چاہتے ہیں سمیع الدین؟" عبدالمبین کا لہجہ حلاوت لیے ہوئے تھا۔ ایک مہربان مسکراہٹ لبوں پر چسپاں تھی۔

"یہی تو میں نہیں جانتا!" اس نے کہا۔ "یا میں بتا نہیں پا رہا۔"

"آئیے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" عبدالمبین مسکرانے لگا۔ موسیٰ کی پتلیاں سکڑیں۔

وہ عبدالمبین کے بارے میں صرف یہ جانتا تھا۔ وہ حسنل کے نانا کا بھتیجا تھا۔ اور مولوی تھا کسی مدرسے میں۔۔۔۔ یہ بات البتہ وہ نہیں سمجھ پایا کہ ہنی ان سے ملنے میں متامل تھی یا وہ لوگ ان سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ خود موسیٰ پندرہ سالہ رشتے کے باوجود بمشکل ان سب کے ناموں سے واقف تھا۔ ملنا جلنا عید بقرعید پر بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔

اور وہی عبدالمبین اسے ہاتھ پکڑ کر لے آیا تھا۔

بہت دبلے پتلے لمبے سراپے کا مالک عبدالمبین جو نقوش کے اعتبار سے بہت دبا ہوا تھا۔ مگر اس کے چہرے کی پاکیزگی اور آنکھوں کی عقابی چمک اسے خاص بناتی تھی۔ اور پھر جب وہ بولتا تھا۔ اس کی آواز اور لب ولہجہ بہت خوب تھا۔

ایک مبلغ ہونے کے حوالے سے یہ بہت بڑی خوبی تھی۔ جب وہ بولتا دل میں گھر کرتا تھا۔ چند جملوں میں ہی معنی آفرین مکمل جواب پیش کر دیتا تھا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر وہ سامنے والے کو تحمل سے سننے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ بلا سبب ٹوکتا نہیں تھا۔

ملنا ملانا نہیں تھا۔ مگر رشتہ تو تھا ناں۔ کان کھلے رکھنے ہی پڑتے تھے۔ خبریں مل ہی جایا کرتی تھیں۔

لہو و لعب میں ڈوبا ایک گانے والا۔۔۔ قیامت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ تایا جان مفتی عبدالرحمٰن نے اسے حسن المآب کے لیے چنا۔۔۔۔ کیوں کیسے؟ گھر والوں کو تو بس اطلاع ملی تھی۔

کوئی بات تھی بھی تو وہ اندر ہی اندر دبادی گئی۔ عبدالمبین کا کوئی جذباتی لگاؤ نہیں تھا۔ مگر ہوش سنبھالنے سے لے کر جوانی تک سنا تو تھا۔ حسن المآب کا نام اس کے ساتھ لیا جاتا تو پھر اسے اچانک۔۔۔

ادب نے سوال کی اجازت نہیں دی۔ ورنہ تو اندر تلاطم برپا ہو گیا تھا جب حسنل کے رخصت ہونے

کے بعد نانا جان سب کے سوالات سے جان چھڑا کر کتب خانے میں بند ہو گئے تھے اور رونے لگے۔ وہ سر سے ٹوپی اتار کر اس پر بے آواز ہاتھ مارتے تھے۔ اور نہ جانے کیا کہتے تھے۔ وہیں عبدالمبین بھی دم سادھے بیٹھا تھا۔ "وہ تو بے وقوف کم عقل بچی تھی کچھ ضدی.... مجھے عقل کرنا چاہیے تھی۔"

ایسی جلد بازی عبدالرحمٰن! کیسے سامنا کروں گا میں کل کو اس کا۔ مجھے اسے پیار سے سمجھانا چاہیے تھا۔

وہ سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے تھے۔

عبدالمبین دبے قدموں باہر نکل آیا۔ تو کوئی نہ کوئی بات تھی لیکن اس رات کے بعد دوبارہ کسی نے ان کی زبان و انداز سے کسی پچھتاوے کا تذکرہ نہ سنا (ہاں وہ حسنل کا تذکرہ کم کرتے تھے۔ یا سرد آہ بھر کے رہ جاتے تھے۔)

موسیٰ کو دیکھ کر عبدالمبین نے ایک ہی بات سوچی تھی۔

موسیٰ جیسے.... تو ارمان ہوتے ہیں خواب ہو سکتے ہیں۔

اور حسنل ہی نے تو ایک بار کہا تھا۔ "عبدالمبین جیسے لڑکے آؤٹ آف فیشن ہیں۔" وہ ایک عرصے تک اس بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ حسنل کو فیشن میں ان لڑکا مل گیا تھا۔

اور وہ کہہ رہا تھا۔ کہ وہ بھٹک سا گیا ہے۔ اسے سکون نہیں مل رہا۔ دراصل اسے راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اور ایسے لوگ بڑے آسان شکار ہوتے ہیں۔ جس راہ پر چاہے ڈال دو (خودکش جیکٹ پہن کر خود اپنے ہی گھر پر حملہ کر دیتے ہیں)

سو عبدالمبین کو اپنے کندھوں پر بھاری ذمہ داری محسوس ہوئی کہ وہ اسے بھٹکنے نہ دے۔ اور ہاتھ پکڑ کر "گھر" تک چھوڑ آئے۔

اس نے اپنی سب مصروفیات پس پشت ڈال دیں۔ اسے موسیٰ کی ہر بات کو سننا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ کیوں پریشان ہیں سمیع الدین؟"

ساتھ ہی اس نے شیشے کی خوب صورت کیتلی سے قہوہ کپ میں انڈیلا۔ موسیٰ کے ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں۔ اسے خیالات مجتمع کرنے میں بڑی مشکل کا سامنا تھا۔

"میں سوچتا ہوں اللہ نے مجھے ایسے پھنسا کر موت کا منہ دکھا کر بچایا کیوں۔ جب مرنا ہی تھا تو وہیں مر جاتا۔ مجھے دوبارہ کیوں بھیجا گیا یہاں سب کے بیچ؟"

"دنیا کو ابھی آپ کی ضرورت ہوگی موسیٰ....."

"دنیا کو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کسی کے ہونے نہ ہونے سے دنیا کے کام نہیں رکتے۔ دنیا کو فرق نہیں پڑتا۔" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔ صحرا کے دنوں نے اس پر دنیاوی رشتوں کی حقیقت کھول دی تھی۔

"بات تو یہ سولہ آنے درست ہے۔ مگر آپ کا وقت ابھی باقی تھا۔ اسی لیے آپ کو صرف جسمانی نہیں روحانی طور پر بھی نئی زندگی ملی ہے۔"

"روحانی زندگی.... وہ کیا ہوتی ہے؟" اس کے سوال میں اکھڑپن نمایاں تھا۔ "اور کیوں ملی ہے؟"

"کیوں کا جواب تو میں ابھی آپ کو نہیں دے سکتا۔ لیکن دوں گا ضرور...." عبدالمبین نے انگشت شہادت اٹھا کر عہد دیا۔

"مجھے یہ زندگی نہیں چاہیے یہ جو آپ نے کہی روحانی زندگی.... میں اپنی پچھلی زندگی سے بہت خوش تھا۔ وہ بہت اچھی پرسکون اور شان دار زندگی تھی۔ وہ....."

"تو آپ اسی کی طرف لوٹ جاتے ادھر کیوں آنکلے۔ یا کسی نے بھیج دیا ہے؟" عبدالمبین کے لبوں کا تبسم نہیں جاتا تھا۔ موسیٰ کو الجھن ہوئی۔

ہاں سوال میں دم تھا وہ کیوں ادھر آیا تھا؟ یہ اتنا مسکراتا کیوں ہے۔ کیا یہ بہت خوش اور مطمئن ہے زندگی سے؟

عبدالمبین نے قہوے کی چسکی لی پھر اسے متوجہ کیا۔ قہوہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ موسیٰ چونکا۔ سیاہی مائل سنہرا محلول.... اسے قہوہ کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ وہ

کھانے پینے کے معاملے میں بڑا نازک مزاج تھا۔ بلا کا نفاست پسند باریک بین... اس نے گردن گھما کر مسجد کی خاموش پاکیزہ فضا کو دیکھا۔ دل فریب ٹھنڈی ہوا، سفید فرش۔ شیشے کی پیالی میں قہوہ، مسکراتے چہرے والا عبدالمبین۔

یک بیک منظر بدل گیا۔ بان کی کھردری چارپائی پر پڑا اس کا جسم اس کی اپنی قے سے اکڑا کالر اور گریبان... اور تعفن چھوڑتی پینٹ... چارپائی کی بُنائی سے نیچے ٹپکا پانی و غلاظت اور اوندھا پڑا پیالہ... اور شیشے کی بوتلیں اور سرخ مشروب اور رام ناتھ کا مردود چہرہ جب وہ ناچ رہا تھا۔

ہاں تو رام ناتھ نے اس کی زندگی کا چین سکون لوٹا تھا۔ اسی کی وجہ سے تو وہ یہاں آکر بیٹھ گیا تھا۔ زندگی سے قرار لوٹ لیا تھا۔ دربدر کر دیا تھا۔

اس نے وحشت میں گھر کے پیالی اٹھائی اور رکھ دی۔ اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو گئی تھیں۔

"میں!" اس نے کچھ آگے ہو کر عبدالمبین کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں دراصل... میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔"

"جی...!" عبدالمبین بھونچکا رہ گیا۔

"نہیں مسلمان نہیں ہونا... مجھے بس دین کو جاننا ہے۔" بس اتنی سی نالج... کہ میں رام ناتھ کے سوالوں کے جواب دے دوں۔ مسلمان تو میں ہوں۔"

اس نے یقین سے اپنے کہے کی تصدیق کی۔ "مگر مجھے رام ناتھ کے آگے مسلمان کو ایکسپلین کرنا نہیں آیا۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں میں کیا چاہتا ہوں۔" اس کے انداز کی عجلت و تندی بالکل دھیمی ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر قابل رحم لگنے لگا تھا۔ عبدالمبین کی اٹک جانے والی سانس بحال ہوئی۔

"رام ناتھ کون ہے؟"

"رام ناتھ...؟" موسیٰ کے چہرے پر حیرانی آ گئی۔

"اور آپ اسے کیا ایکسپلین کرنا چاہتے ہیں؟"

"وہ... جو باتیں کرتا تھا میرے پاس ان کے جواب نہیں تھے۔ پھر اس نے میرا مذاق اڑایا۔ وہ مجھ پر ہنس رہا تھا۔ اور سارے مسلمانوں پر ہنس رہا تھا۔ وہ مجھ سے پروفٹ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائف کے بارے میں اور اسلام کے بارے میں پوچھ رہا تھا مجھے آنسر آتے ہی نہیں تھے۔ اس نے پروفٹ پیس بی آپون ہم... کے بارے میں باتیں کیں مجھے وہ بھی..." "آپ پروفٹ مت کہیں موسیٰ...! عبدالمبین نے تصحیح ضروری سمجھی۔

موسیٰ کی آنکھوں میں درشتی آ گئی۔ سر نفی میں ہلا۔

"رام ناتھ بار بار ان کا نام لے رہا تھا۔ مجھے اس کے منہ سے ان کا نام سننا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میرا دل چاہا اس کا منہ توڑ دوں... مگر میں ہل بھی نہیں سکا۔" وہ رونا شروع ہو گیا۔

عبدالمبین کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا یہ جو بھی رام ناتھ تھا۔ اس نے یقیناً "گستاخی کی ہو گی۔ اس پر موسیٰ کا رونا...

"وہ بہت بدتمیزی سے ان کا نام لیتا تھا۔ اور مجھے کہتا تھا بولو بولو بولتے کیوں نہیں۔" میں کیا بولتا میں کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔

اس نے کہا کیسے مسلم ہو؟ اپنے نبی کے بارے میں کچھ جانتے نہیں... مجھ سے پوچھ لو کسی بھی دیوی دیوتا کے بارے میں۔ تم کیسے مسلم ہو تمہیں کچھ پتا ہی نہیں۔

وہ مجھ سے ان کے فادر اور مدر کے نام پوچھ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھے۔ میں ان کے بچوں کے نام بھی نہیں جانتا تھا۔

نام تو تمہیں بتانے پڑیں گے۔" وہ میری چارپائی کے گرد چکر لگانے لگا۔

"مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔ بہت زور دینے پر حسین کا نام بتایا تو اس نے نیا سوال کر دیا۔

"اچھا تو یہی حسین جس کا تم لوگوں نے پانی بند کر دیا تھا۔ یار کیسے لوگ ہو تم... ویسے پانی کیوں بند کیا تھا؟" مجھے جواب نہیں آیا۔"

آنسو گالوں سے گرنا شروع ہو گئے تھے۔

"اس نے مجھ سے کہا ہم پر بتوں کی پوجا کا الزام

لگاتے ہو تم بھی تو کالا پتھر چومتے ہو، میرے پاس جواب نہیں تھا۔ پھر مجھے یاد آیا ہاں سعودی عرب میں وہ پتھر موجود ہے۔ مگر میرے پاس آنسر نہیں تھا۔ وہ مجھ پر ہنس رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

"تمہارے دھرم میں چار شادیوں کی اجازت کیوں ہے؟"

موسیٰ نے کسی میلے میں بچھڑے بچے کی طرح ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

"اور پھر وہ ہنسنے لگا اور اس نے ان کے بارے میں بہت......"

"بس......" عبدالمبین غم و غصے سے کانپنے لگا تھا۔ "آگے کچھ مت کہیے گا۔ میں سن نہیں سکوں گا۔"

"نہیں......" موسیٰ نے ہٹ دھرمی سے سر ہلایا۔ "مجھے کہنے دیں۔ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ میں جانتا ہی نہیں تھا۔"

(بے عقل تھا۔ نا سمجھ تھا مگر کچھ نہ کچھ تو خبر تھی جب ہی تو آنسو تھمتے نہیں تھے۔ تکلیف کم نہیں ہوتی تھی۔ جب ہی تو یہاں آکر بیٹھ گیا تھا) اسے اپنی نالائقی پر افسوس تھا۔ اپنی کم علمی پر...... وہ کیوں جواب نہ دے سکا۔ اسے ان سب سوالوں کے جواب مل جائیں اور وہ جا کر رام ناتھ کے منہ پر مار آئے۔ اور مسجد کی خاموش فضا میں صرف موسیٰ کی ہچکیوں کی آواز نہیں تھی۔ اس میں عبدالمبین کی آنکھوں کے آنسو بھی شامل ہو گئے تھے۔ جو نہ جانے کب اس کی داڑھی کو تر کرتے کرتے اس کی گود میں گرنے لگے تھے۔ اس کا دامن تر ہو چکا تھا۔

اسے اس واقعہ کو سن کر کتنی تکلیف ہو رہی تھی۔ موسیٰ نے تو پھر جھیلا تھا۔ اسے موسیٰ پر رشک و فخر محسوس ہونے لگا۔

وہ لاعلم ہو کر ایسے تڑپا تھا۔ کیسے خود کو پیٹ ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ ان کی شان سے ناواقفیت کے باوجود ایسا دکھی تھا۔

تو عبدالمبین تو جانتا تھا ان کی شان، ان کی عظمت؟ وہ نہ روتا، یہ کیسے ممکن تھا۔

* * *

ہنی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ شہرزاد نے پہلو بدلا۔ اسے رشک محسوس ہوا تھا۔ وہ اس سے عمر میں کتنی چھوٹی تھی۔ یہ انگلیوں پر گنے بغیر بھی نظر آتا تھا۔ حالانکہ شہرزاد نے عمر کو ایک خاص پوائنٹ تک روک کر رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔ وہ اسکرین پر چالیس برس کے قریب قریب نظر آتی تھی۔ اور سامنے سے پلاسٹک کی گڑیا...... جیسے مادام تساؤ کا کوئی مجسمہ۔

اس نے ٹھنڈی سانس کو اندر اتارا اور ہنی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جو موسیٰ کی صحت یابی کے حوالے سے بات کر رہی تھی۔

"الحمدللہ موسیٰ بہت بہتر ہیں ورنہ میں تو سچ میں بہت ڈر گئی تھی۔ جو ان کی کنڈیشن تھی۔ بالکل خاموش رہ کر دیواروں کو تکتے تھے۔ پکارنے پر متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ بول تو اب بھی کم رہے ہیں۔ خود سے نہیں بولتے ہاں جواب دے دیتے ہیں۔ ایمان کے ساتھ کھیلنے لگے ہیں۔ اس کے لاڈ اٹھانے لگے ہیں۔" اس نے طمانیت و خوشی سے بھرپور لہجے سے تفصیلی رپورٹ دی۔ بغور سنتی شہرزاد کی نظریں آخری جملے پر عقابی ہو گئیں۔

"اور تمہارے لاڈ......؟ اوہ......" (یہ اس نے کیا پوچھ لیا (اگلے ہی پل وہ پچھتائی مگر......)

ہنی کی ہنسی کھنک دار تھی۔ "ہاں میرے لاڈ بھی......"

"سوری......!" شہرزاد نے آہستگی سے کہا "دراصل تم اس روز کہہ رہی تھیں ناں...... وہ جب سے لوٹا ہے۔ عجیب سا ہو گیا ہے۔ تمہاری طرف بھی نہیں دیکھتا سو اسی لیے...... بس میرے منہ سے نکل گیا۔"

ہنی نے مسکرا کر دیکھا۔ "اٹس او کے...... میں نے کہا ناں وہ نارمل لائف کی طرف لوٹ رہے ہیں۔"

شہرزاد کا تن من بھیگنے لگا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ اس نے کیوں پوچھا ایسا سوال...... (اپنی ہی زبان کو

چھپانا ناممکن ہوتا ہے ورنہ تو.....) شاید وہ لاشعوری طور پر جواب میں اس سے انکار سننے کی متمنی تھی اور اگر وہ ناں کہتی ۔۔ تو شہزاد کو اتنی خوشی ملتی جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

کیسی روحانی خوشی ملی تھی یہ سن کر کہ وہ ہنی کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا۔ ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے وہ متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ شہزاد نے سوچا۔ موسیٰ بالکل ٹھیک ہو جائے بس ہنی کو یوں ہی بھولا رہے۔ اس تصور ہی سے لگتا تھا جیسے آبلوں پر پھاہا رکھ دیا ہو۔

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی شہو۔" وہ اس کی جانب اٹھ کر بصد احترام کپ بڑھا رہی تھی۔

"آں.....!" وہ بری طرح سے چونکی۔ پھر اس نے کپ تھامتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

"ابھی کہاں ہے موسیٰ؟" اس نے اپنے لہجے کو مقدور بھر سرسری بنایا۔ اسے ایک نظر دیکھنے کی چاہ کتنے دنوں سے دل میں کسی پھانس کی طرح دبا رکھی تھی۔

"باہر نکلے ہیں۔"

"اکیلا.....؟" شہزاد بے چینی و بے یقینی سے پوچھ بیٹھی۔

"ڈرائیور کے ساتھ....." وہ ہنوز پرسکون تھی۔

"ایسے اکیلے بھیجنا کیا ٹھیک ہے ہنی۔۔؟ وہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوا ابھی۔" شہزاد نے بڑے حق سے اس کی غلطی پکڑی۔

"ہر وقت ساتھ ہی ہوتی ہوں شہو۔ کچھ وقت وہ خود کے ساتھ بھی گزاریں تو اچھا ہے۔" ہنی نے رسان سے کہا۔ اس نے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ یہ بھی ڈاکٹر کی ہدایات میں سے ایک ہدایت تھی۔

"اور وہ کہاں جاتا ہے؟" اسے ابھی لامحالہ یہی پوچھنا تھا۔

"پارک چلے جاتے ہیں۔ واک کرتے ہیں۔ مارننگ واک میں تو خیر میں ساتھ ہوتی ہوں۔ سی سائیڈ بھی گئے تھے۔ مگر وہ ابھی لوگوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتے۔ ایک روز شاپنگ کے لیے گئے تھے۔ ایک

رش اکٹھا ہو گیا۔ بڑی مشکل سے گھر لوٹے۔"

"ان کی صحت بہتر ہو رہی ہے مگر رفتار بہت کم ہے۔" وہ اب بہت سنجیدگی سے جتانے لگی۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا۔" شہزاد فوراً مان گئی اور متفکرانہ انداز سے ٹھوڑی پر ہاتھ جما کر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے ہنی! موسیٰ کو بالکل اس طرح اکیلا چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں....." وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

ہنی نے فقط نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ منہ سے نہ بولی کہ ڈاکٹر کی ہدایت اپنی جگہ مگر وہ اسے ایک پل کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی..... سایہ بن کر ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ مگر اس کا کیا کرتی کہ موم کی طرح اس کے اشاروں پر مڑنے تڑنے والا موسیٰ کچھ دنوں سے بہت اصرار پر بھی اسے ہمراہ نہیں لے کر جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے احمد غفار کو ساتھ لے جانے میں بھی پس و پیش کی تھی۔ مگر اس معاملے میں ہنی نے ایک نہ سنی..... محی الدین بھی ہنی کے ہم خیال تھے۔

ایسی ذہنی و جسمانی کیفیت میں اسے گاڑی نہیں دی جاسکتی تھی۔ اور احمد غفار پر سب کو پورا بھروسا تھا لیکن واقعی سوال تو بنتا تھا۔ موسیٰ اکیلا آخر جاتا کہاں تھا۔

ہنی کی پرسوچ نظریں شہزاد پر جم گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"سر کہاں جاتے ہیں احمد رضا.....؟" جان لگا کر سامنے کے شیشے کو رگڑتا احمد غفار بری طرح چونکا۔ سامنے میڈم کھڑی تھیں۔ اس نے مؤدب ہو کر نظر جھکائی۔

"لانگ ڈرائیو پر..... یوں ہی ادھر ادھر۔" اس نے کچھ سچ کچھ جھوٹ ملا کر کہا۔

"اتنی دیر تک ڈرائیو..... کیا ٹھٹھہ تک چلے جاتے ہو؟" احمد غفار نے چونک کر سر اٹھایا۔ یعنی میڈم کو یقین نہیں آیا۔

"ایک دن تو دو دریا چلے گئے تھے۔ سر بہت دور جا کر سورج کو ڈوبتے دیکھتے رہے۔ ایک دن اسٹوڈیو جانے کا

کہا مگر گاڑی سے اترے نہیں۔۔۔ بس خاموشی سے کوئی ایک گھنٹہ اندر ہی بیٹھے رہے۔ پھر کہا کہیں اور چلو۔" اس نے سچ سچ بتا دیا۔

"بس۔۔۔" اس نے اپنی حسین آنکھوں میں ناراضی بھر کے اس کے چہرے پر جمادیں۔

"مسجد بھی گئے تھے۔" احمد غفار نے سرسری لہجہ اپنایا جیسے اب اور کیا بولے۔

"مسجد۔۔۔" اس کے ماتھے پر ایک لکیر ابھری۔ "کون سی مسجد؟"

"جو بھی راستے میں نظر آجائے۔" اس نے آدھا سچ کہا ایک بار پھر۔

"میں اس لیے پوچھ رہی تھی ڈاکٹر کو ساری رپورٹ دینی ہوتی ہے ناں۔۔۔" اس نے نجانے کیوں توجیہہ پیش کی حالانکہ ضرورت نہیں تھی۔

"جی میڈم میں سب سمجھتا ہوں۔" وہ مستعدی سے بولا۔

موسیٰ بہتری کی جانب مائل تھا۔ مگر کچھ انہونا سا احساس تھا جسے وہ نام نہیں دے پا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ تیزی سے پلٹ گئی۔ احمد غفار دم سادھے اس کے قدموں کی آواز کو سنتا رہا تاوقتیکہ وہ معدوم ہو گئی۔

سر نے کسی بھی تمہید کے بغیر اس کی جانب دیکھے بغیر کہا تھا۔ "وہ جہاں جہاں جاتا ہے، جہاں جہاں رکتا ہے، کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں۔" اور میڈم کے سوالات نے بتا دیا تھا کسی کی فہرست میں وہ بھی شامل ہیں۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر سے اگلے سیشن میں اس نے بہت اچھی رپورٹ پیش کی۔ وہ اپنے معمولات کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس نے محی الدین سہگل کو اخبار پڑھ کر سنا لیا تھا اور خبروں پر ان کے تبصروں کو خاموشی سے سنا تھا۔

حسنل نے الماری سے اپنے کپڑے نکالے۔ چوائس مشکل ہو رہی تھی، ایک رکھتی، ایک اٹھاتی۔۔۔

موسیٰ نے خاموشی سے پرپل کلر کے سوٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔ حسنل کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے۔

ایمانے کے طوطے نے بچے دیے۔ وہ موسیٰ کا ہاتھ پکڑے اسے گھسیٹتی پنجرے تک لے گئی۔ "اس کے بچوں کے نام رکھنے ہیں پاپا!" وہ دونوں ہتھیلیاں سامنے کو پھیلا پھیلا کر پرزور انداز سے اہم مسئلہ بتا رہی تھی۔

"تو طوطا خود رکھے ناں۔۔۔ نام پیرنٹس رکھتے ہیں۔۔۔ بے بی۔" موسیٰ کی بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا نام رکھے آخر۔۔۔

"ہاں تو اپنے طوطے کی پیرنٹ تو میں ہوں ناں۔۔۔ مجھے ہی رکھنے پڑیں گے۔"

"کیا؟" موسیٰ بھونچکا رہ گیا۔ "آپ اس کی کون ہو؟"

"میں اس کی ممی ہوں پاپا اپنے طوطوں کی۔"

"یہ کس نے کہا آپ سے۔۔۔؟"

"مجھے خود پتا ہے، بس آپ نام رکھیں، ہیلپ می پاپا پلیز۔۔۔!"

پھر دونوں باپ بیٹی نے مل کر نام رکھے۔ اور ایمانے کی معصوم باتوں پر موسیٰ کی ہنسی گونجتی رہی۔

بچوں کی پیدائش کی خوشی میں پھر پزا آرڈر کیا گیا۔ ایمانے کی۔۔۔ فرمائش پر دونوں باپ بیٹی گیٹ کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھ گئے۔ "پاپا آخر کب تک آئے گا ڈیلیوری بوائے۔۔۔" ایمانے کبھی اپنی گھڑی خود دیکھتی کبھی باپ کو دکھاتی۔

تو اس ساری صورت حال کو دیکھ کر حسنل کو یقین ہو گیا بس ہاتھی نکل گیا اور دم رہ گئی۔ اس نے ڈاکٹر کو سب کچھ جزئیات سے بتایا۔

"پر ایک الجھن سی ہے۔ ان فیکٹ الجھن تو نہیں مگر۔۔۔ تبدیلی کہہ لیں۔"

حسنل نے مسجد جانے کا واقعہ بتایا۔ اس نے موسیٰ کو آسان نماز کی کتاب پڑھتے بھی دیکھا تھا۔

"اس طرح کی سچویشن سے گزرنے کے بعد عموماً لوگ مذہب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اٹس نیچرل۔۔۔ پھر کچھ عرصے میں یہ فیز بھی گزر جاتا ہے اور نارمل

لائف شروع ہو جاتی ہے... بلکہ میں آپ کو بتاؤں تو آپ حیران ہو جائیں گی۔ اس طرح کے لوگ اگر مذہب کی طرف مائل ہوں، تو زیادہ جلدی ریکور کرتے ہیں۔ باقاعدہ ریسرچ ہے اس بارے میں....'' ڈاکٹر کا لہجہ پریقین اور چہرہ متبسم تھا۔

حسنل سہلانے لگی۔ ''دراصل مجھ پر بہت پریشر ہے۔ سال کے اینڈ تک ان کا البم آجانا چاہیے۔ نئے سال میں وہ ایک انٹرنیشنل پروجیکٹ کے ساتھ ہوں گے۔ اگر ابھی نے کام ٹائم پر پورے نہیں کریں گے تو آگے کیسے شروع کر سکیں گے۔'' وہ فکر مندی سے سب بتانے لگی۔

''اوکے....!'' ڈاکٹر نے سب سن کر کہا۔ ''آپ انہیں غیر محسوس طریقے سے یہ سب بتانا شروع کیجیے۔ مگر پریشر نہیں دینا۔''

☆ ☆ ☆

ستمبر کے پہلے ہفتے میں آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا۔ اور آج صبح سے کن من شروع ہو گئی۔ موسیٰ ٹیرس پر کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ ہفتے بھر سے زیادہ دن گزر گئے تھے اس نے شیو نہیں بنائی تھی اور حسنل کے کہنے پر کسلمندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ حسنل نے پہلے کی طرح من مانی کرنا چاہی تب اس نے حسنل کے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ الجھالیا اور حسنل کو وہ اس روپ میں بہت پیارا لگا۔

موسیٰ کی نظریں آسمان پر تھیں۔ سرمئی و سیاہ آسمان کن من پھوار میں بدلنے لگی تھی۔ پھوار ہوا سے بوجھل تھی۔ ٹیرس کا فرش گیلا ہونے لگا۔ شاخیں جھوم رہی تھیں۔ پتے تالیاں پیٹ رہے تھے۔ گلاب کے پودوں کی شاخیں ہوا کے زور پر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئیں تو سروں پر کھلے پھول ایک دوسرے سے یوں ٹکراتے جیسے بوسہ لے رہے ہوں۔ ایک ایسا موسم جو بلاوجہ مسکرانے پر مجبور کردے۔ قہقہہ لگانے کا دل کرے، جھومنے گانے بھیگنے کا دل ہو اور اگر ساتھ دل کا منظور نظر بھی ہو تو....

اور موسیٰ حسن المآب کے سامنے ہی تو تھا۔ ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ پکڑ لے۔

مگر وہ سرخوشی جو حسنل کو اپنے انگ انگ میں بجلی کی طرح دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ موسیٰ اس سے بے خبر تھا۔ بلکہ موسیٰ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں حزن تھا۔ اس کی آنکھیں لبریز تھیں۔ ہوا سے بوجھل بوندیں اس کے چہرے سے ٹکراتیں تب بھی وہ حرکت نہ کرتا جیسے مجسمہ ہو۔

''موسیٰ....'' وہ چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔

''آں....!'' وہ بری طرح چونکا اس نے اپنی ٹھوڑی موسیٰ کے سر پر ٹکا کر دونوں بازو اس کے سینے پر گرادیے۔

''کتنا خوب صورت موسم ہے۔ کتنی پیاری بارش ہے.... ہے ناں۔''

''صحرا میں بارش نہیں ہوتی ہنی....!'' حسنل کے جذبات پر برف گر گئی۔ وہ تنی کمان جیسی تھی۔ بانس ہو گئی جو بیچ میں خم کھا گیا ہو۔ تڑاخ۔

''آپ کو اس وقت بھی صحرا یاد آرہا ہے۔ یہ کوئی موقع ہے اس منحوس وقت کو یاد کرنے کا۔''

وہ منہ پھلائے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی۔ ''اس وقت ہی تو سب سے زیادہ یاد آرہا ہے۔''

''بہت دن ہو گئے موسیٰ۔ اب آپ کو اسے بھول جانا چاہیے۔''

''نہیں بھولتا۔'' اس کے لہجے میں بے بسی نہیں تھی۔ بلکہ ایک طرح سے اعلان تھا۔ کہ نہ ہوتا ہے نہ میں بھلاؤں گا۔

''آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے موسیٰ! آپ اپنے گھر اپنی زندگی میں واپس لوٹ آئے ہیں۔'' اس نے دو ٹوک بات کرنے کا ارادہ کرلیا۔

''شکر کیسے ادا کرتے ہیں۔ یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔''

اس نے واقعی حسنل کو لاجواب کر دیا تھا۔ وہ کتنی

ہی دیر بول نہ سکی۔ بہت بے بس، مجبور، پریشان حال موسیٰ کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

"ایسا کب تک چلے گا موسیٰ۔" اس کے لہجے اور آنکھوں میں درشتی تھی۔ تادیب و تنقید کا عنصر بھی نمایاں تھا۔ موسیٰ نے چونک کر دیکھا۔

اپنی کرسی موسیٰ کی کرسی کے نزدیک کر کے اس نے ایک ہاتھ اس کے زانو اور دوسرا شانے پر رکھ کر بہت دردمندی سے آغاز کیا۔

"بہت دن ہو گئے موسیٰ..... آپ کی دنیا آپ کی منتظر ہے۔" اس کے احمریں لبوں سے پھول جھڑ رہے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو اور بارش کی آواز کا جلترنگ ایک فسوں پھونک رہا تھا۔

مگر موسیٰ کا دھیان کسی چیز پر نہیں تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ حسنل کو سن رہا تھا۔

وہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ کیا ہے، کون ہے۔ وہ عام آدمی نہیں ہے۔ وہ موسیٰ بی ہے 'ایک مشہور معروف گلوکار جس کی دھنیں ملک ہی میں نہیں پوری دنیا میں ذوق و شوق سے سنی جاتی ہیں۔ وہ عوام اور خواص کی پسند ہے۔ صدارتی تقریبات تک میں اسے مدعو کیا جاتا ہے۔ وہ دوسرے ممالک میں اپنے ملک کا سفیر بن کر جاتا ہے۔ وہ بہت سی پروڈکٹ کا برانڈ ایمبیسڈر ہے۔ اسے بہت اہم اعزازی ڈگریز تک جاری کی جا چکی ہیں اور سب سے بڑھ کر اس کا کیریئر جو اپنی بلندیوں پر ہے اور اس کی توجہ کا طلب گار ہے۔

اور یہ کہ مقام حاصل کرنا بہت مشکل کام ہے مگر مقام کو برقرار رکھنا اس سے بھی مشکل..... موسیٰ..... موسیٰ..... موسیٰ.....

وہ شروع ہوئی تو ایک شریک حیات کی سی فکرمندی عیاں تھی اور اختتامی مراحل میں داخل ہونے تک وہ اپنے اصل کردار میں پہنچ گئی۔ ایک زمانہ شناس پروڈیوسر کا روپ..... وہ اسے نفع نقصان گنوانے لگی۔

اس کا آنے والا البم..... اس نے اور سب نے کتنی محنت کی تھی۔ اس کی دھنیں بنانے پر اور شاعری پر اور اب ذرا سی بے احتیاطی، غیر ذمہ داری سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔ لوگ اسے سننا چاہتے ہیں..... اس کی آواز۔

وہ اسے زندگی کی طرف بلا رہی تھی۔ وہ جو خود زندگی تھی، وہ جسے دیکھ کر آب حیات پی لینے کی حسرت پیدا ہو۔ اور وہ اپنی اس خوبی سے واقف تھی۔ جب ہی تو گہری نگاہ ڈالتی تھی تاکہ ڈوبے تو ابھر نہ سکے۔ اور مسکراتی تھی۔ ایسے کہ کہیں اور دیکھنے کی خواہش ختم ہو جائے۔

اور سمجھانے کے اس عمل میں اتنے پینترے تھے۔ کبھی بیوی..... کبھی درماں..... کبھی بیوپاری کبھی مجبور، کبھی ناصح..... کبھی فکرمند..... کبھی حاکم، کبھی محکوم.....

"ایک دنیا آپ کی نیو البم کے لیے ایکسائیٹڈ ہے موسیٰ..... ریلیز سے پہلے ہی اس کے لائکس نے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ آپ دیکھیے گا موسیٰ۔"

"کون سا البم؟" اس کی واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ فوراً" ٹوکا۔

"ارے!" وہ ہنسی "اب آپ اسے بھی بھولنے کا کہیں گے۔ میں انقلاب کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز سے گردن جھٹکی۔ "آپ کا اسٹوڈیو آپ کا منتظر ہے۔ اور اس حادثے کے بعد تو لوگوں میں پہلے سے بھی زیادہ جوش بھر گیا ہے۔ آپ کے گانوں کے حوالے سے..... آپ سمجھ رہے ہیں ناں میری بات۔"

"ہاں!" اس نے بغور اس کی صورت دیکھی۔

"تو بتائیے پھر کب سے شروع کر رہے ہیں کام..... میری ایک کال پر سب خوشی سے پاگل ہو جائیں گے بلکہ میں تو کہتی ہوں کوئی پارٹی نہ رکھ لیں۔ آپ ٹائٹل سونگ گنگنا لیجیے گا۔ زبردست گراؤنڈ بن جائے گا۔ اور انقلاب کا میوزک تو ہے بھی بہت ٹچنگ..... روح تک سرشار ہو جاتی ہے۔"

اسے ٹائٹل سونگ بہت پسند تھا۔

موسیٰ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ حسنل کا چہرہ سوالیہ ہو گیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا شاید۔

"تمہارے جسم کی طرح ہمارے روح بھی حرام کھانے کی عادی ہو چکی ہے۔" اس نے جملے کو ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا۔ انداز یوں تھا کہ حسنل کو نہیں بتا رہا خود کو باور کروا رہا ہے۔

"کیا... کیا کہا آپ نے؟" حسنل کے منہ سے بدقت نکلا۔ موسیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس بار جملہ دہرایا تو وہ تشکیک سے مبرا تھا۔

حسنل نے سر جھٹکا۔ وہ پہلے بھی یہ جملہ سن چکی تھی۔ مگر کس کے منہ سے...؟

اس نے ساری قوت مجتمع کر کے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"کس نے کہا آپ سے یہ سب؟" اس لہجے سے عجلت عیاں تھی۔ موسیٰ کی آنکھوں سے رنگ اڑ گئے۔ ان میں صحرا جیسی وحشت نے ڈیرہ ڈال دیا۔

"میں آپ سے پوچھ رہی ہوں موسیٰ کس نے کہا آپ سے یہ..." اس نے اس کا ہاتھ جھنجوڑ دیا۔ موسیٰ نے جواب نہیں دیا وہ اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جس کی گرفت برداشت کی حد پر تھی۔

"کس نے کہا ہے آپ سے یہ؟" اس کی آواز پھنکار سے مشابہ تھی۔

☆ ☆ ☆

"مائیکل بہت مایوس ہوا ہے۔" جیک نے نوڈلز کو کانٹے پر لپیٹتے ہوئے سرسری انداز اپنایا۔ بات جبکہ بڑی گہری تھی۔

"ہوں..." اس کا منہ کی طرف جاتا سوپ سے بھرا چمچے والا ہاتھ راستے ہی میں رک گیا۔ وہ جتنا اس ذکر سے پہلو تہی چاہتی تھی۔ اتنا یہ سامنے آتا تھا۔ حالانکہ اس نے ایک روز کہہ بھی دیا تھا۔

"جیک وہ مل گیا۔ میں خوش ہوں مگر اب میں یہ ذکر نہیں کرنا چاہتی... پلیز۔" اس نے اس پیج کو بھی ان لائک کر دیا تھا۔ جس پر وہ مہم چلا رہی تھی۔ اس نے کے آئین میں ایم کو کلک کرنا تک چھوڑ دیا تھا۔ اس کے ہوم پیج پر اگر کوئی چیز اس کے حوالے سے شیئر کی جاتی تب وہ کر دیتی۔

مگر اس جیک کا منہ بند کرنے کے لیے کلک کی نہیں گھومنے کی ضرورت تھی۔ جو کسی نہ کسی طرح موسیٰ کو گفتگو میں لے ہی آتا تھا۔

"کیا ہوں...؟ اس نے ساری کوششیں کر لی ہیں۔ تم نے بھی مدد نہیں کی۔" یعنی وہ ایک بار پھر مائیکل کی سفارش لایا تھا۔

"میں کیا مدد کر سکتی ہوں بھلا..." اس نے چمچ واپس رکھا ______ "کسی کے ذریعے کہلوا دیتیں۔ کسی ایسے شخص کا بتا دیتی جس کے اصرار پر وہ انکار نہ کر سکتا۔"

جیک نے ایسے الفاظ چنے جس سے وہ بھڑک نہ جائے' اس نے سر جھٹکا اور بلاوجہ سوپ میں نمک چھڑکنے لگی۔ خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا۔ جیک سوچنے لگا۔ صرف نمک کیوں اسے ریڈ چلی ساس کی ساری بوتل بھی انڈیل لینی چاہیے۔ جیسی پھیکی بے رنگ زندگی وہ گزار رہی تھی۔ اس نے کسی بچے کی طرح گال پھلا لیے۔

اس نے اور مائیکل نے تو اپنے تئیں بہت جوش و خروش سے آکر اسے بتایا کہ مائیکل' موسیٰ کے اس طرح بھٹکنے اور پھر سروائیول کی کہانی کو حرف بہ حرف اس کی زبانی سن کر شوٹ کرے گا۔ وہ اب تک عام آدمیوں کی اس طرح کی اسٹوریز کر چکا تھا مگر موسیٰ تو خاص تھا... ڈاکومنٹری فلم بھی خاص بنتی۔

اس نے شانے اچکا دیے۔ ہاں وہ ضرور کرے' مگر کچھ ہی روز میں مائیکل کے خوابوں کے محل میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ (اس نے تو اس فلم سے کما کر چاند پر محل بنانے کا خواب دیکھ لیا تھا)

موسیٰ ایسی کسی چیز میں انٹرسٹڈ نہیں تھا۔

موسیٰ اس سارے معاملے پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دراصل وہ ابھی تک اس واقعے کے ٹراما کے زیر اثر تھا۔ اور اسے وقت درکار تھا۔ اس کی فیملی کی جانب سے بھی ایسی کوئی خواہش نہیں تھی کہ بات کو بڑھایا چڑھایا جاتا۔ (یہ اور بات تھی وہ جتنا دور بھاگ رہا تھا اتنا ہی

زیادہ لوگوں کو متوجہ کر رہا تھا)

اس جانب کی خاموشی نے سب کے ارمانوں پر اوس ڈال دی۔ ایسے میں مائیکل کی کوششوں کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

وہ کسی بھی ڈاکومنٹری میں انٹرسٹڈ نہیں تھا۔ وہ کوئی انٹرویو بھی دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کوئی کتاب بھی نہیں لکھنا چاہتا تھا۔ اسے کسی پرکشش معاوضے سے دلچسپی نہیں تھی۔

دراصل وہ سب سے کٹ کر گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔

میڈیا سے وابستہ لوگوں نے خاموشی اختیار کی کہ یہ بھی میڈیا پرسنز کا ایک اسٹائل تھا۔ کچھ عرصے بھرپور انداز سے ہر میڈیم میں ان رہنے کے بعد اچانک آؤٹ ہو جانا کہ غلطی سے بھی دکھائی نہ دیں۔ اور پھر ایک روز دھواں دھار انداز میں انٹری۔ نیا ڈراما یا نیا گانا..... نیا ہیئر اسٹائل، کچھ بوٹاکس..... نیو اچیومنٹس کی کہانی..... اپنا دام بڑھانے کا کامیاب فارمولا..... تو سب نے موسیٰ کو بھی یہ مارجن دیا۔

(یوں بھی ہڈیوں کے ڈھانچے موسیٰ کو دیکھنے میں وہ مزہ نہیں تھا۔ سوائے تاسف آمیز چچکاروں کے سو ٹھیک ہے۔ وہ ریسٹ لے اور پھر آجائے.....)

اور جیک بھی اسی نقطے پر آکر رکتا تھا۔ ایک ینگ قابل حسین و ذہین لڑکی کا سنگل ہونا بڑی بات تھا۔ پھر یہ کہ سب اس کے حال سے واقف تھے۔ اور مستقبل کے لیے حیران..... ایسے بھی کوئی تنہا جیتا ہے۔ کیسے جیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی اتنے خوش، اتنے مطمئن انداز سے بھلا..... وہ کتنی محنتی تھی۔ کامیاب تھی۔ جس کام کو ہاتھ لگاتی پرفیکٹ ہو جاتا۔ بی بی سی لندن کے سب سے کامیاب شو کی ڈائریکٹر پروڈیوسر ہونا آسان بات نہیں ہوتی جناب.....

تو جیک کے دل کی کھدبد بھی جاتی نہیں تھی کہ اس نے کسی کے لیے ایسی چپ تاپالی کہ روئی دھوئی..... اور پھر پیش بندی، خبردار جو کچھ بھی پوچھا۔

لیکن یہ مائیکل..... اس کے پیچھے پڑا تھا۔ کس طرح وہ کچھ کر سکے تو.....

"میں کچھ نہیں کر سکتی جیک..... تم بار بار یہ ذکر نہ کیا کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے، اچھے دوست تو درد بانٹتے ہیں ناں....." جیک کی نظریں جھک گئیں۔ ہاں وہ دونوں اچھے دوست تھے۔

"کیا بانٹوں، تم نے کب درد بتایا جو بانٹتا۔ انجان ہوں اسی لیے تو بار بار بے خیالی میں ہاتھ زخم کو چھو جاتا ہے اور تم تڑپ اٹھتی ہو۔" اس نے شکوہ بھی کر دیا۔

"تو اب تو بتا رہی ہوں اب نہیں بھولنا۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے جیک!" اس نے لہجے کی کمزوری چھپائے بغیر کہہ دیا۔

"اوکے.....!" جیک نے ہاتھ اٹھا دیے۔ "میں سمجھا دوں گا مائیکل کو ویسے بھی....." اس نے دوبارہ سے کانٹے پر نوڈلز لپیٹتے ہوئے کہا۔

"اس کے بارے میں عجیب عجیب سے افواہیں آرہی ہیں۔ وہ مذہبی اجتماعات وغیرہ میں جا رہا ہے۔ میوزک چھوڑ دینے کی بات بھی سنی ہے۔ کچھ نے تو یہ بھی کہا اس نے داڑھی رکھ لی ہے۔"

وہ پوری رغبت سے نوڈلز کی پلیٹ ختم کرنے میں لگ گیا تھا۔ بھرے منہ کے ساتھ بولتا ہی چلا گیا۔ یہ دیکھے بغیر وہ ہکا بکا کھلے منہ اور پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی ہے۔ استعجاب سے شکل یوں بگڑی تھی کہ کوئی دیکھتا تو پہچانتا نہیں۔

"اور یہ جیک کیا کہہ رہا تھا؟"

"موسیٰ نے داڑھی..... میوزک....." اس نے سر جھٹکا جیک کے پاس بہت کچھ تھا بتانے کو۔

☼ ☼ ☼

اس کے چہرے پر صدمے اور بے یقینی کی انتہائی کیفیت تھی۔ آنکھیں گویا حلقوں سے ابلنے کو تھیں۔

وہ بالکل ساکت و جامد ایک ٹک موبائل اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ اب پتا نہیں تصویر کے نیچے لکھا کیپشن صدمے کا باعث تھا۔ یا کمنٹس جن کی تعداد کئی سو تھی یا پھر تصویر بذات خود اچھنبا تھی۔ بے یقینی کی

آخری حد اگر کوئی ہوتی ہوگی تو حسن المآب وہاں کھڑی تھی۔ کچھ پل اور جاتے تو دھڑام سے گر بھی جاتی۔ یہ تو اس کے سان و گمان سے بھی پرے کی چیز تھی ناں۔

ایک خبر تھی' ایک نیا گرما گرم مسالا میٹریل..... جو وبائی مرض کی طرح پورے شہر میں پھیل چکا تھا۔ بس اسی کو خبر نہ تھی۔ اور خبر ہوتی بھی تو کیسے..... بہت ایکٹو وومن ہونے کے باوجود وہ فیس بک وغیرہ کے استعمال کی اتنی شائق نہیں تھی۔

مگر ایسی خبر ایسی تصاویر کب جاری ہوئیں۔ اسے کوئی تو بتاتا نا۔ اس نے موبائل گود میں رکھا اور سر پکڑ لیا۔ ہاں شہزاد آخری ملاقات میں بار بار پوچھتی تھی۔

"اور موسیٰ ٹھیک ہے ناں اس کا بی ہیویر کیسا ہے؟"

تب حسنل نے ہنس کر اس کی فکرمندی کو اڑا دیا تھا۔ تو وہ دراصل اپنی افواہوں (کیا واقعی افواہ.....؟) کی تصدیق چاہتی تھی۔

"ایسی بھی کیا بے خبری حسنل۔" اس نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ جمایا۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل کو آن کیا۔ نظریں موسیٰ کی تصویر پر جم گئیں۔

گھٹنے کھڑے تھے اور پیروں کی قینچی بنی تھی۔ اس نے گھٹنوں کو بازوؤں کے گھیرے میں لے رکھا تھا اور ہاتھ بندھے تھے۔ چہرہ گھٹنوں پر جھکا تھا اور وہ نظریں اٹھا کر کسی سمت بغور دیکھ رہا تھا۔

اس کی نگاہوں کا مرکز تو کیمرہ قید نہیں کر سکا مگر اس کے بیک گراؤنڈ میں نظر آتی مسجد کی عمارت اور فرشی مجلس کے ٹوپی اور داڑھیوں والے دیگر بہت سے لوگ صاف دکھائی تھے۔ یہ تصویر کسی نے یقیناً "بے خبری میں اتاری ہوگی۔

دوسری تصویر..... وہ وضو خانے کی اونچی چوکی پر بیٹھا مسح کر رہا تھا۔ تیسرا ایک کلپ تھا۔ اس نے شہادت کی انگلی سے کلک کیا۔ ویڈیو آن ہوگئی۔

یہ مسجد کا بیرونی دروازہ تھا۔ موسیٰ کچھ غائب دماغی اور پریشانی کی حالت میں گرا جوتوں کے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔ اور اس کے پائنچے ٹخنوں سے بہت اونچے تھے۔ پھر اس نے نیچے بیٹھ کر چندے کے بکس کے نیچے سے جوتا نکالا۔ پیر میں پھنسایا۔ اور کھڑا ہو گیا۔

حسنل نے انگلی اسکرین پر پیچھے کو سرکائی..... یہ پہلی والی تصویر تھی۔

"معجزانہ طور پر بچ جانے والے موسیٰ بی کی ڈھائی ماہ بعد پہلی پبلک انٹری..... دیکھیے موسیٰ کہاں ہیں..... اس واقعے نے انہیں کہاں پہنچا دیا۔"

نیچے کمنٹس کا ڈھیر تھا۔

"بالکل صحیح جگہ پہنچا دیا۔ ماشاء اللہ..... سبحان اللہ....."

"اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔" "یہ مشکل راستہ ہے۔ بہت لوگ آئے مذہب کی جانب مگر ثابت قدم رہنا مشکل ہے۔"

"ہماری دعائیں موسیٰ کے ساتھ ہیں۔ ویل ڈن موسیٰ....."

"دیکھنا یہ ہے کہ یہ وقتی فیز ہے یا موسیٰ اسٹینڈ کرے گا۔"

"ہو نہ ہو یہ بھی شہرت حاصل کرنے کے لیے شوبز والوں کے ڈرامے ہوتے ہیں۔"

"خوش آمدید موسیٰ۔"

"مسجد کا راستہ مشکل لگتا ہے مگر اسی میں فلاح ہے۔"

"اللہ آپ پر مہربان ہے جو آپ کو صراط مستقیم دکھائی دے گئی۔"

"اوہ.....!" کیا تھا یہ سب.....

وضو خانے میں مسح کرتی تصویر پر بھی کمنٹس کی بہتات تھی۔ زیادہ تر سراہتے جملے' ایک آدھ کے بہت سخت تبصرے بھی تھے۔

سب سے زیادہ دیکھی جانے والی ویڈیو تھی۔ موسیٰ کا ساکت ہو کر جوتوں کی پہچان کا مرحلہ۔ جیسے کوئی ڈھائی تین برس کا بچہ اپنا کھویا سکہ ڈھونڈتا ہے۔ انجان، پریشان' معصوم اور جسے کوئی راہ نہیں سوجھ رہی۔

کچھ کمنٹس دوسرے پہلو پر بھی تھے۔

"کیا موسیٰ میوزک چھوڑ دے گا۔ کیا وہ ایک مبلغ بن

جائے گا۔ کیریئر کی اس پیک پر وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔"

"اسے ایسی حماقت نہیں کرنی چاہیے۔"

"بہت سے لوگ آتے ہیں بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر چار دن میں پھونک نکل جاتی ہے۔ دین کی راہ گزر کانٹوں سے پر ہوتی ہے۔ ہاں سفر کے اختتام پر پھول بچھے مل جاتے ہیں۔"

سوال یہ ہے کہ موسیٰ کے چہرے پر یہ بڑھی شیو ہے یا اس نے داڑھی رکھ لی ہے؟ رکھ لی ہے..... رکھ لی ہے۔

"احمد غفار۔ احمد.... بوا....!" حسنل وحشت زدہ ہو کر صوفے سے اٹھی تھی۔ گود میں دھرا موبائل زمین پر گرا مگر اسے پروا نہیں تھی۔

✡ ✡ ✡

"اللہ کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں سمیع الدین صاحب.... اسی کو لیجیے کیسی بڑی نعمت ہے کہ وہ آپ کو دین حق پر پیدا کرے۔ مگر اس سے بڑھ کر چیز یہ کہ وہ آپ کو ہدایت دے۔ سیدھا راستہ دکھائے۔ مسلمانوں سے تو دنیا بھری پڑی ہے۔ پر ان میں سے مومن کتنے ہیں؟"

"مسلمان اور مومن میں فرق ہوتا ہے کیا....؟"

اس نے سادگی سے پوچھا۔ مولانا صاحب مسکرا دیے۔ "بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور افسوس کی بات ہے کہ واضح نہیں ہوتا۔

دراصل کچھ لوگوں نے دین کو لبادہ سمجھ کر اوڑھ رکھا ہوتا ہے اور ہم جیسے ناقص العقل ان ہی کو دین دار سمجھ لیتے ہیں۔"

"دین کو اوڑھنے کا مرحلہ.... یہ کیسی بات ہے....؟"

اس کے سوال میں الجھن آمیز خفگی تھی۔

اس بار عبدالمبین بھی کھل کر مسکرا دیا۔ اس نے مولانا صاحب کو دیکھا۔ وہ ہی اسے وقت کے اس جیّد عالم سے ملوانے لایا تھا۔

"بہت آسان بات ہے۔ آپ کرتا شلوار پہن لیں۔ پائینچے اوپر چڑھا لیں۔ سر پر ٹوپی رکھیں۔ ہاتھ میں تسبیح.... اور چہرے پر داڑھی.... آپ حلیے سے دین دار نظر آنے لگیں گے۔ خواہ آپ کا سینہ علم سے خالی ہو۔ اور ذہن عقل سے...."

"تو کیا ایسا کرنے والوں کو گناہ ملے گا؟" اس نے کسی بچے کی سی معصومیت و فکرمندی سے سوال کیا تھا۔ عبدالمبین نے ایک بار پھر مسکرا کر مولانا صاحب کو دیکھا۔ اسے سب سے زیادہ خدشات گناہ و ثواب کے تھے۔ گناہ تو نہیں سر! لیکن ایک مسلمان کا ظاہر ہی نہیں ہر عمل اللہ کے احکام کے مطابق ہونا چاہیے۔"

مولانا صاحب دل گرفتی سے مسکرائے تھے۔ مگر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"یہ بہت مشکل باتیں کرتے ہیں عبدالمبین!" اس نے ذرا لحاظ کیے بغیر شکایت کی۔ عبدالمبین کا مسکراتا چہرہ سمٹ گیا اس نے کچھ شرمندگی سے دیکھا۔ مولانا صاحب بے ساختہ بلند آواز سے ہنس پڑے۔

"اچھا.... میں نہیں کروں گا مشکل باتیں.... آپ بتائیے آپ کیا سننا چاہتے ہیں۔"

وہ بالکل چپ ہو گیا۔ یہی تو پتا نہیں چلتا تھا وہ کیا چاہتا ہے اس کا مسئلہ کیا ہے۔

"مجھے دنیا اچھی نہیں لگتی۔" اس نے بہت سوچنے کے بعد تیزی سے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ انداز میں تنفر تھا۔

"حالانکہ اللہ نے دنیا بڑے پیار سے بنائی ہے۔ اس کے انچ انچ کو سجایا ہے۔" مولانا صاحب نے ممنون لہجے میں جواب دیا تھا۔

"نہیں...." اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ "صحرا بہت بدصورت چیز ہے۔ بہت خوف ناک.... وہ بہت بھیانک جگہ ہے۔" اس کی آواز میں لرزش آ گئی۔ "وہ جہنم سے بھی زیادہ بری جگہ ہے۔ وہاں دھوپ ہے۔ بھوک ہے' پیاس ہے۔ تنہائی ہے وہاں زندگی سسکتی ہے اور موت دور کھڑی تماشہ دیکھتی ہے۔"

"جہنم سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا سمیع الدین...."

مولانا صاحب نے بہت سنجیدگی و قطعیت سے اسے

ٹوک دیا۔ موسیٰ نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔ اور نجانے کیا تھا ان کے چہرے پر موسیٰ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔

"جہنم' صحرا سے بھی زیادہ بری چیز ہے؟" صاف پتا لگتا تھا وہ جواب میں انکار چاہتا ہے۔ "ہاں... بہترین سے بہترین مثال بھی اس کی ہیبت کو بتانے سے قاصر ہے۔" اس بار عبدالمبین بولا تھا۔ موسیٰ نے چونک کر دیکھا۔ اس نے کس سکون سے یہ اطلاع دی تھی۔

"ایک بات بتاؤں..." اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ "مجھے جہنم... میں بھیجا جائے گا نا۔ میری زندگی میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ نیک عمل بھی نہیں ہے۔ میں تو بس گھٹیا سا انسان ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس کی آواز خود کلامی میں ڈھل گئی۔ وہ متاسف زیادہ تھا یا حیران' سامع فیصلہ نہ کر سکے۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں اچانک داخل ہونے والے شخص کو یہی لگتا کہ یہاں سب لوگ تعزیت کے لیے جمع ہیں۔ جیسے سوئم کی دعا کے بعد کی رسمی خاموشی اختیار کی گئی ہو۔ یہ موسیٰ کے گھر کا وسیع و عریض ڈرائنگ روم تھا۔ جہاں موسیٰ کے پروفیشنل دوستوں نے نشستیں سنبھال رکھی تھیں۔

پہلی نظر بالکل سامنے بیٹھی شہزاد پر پڑی تھی۔ وہ شوخ رنگوں والی کرتی اور سگریٹ پینٹ میں بغیر دوپٹے کے تھی۔ گال کو ہتھیلی پر گرائے وہ یک ٹک گل دستے کو تکتی تھی۔

اپنے لمبے گھنگھریالے بالوں کو ملنگوں کی طرح دونوں شانوں پر ڈال کر شارٹس میں بیٹھا یہ جے کے تھا۔ البم ڈائریکٹر۔ ہپی حلیہ والا یہ ڈرمر تھا۔ شارٹس اور ٹینگو پہنے دوسرا بندہ پیانو پر ہوتا تھا۔ اس کی انگلیاں اس وقت بھی صوفے کے ہتھوں پر جیسے کچھ بجا رہی تھیں۔ ایسے ہی دیگر پریشان حال لوگ... اور

ان سب سے پرے۔ بہت اونچی بیک والے ویلوٹ کے کشنوں والے صوفے پر براجمان یہ حسن المآب تھی۔ بسکٹی کٹ ٹراؤزر کے ہمراہ پیلی سیلف پرنٹ کی کرتی تھی۔ پیلا اور بسکٹی امتزاج کا شیفون دوپٹا اس نے چہرے کے گرد اچھے سے لپیٹ رکھا تھا۔

سینے سے سمٹ جانے والے پلو کو اس نے بڑے قرینے سے پھیلا بھی لیا۔ یہ اور بات تھی کہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھنے سے ٹراؤزر اوپر چڑھ گیا تھا اور اس کے کٹ نے ساری پنڈلی عیاں کر رکھی تھی۔ مگر کسی کا دھیان نہیں تھا۔ حسنل کا بھی نہیں... دھیان دینے کو موسیٰ کی خبریں کیا کم تھیں۔

اس تعزیتی اجلاس میں سب نے اپنی اپنی جھوٹی سچی معلومات پیش کردی تھیں اور سب حسنل سے تصدیق چاہتے تھے اور وہ کیا کہتی۔ ساکت و صامت سب کی شکل دیکھتی رہی تھی۔

"وہ کہاں ہوگا اس وقت؟" ڈرمر نے سب کی شکلیں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اکتا گیا تھا۔ جے کے نے شانے اچکائے اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر چھت پر نظریں گاڑ دیں۔

"سہ روزہ اجتماع میں شہر سے باہر کوئی مسجد ہے۔"

"آپ نے انہیں گھر آنے کے لیے نہیں کہا۔" سوال میں ناراضی آمیز شناسائی تھی۔

"کہا تھا... وہ بولے تین روز پورے ہونے پر آجائیں گے۔"

"کیا وہ میوزک چھوڑ دیں گے؟" ڈائریکٹر کا لہجہ خدشات سے پُر تھا۔ سب نے چونک کر دیکھا۔

یہ البم اس کا خواب تھی۔ اس نے اسے بنانے میں اپنا سارا فن سمو دیا تھا۔

شہزاد اس حوالے سے پرسکون تھی۔ البم کے جس گانے میں وہ شامل تھی وہ شوٹ ہو چکا تھا۔ مگر وہ موسیٰ کے لیے یقیناً فکر مند تھی۔ یک دم اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ نگاہیں حسنل پر چلی گئیں۔ ان میں درشتی کا عنصر بڑھنے لگا۔

"سوری ٹو سے ہنی... مگر اس میں تمہاری بھی

غلطی ہے۔" ہنی سمیت سب چونکے۔

"تم نے بھی اسے اس عرصے میں تقریباً" گھر میں قید سا کرلیا تھا۔ کسی سے ملنے نہیں دیا۔ وہ اپنے دوستوں کے وغیرہ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تو دھیان کہیں اور جاتا ہی نہیں۔"

"میں نے...." اس نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر دھری۔ "میں نے کچھ نہیں کیا شہزاد! وہ خود ہی کمرہ بند کر کے بیٹھے رہتے تھے۔ میں نے تو منہ میں نوالے تک جبراً" ٹھونسے ہیں کہ وہ تو کھانا پینا تک بھولے بیٹھے تھے۔ گم صم۔ اداس پریشان.... دوست تو بہت بعد میں آتے ہیں وہ تو بیوی بیٹی تک کو بھول چکے تھے جیسے.... آپ تو ہر چیز سے واقف ہیں۔" وہ بھی پھٹ پڑی۔

حاضرین نے دونوں کو بغور سنا تھا۔ دونوں ہی درست لگیں۔ "ہاں پھر بھی.... اگر وہ اپنی گیدر رنگ میں رہتا تو ایسی پرابلم تو کم از کم نہ ہوتی۔"

"اس میں اتنی تبدیلی آگئی ہنی اور تمہیں پتا ہی نہ چلا...." شہزاد نے جتاتے ہوئے متاسف لہجے میں کہا۔

وہ بری طرح چونکی باقی سب بھی تائیداً" سرہلا رہے تھے۔ اس نے یک دم سر جھکا لیا۔ ہاں یہ قصور اس سے سرزد ہوا ہے۔ وہ کیوں نہ بھانپ سکی لیکن بھانپتی بھی بھلا تو کیسے.... یہ تو سان و گمان سے بھی پرے کی بات تھی کہ موسیٰ.... کیا موسیٰ.... ہاں موسیٰ....

"یہ اکیلی ہنی کی پرابلم نہیں ہے فرینڈز.... ہم سب کو مل کر کچھ کرنا ہوگا۔ ساری دنیا ہر طرح کی بات کررہی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں ابھی آغاز ہے۔ اسے بہت آگے جانے سے روکا جاسکتا ہے۔"

"وہ ہاتھ آئے تو پھرناں...." شہزاد نے کڑوے پن سے ٹوکا۔

"وہ بھی ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ اسے روکا جاسکتا ہے۔" جے کے نے کہا۔

"ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔" شہزاد دونوں پیر زمین پر جماتے ہوئے آگے کو جھکی۔

"وہ ہوں.... یہ کام ہنی ہی کرسکتی ہے۔" جے کے نے نفی میں سرہلایا۔ "وہی اس کے سب سے زیادہ کلوز ہے۔" شہزاد کے منہ کا ذائقہ بدل گیا۔ "سب سے زیادہ کلوز ہی بے خبر رہی۔"

"میں کرلوں گی...." ہنی نے کہا۔ "پہلے تو مجھے معلوم نہیں تھا ناں۔" اس نے مضبوط لہجے میں توجیہہ پیش کی۔

سب نے اسے دیکھا تھا۔ اندر جو بھی ہو' اس نے چہرے پر اعتماد کا ملمع چڑھالیا تھا۔ یا اسے خود پر بھروسا تھا۔ یہ تو طے تھا موسیٰ اس کی سنتا تھا۔

✲ ✲ ✲

"انسان گھٹیا نہیں ہوتا.... انسان ہونا بہت بڑی تعظیم ہے۔" مولانا صاحب نے کہا۔

"اور آپ نے کیسے سوچ لیا کہ آپ نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی۔" وہ اس کی کم علمی پر مسکرائے تھے۔

مولانا صاحب نے کہا' موسیٰ نے چونک کر دیکھا۔

"تو کیا کی ہے.... نیکی.... نہیں کبھی نہیں.... اس صحرا کے بے بس پلوں میں فقط اپنی کوتاہی کا شمار کیا تھا ایسے کہ وہ بے شمار لگنے لگی تھیں۔ وہ غلطیاں' جن کا اس کو پتا تھا اور وہ جن کا ادراک ہی نہ تھا۔ تو ان کا کیا ہوگا۔"

وہ کپکپا اٹھا مولانا صاحب مسکرائے۔ "آپ پنجم کلمہ پڑھا کیجیے۔"

"وہ مجھے معلوم نہیں۔ ہاں لیکن میں جانتا ہوں کلمے سکس ہوتے ہیں۔" اس نے بہت بڑا کارنامہ پیش کیا۔

"اور یہ آپ کو کس نے بتایا کہ کلمے سکس ہوتے ہیں۔"

"میرے ڈیڈ نے...."

"ڈیڈ نے اور کیا کیا بتایا سمیع الدین؟" عبدالمبین نے سرسری لہجہ اپنایا۔

"ڈیڈ نے...." وہ زیر لب دہرا کر کسی مراقبے میں چلا گیا۔ "ڈیڈ تو بہت کچھ بتاتے تھے۔ دین کے بارے میں' دنیا کے بارے میں۔ معاشرے کے بارے میں اچھائی و

برائی کے بارے میں۔ ڈیڈ سب کچھ بتاتے تھے۔ جب جب نشے میں نہیں ہوتے تھے۔ اسے ہی لے کر بیٹھ جاتے تھے۔ (ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کب نشے میں نہیں ہوتے تھے)۔۔۔۔ ننھے سمیع کو ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

باپ نشے سے ابھرتا تو اسے اس کی تربیت کا خیال آتا۔ وہ اسے یاد کرواتا۔ "یاد رکھو سمیع الدین! تم مسلمان ہو۔ مسلمان سب سے اچھی قوم ہوتے ہیں۔" اسے لفظ امت کا پتا نہیں تھا۔ باپ کا سارا زور مذہبی تربیت پر ہوتا۔ مگر اس کا کیا کیجیے کہ اس کی اپنی مذہبی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ہاں یہ طے تھا اسے سمیع سے بہت محبت تھی۔ اور اس کی فکر بھی بہت زیادہ تھی۔ (تب ہی جب نشے سے ابھرتا) وہ اچانک اس کے اسکول پہنچ جاتا اور اس کے ٹیچرز سے رپورٹ مانگتا ان سے ملاقات کا خواہاں ہوتا (پیرنٹس میٹنگ میں بلا بلا کر اسکول والوں کی زبان گھس جاتی۔ وہاں تو دونوں کبھی پہنچے نہیں)

وہ اس کے دوستوں کا انٹرویو کرتا۔ اور ٹیچرز کا بھی۔ اس نے ایک میل ٹیچر کو اسکول سے نکالنے کی درخواست بھی دے دی۔ ریزن میں اسے اس کی نظریں اچھی نہیں لگی تھیں۔ وہ وضاحت نہیں کرسکا مگر مصر رہا۔ "آپ سولڈ ریزن دیں ایسے تو نہیں کسی کو نکالا جاسکتا۔"

"وہ فلپ جیسا ہے۔ اس کا ہیئر اسٹائل اسپیشلی آئیز۔۔۔۔" اس نے جواب دیا۔

"کون فلپ۔۔۔۔؟" پرنسپل نے بے ساختہ پوچھا۔

اور یہاں آکر اس کی گویائی سلب ہوگئی۔ اس نے جارحانہ انداز سے اٹھ کر اپنے بیٹے کا اسکول بدل دینے کی دھمکی دی۔

"موسیٰ کے فادر کے ساتھ کچھ سائیکولوجیکل پرابلمز ہیں۔" (تمام ڈاکومنٹس میں اسکارلٹ نے اس کا نام موسیٰ لکھوا رکھا تھا)

"میرے ٹیچرز بہت اچھے ہیں ڈیڈ۔۔۔!"

"تم اچھائی اور برائی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"میں؟" ننھا سمیع فیصلہ نہ کرپاتا کہ کیا جواب دے۔

"میں چاہتا ہوں تم ایک اچھے مسلمان بنو۔۔۔۔"

"مم کہتی ہیں مجھے ایک اچھا انسان بننا چاہیے۔" اس نے معصومیت سے بتایا۔ وہ بہت دیر تک کچھ نہ بول سکا۔ یہاں تک کہ وہ باپ کی خاموشی سے اکتا گیا۔

"وہ ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم دونوں کبھی بھی اچھے انسان نہیں بن سکے۔ مگر تم بننا۔۔۔ دراصل ایک اچھا مسلمان اچھا انسان خود بخود ہوجاتا ہے۔"

"مسلمان کیا ہوتا ہے ڈیڈ۔۔۔؟"

ڈیڈ نے بری طرح چونک کر سر اٹھایا۔

اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔

وہ اسے آدھی ادھوری معلومات دینے لگا۔ جتنی کہ وہ جانتا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی۔۔۔ وہ اسے آدم کی پیدائش کا واقعہ سناتا۔۔۔۔ حکم عدولی۔۔۔۔ بھٹک جانے کی داستان۔۔۔۔ یوسف کے بھائیوں کا قصہ۔۔۔۔ دھوکے کی کہانی۔۔۔۔ موسیٰ کا واقعہ۔۔۔۔ اور ابراہیم و اسمٰعیل کا واقعہ۔۔۔۔ نوح کی کشتی۔۔۔۔

مگر عجیب بات تھی۔ واقعہ کوئی بھی ہو۔۔۔۔ اس کا خاتمہ قوم لوط کی تباہی کے بیان پر آکر رک جاتا۔ ننھا سمیع ایک لفظ بھی نہ سمجھ پاتا۔ وہ جھنجلاتا، باپ ہمیشہ ادھورے قصے سناتا تھا۔ وہ رونے والا ہوجاتا۔ وہ باپ سے ادھورے واقعے کو مکمل کرنے کی درخواست کرتا تب باپ خالی نگاہوں سے دیکھتا۔ اور پھر وہ بے سدھ پڑجاتا۔

ننھے سمیع الدین نے سوچا وہ بڑا ہوکر سب سے پہلے ان ادھورے قصوں کو مکمل پڑھے گا مگر جب تک وہ بڑا ہوا۔ اس کی اپنی ایک شخصیت، ایک مزاج بن چکا تھا۔

اس کی اپنی اقدار تھیں۔ اپنی سوچ۔۔۔ وہ من موجی دکھائی دیتا۔ شکل و صورت میں یکتا۔۔۔۔ دولت میں کھیلتا۔ عیش کرتا۔ شہرت تھی، عزت تھی مگر سکون نہیں تھا۔ جو اسے دوڑائے پھرتا۔ وہ یوگا کرتا۔۔۔ چیرٹی کرتا۔ خوش رہنے کی تمام کوششیں کرتا۔ مگر ناکام۔۔۔ دل یک دم اچاٹ ہوجایا کرتا تھا۔ وہ یک دم سامان باندھ

لیتا اور کوچ کر جاتا۔

ماں، باپ سے تعلق تب تک باقاعدہ تھا جب تک وہ قانونی طور پر ان کے ساتھ رہنے کا پابند تھا۔ (درحقیقت یہ ایک جبر تھا جو وہ سہتا تھا۔)

وہ تعلیم کے بہانے ان سے دور رہنے لگا۔ شہر شہر، ملک ملک خاک چھانتا۔ وہ پاکستان آگیا، یہاں اس کے دادا، دادی تھے۔ محی الدین سہگل۔۔۔ اور عقیلہ سہگل۔۔۔ وہ اس سے ہر سال ملنے آتے تھے۔ بہت محبت تھی ان دونوں کو اس سے۔۔۔ وہ ہمیشہ اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دیتے تھے۔

مگر اسکارلٹ رکاوٹ تھی۔ کیونکہ جس طرح محی الدین سہگل نفرت کی حد تک اسکارلٹ کو ناپسند کرتے تھے وہ بھی اسی قدر ناپسند کرتی تھی۔

اور سمیع الدین جب کراچی آیا تو وہ محی الدین سہگل کے گھر نہیں آیا تھا۔ اس نے سمندر کنارے ایک مہنگے فلیٹ میں رہائش اختیار کی تھی۔ وہ ماں، باپ کو بتائے بنا آیا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو اسے ان سے رابطہ کیے مہینوں بیت جاتے۔ پر جیسے ہی محی الدین کو اس کی آمد کی خبر ملی (بطور سنگر اس کی آمد مخفی رہ بھی کیسے سکتی تھی۔) وہ خود اس کے فلیٹ تک چلے آئے۔ وہ اس بات پر حیرت آمیز صدمے کا شکار تھے کہ اتنا بڑا گھر ہوتے ہوئے وہ اس طرح تنہا فلیٹ میں کیسے رہ سکتا ہے۔ عقیلہ سہگل کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ "بس وہ فوراً" اٹھے اور ان کے ساتھ چلے۔"

وہ اسے خود لپٹائے جاتی تھیں اور اسکارلٹ کے موسیٰ کو ان کے وجود سے اٹھتی ماما کی مہک مدہوش کرنے لگی۔

وہ مان گیا تھا۔ ان کے ساتھ چل کر رہنے کو۔۔۔ وہ اپنی زندگی میں ٹھہراؤ چاہتا تھا۔ اسکارلٹ نے بہت طوفان اٹھایا تھا۔ وہ۔۔۔ وہاں کیا کر رہا تھا اور بدر الدین یعنی ڈیڈ جو اس کے پاکستان جا کر رہنے پر خوش تھے۔ اس کے سہگل ہاؤس میں قیام کا سن کر خاموش ہو گئے تھے۔ نہ خوشی کا اظہار، نہ غم کا۔

"تم بڑے ہو چکے ہو، صحیح غلط کی تمیز کر سکتے ہو۔ غلط کا ہاتھ پکڑ کر روک سکتے ہو، میں بہت چھوٹا تھا جب۔۔۔" ان کی بوڑھی آنکھوں میں بچے کا سا ہراس در آیا۔

اور اس کی بے کلی کو قرار سا آنے لگا۔ اسے حسن المآب مل گئی۔ اسے وہ سکون و طمانیت مل گئی۔ جس کی اسے تلاش تھی۔ اسے یقین مل گیا۔ ایمان مل گئی۔

اسے پتا لگا کہ وہ تو اب تک بھٹکے ہوئے راستے پر تھا۔ اسے وہ سب ادھوری کہانیاں اور قصے یاد آگئے جنہیں اس نے بڑا ہو کر پڑھنے کے لیے موقوف کر رکھا تھا۔ وہ ادھورے واقعات جو اسے یاد آتے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی، نہ جانے ان سب کا انجام کیا تھا۔

اسے کچھ تو پتا ہوتا۔ وہ کم از کم رام ناتھ کے سوالات سے تو نبٹ لیتا۔ اس ہزیمت اور تکلیف سے، کیا مصیبت ہے۔ اس نے اپنے بالوں کا گچھا نوچ لیا۔ یہ رام ناتھ اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں رہا۔

"آپ فیصلہ کر لیجیے سمیع الدین۔۔۔ آپ درحقیقت چاہتے کیا ہیں۔ آپ کہیں گے تو میں آپ کو اس شخص کے سوالات و اعتراضات کے جواب بتا دیتا ہوں۔ آپ جا کر اسے سنا دیں۔ مگر ان سوالوں سے اور سوال ابھریں گے۔ ان کا کیا؟ آپ کو کیا لگتا ہے آپ اسے جوابات دیں گے اور وہ سب کچھ مان لے گا۔ نہیں کبھی نہیں۔"

"آپ پہلے یہ فیصلہ کر لیجیے۔ آپ اس کا منہ توڑ دینا چاہتے ہیں یا منہ توڑ جواب دینا چاہتے ہیں۔"

"میں دونوں کام کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہہ دیا۔

"تو پھر آپ کو چند سوالات کے جواب تیار نہیں کرنے۔ آپ کو پورے کا پورا دین سیکھنا پڑے گا۔"

عبدالمبین نے صاف صاف کہہ دیا۔ موسیٰ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ پھر بہت دیر بعد لب کشائی کی تھی۔

"میں سیکھوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کل کو کوئی اور مجھ سے پوچھے تو میرے پاس جواب نہ ہو۔ مجھے شرمندگی ہو۔ میں تو اپنے آپ سے شرمندہ ہوں۔

جس مذہب کا نام اپنے ڈاکومنٹس میں لکھتا ہوں' اس کے بارے میں... میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اتنی زندگی جاہل رہ کر گزار دی۔"

دکھ سے اس کی آواز پھٹ گئی۔ دل بھی نہ پھٹ جاتا کہیں۔

✡ ✡ ✡

"آپ کہاں تھے' میرا خون خشک ہو گیا' فون بھی بند..."

وہ برہمی سے اپنی پریشانی کا اظہار کر رہی تھی اور دوسری طرف موسیٰ کا انداز پرسکون تھا۔

"مسجد میں تھا۔" وہ کف کے بٹن کھول رہا تھا۔ حسنل کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ "ہاں وہ مسجد ذرا دور ہے' جہاں میں تھا۔"

"مسجد میں اتنی دیر لگا دی کہ آپ کو آنے میں سات گھنٹے لگ گئے۔"

"بس گفتگو میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر جیسے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہو گیا۔

"گفتگو..." اس نے دہرایا۔ "ابھی دو روز پہلے ہی تو آپ واپس لوٹے ہیں' جی نہیں بھرا گفتگو سے..."

حسنل نے کرسی گھسیٹی اور موسیٰ کے مقابل رکھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا لہجہ دانت پیستا ہوا تھا۔ غم و غصہ اور بے حسی کے امتزاج سے پر...

"بات جی بھرنے کی نہیں ہے ہنی... گفتگو ختم ہی نہیں ہوئی' بات سے بات نکل پڑتی ہے اور دور تک جاتی ہے۔ کچھ سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی بہت سے نئے سوال کھل جاتے ہیں۔" وہ اتنے دنوں سے اپنے دل کی ساری باتیں عبدالمبین اور دیگر مولانا حضرات سے کر رہا تھا۔ مگر یہ الجھن اس نے ہنی سے کہی' جو ہم دم و ہم ساز تھی۔ محرم راز تھی اور جو پھٹی آنکھوں سے موسیٰ کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"موسیٰ!" اس نے یک دم اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جھپٹ لیا۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیا سوچتے رہتے ہیں آپ؟ کیسی بہکی بہکی سی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو میرا ذرا خیال نہیں۔ بہت مشکلوں سے پایا ہے موسیٰ... رو' رو کر گڑگڑا کر... جب آپ میرے نہیں تھے اور ابھی جب آپ صحرا میں بھٹک گئے تھے۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں آپ کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتی... میں..."

"میں اب نہیں بھٹکوں گا ہنی۔" تحمل سے سنتے سنتے اس نے یقین دلایا۔ ہنی کے دماغ سے اس کے جملے بھک سے اڑ گئے۔ وہ تو اسے اپنے ٹریک پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے بتا رہی تھی کہ اس نے اسے کیسے پایا۔ وہی قصہ... ٹین ایج کا زمانہ ایک خیالی صورت... پھر جب اس نے اسے مجسم دیکھ لیا... تو قصہ یہ تھا کہ وہ جب بھی بات کو یہاں سے شروع کرتی تھی۔ پوری جان سے متوجہ ہو کر پوچھنے لگتا تھا۔

"اچھا تو بتاؤ... کیسے پایا مجھے اور اگر میں نہ ملتا تو کیا کرتیں۔"

مگر آج اس نے توجہ ہی نہ دی۔ وہ کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔

"میں اب نہیں بھٹکوں گا ہنی' ابھی تو راہ پر آیا ہوں۔" وہ نہ جانے کس بارے میں کہہ رہا تھا۔

اس کے نزدیک بھٹکنا کیا تھا' جبکہ ہنی... اسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔ "بھٹک ہی تو رہا تھا۔ راستے سے ہٹ کر سوچ رہا تھا اور بھٹکنا کس کو کہتے ہیں؟"

(باقی آئندہ ماہ)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ..... میشاء مغل

میک اپ ..... روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ..... موسیٰ رضا

کرن نعمان

مژدہ صبح مبارک تمہیں



گلاب کے پھولوں سے بیڈ روم اور موتیے کے پھولوں سے اس کا سارا وجود مہک رہا تھا۔ مہکتی یادوں کے در کھلے ہوئے تھے' کمرے میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ یہ شاید اس بنگلے کا ماسٹر بیڈ روم تھا۔ جس میں آدھا گھنٹہ قبل وہ عباد علی خان کے ساتھ رخصت ہو کر آئی تھی۔ وہ اس کمرے میں اسے پہنچا کر نجانے کہاں چلے گئے تھے۔ گیٹ سے لے کر کمرے تک آتے آتے اسے اس بنگلے میں کوئی تیسرا شخص نظر نہیں آیا تھا۔

کمرے میں جا بجا گلدستے سجے تھے' روایتی سیج نہیں سجی تھی۔ شمع دان میں موم بتیاں روشن تھیں۔ لاکھوں کی مالیت کا لہنگا سنبھالتی وہ آئینے کے سامنے آ گئی۔ نکاح کے بعد پہلی بار وہ اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ روئی روئی سی آنکھیں کچھ اور حسین ہو چکی تھیں۔ سخت بری لگتی تھیں اسے رخصتی کے وقت روتی دھوتی دلہنیں۔ پر وہ خود کیوں روئی تھی۔ نجانے کیا سوچ کر ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

ابھی پلٹی ہی تھی کہ ہلکے سے کھٹکے کی آواز پہ چونک گئی' چند لمحے کچھ سننے کی کوشش کرتی رہی پھر اپنا وہم سمجھ کر آگے بڑھ گئی ابھی بیڈ پر بیٹھنے کو ہی تھی کہ ایک بار پھر وہی آواز سنائی دی۔ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی اور سماعت آواز کی سمت لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔ اب کے اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس کا واہمہ نہیں ہے

"کھٹ کھٹ۔" جیسے کوئی لکڑی کا دروازہ بجا رہا ہو وہ کمرے سے باہر آئی پر کوئی نہیں تھا۔ اب آواز ذرا تیز تھی' اندر ہی اندر اسے ایک بے چینی سی لگ گئی۔ کان آواز کی سمت لگائے وہ ایک طرف چل دی' ایک کمرے کے آگے سے گزرتے اسے شک ہوا کہ آواز ادھر سے آ رہی ہے۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو دل دھک سے رہ گیا۔

سامنے اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا اور سیڑھیاں نیچے تہہ خانے میں جا رہی تھیں۔ آواز نیچے سے ہی آ رہی تھی۔ کانپتے دل کے ساتھ اس نے پہلا قدم سیڑھی پر رکھا اور پھر ایک کے بعد ایک رکھتی چلی گئی۔ نیچے ہلکی ہلکی نائٹ بلب کی روشنی تھی۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دیا۔ واپس پلٹنے کو تھی کہ پھر وہی آواز آئی اس نے پلٹ کر دیکھا تو منہ سے دل خراش چیخ نکل گئی اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اس کے دائیں طرف ایک نسوانی وجود زمین پر پڑا تھا جس کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے اور منہ پر ٹیپ لگی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو وحشت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد سیڑھیوں پر تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ عباد علی خان تیزی سے نیچے آ رہے تھے۔ کچھ دیر وہ نیچے کا منظر دیکھتے رہے۔

ناولٹ



"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ اوپر چلو۔" اسے ان کی بے حسی پر حیرت ہوئی۔

"یہ کون ہیں اور اس طرح انہیں یہاں باندھ کر کیوں رکھا ہے۔"

عباد علی خان نے نفرت سے اس بندھی ہوئی عورت کو دیکھا۔ "منحوس ہے یہ۔ آج پھر میری زندگی میں نحوست پھیلانے چلی آئی ہے۔ نفرت ہے مجھے اس سے شدید نفرت۔" ان کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

"کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہو کسی کو اس طرح تشدد کا نشانہ بنانا کہاں کی انسانیت ہے۔ پلیز آپ کھول دیں انہیں۔ مجھ سے ان کی بے بسی دیکھی نہیں جا رہی۔" اس کے دل کو شدید تکلیف پہنچی تھی۔ بندھی ہوئی عورت کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جو شاید عباد علی خان کی نفرت کا اظہار سن کر اس کی آنکھوں میں آئے تھے۔

"ہرگز نہیں، یہی اس کا مقدر ہے۔ اچھا ہے، تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ چھوڑو اسے اور اوپر چلو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا پر اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"مجھے آپ سے اتنی سنگ دلی کی توقع نہیں تھی۔ میں اس عورت کو مرتا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ آپ فوراً" اسے کھول دیں اور اگر آپ نہیں کھولیں گے تو میں کھول دوں گی۔"

وہ اس عورت کی طرف بڑھی پر عباد علی خان نے بیچ میں ہی اسے دبوچ لیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ وہ چیختی چلاتی رہی پر ان کی مردانہ طاقت کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ زور زبردستی میں اس کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر کلائی میں چبھ گئیں، وہ اسے کھینچتے ہوئے بیڈ روم میں لائے اور بیڈ پر پٹخ دیا۔ ساتھ ہی لاک لگا کر لائٹ بجھا دی۔

☆ ☆ ☆

"ماموں۔" غازان گھبرا کر چلاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"کیا ماموں یار اتوار والے دن تو عیش کی نیند سونے دیا کریں اور یہ، یہ اسپرے گن کہاں سے ملی آپ کو۔" اسپرے گن دیکھ کر اسے مزید تاؤ چڑھ گیا۔

کل شام آفس سے آتے ہی اس نے سب سے پہلے یہ اسپرے گن چھپائی تھی تاکہ شعیب اس کی نیند میں مخل نہ ہو سکیں۔ جب سے وہ کاٹن کی شرٹیں پریس کرنے کے لیے اسپرے گن لے آیا تھا تب سے وہ اسے پانی کا چھڑکاؤ کر کے ہی اٹھایا کرتے تھے۔

"ہاہاہا۔ بھانجے! تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہم اس دو کمروں کے اپارٹمنٹ کے بجائے کسی شاہی محل میں رہتے ہیں جہاں ایک اسپرے گن ڈھونڈنے میں ہفتے لگ جائیں۔"

کوفت سے اس نے برا سا منہ بنایا۔ "ماموں، آپ بھی ناں زچ کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

اس نے سینے سے چمٹایا ہوا تکیہ دور پھینک دیا۔

"اب وہاں کھڑکی میں کس کو تاڑنے کھڑے ہو گئے ہیں۔" شعیب اسے اٹھانے کا فریضہ ادا کر کے کھڑکی کی طرف آ گئے تھے۔

"کل شام سامنے والے اپارٹمنٹس میں دو نئی دوشیزائیں نظر آئی تھیں دیکھ رہا ہوں اگر جو پھر نظر آ جائیں تو شاید قسمت سنور جائے۔" وہ جھٹ بستر چھوڑ کر ان کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"شرم کریں ماموں! بجائے بہو ڈھونڈنے کے آپ اپنے لیے دوشیزائیں دیکھتے پھر رہے ہیں۔"

انہوں نے عینک ناک کی نوک تک کھینچ کر چندھی آنکھوں سے غازان کو دیکھا "میاں بھانجے! تم ہو ابھی کچے اور ہم تجربے کی بھٹی میں پک پک کر کندن بن چکے ہیں اس لیے پہلے تمہاری ممانی تشریف لائیں گی پھر بہو بھی ڈھونڈ لیں گے۔" نگاہیں گھما کر وہ پھر اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔

"بہت اچھے ماموں! بہت اچھے۔" تپ کر وہ ابھی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ڈور بیل پہ وہ دونوں چونک

گئے۔

"شکیلہ۔"

"نہیں نبیلہ۔" آگے پیچھے کہتے شعیب اور غازان دروازے کی طرف دوڑے۔ مگر دروازہ کھولتے ہی دونوں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

نہ برابر والی شکیلہ تھی نہ ہی سامنے والی نبیلہ۔ وہ دونوں چونکہ اکیلے رہتے تھے کوئی عورت نہ تھی ان کے گھر میں سو آس پڑوس کی خواتین ان شریف آدمیوں کو اکثر کچھ نہ کچھ پکا کر دے جاتی تھیں۔ پر اس وقت کسی پڑوسن کی بجائے پوسٹ مین کو دیکھ کر دونوں بدمزہ ہو گئے۔

"بھائی جان! آپ شاید نہیں یقیناً" کسی غلط جگہ پر آگئے ہیں کیونکہ ہم ماموں بھانجے کا ایک دوسرے کے سوا اس بھری دنیا میں اور کوئی نہیں۔ سو ہمیں کسی کے خط لکھنے کا ایک فی صد بھی چانس نہیں ہے' اس لیے آپ دوبارہ پتے پہ نظر ثانی کر کے صحیح جگہ چلے جائیں۔"

پوسٹ مین بولنے سے پہلے ہی غازان کی تقریر سن کر بوکھلا گیا۔ "اچھا جی پتا تو یہی لکھا ہے پوسٹ پر اور نام کسی غازان احمر کا ہے۔" اس کے منہ سے غازان احمر سنتے ہی دونوں بری طرح چونکے۔

"ہیں' کیا' واقعی۔" پوسٹ مین حیرت سے ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"شکیل' شکیل۔" ماریہ نے جس طرف شکیل کی موجودگی کا امکان تھا اس طرف منہ کر کے آوازیں لگائیں پر وہ جن کی طرح اس کے پیچھے سے نمودار ہوا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"جی مس جی۔"

"شکیل! ساری صفائیاں ہو گئیں۔"

"ہاں جی بالکل ہو گئیں۔"

"اچھا' تو پھر یہ کیا ہے؟" اس نے سامنے پڑے چپس کے خالی ریپر کی طرف اشارہ کیا۔

شکیل نے اسے ہونقوں کی طرح دیکھا۔ "مس جی صبح تک تو جی آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں' یہ اب ایک دم کیا ہو گیا جی' آپ کو خالی پیکٹ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔"

"مجھے دکھائی دے رہا ہے پر اگر میڈم کو بھی دکھائی دے گیا ناں تو ابھی کے ابھی اس گیسٹ ہاؤس سے باہر نکال دیں گی۔"

"اوہو' مس جی! وہ جو پنجاب سے فیملی آئی ہے ناں ان کے بچے بہت شرارتی ہیں' یہ کام ان ہی کا ہے جی۔" اس نے جھپٹ کر ریپر اٹھایا۔

"ماریہ۔" پیچھے سے آنے والی آواز پر دونوں تیزی سے پلٹے۔

"جی میڈم۔" وہ تیزی سے ان کی طرف آئی۔

"شام تک مسٹر پرویز حسن کی فیملی پہنچنے والی ہے۔ ان کے کمرے سیٹ ہو گئے یا نہیں۔"

"جی میڈم سیٹ ہیں' میں نے چیک کر لیے ہیں۔"

"ہوں' شکیل! باتھ روم اچھی طرح صاف کر دیے ہیں۔" شکیل آدھا ان کے آگے جھک گیا۔

"ایسے صاف کیے ہیں میڈم جی! کہ شیشے کے بجائے ٹائلوں میں اپنا منہ دیکھیں گے۔" ارسلہ گل اس کی بات پر مسکرا دیں۔

"چلو ٹھیک ہے' شاباش' نکلو یہاں سے۔" ماریہ نے ہنستے ہوئے شکیل کو چلتا کیا۔

"ماریہ! کام بڑھ رہا ہے۔ اس لیے کچھ دنوں تک میں ایک مینیجر کو اپائنٹ کرنے والی ہوں۔"

"کسی مقامی کو یا....."

"نہیں' وہ اسلام آباد سے آئے گا۔" ارسلہ گل' جواب ماریہ کو دے رہی تھیں پر ان کی سوچتی نگاہیں شیشے کی دیوار کے باہر نظر آنے والے پہاڑوں پر تھیں۔

☆ ☆ ☆

"ہاں' تو پھر ہو گئی تیاری۔" شعیب کمرے میں آئے تو غازان اپنا بیگ پیک کر رہا تھا۔

"تیاری تو ہو گئی ماموں! پر میری سمجھ میں ابھی تک

نہیں آرہا۔"

"ارے بھئی تو پھر چھوڑ دو' اچھی بھلی نوکری چل رہی ہے' کرتے رہو۔" وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔

"نوکری میں نے چھوڑی نہیں ہے ماموں! صرف دو ہفتے کی چھٹیاں لی ہیں میں وہاں جا کر دیکھوں گا کہ آخر ماجرا کیا ہے' وہ خاتون کون ہیں اور میری موجودہ تنخواہ سے دس ہزار زیادہ کی آفر کیوں دے رہی ہیں۔ تمام سہولیات اور ٹریول الاؤنس کے ساتھ... میں تو ارسلہ گل نامی عورت کو جانتا تک نہیں پھر وہ مجھے اتنے اصرار سے کیوں بلا رہی ہیں مجھ جیسے بلکہ مجھ سے زیادہ کوالیفائیڈ ہزاروں افراد موجود ہوں گے اس شہر میں پھر مجھے ہی کیوں۔"

شعیب اس کی بات غور سے سن رہے تھے۔ "اسی لیے تو تمہیں تنہا بھیجنے کو میرا دل نہیں مان رہا اور میرا کام ایسا پھنسا ہے کہ میں تمہارے ساتھ جا بھی نہیں سکتا۔ ان سب باتوں کی تشویش مجھے بھی ہے پھر بھی تم اپنا خیال رکھنا اور اگر کوئی گڑبڑ ہو تو فوراً" واپس آجانا۔"

"جی ماموں! آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" بیگ کاندھے پر ڈال کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"ارے یار! میرا خیال رکھنے کے لیے آس پڑوس ہے نا۔" شرارت سے کہتے انہوں نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

"ماموں! آپ بھی نا۔" یہ کہتا وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا۔

✡ ✡ ✡

غازان احمر کا تعلق درمیانے طبقے سے تھا والد اور والدہ نے پسند کی شادی کی تھی سو دونوں تمام عمر اپنے خاندان سے کٹے رہے سوائے شعیب ماموں کے جو کم عمری میں ہی اپنی بہن کے پاس آگئے تھے۔

غازان آٹھ سال کا تھا جب اس کے ماں باپ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے۔ تب سے اس کی پرورش کی تمام ذمہ داری شعیب کے کاندھوں پر آگئی اس وقت خود ان کی عمر پچیس برس سے زیادہ نہیں تھی بہن کے گزر جانے کے بعد انہوں نے اپنا گھر بسانے کے بجائے غازان کی پرورش کا بیڑا اٹھا لیا' شعور آنے پر غازان نے ان سے بہت کہا کہ وہ شادی کرلیں پر انہوں نے سوچ لیا تھا کہ جب تک غازان اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا وہ شادی نہیں کریں گے اور اب خیر سے وہ ایک فور اسٹار ہوٹل میں فوڈ اینڈ بیوریجز ڈیپارٹمنٹ کا منیجر تھا۔ اب وقت تھا کہ اپنے بارے میں کچھ سوچتے کہ اچانک کسی میڈم ارسلہ گل کے خط نے دونوں کی زندگی میں ہلچل مچا دی۔

اس خط میں انہوں نے غازان کو وادی نیلم کے علاقے کٹن اپنے گیسٹ ہاؤس میں بطور منیجر کے جاب آفر کی تھی اور اس کی موجودہ تنخواہ کے مقابلے میں دس ہزار زیادہ کی پیش کش کی تھی۔

✡ ✡ ✡

دستک کی آواز پہ وہ جلدی میں باتھ روم سے شیو کرتا ہوا ہی باہر آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی ملازم ہو گا اس لیے بے فکری سے دروازہ کھول دیا۔ پر سامنے ایک پیاری سی ڈیسنٹ لڑکی کو ہاتھوں میں گلدستہ لیے کھڑا دیکھ کر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی جبکہ اس کا حلیہ دیکھ کر ماریہ کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

"اوہ' سوری' ویری سوری۔" وہ اپنی شرٹ لینے بھاگا۔ شرٹ پہن کر اس نے تولیے سے ہی منہ رگڑ ڈالا اور پھر سے دروازہ کھول دیا۔

ماریہ مسکراتے ہوئے اندر آگئی "گڈ مارننگ سر' نیلم گیسٹ ہاؤس میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں' میرا نام ماریہ ہے اور میں یہاں ریسیپشنسٹ ہوں' یہ پھول آپ کے لیے۔" پھر اس نے خود ہی آگے بڑھ کر پھول گلدان میں سجا دیے۔

"سر آپ کو راستے میں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی۔"

باوجود اس کے کہ اسے طویل اور تھکا دینے والے راستے میں بہت سی مشکلیں پیش آئیں اس نے کہا۔
"نہیں، نہیں کوئی خاص نہیں۔"
"اوکے سر، آپ تیار ہو کر نیچے ڈائننگ ہال میں ناشتے کے لیے آجائیں کیونکہ پورے نو بجے میڈم ارسلہ آپ سے ملاقات کریں گی۔ ٹھیک ہے۔"
"جی، جی ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے۔" وہ جلد از جلد اسے رخصت کرنا چاہتا تھا، یہ ساری صورت حال اس کے لیے گھبرا دینے والی تھی۔

کل رات اسے گیسٹ ہاؤس تک پہنچتے پہنچتے آدھی رات ہو گئی تھی پُر پیچ پہاڑی راستوں نے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا اور اس پر سردی بھی کمال تھی۔

رات اسے شکیل نے گیسٹ ہاؤس کے مین گیٹ پر ریسیو کیا تھا اور کھانا کھلا کر بیڈ روم تک بھی وہی چھوڑ گیا تھا، اجنبی جگہ پر اسے نیند نہیں آئی تھی، اس لیے صبح اٹھنے میں بھی دیر ہو گئی۔

اب وہ جلد از جلد تیار ہو کر ماحول کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔ نو بجے وہ ناشتے سے فارغ ہو کر میڈم ارسلہ گل سے ملنے کے لیے تیار تھا۔ اس سے پہلے وہ گیسٹ ہاؤس کی عمارت اور اس کے آس پاس کا جائزہ لے چکا تھا۔ یہ ایک تین منزلہ شاندار حویلی نما عمارت تھی جس میں بیش قیمت لکڑی کا دیدہ زیب کام ہوا تھا۔ عمارت کے آگے ایک خوب صورت باغیچہ تھا جسے باڑھ سے کور کر کے عمارت کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ اس سے کچھ آگے دریائے نیلم سبک روی کے ساتھ بہہ رہا تھا اور دریا کے پار چیڑ کے پیڑوں سے ڈھکے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ غازان نے اتنی خوب صورت عمارت اور ایسی خوب صورت وادی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ نو بجے میڈم ارسلہ گل نے اسے اپنے کمرہ خاص میں جو کہ ان کا آفس بھی تھا طلب کیا۔

پہلا قدم اندر رکھتے ہی ایک مسحور کن خوشبو نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ نہایت عالی شان آفس اور نہایت شاندار نسوانی شخصیت پہلی ہی نظر میں وہ ارسلہ گل کی شخصیت سے مرعوب ہو گیا۔

فائل پر جھکا ہوا سر اٹھا کر انہوں نے چشمہ اتارتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا پھر سامنے والی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ "بیٹھو۔" وہ شکریہ کہتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"سفر تو خیریت سے گزرا؟ مجھے اندازہ ہے، یہاں تک آتے آتے تھکن بہت زیادہ ہو گئی ہو گی۔"
"جی کافی زیادہ، اصل میں اسلام آباد سے کافی دور ہے یہ علاقہ۔"
"ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔ "تم نے میری آفر کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا ابھی تک۔"
وہ سمجھ گیا کہ ان کا اشارہ اس کی جاب کی طرف ہے۔
"ایکچوئیلی، کچھ باتیں میرے لیے مبہم ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر آپ نے مجھے ہی اس جاب کی آفر کیوں دی جبکہ میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں۔ کیا آپ مجھے جانتی ہیں؟"
وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں۔ "مبہم باتیں وقت کے ساتھ ساتھ ہی کھلیں تو اچھا ہوتا ہے غازان! باقی جہاں تک تمہیں جاب آفر کرنے کا تعلق ہے تو کسی نہ کسی کو تو بلانا ہی تھا سو تمہیں بلا لیا۔ اب تم ایسا کرو کہ دو دن یہاں خوب گھومو پھرو انجوائے کرو پھر مجھے بتانا کہ تم یہاں جاب کرنے میں انٹرسٹڈ ہو یا نہیں۔" وہ اس کا اصل سوال ٹال کر بات کا رخ موڑ گئیں۔

وہ چند لمحے بیٹھا رہا پھر "جی بہتر" کہتا اٹھ گیا اور واپس دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے پر دو قدم چل کر اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

دروازے کے ساتھ دیوار پر لگی بڑی سی تصویر اس کے قدموں کی زنجیر ہو گئی تھی، جس میں ایک بے انتہا حسین لڑکی میڈم ارسلہ گل کے گلے میں بانہیں ڈالے کھڑی تھی۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن تھم گئی اور سانسیں لینے میں ہی اٹکتی محسوس ہوئیں۔ بہ مشکل تمام اس نے پیچھے مڑ کر میڈم کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"یہ' یہ آپ کی بیٹی؟"

"نہیں۔"

"اوہ' آپ کی چھوٹی بہن۔۔۔۔"

"نہیں۔" وہ سر جھکا کر چپ ہو گیا یہ سوچ کر کہ شاید کوئی بھانجی بھتیجی ہو گی۔

"یہ میری سوتن ہے۔"

غازان نے جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور ان کا سکون دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آفرین نام ہے اس کا۔ اسلام آباد میں ہوتی ہے۔ آتی جاتی رہتی ہے یہاں۔"

وہ جانتا تھا اس کا نام آفرین ہے۔ بھول ہی نہیں سکتا تھا' یہ بھی جانتا تھا کہ شادی شدہ ہے پر یہ نہیں جانتا تھا کہ کسی کی سوتن بھی ہے وہ چپ چاپ تصویر دیکھتا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

آفرین حیات پروفیسر خضر حیات کی بیٹی تھی بے حد خوب صورت اور باوقار' جہاں سے گزرتی لوگ ایک بار مڑ کر دیکھتے ضرور۔ سات بہنوں میں اس کا نمبر پہلا تھا وہ قائداعظم یونیورسٹی کی ہونہار اسٹوڈنٹس میں سے ایک تھی ہر لڑکے کی خواہش ہوتی تھی کہ چاہے چند لمحوں کے لیے ہی سہی پر وہ اس سے بات کر لے پر وہ کم ہی کسی کو لفٹ کرواتی تھی۔ غازان بھی اس سے بات کرنے والے خواہش مندوں میں سے ایک تھا پر نجانے کیوں وہ کبھی خود سے اس کی طرف قدم نہیں بڑھا سکا بلکہ جہاں وہ ہوتی وہاں سے قدرے دور ہٹ کر کھڑا ہو جاتا شاید اس کا یہی گریز آفرین فراموش نہ کر سکی۔

چار سال پہلے غازان کی آفرین سے باقاعدہ ملاقات ایک شاپنگ سینٹر میں ہوئی تھی جہاں وہ اپنی بہنوں کے ساتھ شاپنگ کے لیے آئی تھی۔ غازان اپنے لیے ٹی شرٹ پسند کر رہا تھا ریڈ اور گرین دونوں ہی اچھی لگ رہی تھیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ دونوں میں سے کون سی لے۔ کبھی گرین خود سے لگاتا کبھی ریڈ کہ اچانک پیچھے سے آواز آئی۔ "گرین۔"

اس نے پیچھے دیکھا تو ہاتھوں میں چند شاپنگ بیگز لیے آفرین کھڑی تھی۔ "گرین کلر آپ پر زیادہ سوٹ کرے گا۔"

غازان کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ وہ خواب میں بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ خود سے اسے مخاطب کرے گی۔

"آپ یہاں۔"

"کیوں کیا میں یہاں نہیں آسکتی۔"

"نہیں' یہ بات نہیں۔" وہ ہنس دیا۔

خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ آفرین مسکراتے ہوئے اس کی بوکھلائی ہوئی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

اس کے بعد دونوں اکثر یونیورسٹی میں اکٹھے نظر آتے تھے اور کبھی کبھار کسی ریسٹورنٹ میں بھی مل لیتے تھے۔ یہ ان دونوں کے درمیان ایک بے نام تعلق کا آغاز تھا۔ بے نام اس لیے کہ ان دونوں کے بیچ اظہار کا تعلق نہیں تھا اپنی اپنی جگہ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کر رہے تھے پر کہتے نہیں تھے۔ خوشیوں کے دو سال پر لگا کر اڑ گئے۔ فائنل ایگزام کے چند دن بعد غازان نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ وہ آفرین سے اپنی محبت کا اظہار کر کے اسے پرپوز کر دے گا اور جس دن وہ اس ارادے سے اس سے ملا' بے حد خوش تھا' اپنی خوشی میں وہ یہ بھی نہ جان پایا کہ آفرین کو چپ لگی ہوئی ہے۔

جب اس نے اظہار کیا تو وہ کتنی ہی دیر اسے کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھتی رہی۔ تب غازان کو احساس ہوا کہ آفرین کچھ بدلی بدلی سی ہے۔ چند لمحوں بعد اس نے بیگ سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

یہ شادی کا کارڈ تھا جس میں آفرین اور عباد علی خان کے نام نمایاں تھے۔ آفرین اسی خاموشی سے اٹھی اور

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔

قسمت کے انوکھے نرالے رنگ کون جانتا ہے۔ کب کس نے بچھڑنا ہے کب کہاں ملنا ہے' یہ تو وہی جانتا ہے۔

تمام دن غازان اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ اگلے ہی روز وہ دن انتظار کیے بغیر اس نے میڈم ارسلہ کو اثبات میں جواب دے کر اپنا چارج سنبھال لیا۔ اب اسے شدت سے آفرین کا انتظار تھا۔

✵ ✵ ✵

"غازان' تم ابھی تک کام کر رہے ہو۔"

"جی میڈم! آج صبح جو مسٹر عقیل کی فیملی آئی ہے تو ان کی مسز کو پتھروں پر چڑھنے اترنے کی وجہ سے کمر درد کی شکایت ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے کسی ڈاکٹر کو کال کرنے کے لیے کہا ہے۔ میں اس وقت ڈاکٹر کا نمبر ڈھونڈ رہا تھا پر مل نہیں رہا۔"

"ہوں' ڈاکٹر کا نمبر میرے پاس ہے۔ شکیل آفس سے میرا فون لاؤ۔" انہوں نے غازان کے ساتھ کھڑے شکیل سے کہا۔

"جی میڈم جی' ویسے میڈم جی! اگر وہ خاتون پسند کریں تو میں ان کا علاج کر سکتا ہوں جی۔" جاتے جاتے وہ واپس پلٹ آیا۔

"اچھا' وہ کیسے۔"

"بس ایک لات لگاؤں گا تو درد یوں غائب ہو جائے گا۔" اس نے چٹکی بجا کر اپنا طریقہ علاج بتایا' غازان کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ پر ارسلہ گل نے اسی سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیوں تمہاری لات میں کیا جادو ہے؟"

شکیل ایک دم پُرجوش ہو گیا۔ "جی' جی میڈم جی! جو بچے پچھے (الٹے) پیدا ہوتے ہیں ان کی لات میں اللہ تعالیٰ نے چک پڑنے والے مریضوں کے لیے بڑی شفا رکھی ہے جی اور آپ کا یہ خادم پچھا پیدا ہوا تھا جی۔"

غازان کھل کر ہنس دیا اور ارسلہ گل نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"میرا خیال ہے شکیل! وہ خاتون اتنا بے ہودہ علاج کروانا پسند نہیں کریں گی' اس لیے بہتر ہے کہ ہم ڈاکٹر کو ہی بلالیں۔"

"جیسے آپ کہیں میڈم جی۔" شکیل کا منہ لٹک گیا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔" شکیل کے جانے کے بعد غازان ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں' آفرین آ رہی ہے' کتنی بار اسے منع کیا ہے کہ رات میں سفر مت کیا کرو پر مانتی ہی نہیں۔"

آفرین کا نام سن کر غازان چونک گیا' دونوں کچھ دیر خاموش رہے۔ شکیل فون لے آیا تو انہوں نے غازان کو نمبر نوٹ کروا دیا اور شکیل کو آفرین کا کمرہ صاف کرنے کی ہدایت کر کے اپنے روم میں چلی گئیں۔ پر غازان کو شدید بے کلی میں مبتلا کر گئیں۔ تمام معاملات نبٹا کر وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے جیپ کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس نے کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ کچھ دکھائی نہ دیا سوائے دو گلے ملتے سایوں کے۔ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ ایک بار پھر وہ اس کی زندگی میں آ رہی تھی۔ اس بات کی ایکسائٹمنٹ اپنی جگہ پر دو سوتنوں کا اتنا پیار اس کے لیے تعجب خیز تھا۔

✵ ✵ ✵

"اس بار بہت دن لگا دیے ادھر آنے میں۔"

"اس بار آزادی بہت دن بعد ملی۔"

انہوں نے کافی کے بھاپ اڑاتے مگ سے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ مزے سے ان کے بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ آزادی کے چند دن پانے کا احساس اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا تھا۔

"تمہیں اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزادی حاصل کر لینی چاہیے۔"

آفرین نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"یہ آپ کہہ رہی ہیں۔"

انہوں نے اثبات میں سرہلانے پر اکتفا کیا۔

"کیا اب یہ ممکن ہے؟" وہ چپ رہیں۔

"عباد علی خان کو ہر وقت ٹارچر کرنے کے لیے ایک عورت درکار ہے جو انہیں میری صورت دستیاب ہے پھر وہ کیوں آزاد کریں گے اپنے شکار کو۔"

"وہ بلاوجہ تمہاری زندگی پر قابض ہوا بیٹھا ہے تمہارا اپنی ذات پر پورا حق ہے۔"

وہ تلخی سے مسکرائی۔ "یہ کون سمجھتا ہے۔ عجیب نفسیات پائی ہے صاحب بہادر نے نہ پوری طرح مارتے ہیں اور نہ ہی زندوں میں رکھا ہے۔ آخر آپ مجھے بتاتی کیوں نہیں۔ ایسے کیوں ہیں وہ۔" وہ سسک پڑی۔

ارسلہ گل چند لمحے اسے دیکھتی رہیں۔ "رات بہت ہوگئی ہے اب سو جاؤ۔"

"کب تک' آخر کب تک ٹالتی رہیں گی آپ مجھے۔ کچھ نہ کچھ تو ہے جسے آپ دونوں چھپاتے ہیں مجھ سے۔"

"تمہارا قصور نہیں ہے آفرین! مجھے دکھ ہوتا ہے کہ میری نفرت کی آگ میں وہ تمہیں بھی جھلسا رہا ہے۔ اسی لیے میں چاہتی ہوں تم آزاد ہو جاؤ۔ اپنی زندگی جیو۔"

"آج آپ یہ بات کیوں کر رہی ہیں آپ کو کیا لگتا ہے' وہ کبھی چھوڑیں گے مجھے؟"

وہ خالی مگ لے کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اب اسے تمہیں چھوڑنا ہی پڑے گا اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو میں خود خانم سے بات کروں گی ان کی بات اسے ماننا ہی ہوگی۔"

وہ اٹھ کر ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

"اس بار آپ بہت بدلی ہوئی ہیں ارسلہ جی' پہلے تو آپ نے کبھی ایسی بات نہیں کی ہمیشہ یہ ہی کہتی رہیں کہ انہیں محبت سے بدلنے کی کوشش کرو' اب کیا ہوا؟"

وہ دھیمی سی مسکان لیے اس کی طرف پلٹیں۔ "یہ تمہیں صبح پتا چل جائے گا۔"

✲ ✲ ✲

صبح کے وقت وادی نیلم کا حسن ہی کچھ اور ہوتا ہے خاص کر دریائے نیلم کے پانی کا شور۔ ایسا لگتا ہے جیسے سفید دودھیا جھاگ اڑاتا دریا اپنے پروردگار کی تسبیح کر رہا ہو۔ سرسبز و شاداب وادی برف کی چادر اوڑھے بلند و بالا پہاڑ سب مل کر اپنے رب کی حمد و ثناء کر رہے ہوں۔ وہ جب بھی یہاں آتی صبح صبح نیلم کے کنارے پتھروں پر آ بیٹھتی۔ آج بھی وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھی کتنی دیر سے رات ارسلہ گل سے ہونے والی باتوں کو سوچے جا رہی تھی۔ آخر وہ کیا تھا جو اسے پتا چلنے والا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ واپس جانے کے لیے پلٹی۔ سامنے ہی وہ لیدر جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"تم' یہاں کیسے؟"

"منیجر ہوں نیلم گیسٹ ہاؤس میں۔" اسے حیرت ہوئی۔

"خود اپلائی کیا تھا یا....."

"مجھے میڈم ارسلہ گل نے خود یہ جاب آفر کی تھی۔"

اب کی بار حیرت پہلے سے زیادہ ہوئی۔ "ارسلہ جی نے' پر انہیں کیسے پتا چلا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ پھر کسی خیال سے چونک گئی۔ "اوہ" اسے یاد آگیا کہ پچھلی بار جب وہ یہاں آئی تھی تب اپنی ڈائری یہیں بھول گئی تھی۔

"تم کیسی ہو؟"

"ہاں....." وہ خیال کی دنیا سے واپس آئی۔ "ٹھیک ہوں۔"

"پتا ہے آفرین! کبھی میں سوچا کرتا تھا کہ زندگی کا کچھ وقت ایسی ہی کسی وادی میں تمہارے ساتھ ضرور گزاروں گا۔ یہ زندگی ہمیں ایسے ملائے گی یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم میرے سامنے ہو اور میں تمہیں چھو بھی نہیں سکتا۔ اظہار نہیں کر سکتا، پر محبت کا تعلق

بہت گہرا اور مضبوط تھا پھر تم نے ایسا کیوں کیا میرے ساتھ۔"

آفرین کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ "ہماری محبت بہت سادہ تھی غازان' زمانے کی چال بازیوں کے آگے ہار گئی۔"

"تم اگر مجھے اعتماد میں لے لیتیں تو شاید ایسا نہ ہوتا۔"

"تم معاشرے کے کمزور طبقے سے تعلق رکھتے تھے غازان جبکہ عباد علی خان کی پہنچ ایوان اقتدار کے بالاخانوں تک تھی' تم کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ اس لیے میں نے تمہیں کسی آزمائش میں ڈالا ہی نہیں۔ کیوں کہ میرے باپ کی شرافت اور چھ بہنوں کی عزت داؤ پر لگی تھی۔ اس لیے مجھے ہاں کرنا ہی پڑی۔"

"اب تم خوش ہو۔"

"نہیں' میں خوش نہیں ہوں۔" وہ دونوں اسی پتھر پہ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"تمہیں یاد ہے آرٹس کونسل کا وہ پروگرام جس میں میں نے انارکلی کا کردار کیا تھا بس وہیں سے میری بربادی کا آغاز ہوا تھا۔ اسی پروگرام میں عباد علی خان مہمان خصوصی تھے۔ اس کے اگلے ہی دن عباد علی خان خود ہمارے گھر اپنا رشتہ لے کر آگئے۔ بابا کو یہ بات بہت بری لگی۔ پر انہوں نے عمر کے فرق کو بنیاد بنا کر انکار کردیا۔ عباد علی خان تو اسی وقت چلے گئے' پر اگلے دن سے ہماری مصیبتوں کا آغاز ہوگیا۔

بابا کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ میری بہنوں کا کالج اور اسکول آنا جانا دوبھر ہوگیا۔ دھمکی آمیز خط ملنے لگے۔ میرے پیچھے میری بہنوں کی لائن لگی ہوئی تھی سو بابا کو ہاں کرنا ہی پڑی۔ پر شادی کے بعد انہوں نے مجھ سے کوئی اچھا سلوک روا نہیں رکھا۔ وہ نہ جانے کیسی کیسی نفسیاتی الجھنوں میں گھرے ہیں۔"

غازان کو آفرین کا دکھ اپنے دل میں محسوس ہوا۔

"میں نے میڈم کے آفس میں تمہاری اور ان کی تصویر دیکھی ہے۔ تم دونوں کے تعلقات بہت خوش گوار ہیں۔"

"میرے اور ان کے درمیان دکھ کا رشتہ ہے غازان! میں ایک زبردستی چھین کر حاصل کی جانے والی عورت ہوں اور وہ نہایت حقارت سے ٹھکرائی جانے والی عورت ہیں۔ عباد علی خان شدید نفرت کرتے ہیں ان سے۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں جانتی' نہ ہی یہ دونوں بتاتے ہیں۔ پر ایسا کچھ ہے ضرور ان کے درمیان جو بہت عجیب ہے۔ وہ جتنی نفرت کرتے ہیں' ارسلہ جی اتنی ہی شدید محبت کرتی ہیں ان سے۔"

"حیرت ہے اس سارے قصے میں میری کیا جگہ بنتی ہے۔ مجھے کیوں بلایا انہوں نے یہاں۔"

"میں سمجھ گئی ہوں۔ پر شاید اس کا انجام اچھا نہ ہو۔" ایک انجانا سا خوف اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میری سمجھ میں نہیں آرہا' آخر آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔" جس وقت وہ ان کے آفس میں داخل ہوئی۔ وہ ماریہ کو کچھ ہدایات نوٹ کروا رہی تھیں۔ ماریہ کے باہر جاتے ہی اس نے پوچھ لیا۔

"تمہیں ابھی تک پتا نہیں چلا؟"

"سب پتا چل رہا ہے مجھے پر اس سب سے کوئی فائدہ ہے۔"

"فائدہ ہونا نہ ہونا تمہاری چاہت پر منحصر ہے۔"

اس نے ٹیبل پر دونوں ہاتھ جما کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "آپ کو کیا لگتا ہے' میری چاہت کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت ہوگی وہ آرام سے مجھے طلاق کے پیپرز تھما کر کہہ دیں گے کہ جاؤ اب جہاں دل چاہے شادی کرلو۔ نکاح سے پہلے میں نے انہیں کھل کر بتایا تھا کہ میں کسی کو چاہتی ہوں۔ پر ان کا جواب یہ تھا "مجھے تمہارے کسی کو چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔"

نجانے کیوں ان کی آنکھیں بند ہوئیں اور مٹھیاں

بھنچ گئیں۔ انہوں نے چیئر گھما کر کھڑکی کی طرف کرلی جہاں سے وادی کا حسین منظران کے سامنے تھا۔

"جھوٹ بولتا ہے وہ۔ محبت اور ہوس کا فرق آج تک وہ جان ہی نہیں پایا۔ پر تم فکر نہ کرو تمہیں تمہاری چاہت مل کر رہے گی۔ اگر تم مجھے غازان کے بارے میں بتادیتیں تو شاید تمہاری قسمت کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہوتا۔"

"کیسے فکر نہ کروں اب تو میری فکر اور بھی بڑھ گئی ہے۔ میں پر گننٹ ہوں۔"

وہ کرنٹ کھا کر پلٹیں۔ کچھ عجیب ہی کیفیت ہوئی تھی ان کی جسے وہ خود بھی نہیں سمجھ پائی تھیں۔

✡ ✡ ✡

کافی عرصے بعد انہوں نے کیل کا رخ کیا تھا جہاں بڑی حویلی تھی۔ کٹن سے چند گھنٹوں کی دوری پر یہ علاقہ بھی وادی نیلم کا حصہ تھا۔ ساگوان کی لکڑی سے بنی بڑی حویلی آنے والوں کو اپنی خوشبو سے ہی مسحور کر دیتی تھی۔ وہ کہیں بھی رکے بغیر ملازموں کے سلام کا جواب دیتی خانم کے کمرے میں آگئیں۔ ساٹھ سالہ خانم آرام کرسی پر جھولتی موٹے عدسوں والا چشمہ لگائے کسی ضخیم کتاب کے مطالعے میں غرق تھیں۔ آہٹ پر چہرہ گھما کر دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارسلہ۔" ارسلہ گل ان کے گلے لگ گئیں۔

"کتنے عرصے بعد شکل دکھائی ہے۔ تجھے ذرا ترس نہیں آتا میری جان پر۔" آنسوؤں سے رندھی آواز میں انہوں نے گلہ کیا۔

"میرا بس چلے تو دن رات آپ کے قدموں میں گزار دوں خانم! پر آپ کا ظالم بیٹا مجھے آپ کے قریب برداشت کرے تب نا۔"

"ہک ہاہ! عمر گزر گئی سمجھاتے سمجھاتے۔ پر نہ جانے کس مٹی کا بنا ہے کہ سمجھتا ہی نہیں۔ اچھا چھوڑ اسے یہ بتا کہ اب کے میرے پاس چند دن رکے گی نا۔" ان کے حسرت بھرے لہجے پر ارسلہ تڑپ اٹھیں اور ان کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر چوم لیے۔

"نہیں خانم! تھوڑی دیر تک چلی جاؤں گی۔ میں نے سنا ہے کل وہ واپس آرہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے آپ کے پاس ہی آئے گا۔ مجھے یہاں دیکھ لیا تو.... آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتی بس اس لیے۔" خانم کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرا گیا۔

"آج میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئی ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہے۔ میں نے تجھے پہلے کسی بات کے لیے منع کیا ہے کیا۔ یہاں تک کہ تیرا کٹن جانے کا فیصلہ بھی مان لیا اب اور کیا چاہتی ہے۔"

"میں چاہتی ہوں۔ آپ عباد سے کہیں کہ وہ آفرین کو طلاق دے دے۔"

"ارسلہ! یہ تو کیا کہہ رہی ہے۔ تو تو راضی ہو گئی تھی پھر اب۔ اب کیا ہوا۔"

"خانم! میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی محبت سے عباد کو بدل دے گی پر خود اس کے اندر کسی اور کی محبت بسی ہوئی ہے۔ وہ عباد کے ساتھ خوش نہیں ہے اور نہ ہی عباد کو اس سے کوئی خاص لگاؤ ہے۔ وہ اس پر بھی ظلم کرتا ہے۔ بہتر ہے' آفرین کو آزاد کردے تاکہ وہ اپنی زندگی خوشی سے جی لے۔"

"میں ماں ہوں اس کی ارسلہ! کیسے کہہ دوں اس سے کہ اپنا گھر برباد کرے۔ اتنے عرصے بعد تو کسی کو گھر میں بسایا ہے اس نے۔"

"گھر میں بسایا ہے خانم! پر دل میں نہیں اور کسی کا دل اجاڑ کر اپنا دل آباد ہو بھی کیسے سکتا ہے۔"

"اب یہ ممکن نہیں ہے ارسلہ! وہ ماں بننے والی ہے۔ حویلی کا وارث آنے والا ہے۔ وہ مرتے دم تک اسے نہیں چھوڑے گا۔"

"آپ کی بات نہیں ٹالے گا خانم اور رہی بات حویلی کے وارث کی تو وہ حویلی کو مل کر رہے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں آپ سے۔"

"میں وعدہ نہیں کرتی۔ لہٰذا کر دیکھوں گی اگر چھوڑ دیا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اسے ہر حال میں نبھانا ہی ہو گا۔" ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ارسلہ گل کی اس بات سے زیادہ خوش نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆

جہاز اپنے مقررہ وقت پر اسلام آباد ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس مردانہ وجاہت کا شاہکار عباد علی خان اپنی گاڑی میں بیٹھے تو ڈرائیور نے گاڑی کشمیر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

"میرے پیچھے بیگم صاحبہ کہیں گئی تھیں لیاقت۔" انہوں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"جی صاحب! بڑی حویلی گئی تھیں اور وہاں سے کٹن نیلم گیسٹ ہاؤس۔"

"ٹھیک ہے گاڑی واپس لو اور گھر کی طرف چلو۔"

"جی صاحب۔" یہ نیا ڈرائیور انہوں نے دو ماہ پہلے ہی رکھا تھا۔ حویلی کے دیرینہ وفادار ملازم عظمت اللہ کی وفات کے بعد۔

☆ ☆ ☆

"جی میں پہنچ گئی تھی خیریت سے۔ رات تھکن زیادہ ہو گئی تھی اس لیے فون نہیں کر سکی۔"

"جی بڑی حویلی ہی جائیں گے پہلے۔" وہ رات ہی اسلام آباد پہنچی تھی اور اب ارسلہ گل کو اپنے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دے رہی تھی۔

"نہیں، نہیں کوئی مسئلہ نہیں۔" مسکرا کر کسی بات کا جواب دیتے اس کی نظر قد آدم آئینے پر پڑی تو اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی۔ سانس تھم گئی اور وجود لرز کر رہ گیا۔ اس کے بالکل پیچھے ہی وہ کھڑے تھے۔ بہ مشکل تمام وہ پلٹی۔

"آپ، آپ کب آئے۔" فون ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا اور رابطہ قائم تھا۔

وہ دھیمی سی مسکان چہرے پر لیے کوٹ اتارتے ہوئے وارڈ روب کی طرف بڑھے۔ "جب تم اپنی سوتن کو اپنے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دے رہی تھیں۔" یہ سنتے ہی اس کے کانپتے ہاتھوں سے فون چھوٹ گیا۔

وہ پلٹے تو ان کے ہاتھوں میں ان کا مخصوص بیلٹ موجود تھا۔

☆ ☆ ☆

"آجاؤ۔" دستک کی آواز پر انہوں نے آنے والے کو اجازت دی۔ ان کے خیال میں کوئی ملازم تھا پر آئینے میں خانم کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گئے۔

"خانم! آپ یہاں؟ آپ یہاں کیوں آئیں۔"

انہوں نے حیرت سے گھبرائے ہوئے عباد علی خان کو دیکھا۔ "کیوں کیا میں یہاں نہیں آسکتی۔"

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر صوفے تک لائے۔ "میں آج حویلی آنے ہی والا تھا۔"

"تم تو آتے ہی رہتے ہو بیٹے۔ میں نے سوچا، آج میں تم لوگوں سے مل آؤں۔ آفرین کہاں ہے۔" وہ چپ رہے۔ سمجھ گئے تھے کہ وہ آئیں نہیں بھیجی گئی ہیں۔

چند لمحوں بعد آفرین باتھ روم سے باہر آئی تو اس کا سوجا ہوا منہ اور پھٹا ہوا ہونٹ کل ہونے والے تشدد کی تمام داستان خانم کو سنا گیا۔

"میرے خدا' یہ ' یہ کیا حال کر دیا تو نے اس بچی کا۔" وہ اس کی طرف بڑھیں تو وہ بھی ان سے لپٹ کر رو دی۔

"اتنی وحشت اور سفاکی تیرے اندر کہاں سے آ گئی عباد! تیرے باپ نے تو کبھی مجھے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں مارا تھا۔" عباد علی خان نے ایک لمبا سانس کھینچ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"تجھے اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ یہ ماں بننے والی ہے۔ دہرا ظلم کیا ہے تو نے اس پر۔ تو اس کے لائق نہیں ہے۔

میں اسے اس حالت میں تیرے پاس تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ یہ آج ہی میرے ساتھ حویلی جائے

گی۔"

آج سے پہلے انہوں نے ماں کو کبھی انکار نہیں کیا تھا سو خاموش تماشائی کی طرح آفرین کو خانم کے ساتھ جاتا دیکھتے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

گرم گرم یخنی کا پیالہ لیے وہ اس کے پاس آئیں تو وہ کھڑی ہو گئی۔ "خانم! میرے لیے یہ سب کر کے آپ مجھے شرمندہ نہ کیا کریں۔ مجھے آپ کی خدمت کرنی چاہیے۔ الٹا آپ میری خاطر میں لگی رہتی ہیں۔"

اس نے پیالہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ساتھ خیریت کے فارغ ہو جاؤ گی تو خدمت بھی کرواؤں گی۔ پر ابھی تمہارا آرام کا وقت ہے ظلم سہہ سہہ کر پہلے ہی جان آدھی کی ہوئی ہے۔"

آفرین کی نگاہیں پیالے پر جھک گئیں۔ "خانم! ایک بات پوچھوں آپ سے۔"

"پوچھو میری بچی"

"وہ کون تھی جس کا ماتم آج تک عباد علی خان کر رہے ہیں۔"

"گرم گرم یخنی پی لو' ٹھنڈی ہو گئی تو فائدہ نہیں کرے گی۔"

وہ سمجھ گئی کہ وہ اسے ٹال رہی ہیں۔ "میرا یقین کریں خانم! مجھے ان سے منسوب کسی بھی عورت کے بارے میں جان کر بالکل بھی پریشانی نہیں ہو گی۔ کتنی بار ارسلہ جی سے پوچھا پر وہ بھی نہیں بتاتیں کبھی۔"

خانم ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔ "دکھوں کے باب بند ہی رہیں تو بہتر ہے۔"

"پلیز خانم! آپ کو میری قسم' آج تو آپ کو مجھے بتانا ہی ہو گا کہ وہ کون تھی' کیسی تھی اور اب کہاں ہے۔"

خانم خلاؤں میں تکنے لگیں۔ ایسے جیسے کسی کا چہرہ کھوج رہی ہوں۔ ماضی کے دریچے کھل گئے تھے۔ انہیں اپنی ہی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"شاندانہ تھی وہ' حسن و خوب صورتی میں یکتا اپنی مثال آپ۔"

☆ ☆ ☆

نجانے کتنے دن بعد آفتاب چمکا تھا۔ وادی نیلم کھل اٹھی تھی۔ خاص طور پر کیل جہاں اعظم خان کی حویلی تھی اور اس وقت وہ زریں گل خانم کے ساتھ باغ میں بیٹھے تھے تب ہی وہ چلی آئی۔

"آغا جان آج کوئی پوسٹ تو نہیں آئی۔"

"نہیں' کیوں کیا کوئی خاص پوسٹ آنی ہے۔ آج پانچواں دن ہے تمہیں یہ بات پوچھتے ہوئے۔"

"جی' وہ۔" اس نے مسکراتی ہوئی خانم کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

"تم جاؤ ارسلہ! شاندانہ پوچھ رہی تھی تمہارا۔" وہ سرہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

"آپ بھی ناں' کچھ سمجھ بھی جایا کریں کہ ہر مہینے آپ کا بیٹا ایک خط امریکہ سے بھیجتا ہے۔ جس کا ہم سے بھی زیادہ اسے انتظار رہتا ہے۔ اسی لیے تو بار بار پوچھتی ہے۔" اعظم خان کچھ سوچ کر مسکرا دیے۔

ارسلہ ان کے چھوٹے بھائی معظم خان کی بیٹی تھی۔ ارسلہ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ماں کی زندگی کا چراغ بجھ گیا اور دو سال بعد معظم خان بھی جیپ کھائی میں گرنے سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ بھائی کی آخری نشانی ہمیشہ ان کے پاس رہی اس لیے تب ہی سے انہوں نے اسے اپنی بہو مان لیا تھا خانم بھی دل و جان سے راضی تھیں یا نہیں بیٹی اور بہو دونوں ارسلہ کی ذات میں مل گئی تھیں۔

"اس بار عباد پاکستان آئے تو نشانی ارسلہ کے ہاتھ میں ڈال دینا۔" وہ اس خاندانی انگوٹھی کا ذکر کر رہے تھے جو ان کے خاندان میں نسل در نسل منگنی کی رسم میں دلہن کو پہنائی جاتی رہی تھی۔

"نشانی بھی ڈلے گی اور نکاح بھی ہو گا۔ اب میں اسے جانے نہیں دوں گی بہت دور رہ لیا وہ ہم سے۔"

اعظم خان مامتا کی بے چینی سمجھ رہے تھے۔

"دیکھتے ہیں۔" وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ برآمدے کے ستون کی آڑ میں چھپی ارسلہ ان دونوں

کی باتیں سن رہی تھی اور خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

اسی دیوانگی میں بھاگتی وہ کچن میں شاندانہ کے پاس آئی اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر گول گول گھومنے لگی۔

"یا اللہ خیر کیا ہو گیا ارسلہ جی جو اتنی خوشی منائی جا رہی ہے۔"

شاندانہ اس کی خالہ زاد تھی' چار سال پہلے جب عباد امریکا پڑھنے کے لیے گیا تو اس کے جانے کے چند ماہ بعد ہی زرمینہ خالہ کی ڈیتھ ہو گئی اور وہ خود سے تین سال چھوٹی شاندانہ کو تنہائی سے بچنے اور اپنی تنہائی دور کرنے کے خیال سے اپنے ساتھ گیل لے آئی۔ خالو جوان تھے انہوں نے جلد ہی دوسری شادی کر لی تب سے شاندانہ حویلی کا ایک فرد ہی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ارسلہ کی ہمدم و ہمراز بھی۔

"ہوا نہیں' ہونے والی ہے۔"

"کیا۔"

"منگنی اور شادی۔"

"ہیں سچی' دونوں ایک ساتھ۔"

ارسلہ نے اثبات میں سر ہلایا تو شاندانہ نے تالی بجائی "ہائے سچ! کتنا مزہ آئے گا ارسلہ جی! میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گی۔"

☆ ☆ ☆

آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ ارسلہ خیالوں ہی خیالوں میں عباد سے باتیں کرتے سو چکی تھی پر شاندانہ کے ساتھ چونکہ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا سو وہ پروین شاکر کی صد برگ ہاتھ میں لیے جاگ رہی تھی کہ اچانک اسے گرجتے کڑکتے بادلوں کے ساتھ جیپ کے ہارن کی آواز بھی سنائی دی۔

پوری حویلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بجلی کا نظام اچھا نہ ہونے کے باعث اکثر بجلی غائب رہتی تھی اور بارش کے دنوں میں تو اور بھی زیادہ۔ لالٹین اٹھا کر وہ سیڑھیوں کی طرف آئی یہ جاننے کے لیے اس وقت کون آیا ہے۔ بارش سے بچتا وہ حویلی کے اندر آیا مگر پھر بھی کافی بھیگ گیا تھا۔ بڑے کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنے کپڑے جھاڑنے شروع کیے تب ہی اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا تو ششدر رہ گیا۔

وہ پری تھی یا کوئی حور پر یہ طے تھا کہ اس سے زیادہ حسین چہرہ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھر والوں کو سرپرائز دینے کے خیال سے کسی کو بتائے بغیر آیا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ قدرت نے خود اس کے لیے اتنا حسین سرپرائز تیار کر رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

عباد کے آنے سے پوری حویلی پر خوشی کی فضا چھا گئی تھی۔

ابھی بھی ارسلہ اس کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ خانم کی آواز آئی۔

"ارسلہ بیٹا ذرا لالئی کو میرے پاس بھیجنا۔" وہ برا سا منہ بناتی حویلی کے پچھلے حصے کی طرف آ گئی۔

یہاں حویلی کے مکینوں کے کپڑے دھوئے جاتے تھے۔ یہاں آ کر اسے احساس ہوا کہ لالئی تنہا نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

"لالئی!" اس نے آواز دی تو نووارد تیزی سے حویلی کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"کون تھا یہ لالئی؟"

"جی' وہ' وہ بی بی جی! میرا منگیتر تھا ظہیر خان۔" گھبرائی ہوئی لالئی نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔

"تمہارا منگیتر تو ادھر مقبوضہ کشمیر میں ہوتا ہے ناں؟"

لالئی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم نے چوری چھپے بلایا تھا اپنے منگیتر کو۔"

"میں نے نہیں بلایا بی بی جی! وہ وہ خود آیا تھا' دراصل وہاں کام نہیں ہے غربت بہت ہے۔ اس لیے کبھی کبھار کسی کام سے آتا ہے تو ملنے بھی آ جاتا ہے۔"

آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں بہت سے مقامات پر حد بندی نہیں ہے آبادیاں ملی ہوئی ہیں اس لیے وہاں پر

[illegible]

[illegible] نہیں ہے۔

"تمہیں پتا ہے ناکہ آغاجان کو اجنبیوں کا حویلی میں بغیر بتائے آنا پسند نہیں ہے۔ آئندہ اگر کبھی میں نے اسے یہاں دیکھا تو آغاجان کو بتادوں گی اب چلو، تمہیں خانم بلا رہی ہیں۔" ارسلہ کے غصہ کرنے پر وہ ڈرتے ڈرتے وہاں سے چلی گئی۔

وہ عباد کے کمرے میں آئی تو وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ "یہ کیا تم پھر کہیں جا رہے ہو۔"

"تو کیا کروں لڑکیوں کی طرح گھر میں بیٹھا رہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ چار سال بعد واپس آئے ہو۔ کچھ دیر ٹک کر ڈھنگ سے بات تو کرو۔"

"تجھے اب کہاں جانا ہے ساری عمر باتیں ہی کرتے رہیں گے۔ اتنے عرصے بعد آیا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے، سارا دن وادی میں گھومتا رہوں یا پھر۔"

"یا پھر؟" ارسلہ دلچسپی سے اس کے چہرے کی معنی خیزی دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں، ارسلہ ایک کام کرتے ہیں۔ رتی گلی چلتے ہیں۔"

"جی، جی ابھی بھیج رہے ہیں آغاجان ہم دونوں کو اکیلے رتی گلی۔"

"اکیلے کیوں، کسی اور کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔"

"اور کس کو ساتھ لیں گے؟"

"ہوں۔ تمہاری اس کزن کو ساتھ لے لیتے ہیں۔ کیا نام ہے اس کا۔"

"شاندانہ۔"

"ہاں وہی۔"

"پر آغاجان۔"

"میں بات کرلوں گا باباجان سے۔ بس تم دونوں کل صبح ریڈی رہنا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے پر پتا نہیں شاندانہ جائے گی یا نہیں۔ جب سے تم آئے ہو عجیب ہونق سی ہو کر رہ گئی ہے۔" یہ کہتی ارسلہ چلی گئی۔ پر عباد کے ہونٹوں پر

✡ ✡ ✡

اور پھر وہی ہوا۔ ارسلہ کو شاندانہ کے ترلے منتیں کر کے کھینچ کھانچ کر لانا پڑا۔ سارا راستہ ارسلہ اور عباد باتیں کرتے رہے پر۔ عباد کی نظریں ۔۔۔ چپ چاپ شاندانہ کو بیک ویو مرر سے تکتی رہیں۔ رتی گلی کی جھیل کو وادی نیلم کا جھومر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے حسن کے چرچے چار دانگ عالم میں مشہور ہیں۔ جھیل سے کچھ دور گاڑی کھڑی کر کے وہ لوگ جھیل کی طرف آگئے۔

"اوہ نو۔" چٹائی اور باسکٹ زمین پر رکھتے عباد زور سے چلایا۔

"کیا ہوا؟"

"میں اپنی جیکٹ تو جیپ میں ہی بھول آیا۔ ارسلہ پلیز، میری جیکٹ لادو۔ یہاں مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ کہیں بیمار نہ ہو جاؤں۔"

"واہ میں کیوں لاؤں۔ اپنی جیکٹ خود لاؤ۔"

"پلیز لادو ناں میری پیاری بہن۔ ہونے والی وہ نہیں۔"

"عباد! تم نا۔" وہ ہنس کر چادر اس کے منہ پر مارتی جیپ کی طرف چلی گئی۔

ان دونوں کا رشتہ ارسلہ کے پیدا ہوتے ساتھ ہی جڑ گیا تھا اور بچپن سے وہ دونوں جانتے تھے کہ انہیں زندگی بھر ساتھ نبھانا ہے۔ ان دونوں کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا پر جذبوں کا فرق تھا۔ ارسلہ کے جذبے شدید تھے اور عباد کے لیے یہ بات ایسے تھی جیسے بس ٹھیک ہے۔

ارسلہ جیکٹ لے کر واپس آئی تو وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ اسے حیرت ہوئی۔ یہ دونوں کہاں چلے گئے۔ وہ انہیں دیکھتی کنارے کی طرف آئی تو سامنے کا منظر بہت عجیب تھا۔ ایک دم ارسلہ کے دل کو جیسے کسی نے دبوچ سا لیا۔ عباد شاندانہ کو ایک ہاتھ سے جھیل کے پانی میں کھینچ رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے پانی کے چھینٹے اس پر اڑا رہا تھا اور وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا

"عبادانہ کو شاندانہ گھبرا رہی ہے۔" چند لمحوں میں ارسلہ نے خود کو سنبھال لیا اور اس ساری بات کو عباد کی شرارتی طبیعت سے تعبیر کر دیا۔

"کتنی ڈرپوک ہے یہ لڑکی۔" وہ شاندانہ کو چھوڑ کر اس کے قریب آ گیا۔

باقی سارا وقت بھی شاندانہ گھبرائی گھبرائی سی رہی اور وہ اس پر جملے اچھالتا رہا۔

ارسلہ کی منگنی کا دن طے ہو گیا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اپنی خوشی شاندانہ سے شیئر کرنے اس کے کمرے کی طرف چل دی پر ابھی سیڑھیوں پر قدم رکھا ہی تھا کہ شاندانہ اوپر سے بری طرح بھاگتی نیچے اترتی نظر آئی۔

"کیا ہوا شاندانہ! خیریت تو ہے۔ ایسے کیوں بھاگی آ رہی ہو" اس نے شاندانہ کو بازوؤں میں سنبھالا۔ اوپر دیکھا تو ایک دم سے کوئی پیچھے ہوتا نظر آیا۔ اسے شک سا پڑا ہو یقین نہیں آیا۔

"کون تھا اوپر؟"

شاندانہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"عباد...." ارسلہ کے لرزتے ہونٹوں سے جیسے ہی عباد کا نام نکلا شاندانہ اس سے لپٹ کر رو دی۔ شک یقین میں بدل گیا۔

✡ ✡ ✡

آندھی کی طرح وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور جاتے ہی ٹی وی کے پاس کھڑے عباد کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ چند لمحے وہ بے یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھتا رہا۔

"تم نے مجھے مارا؟"

"ہاں تمہیں مارا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنا گر سکتے ہو۔ جو جو حرکتیں تم نے اس کے ساتھ کی ہیں اس نے مجھے سب بتا دیا ہے۔ تمہیں اتنی بھی شرم نہیں آئی کہ وہ بہن ہے میری۔"

"جھوٹ بول رہی ہے وہ۔"

"کوئی لڑکی اپنی عزت پر خود داغ نہیں لگا سکتی۔ تم غلط کہہ رہی ہو۔"

"ہاں۔ اس لیے کہ تم غلط ہو۔ آج یہ ہو گیا پر آج کے بعد تم اسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھو گے اور اگر تم باز نہیں آئے تو میں آغا جان سے شکایت کروں گی تمہاری۔ سمجھے تم۔" یہ کہہ کر وہ جیسے تن تناتی ہوئی آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔ پیچھے عباد ہتک اور اہانت کی آگ میں سلگ کر رہ گیا۔

✡ ✡ ✡

"عباد! تم ہوش میں تو ہو، یہ بات سوچی بھی کیسے تم نے۔" اعظم خان عباد کی بات سن کر انگشت بدنداں تھے اور خانم کے تو حواس ہی غائب ہو چکے تھے۔

"میں ہوش میں ہوں بابا جان! اور بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے میں نے۔"

"ہمارے فیصلے کے آگے تمہارے فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اپنے فیصلے اپنے پاس رکھو۔" اعظم خان غصے سے بے قابو ہو رہے تھے۔

"میرے فیصلے کی کوئی اہمیت ہو یا نہ ہو بابا جان! پر یہ زندگی میری ہے اور میں اسے ارسلہ کے ساتھ نہیں شاندانہ کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"میری زندگی میں تو یہ نہیں ہو گا۔ تمہاری شادی ہر صورت ارسلہ سے ہی ہو گی۔" اعظم خان کا انداز قطعی تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے بابا جان! جو آپ چاہتے ہیں وہ میری زندگی میں بھی نہیں ہو گا۔ کل میری منگنی ارسلہ سے نہیں شاندانہ سے ہو گی اور اگر آپ نے صبح تک اپنا فیصلہ نہ بدلا تو پھر مجھے اس دنیا میں نہیں پائیں گے۔"

اس نے جیب سے پسٹل نکالی اور ان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا۔ خانم اس کے پیچھے بھاگیں۔ جوان خون جوش میں کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔

کچھ ہی دیر میں پوری حویلی کو خبر ہو گئی۔ شاندانہ کا دل خوف سے بند ہونے لگا اور ارسلہ کا دکھ سے۔ تمام

رات اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا رہا۔ طرح طرح کے لالچ اور واسطے دیے جاتے رہے پر وہ نہیں مانا اور پھر صبح پہلی اذان کے ساتھ ہی فیصلہ عباد کے حق میں ہو گیا۔

خانم کسی صورت اپنے جوان بیٹے سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتی تھیں۔ اسی شام ارسلہ کو پہنائی جانے والی انگوٹھی آنسو بہاتی شاندانہ کو پہنا دی گئی۔ ایک ہفتے بعد شادی بھی طے ہو گئی۔ حویلی میں سوائے عباد کے ہر کوئی دکھی تھا۔ شاندانہ اپنے کمرے میں بند روتی رہتی۔ ارسلہ اپنے کمرے میں بند تمام دن سوچتی رہتی کہ کیا یہی تھی بچپن کی محبت۔ اسے کسی پل چین و قرار نہ تھا۔ اعظم خان اپنے بھائی کی روح سے شرمندہ رہتے اور خانم وہ الگ ہر وقت تڑپتی رہتیں۔ ارسلہ سے نظر ملانے کا یارا نہ تھا ان میں۔

عباد ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اس کی شادی دھوم دھام سے کرتیں پر حویلی پر جو دکھ کی فضا چھائی تھی وہ چھٹ کر نہ دیتی تھی پھر بھی انہوں نے ہلکی پھلکی مہندی کی رسم شادی سے ایک رات پہلے رکھ لی۔ ہر طرف برقی قمقموں سے حویلی جگمگا اٹھی۔ شاندانہ کو پیلا دوپٹہ اوڑھا دیا گیا۔ خانم نے ارسلہ سے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ وہ جانتی تھی ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہیں سو وہ ان کے ہاتھ جوڑنے پر تڑپ اٹھی اور اس نے سوچ لیا' وہ ان کی خوشی برباد نہیں ہونے دے گی۔ اسی لیے وہ اسی وقت ان کے کمرے میں پوچھنے آئی تھی کہ کوئی کام ہے تو بتائیں۔

خانم کمرے میں نہیں تھیں۔ وہ واپس پلٹی تو ان کی ڈریسنگ کی کھلی دراز پہ نظر پڑی جس میں انگوٹھی کی مخملی ڈبیہ پڑی نظر آ رہی تھی۔ یہ اس انگوٹھی کی ڈبیہ تھی جو ارسلہ کو پہنائی جانی تھی پر اب شاندانہ کے ہاتھ میں تھی' بے اختیار اس نے ڈبیہ نکال کر سینے سے لگا لی۔

"یہ زیادتی ہے آغا جان آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ انگوٹھی آخری بار میری ماں نے پہنی تھی اور اب مجھے پہننی تھی۔ اس خاندان کا حصہ میں ہوں' شاندانہ نہیں پھر آپ نے میری چیز اسے کیوں دی۔ یہ انگوٹھی صرف میری ہے اور میں اسے کسی اور کو لینے نہیں دوں گی۔" دبے دبے انتقامی جذبات دل میں لیے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

کتنی ہی دیر کھڑکی میں کھڑی سوچتی رہی کہ اچانک اس کی نظر کھڑکی سے نیچے گئی تو اس نے لالئی کے منگیتر کو کھڑے دیکھا۔ ارسلہ کی کھڑکی حویلی کی پچھلی طرف کھلتی تھی' اچانک کسی سوچ کے تحت وہ جلدی سے نیچے ادھر آئی جہاں وہ کھڑا تھا۔

"وظہیر خان۔" اسے دیکھ کر وہ جلدی سے پلٹنے کو تھا کہ اس کی آواز پر رک گیا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"لالئی سے ملنے آئے ہو۔" اس نے چپ چاپ سر جھکا لیا۔

"لالئی نے بتایا تھا کہ تم کام کی تلاش میں ہو۔ کوئی کام ملا؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میرا ایک کام کرو گے۔ منہ مانگے پیسے دوں گی۔" اس نے حیرت سے ارسلہ کو دیکھا۔

"کچھ چرانا ہے' چرا لو گے۔"

اس کے چہرے پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ در آئی۔ ایسے جیسے کہہ رہا ہو' یہی تو میرا کام ہے۔ شکل سے بھی وہ کوئی چور اچکا ہی لگتا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ارسلہ نے اپنے دائیں طرف دوسری منزل پر بنے کمروں میں سے ایک کمرے کی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا اور اسے سمجھا دیا کہ بڑے سے سرخ نگینے والی انگوٹھی اس کی ڈریسنگ کی کسی دراز میں ہو گی۔ شاندانہ اپنی تمام جیولری وہیں رکھتی تھی۔ رات بارہ بجے تک مہندی کی رسم ختم ہوئی اور شاندانہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ٹھیک رات ایک بجے ارسلہ نے حویلی کا پچھلا دروازہ کھول کر ظہیر کو اندر بلا لیا۔ وہ شاندانہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ وہیں اس کا انتظار کرنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پانچ دس منٹ تک واپس آ جائے گا پر اس نے آنے میں کافی ٹائم لگا دیا۔ اس نے آتے ہی

انگوٹھی ارسلہ کو تھمائی اور اپنی رقم لے کر چلتا بنا۔

☼ ☼ ☼

دوسرا دن اپنے معمول کے مطابق طلوع ہوا تھا پر حویلی کے مکین لالئی کی چیخوں پر بیدار ہوئے۔ وہ شاندانہ کے کمرے کے باہر کھڑی چیخ چیخ کر سب کو بلا رہی تھی۔

ارسلہ بھی بھاگی آئی۔ سامنے کا منظر نہایت ہیبت ناک تھا شاندانہ کی لاش پنکھے سے جھول رہی تھی' اس کے کھلے بال اور جگہ جگہ سے پھٹا لباس اس کے ساتھ بیتنے والے حادثے کی کہانی سب کو سنا رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا۔ ہر کسی کی سانس رکی ہوئی تھی اور آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے حویلی کے ملازموں نے اس کے مردہ جسم کو نیچے اتارا' لرزتے قدموں سے آگے بڑھ کر عباد نے اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔

"ارسلہ جی!

میں آپ کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں تھی۔ یہ فیصلہ عباد کا زبردستی کا تھا' میری اس میں کوئی مرضی نہیں تھی۔ آپ کے تو مجھ پر اتنے احسان تھے جو میں تمام عمر نہ اتار پاتی۔ آپ مجھ سے میری جان مانگتیں تو میں وہ بھی ہنس کر دے دیتی اور انگوٹھی کی تو اوقات ہی کیا تھی۔ پر میری عزت کا سودا تو نہ کرتیں۔ بس یہی گلہ دل میں لیے جا رہی ہوں۔"

ارسلہ کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں اور سب کی شاکی نگاہیں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

"کیا کیا تم نے اس کے ساتھ؟ کیا کیا۔" غصے سے کانپتے عباد کی آواز اور اس کے ہاتھ دونوں ارسلہ پر برس رہے تھے۔ بڑی مشکلوں سے اعظم خان نے اسے روکا۔

"میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ وہ تو میری بہن تھی میں نے اس کی عزت کا سودا نہیں کیا۔ میں تو صرف اس سے وہ انگوٹھی واپس لینا چاہتی تھی۔" وہ اعظم خان کے قدموں میں گری اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔

پر اس وقت ہر نگاہ میں اس کے لیے صرف نفرت ہی نفرت تھی۔ عباد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے قتل کر دے۔ خانم اپنی جگہ بت بن چکی تھیں۔ ارسلہ کو اس کے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اعظم خان کے لیے جوان بیٹے کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ بچپن سے عباد کی یہ عادت تھی کہ وہ جس چیز کو پسند کر لیتا تھا' اسے حاصل کر کے چھوڑتا تھا۔ ضد اور انا کا مسئلہ بنا لیتا تھا اور یہاں تو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سب سے' بڑی ضد جسے اس نے اپنی جان کی قیمت پر حاصل کیا تھا۔ چھین لی گئی تھی۔

نفرت کی ایسی آگ اس کے اندر بھڑک اٹھی تھی جسے پھر وہ تمام عمر نہ بجھا سکا۔

شاندانہ کا باپ غریب تھا اور پھر دوسری بیوی بچوں کی ذمہ داریوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس لیے زیادہ شور مچائے بغیر رو تا دھوتا واپس چلا گیا۔ عباد اپنا ذہنی توازن نہ کھو دے' اس لیے چند ہفتوں بعد ہی اعظم خان نے اسے واپس امریکا بھجوا دیا۔

ارسلہ کی ذہنی حالت نہایت ابتر تھی۔ ہر وقت ایک ہی جملہ بولتی رہتی "میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔"

عباد کے جانے کے بعد اس نے بڑی مشکلوں سے آغا جان اور خانم کو اس بات کا یقین دلایا کہ غلطی اس کی ضرور تھی کہ اس نے انگوٹھی چرانے ظہیر خان کو اس کے کمرے میں بھیجا پر وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی عزت پر کوئی آنچ آئے۔ احساس ندامت اسے جینے نہیں دے رہا تھا سو اعظم خان نے جلد ہی اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ایک قریبی دوست کے بیٹے سے رشتہ پکا کر دیا پر شادی سے دو دن پہلے ہی اچانک عباد واپس آ گیا اور آتے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ ارسلہ سے شادی میں کروں گا۔

اعظم خان اور خانم ایک بار پھر مشکل میں آ گئے تھے۔ اس بار اس کی ضد پہلے سے بھی زیادہ شدید تھی۔ اس لیے انہیں اس کی بات ماننا ہی پڑی ارسلہ تو پیدا

ہوتے ساتھ ہی اس کا نام اپنے دل کی دھڑکنوں میں سنتی آئی تھی سو اسے انکار نہیں تھا لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب اس کی زندگی عباد کی نفرت کے سہارے ہی گزرے گی اور پھر ہوا بھی وہی عباد نے کبھی اسے چھوا تک نہیں سوائے بیلٹوں اور جوتوں کے۔

اعظم خان اور خانم اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے۔ جب وہ نہیں مانا تو تنگ آکر اعظم خان نے چند سال بعد ارسلہ کو کشن میں اپنی چھوٹی حویلی بھجوا دیا۔ غصے میں عباد نے اس کا حویلی میں داخلہ بند کر دیا اور جو وہ کبھی آجاتی تو اسے اس کی نفرت اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا۔

تنہائی سے اکتا کر ارسلہ نے چھوٹی حویلی کو نیلم گیسٹ ہاؤس میں تبدیل کر دیا۔ اعظم خان کی وفات کے بعد خانم نے بہت چاہا کہ عباد ارسلہ کو بڑی حویلی رہنے کی اجازت دے دے پر اس کی ضد اور انا نے یہ گوارا نہیں کیا۔

☼ ☼ ☼

گہرے سرمئی بادلوں نے وادی نیلم کو ڈھانپا ہوا تھا۔ برفیلی ہوائیں ہر طرف شوکتی پھر رہی تھیں۔ گیسٹ ہاؤس میں مہمانوں کی آمد کم ہو گئی تھی سو کام بھی کم تھا۔ شام میں وہ دل گھبرانے پر باہر نکل آیا۔ ایک بے نام اداسی اس کے پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ آفرین کو یہاں سے گئے تقریباً چھ ماہ ہو چکے تھے۔ وہ خوش ہوتی تو شاید اسے قرار آجاتا۔ اس کی پریشان اور دکھی زندگی نے اسے بھی اندر سے دکھی کر دیا تھا۔ ارسلہ گل اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے اداس ٹہلتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ بھی باہر اس کے پاس آگئیں۔

"اداس ہو۔" انہوں نے پوچھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"نہیں، بس ویسے ہی دل گھبرا رہا تھا اس لیے باہر آ گیا۔"

وہ اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گئیں۔ "اب مجھے احساس ہو رہا ہے غازان! شاید میں نے تمہیں یہاں بلا کر غلطی کی۔ آفرین کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی دکھی کر دیا۔"

"دکھ اور خوشی ہر انسان کو اپنی قسمت سے ملتے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں پر ایک بات میرے لیے کافی حیرت کا باعث ہے اگر آپ برا نہ مانیں تو پوچھ لوں۔"

"پوچھو۔" "آپ کے اور آفرین کے درمیان اتنا گہرا لگاؤ کیسے ہے۔"

وہ مسکرا دیں "اس کا دل بہت صاف اور بڑا ہے غازان۔ وہ نہیں جانتی کہ میں تو اس کے لیے دل میں نفرت لے کر گئی تھی پر اس کی نیک فطرت اور نرم طبیعت نے میری نفرت کو محبت میں بدل دیا۔"

انہیں چند سال پہلے کا وہ وقت یاد آیا جب خانم کے ذریعے انہیں پتا چلا تھا کہ عباد خود سے آدھی عمر کی لڑکی سے شادی کرنے جا رہا ہے۔ ان کا دل دکھ سے پھٹنے لگا۔ عباد علی خان ان کا حق آج کسی اور کو دینے جا رہے تھے۔ غصے اور اذیت میں وہ اسلام آباد ان کے بنگلے پر پہنچ گئیں۔ باہر لان میں عباد علی خان کے چند دوست احباب نکاح میں ساتھ جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے اندر اپنے کمرے میں وہ اپنی تیاری کو آخری ٹچ دے رہے تھے تب وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"تم۔"

"ہاں میں، تمہیں کیا لگا عباد! تم میرا حق کسی اور کو اتنی آسانی سے دے دو گے اور میں تمہیں دینے دوں گی۔"

"بکواس بند کرو اور اپنی منحوس صورت لے کر نکل جاؤ یہاں سے۔ ہمیشہ تم میری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنی ہو پر آج ایسا نہیں ہو گا۔ آج میں اپنے دل کی کر کے رہوں گا۔"

"سالوں سے تمہاری مار اور نفرت میں برداشت کرتی آئی ہوں پر اب میں تمہیں کسی اور کی زندگی برباد نہیں کرنے دوں گی۔"

"اچھا کیا روک سکتی ہو مجھے۔ اتنی اوقات ہے تمہاری۔"

"اوقات ہو یا نہ ہو پر آج میں تمہیں ضرور روکوں

گی عباد۔ میں باہر بیٹھے تمام لوگوں کو بتادوں گی کہ یہ آدمی ظلم کرنے جارہا ہے۔ کوئی اس کا ساتھ نہ دے۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف پلٹیں پر عباد علی خان نے انہیں روک لیا اور ان کا منہ دبا کر انہیں کھینچتے ہوئے تہہ خانے میں لے گئے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ پر ٹیپ چپکا دی تاکہ وہ مدد کے لیے کسی کو پکار بھی نہ سکیں نجانے وہ کتنی دیر اسی حالت میں پڑی رہیں اپنی لاتیں پیچھے پڑے لکڑی کے تختے پر مارتی رہیں کہ اچانک دروازہ کھلا اور نازک ہیل پہنے دلہن کے لباس میں ایک لڑکی نیچے آئی اور انہیں دیکھ کر دہشت سے چیخ اٹھی۔ عباد نے اس لڑکی کو وہاں دیکھا تو غصہ کرنے لگے پر اس لڑکی کو ارسلہ گل سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ انہیں کھول دے پر عباد اسے زبردستی وہاں سے لے گئے۔ پیچھے وہ اپنی قسمت پر روتے روتے بے ہوش ہو گئیں۔

اگلے دن اس لڑکی کے جھنجوڑنے پر وہ ہوش میں آئیں۔ ان کے ہاتھ پیر کھل چکے تھے اور منہ پر ٹیپ بھی نہیں تھی۔

"آپ کون ہیں اور عباد علی خان نے آپ کو یہاں اس طرح کیوں باندھ کر ڈالا ہوا ہے کیا رشتہ ہے آپ کا ان سے؟"

"بیوی ہوں میں اس کی اور تمہاری سوتن۔"

وہ لڑکی کچھ دیر انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی پھر انہیں سہارا دے کر اوپر لے آئی۔ عباد علی خان شاید کہیں جاچکے تھے۔

"آپ جو کوئی بھی ہیں اس سے مجھے کوئی غرض نہیں پر آپ یہاں سے فوراً چلی جائیں ورنہ نہ جانے مزید وہ آپ کے ساتھ کیا برا کریں۔" اس نے انہیں پانی پلایا۔

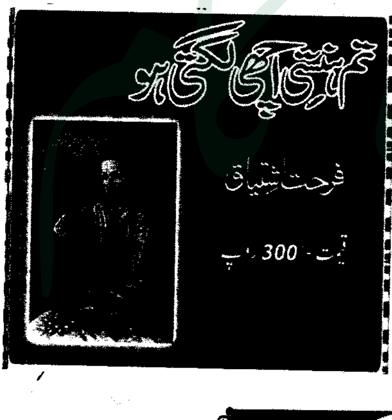
"میں یہاں سے چلی گئی تو وہ تمہارے ساتھ برا کرے گا۔" وہ تلخی سے ہنس دی۔

"پہلے بھی انہوں نے میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔ میں سنبھال لوں گی پر آپ کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جارہی۔ پلیز، آپ جلد از جلد یہاں سے چلی جائیں۔"

انہیں اس کی بات سن کر دکھ ہوا۔ پر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں اس لیے وہاں سے چلی آئیں۔ جس بات کو وہ روکنے گئی تھیں وہ ہو کر رہی۔ ایک ماہ بعد اچانک وہ لڑکی نیلم گیسٹ ہاؤس ان سے ملنے آگئی۔ یقیناً" ان کے بارے میں خانم نے اسے بتایا ہو گا اور بڑی حویلی سے ہی وہ وہاں کے آبائی ڈرائیور کو اپنے اعتماد میں لے کر یہاں آئی تھی۔ پھر جب کبھی عباد علی خان ملک سے باہر جاتے' وہ ان سے ملنے آجاتی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک انوکھا انجانا محبت بھرا تعلق قائم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شدید طوفانی رات تھی۔ بجلی کی کڑکتی چمک میں وادی نیلم ایک ہیبت ناک منظر پیش کر رہی تھی۔ ان کا دل کسی انہونی کے خوف سے لرز رہا تھا اور پھر صبح ہونے سے پہلے انہیں اس انہونی کے ہونے کی خبر مل گئی۔ رات میں کسی وقت بڑی حویلی سے اسلام آباد واپس جاتے ہوئے عباد علی خان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور اس وقت وہ اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں تھے۔ آفرین کی حالت ایسی نہیں تھی اس لیے خانم نے اسے اسپتال جانے سے منع کر دیا تھا۔ پر ارسلہ سب سے پہلے اسپتال پہنچی تھیں اور اس وقت خانم اور وہ دونوں سجدے میں گری ان کی صحت کے لیے دعا گو



تھیں تب ہی۔

چھوڑ کے بڑے ڈاکٹر ان کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ جان بچالی گئی ہے پر اس حادثے نے ان کی دونوں ٹانگیں ان سے چھین لی ہیں۔ اب باقی تمام عمروہ کبھی اپنے پیروں پر چل نہیں سکیں گے۔ خانم اپنا دل تھام کر بیٹھ گئیں اور ارسلہ نے شدت غم سے اپنی آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔

☼ ☼ ☼

ہوش آنے پر ان کے سامنے وہ چہرہ تھا جسے وہ تمام عمر نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔" ڈاکٹروں کے چلے جانے کے بعد انہوں نے عباد علی خان سے پوچھا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو۔" ان کے چہرے پر کوفت اور بیزاری چھاگئی۔

پر ارسلہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھیں۔ "اس لیے کہ قسمت کو اب مزید ہماری دوری منظور نہیں۔"

"کیا بکواس ہے یہ' چلی جاؤ یہاں سے اور آفرین کو بھیجو۔"

"تمہاری نفرت اور معذوری کو اب صرف میری محبت سہ سکتی ہے عباد! آفرین نہیں۔ اس لیے چپ چاپ خود کو قسمت کے اور میرے حوالے کردو۔" وہ غصے اور نفرت سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔ پہلے ہی ٹانگیں کٹ جانے کا دکھ ان کے لیے کم نہیں تھا۔

ارسلہ گل نے خانم اور آفرین کو سختی سے اسپتال آنے سے منع کردیا اور خود دن رات ان کی خدمت میں لگی رہیں۔ وہ چڑ جاتے' غصہ کرتے کسی وقت ان کے قریب آنے پر ہاتھ بھی ماردیتے پر وہ چپ چاپ برداشت کیے جاتیں۔ ان کی استقامت کے آگے عباد علی خان کا زور پاش پاش ہو گیا اور آہستہ آہستہ انہوں نے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ انہیں اپنے ہاتھ سے کھانا اور دوائیاں کھلاتیں۔ ان کا بدن صاف کرتیں۔ لباس اور بستر خود تبدیل کرواتیں۔ گھنٹوں بچپن کی' جوانی کی اور ان سے اپنی محبت کی باتیں کرتیں۔ انسان ہی تو تھے۔ ارسلہ گل کی محبت کے دریا میں ان کی نفرت بہہ گئی۔

ایک ماہ بعد وہیل چیئر پر دھکیلتے وہ انہیں گھر واپس لے آئیں اور اسی دن انہیں پتا چلا کہ آفرین نے ایک پیارے سے بیٹے کو جنم دیا ہے جس کا نام خانم نے صارم علی خان رکھا۔ عباد اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے انہوں نے آفرین کو اسلام آباد بلوالیا لیکن آفرین کی جگہ صرف خانم کو دیکھ کر وہ حیران ہوئے۔

"آج میں تیرے پاس ایک التجا لے کر آئی ہوں عباد! آفرین کو چھوڑ دے۔ ارسلہ سے زیادہ تجھے کوئی محبت نہیں دے سکتا اور آفرین کے دل میں کسی اور کی محبت ہے بیٹے اس لیے اب اس پر ظلم نہ کر۔"

عباد علی خان کے چہرے پر کرختگی چھاگئی۔ "کیسے چھوڑ دوں خانم وہ صارم کی ماں ہے۔"

"صارم کو تجھ سے کوئی الگ نہیں کرسکتا عباد۔ تو آفرین کو چھوڑ دے' وہ صارم کو چھوڑ دے گی۔ صارم ارسلہ کی گود میں پلے گا۔ آفرین کو خدا اور اولاد سے نوازدے گا اس پھول سی معصوم بچی کو اب اور نہ آزما۔ آزادی کی اتنی بڑی قیمت کافی ہے۔"

خانم کی بات سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ ارسلہ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو انہیں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔ ارسلہ کی محبت کو دل میں جگہ دینے کے بعد اب انہیں آفرین کا حق ادا کرنا مشکل لگ رہا تھا سو جلد ہی اسے اپنی زندگی سے آزاد کردیا۔

☼ ☼ ☼

چند ماہ بعد نکاح کی ایک سادہ سی تقریب میں ارسلہ گل اور صارم علی خان مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے دولھا دلہن نے تعظیماً" انہیں کھڑے ہو کر ویلکم کیا کتنی ہی دیر آفرین ان سے لپٹی رہی اور پھر صارم کو خوب پیار کیا۔ تحفے میں وہ آفرین اور غازان کو نیلم گیسٹ ہاؤس کی چابیاں دے آئی تھیں کہ اب اسے ان دونوں نے مل کر آباد بھی کرنا تھا اور خوب سے خوب ترقی بھی دینی تھی۔

☼

وہ گھر میں داخل ہوئی تو ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ صحن تو خیر روز ہی اس کی واپسی کے وقت خالی ہوا کرتا تھا۔ مگر آج لاؤنج میں بھی کوئی نہیں تھا۔ اس نے لاؤنج کی دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا جس کی سوئیاں پونے چار بجنے کا اعلان کر رہی تھیں وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ عام طور پر وہ تین بجے تک گھر پہنچ جایا کرتی تھی مگر آج کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ اس کی روز ڈھائی بجے چھٹی ہوتی تھی۔ مگر اسکول چونکہ کافی دور تھا۔ اس لیے گھر آتے آتے تین بج جایا کرتے تھے۔ اور آج تو مزید آدھا گھنٹہ چھٹی کے بعد ہونے والی ہنگامی میٹنگ کی نذر ہوا اور رہی سہی کسر پبلک ٹرانسپورٹ سے آنے میں نکل گئی۔ کیونکہ وین تو اپنے وقت پر ہی چلی گئی تھی۔

اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ اس لیے اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے اس نے کچن کا رخ کیا۔ ہاٹ پاٹ میں ڈیڑھ روٹی پڑی تھی۔ جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے خود کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے روٹی پلیٹ میں رکھی اور فریج سے سالن نکال کر دونوں چیزوں کو ایک ساتھ اوون میں رکھ دیا۔ کھانا گرم کر کے وہ اپنے کمرے میں لے آئی۔ مگر کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اس کا موڈ خراب ہو گیا۔

آج پھر کولر بند پڑا تھا۔ اور اس کے تینوں بچے پنکھے کی تیز اور گرم ہوا میں پسینے سے بھیگے ہوئے اوندھے سیدھے پڑے سو رہے تھے۔ بچے تھے' اس لیے گرم

انیلہ کرن علی

رزق ما





ہوا میں بھی سو گئے تھے۔ مگر نیند میں بھی بے چینی ان کے وجود سے عیاں تھی۔ اس نے اپنا کھانا میز پر رکھا اور کولر کی طرف آئی۔ مگر کولر میں پانی کی موجودگی کا پتا دینے والی سوئی زیرو پر تھی یعنی آج پھر ماسی نے اس کے کولر میں پانی نہیں ڈالا تھا۔ اسے شدید غصہ آیا۔

ماسی کو وہ ہر ہفتے کبھی سو اور کبھی دو سو روپے اس لیے الگ سے دیتی تھی کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے اور بچوں کے کمرے کی صفائی ٹھیک سے کرے اور خصوصاً" پچھلے صحن کی صفائی کے دوران اس کے کولر میں پانی تو ضرور ڈالا کرے۔ مگر وہ ہر بار وعدہ کر لینے کے باوجود ہر دوسرے دن پانی ڈالنا بھول جایا کرتی تھی۔

سجیلہ اپنی جٹھانی کو بھی روز تاکید کر کے جاتی تھی کہ وہ ماسی سے کولر میں پانی ضرور ڈلوالیں۔ کیونکہ اس کے دونوں بیٹے دو بجے تک اسکول سے آجایا کرتے تھے اور بیٹی تو خیر ابھی دو سال کی تھی۔ اور گھر پر ہی رہتی تھی اس لیے اس کے واپس آنے تک بچے کھانا کھا کر عموماً" سو چکے ہوتے تھے۔ بھابی روز ہامی بھر لیتی تھیں۔ مگر بعد میں ماسی کو کہنا انہیں جیسے یاد ہی نہیں رہتا تھا اور **سجیلہ** خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی تھی اور آج تو وہ پہلے ہی بہت تھکی ہوئی تھی اس لیے غصہ بھی زیادہ آرہا تھا۔

ایک بار تو اس کا دل کیا کہ وہ بھی سب کچھ بھلا کر بس کھانا کھائے اور بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موند لے۔ مگر بچوں اور خاص طور پر **زرمینہ** کے پیشانی سے چپکے بال دیکھ کر وہ ایسا نہیں کر سکی۔

زرمینہ میں تو ویسے ہی اس کی جان تھی۔ دو بیٹوں کی ماں بن جانے کے بعد اس کے دل میں شدت سے ایک بیٹی کی خواہش تھی۔ مگر نعمان کا خیال تھا کہ ان کے موجودہ حالات کے مطابق ان کے لیے دو ہی بچے کافی ہیں۔ اس لیے **سجیلہ** دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔ مگر اللہ نے اس پر کرم کیا اور منیب کے چار سال کے بعد ننھی **زرمینہ** اس کی جھولی میں ڈال دی اور یوں اس کے من کی سب سے بڑی مراد پوری ہو گئی۔

اس نے سوئی ہوئی **زرمینہ** کا گال چوما اور ہمت کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ پچھلے صحن میں جا کر اس نے پائپ لگایا اور دیوار میں نصب کولر میں پانی ڈالا۔ شدید تپش کی وجہ سے وہ اتنا سا کام کرتے ہی پسینے میں نہا گئی۔ مگر دل کو اطمینان بھی تھا کہ اب اس کے بچے سکون سے سو سکیں گے۔ کمرے میں واپس آکر اس نے پنکھا بند کر کے کولر چلایا اور ساتھ ہی ایگزاسٹ فین بھی کھول دیا۔ چند ہی لمحوں میں کولر کی ٹھنڈی ہوا نے کمرے کا ماحول بدل دیا۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے اور بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔ جو اگرچہ ٹھنڈا ہو چکا تھا مگر اسے بہت مزے کا لگ رہا تھا۔ کیونکہ اس نے صبح سات بجے کا ناشتہ کیا ہوا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے برتن سائیڈ ٹیبل پر رکھے۔ اور بچوں کے ساتھ ہی لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ شکم سیری، تھکن اور کولر کی ٹھنڈی ہوا نے مل کر اس پر اثر ڈالا اور فوراً" ہی اس کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں۔ حالانکہ غنودگی میں ڈوبتے اس کے ذہن کے ایک گوشے میں یہ خیال ابھرا تھا کہ آج اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی۔ مگر نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ اگلے ہی پل وہ غافل ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بھابی! آج پھر ماسی نے ہمارے کولر میں پانی نہیں ڈالا۔ میں اسکول سے واپس آئی تو تینوں بچے اتنی گرمی میں سو رہے تھے۔" شام کو بھابی کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے اس نے گلہ کیا۔

"اچھا؟" بھابی کی حیرت سراسر مصنوعی تھی۔ یا کم از کم **سجیلہ** کو ایسا ہی لگا تھا۔

"کل پوچھوں گی اس سے مجھ سے تو کہہ رہی تھی کہ پانی ڈال دیا ہے اور یہ نعمان کو دیکھو۔ بچوں کو اتنی گرمی میں چھوڑ گیا۔ وہی کولر میں پانی بھر جاتا۔" چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے بھابی بڑے آرام سے کہہ رہی تھیں۔

سجیلہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ یہ وہی بھابی تھیں جن کو اپنے شوہر کا خود سے پانی کا گلاس بھر لینا بھی ان کی شان کے خلاف لگا کرتا تھا اور نعمان کے لیے وہ کہہ رہی تھیں (جب کہ وہ ایک گھنٹے کے وقفے میں بچوں کو اسکول سے لے کر گھر چھوڑتا تھا۔ اور اسی ٹائم میں کھانا بھی کھاتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو بچوں کا یونیفارم بھی تبدیل کرواتا تھا) کہ وہ کولر میں پانی بھی بھر جاتا۔

سجیلہ کا حلق کڑوا ہونے لگا مگر وہ چاہ کر بھی بھابی کو کوئی سخت جواب نہیں دے سکتی تھی کیونکہ اسے روز زرمینہ کو ان کے پاس چھوڑ کر جانا ہوتا تھا۔

اس کے اسکول میں بچوں کے لیے ڈے کیئر سینٹر نہیں تھا اور اعلا درجے کے اس اسکول میں ٹیچرز کو اپنے ساتھ بچے لانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے زرمینہ کو اسے مجبوراً" بھابی کے پاس چھوڑنا پڑتا تھا۔ کیونکہ کسی پرائیویٹ ڈے کیئر سینٹر میں اپنی لاڈلی اکلوتی بیٹی کو پورے دن کے لیے چھوڑنے کا حوصلہ سجیلہ میں نہیں تھا اور یہی اس کی کمزوری تھی جس کی وجہ سے وہ بھابی کی ہر جائز ناجائز بات ماننے پر مجبور تھی اور ان سے دبتی بھی تھی حالانکہ زرمینہ کو رکھنے کی وجہ سے ہی وہ ہر روز بھابی کے تینوں بچوں کو پڑھانے اور ہوم ورک کروانے میں پورے دو گھنٹے لگاتی تھی اور یہ جان جوکھم کا کام تھا۔ پھر بھی بھابی کو یہی لگتا تھا کہ وہ سجیلہ پر احسان کرتی ہیں۔ اس لیے اکثر اپنے حصے کے کئی کام بھی مختلف بہانے بنا کر اس سے کروا لیا کرتی تھیں اور سجیلہ کو مجبوراً" ان کی ہر بات ماننا پڑتی تھی۔

"بھابی! نعمان کے پاس کہاں اتنا وقت ہوتا ہے۔ آپ پلیز ماسی کو خود چیک کر لیا کریں۔" اس نے بجھے ہوئے انداز سے کہا۔

بھابی نے اس بار کچھ کہے بغیر بس ذرا سا سر ہلا دیا اور ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں اس وقت کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے وہ روز آرام سے اپنے کمرے میں لیٹ کر ٹی وی دیکھا کرتی تھیں۔ سجیلہ نے ایک نظر ان کے بے نیاز اور ہر فکر سے آزاد چہرے پر ڈالی اور کمرے سے نکل آئی۔ اسے اس وقت اپنے اور بھابی کے بچوں کو پڑھانا ہوتا تھا اور شام کی چائے تو روز ہی وہ بناتی تھی۔ کیونکہ پینے والی صرف وہ اور بھابی تھیں۔ اس لیے بھابی نے یہ ذمہ داری مستقل اس پر ڈال رکھی تھی۔

لاؤنج میں بیٹھ کر بے دلی سے چائے پیتے ہوئے وہ بچوں کو کتابیں نکالنے کا کہنے لگی۔ بچوں کو پڑھانے کے بعد اسے رات کا کھانا بھی بنانا تھا۔ کیونکہ آج اس کی باری تھی۔ رات کا کھانا بنانے اور برتن دھونے کی باری ایک روز اس کی ہوتی تھی اور ایک روز بھابی کی اور دوپہر کو چونکہ وہ گھر پر نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے دوپہر کا کھانا بھابی بنایا کرتی تھیں اور ناشتہ بنانا مستقل اس کے ذمے تھا۔ گھر کی صفائی اور کپڑے دھونے کے لیے ماسی آیا کرتی تھی اور چونکہ ہفتے کے پانچ روز سجیلہ گھر پر نہیں ہوتی تھی اور بھابی اس سے صفائی کرواتی تھیں۔ اس لیے چھٹی کے دونوں دن ماسی سے

صفائی کروانا اور گھر بھر کے کپڑے دھلوا کر تہہ کرنا سجیلہ کے ذمے تھا۔ اس لیے ہفتے کے سات کے سات دن وہ بری طرح سے مصروف رہتی تھی اور اسے کہیں آنا جانا تو درکنار اپنے شوہر اور بچوں پر ڈھنگ سے توجہ دینے کا وقت بھی نہیں ملتا تھا۔ جبکہ اس کے برعکس بھابی ہر روز شام کو بھی فارغ ہوتی تھیں اور چھٹی والے دن تو ان کے کام اور سکڑ جایا کرتے تھے۔ اس لیے ہفتہ وار چھٹیوں میں ان کا بیشتر وقت اعجاز بھائی اور اپنے بچوں کے ساتھ تفریح کرتے گزرتا تھا۔

بھابی خود پر بھی خوب توجہ دیتی تھیں۔ باقاعدگی سے پارلر جاتیں اور اچھی خاصی بن سنور کر رہتی تھیں۔ اپنے اور اپنی دونوں بیٹیوں کے لباس کی خود ڈیزائننگ کر کے نت نئے فیشن کے کپڑے سلواتیں۔ جبکہ سجیلہ جس نے شادی سے پہلے کپڑوں کی ڈیزائننگ اور سلائی کا باقاعدہ کورس کر رکھا تھا۔ اسے اس کام کے لیے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ اس لیے وہ زرمینہ کے کپڑے اکثر ریڈی میڈ لیتی اور اپنے کپڑوں کی ڈیزائننگ کے لیے درزی کی سوجھ بوجھ پر بھروسہ کرنے پر مجبور رہتی اور رہی بات خود پر توجہ دینے یا بننے سنورنے کی تو سوائے بہت ہی خاص موقعوں کے وہ پارلر بھی نہیں جا پاتی تھی۔ پارلر جانا تو ایک طرف اسے تو کبھی ڈھنگ سے اپنے چہرے کی کلینزنگ کرنے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ چھٹی کے دو دن اس کے باقی پانچ دنوں سے بھی زیادہ مصروف گزرتے تھے۔

اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے وہ نہ صرف اپنے بچوں سے دور ہوتی جارہی تھی۔ بلکہ نعمان کو بھی اس سے کئی ایک شکایات تھیں اور وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس سے لاتعلق ہوتا جارہا تھا اور جس طرح کی زندگی وہ لوگ گزار رہے تھے۔ اس میں یہ کوئی ان ہونی بات نہیں تھی۔ اب تو سجیلہ کو بھی بھولتا جارہا تھا کہ نعمان کے ساتھ اس کی پسند کی شادی تھی۔ اور کبھی وہ دونوں شدت سے ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہوا کرتے تھے۔

☆ ☆ ☆

سجیلہ، چار بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھی اور ان دنوں تازہ تازہ ایم اے انگلش کرنے کے بعد اس نے ایک نامور اور اچھے انگلش میڈیم اسکول میں جاب شروع کی ہی تھی۔ جب نعمان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس کی قریبی سہیلی عنبرین کی شادی تھی اور سجیلہ خوب بن سنور کر اس کی شادی میں گئی تھی۔ کاہی سبز رنگ کا گھیردار فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہنے اپنے لمبے کھلے بالوں اور من موہنی صورت کی وجہ سے وہ ہر جگہ نمایاں ہو رہی تھی۔

نعمان عنبرین کے دولہا کا دوست تھا اور سجیلہ کو دیکھتے ہی دل ہار گیا تھا۔ سجیلہ بھی اس کی پسندیدگی سے لاعلم نہیں رہی تھی۔ اسے بھی دراز قامت اور سرخ و سفید رنگت والا نعمان فوراً“ ہی بھا گیا تھا۔ اس لیے اگلے روز وہ عنبرین کی دعوت ولیمہ میں شریک ہوئی تو اس کی وجہ عنبرین کے اصرار سے زیادہ نعمان سے دوبارہ ملاقات کی خواہش تھی ورنہ عنبرین تو کب سے اسے ولیمہ کی دعوت میں شرکت کے لیے آمادہ کر رہی تھی مگر وہ صاف انکاری ہو جاتی تھی۔ لیکن اب معاملہ مختلف تھا۔ اس لیے وہ پورے دل سے تیار ہوئی اور پوری سج دھج سے دعوت ولیمہ میں پہنچی۔

نعمان سے دوبارہ ملنے کی خواہش ادھوری نہیں رہی تھی۔ وہ نہ صرف یہاں موجود تھا بلکہ اس نے سجیلہ سے اپنی پسندیدگی کا مناسب لفظوں میں اظہار بھی کر دیا تھا۔ سجیلہ کے من میں اس خوبرو اور سنجیدہ سے نوجوان کے اظہار محبت سے گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ وہ ہو بہو اس کے خوابوں کے شہزادے جیسا تھا۔ اس لیے وہ اسی لمحے سے اس کا ساتھ پانے کے خواب دیکھنے لگی۔ اور اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ان خوابوں کو فوراً“ ہی تعبیر مل گئی اور وہ صرف چھ ماہ کے بعد نعمان کی دلہن بن کر اس کے آنگن میں روشنی پھیلانے پہنچ گئی۔

نعمان کے والدین حیات نہیں تھے۔ صرف ایک

بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے اس کی خوشی کو مقدم جانا اور فوراً" ہی اس کا رشتہ لے کر سجیلہ کی والدہ کے پاس جا پہنچے۔ سجیلہ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور بڑا بھائی کینیڈا میں رہائش پذیر تھا۔ ایک چھوٹا بھائی اور بہن ابھی پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں نعمان کا رشتہ اس کی والدہ کو نعمت غیر مترقبہ لگا اور انہوں نے ضروری چھان بین کے بعد یہ رشتہ قبول کر لیا۔

نعمان نے ایم کام کیا تھا اور ایک بینک میں جاب کر رہا تھا۔ اس کی تنخواہ اچھی تھی۔ مگر اعجاز بھائی اس سے دگنا کماتے تھے۔ اس لیے سجیلہ نے شادی کے بعد بھی جاب جاری رکھی۔ کیونکہ اب انہیں گھر کے اخراجات میں برابر کا حصہ ڈالنا تھا اور یہ بات اس کی جٹھانی نے ان کی شادی کے پندرہ روز بعد ہی بڑی صاف گوئی سے جتا دی تھی۔ نعمان نہیں چاہتا تھا کہ سجیلہ جاب کرے مگر سجیلہ نے اسے کسی نہ کسی طرح منا ہی لیا تھا۔

بھابی نے اس کی شادی کے ایک ماہ بعد ہی گھر کے آدھے کام اس کے ذمے لگا دیے تھے اور سجیلہ چونکہ اپنی امی کے گھر بھی کام کاج میں حصہ لیتی رہی تھی۔ اس لیے اسے کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی۔ وہ اسکول سے آنے کے بعد اپنے حصے کے بیشتر کام نبٹا لیتی تھی تاکہ نعمان کو زیادہ سے زیادہ وقت دے سکے اور اکثر وہ لوگ گھومنے پھرنے بھی چلے جاتے تھے۔ ان کی شادی کے وقت بھابی کی ایک بیٹی تھی اور شادی کے سال بھر بعد جب سجیلہ کا پہلا بیٹا پیدا ہوا تو اس کے دو ماہ بعد ہی بھابی کی دوسری بیٹی نے جنم لیا۔ اب گھر کے کاموں میں کافی اضافہ ہو چکا تھا مگر سجیلہ کی جاب پر اس لیے اثر نہیں پڑا کہ وہ اپنے بیٹے کو صبح جاب پر جاتے ہوئے اپنی امی کے پاس چھوڑ جاتی اور واپسی پر ساتھ لے آتی۔ اور یہ سلسلہ دوسرے بیٹے کے بعد بھی برقرار رہا۔ مگر جب حسیب چار سال کا اور منیب تین سال کا تھا تو اس کی امی کا انتقال ہو گیا۔

چھوٹی بہن جو امی کے ساتھ اس کے بچوں کا دھیان رکھتی تھی۔ وہ سال بھر پہلے ہی بیاہ کر اسلام آباد جا چکی تھی۔ اور گھر پر اب اس کا چھوٹا بھائی اور اس کی نئی نویلی دلہن رہ گئے تھے۔ اس لیے سجیلہ نے بچوں کو وہاں لے جانا چھوڑ دیا۔ حسیب تو ویسے بھی اسکول داخل ہو چکا تھا۔ منیب کو اس کا ارادہ اگلے سال داخل کروانے کا تھا۔ مگر حالات کو دیکھتے ہوئے اس نے منیب کو پلے گروپ میں داخل کروا دیا۔

نعمان اتنے چھوٹے بچے کو اسکول بھیجنے پر تیار نہیں تھا۔ مگر سجیلہ کو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس لیے اس نے ایک بار پھر ضد کر کے نعمان کو رضامند کر لیا اور یوں اس کے دونوں بچے اسکول جانے لگے۔ بچوں کے بعد اگرچہ سجیلہ کی مصروفیات میں کافی اضافہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی صورت حال اتنی خراب نہ تھی۔

اس کا اصل امتحان زرمینہ کی پیدائش کے بعد شروع ہوا۔ وہ منیب سے چار سال چھوٹی تھی اور سجیلہ کو اسے مجبوراً" بھابی کے پاس چھوڑ کر جانا پڑتا تھا۔ بھابی کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی اب اسکول جانے لگا تھا۔ اس لیے انہوں نے زرمینہ کو رکھنے کی ہامی تو بھر لی۔ مگر اس احسان کے بدلے انہوں نے گھر کے کاموں کی باریاں اپنی مرضی سے لگانے اور سجیلہ سے زائد کام لینے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو پڑھانے اور ہوم ورک کروانے کی ذمہ داری بھی اسی پر ڈال دی اور سجیلہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی ہر بات ماننا پڑتی تھی۔ اب اسے اپنی مجبوری اور بے بسی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

چھوٹے بچوں کے ساتھ ایک گھر چلانا اور جاب بھی کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مگر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس نے اچھے اور مہنگے اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کروایا تھا۔ پھر گھر کے اخراجات کی مد میں بھی اچھی خاصی رقم ان کو دینا پڑتی تھی۔ اس لیے اب اکیلے نعمان کی تنخواہ میں گزارہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

بچوں کا اسکول نعمان کے آفس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لیے دونوں بچوں کو اسکول لے جانے اور واپس لانے کی ذمہ داری اس نے ازخود سنبھال لی تھی۔ اور اس وجہ سے وہ اب لنچ بریک میں گھر بھی آجاتا تھا۔ ورنہ پہلے وہ اپنا کھانا ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

زرمینہ کے بعد گھر کے کاموں کا سیٹ اپ بھابی نے کچھ ایسا بنا دیا تھا کہ سجیلہ کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ بھابی برملا کہتی تھیں کہ وہ جاب اپنے مفاد کے لیے کرتی ہے۔ اس لیے جاب کی وجہ سے اس کو اگر کوئی مشکل اٹھانا پڑتی ہے تو اسے واویلا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ سجیلہ کا رتی بھر بھی خیال نہیں کرتی تھیں۔ اور زرمینہ کو رکھنے کے بدلے جی بھر کر اس سے کام لیتی تھیں۔ نعمان اس کی ہر وقت کی مصروفیت سے عاجز رہنے لگا تھا۔

"کیا فائدہ ایسی کمائی کا کہ تم دن رات کولہو کا بیل ہی بنی رہتی ہو۔ نہ بچوں کو ٹائم دے پاتی ہو نہ ہی آرام کر سکتی ہو۔ یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے۔" اس کا تھکن اور بے آرامی سے مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ ناراض ہوتا۔

"مجبوری ہے نعمان!" وہ پھیکے انداز سے مسکرا دیتی۔ "اپنی خوشی سے کون تھکن کی زنجیر پہنتا ہے۔ مگر اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلوانے اور انہیں سہولیات دینے کے لیے ہی میں جاب کرتی ہوں۔"

"مگر سجیلہ! بچوں کو صرف سہولیات ہی نہیں تمہارا وقت اور تمہاری توجہ بھی چاہیے۔ تم تو چھٹی والے دن بھی انہیں ٹائم نہیں دے پاتیں۔" نعمان احتجاج کرتا۔

"میں کون سا جان بوجھ کر مصروف رہتی ہوں۔ بھابی نے کاموں کی تقسیم ہی ایسے کر رکھی ہے اور میں انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ ذرا ذرا سی بات پر تو وہ ناراض ہونے لگتی ہیں۔ اور میں ڈر جاتی ہوں کہ کہیں وہ زرمینہ کو رکھنے سے انکار نہ کردیں۔"

وہ بجھے بجھے انداز سے وضاحت کرتی اور نعمان اس کی شکل دیکھ کر رہ جاتا۔

وہ اسے بتا نہیں پاتا تھا کہ صرف بچے ہی نہیں وہ خود بھی اس کے اس قدر مصروف رہنے سے ڈسٹرب ہوتا ہے۔ کیونکہ فطری طور پر وہ ان مردوں میں سے تھا۔ جن کی زندگی کا محور ہی اپنا گھر ہوتا ہے۔ اور جو کام سے بچ جانے والا سارا وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزارنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے جب سے ان کی زندگی افراتفری کا شکار ہوئی تھی وہ بہت مضطرب سا رہنے لگا تھا۔

سجیلہ اس صورت حال کو سمجھتی تھی۔ مگر وہ چالیس ہزار کی خطیر آمدن کو چھوڑ کر اپنے بچوں کو زندگی کی سہولیات کے لیے ترسانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر بچوں کو سستے اداروں سے تعلیم دلوائی یا اعجاز بھائی کے بچوں کے برابر سہولیات فراہم نہ کیں تو کہیں وہ کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائیں۔

"اور تم یہ سمجھتی ہو کہ ماں کی توجہ سے محرومی بچوں کو کسی طرح کے احساس کمتری میں مبتلا نہیں کرتی۔" نعمان اس کی توجیہہ پر بعض اوقات بری طرح سے چڑ جاتا۔

"خدا کے لیے ان خود ساختہ پیمانوں کو چھوڑ دو۔ اپنی سوچ کو بدلو۔ بچوں کو چیزوں سے زیادہ ماں کی ضرورت ہے۔ انہیں تمہاری توجہ اور وقت چاہیے۔ تم تو گھر پر ہوتے ہوئے بھی اتنی مصروف ہوتی ہو کہ بچے تم سے بات کرنے کو ترستے ہیں۔ اگر گھر پر کوئی تمہاری فیور کرنے والا ہوتا تو تم شوق سے جاب کرتی رہتیں۔ میں تمہیں کبھی منع نہ کرتا۔ مگر اب تمہاری جاب کی وجہ سے ہماری پوری زندگی ڈسٹرب ہو کر رہ گئی ہے اور تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ ہمارا رزق تمہاری تنخواہ سے مشروط ہے۔ تم جاب نہ بھی کرو تو جو رزق اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے۔ وہ ہمیں ضرور ملے گا۔ بس اس کا وسیلہ کوئی اور ہو گا۔" غصے سے بولتے بولتے نرمی سے سمجھانے لگتا۔

"خدا کے لیے نعمان!" سجیلہ اکتا جاتی۔ "آپ یہ کتابی باتیں نہ کیا کریں۔ بے شک رزق اللہ دیتا ہے۔ اور جو نصیب میں لکھ دیا ہے۔ اتنا ہی ملتا ہے۔ مگر اللہ نے انسان کو کوشش کرنے کے لیے بھی تو کہا ہے اور بچوں کی آپ فکر نہ کیا کریں۔ وہ تھوڑے سے بڑے

ہوں گے تو خود بخود سمجھ دار ہو جائیں گے۔ اور تب شاید ان کے پاس میرے لیے وقت نہ ہوا کرے۔" وہ بات ختم کرنے کے لیے ہلکا پھلکا انداز اختیار کرتی تو نعمان بھی خاموش ہو جاتا۔

حالانکہ وہ اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ اگر آج وہ بچوں سے دور ہو گی تو کل کو بچے خود بخود اس سے فاصلہ رکھنے لگیں گے۔ مگر یہ بات وہ اسے کہہ نہیں پاتا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ سجیلہ کو کبھی یہ نہیں بتا پایا تھا کہ دوپہر کو ہر روز اسکول سے آنے کے بعد جب ان کے بچوں کو روز اپنی پسند کے بجائے اعجاز بھائی کے بچوں کی پسند کا کھانا کھانا پڑتا ہے اور جب بھابی ان کے سامنے اپنے بچوں کے نخرے اٹھاتی ہیں' انہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی ہیں۔ تو ان کے معصوم بچوں کے چہروں پر کیسی حسرت اترتی ہے۔ مگر یہ سب سجیلہ سے کہنے کا فائدہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ سوائے دکھی ہونے کے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اور نعمان اسے دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس سارے سیٹ اپ میں سب سے زیادہ مشکل وہی اٹھا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"نعمان! میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اے سی لگوا ہی لینا چاہیے۔ ماسی روز کولر میں پانی ڈالنا بھول جاتی ہے۔ اور بھابی بھی توجہ نہیں دیتیں۔ اور میں ہر روز جب بچوں کو گرمی میں سویا ہوا دیکھتی ہوں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اور ویسے بھی اسکول سے اتنی گرمی میں آنے کے بعد کولر میں پانی بھرنا بہت بڑی مشقت ہے اور اگر کبھی وقت نکال کر صبح میں ڈال بھی جاؤں تب بھی میرے آنے تک نہ جانے کیسے ختم ہو جاتا ہے۔"

ایک ہی ہفتے میں مسلسل تین دن اسے اسکول سے آ کر کولر میں پانی ڈالنا پڑا تھا۔ اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا' اس لیے اس رات اس نے نعمان سے بات کر ہی لی۔

نعمان اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ سجیلہ تو بڑے عرصے سے اے سی لگوانے کی بات کر رہی تھی مگر وہ ہر بار ٹال جایا کرتا تھا کیونکہ اعجاز بھائی نے اے سی نہیں لگوایا تھا اور بجلی کا بل وہ آدھا آدھا دیتے تھے۔ اس لیے نعمان کو اے سی لگواتے جھجک ہوتی تھی۔ مگر اب روز روز ایک ہی مسئلے کا سامنا کرتے ہوئے وہ بھی بیزار ہو گیا تھا۔

"یار! اے سی لگوانا تو اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ مگر پھر بجلی کا بل زیادہ آئے گا اور بھابی کا تو تمہیں پتا ہے۔ وہ اس بات پر واویلا کریں گی کہ ہم بجلی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔"

وہ نیم رضامند لگ رہا تھا اور سجیلہ نے اس پر بھی شکر کیا ورنہ پہلے تو وہ یہ بات سنتے ہی صاف انکار کر دیتا تھا۔

"نعمان! بھابی اپنے سارے کپڑے ماسی سے گھر پر استری کرواتی ہیں اور میں صرف بچوں کے کپڑے کرواتی ہوں۔ آپ کے اور میرے کپڑے دھوبی کے پاس استری ہونے جاتے ہیں۔ پھر ان کا کولر اور ٹی وی سارا دن چلتا ہے۔ ہم نے تو کبھی اعتراض نہیں کیا۔ پھر بھی اگر آپ کو ایسے اے سی استعمال کرنا صحیح نہیں لگتا تو اے سی کے لیے سب میٹر لگوالیں۔ اور باقی بل آدھا آدھا کرلیں۔" اس نے پہلے سے سوچا ہوا حل پیش کیا۔

"اس طرح تو خرچ کافی بڑھ جائے گا۔" نعمان نے فکرمندی سے کہا۔

"لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" سجیلہ بضد تھی۔

"چلو دیکھتے ہیں۔ صبح اعجاز بھائی سے بات کروں گا۔"

نعمان بے دلی سے کہہ کر سونے کے لیے لیٹ گیا تو سجیلہ بھی وہاں سے اٹھ گئی۔

نعمان کافی حد تک رضامند ہو چکا تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ اب اے سی لگ ہی جائے گا۔ مگر وہ پھر بھی ویسی خوش نہیں تھی۔ جیسا اسے ہونا چاہیے تھا۔ ایک تو اسے بھابی کے ردعمل کی فکر تھی۔ اور

[illegible] خیال بھی آیا تھا کہ [illegible]
[illegible] کولر چلایا جائے [illegible]

سی بھی چلایا گیا تو سب میٹر ہونے کی وجہ سے انہیں اے سی کی مد میں اچھا خاصا بل دینا پڑا کرے گا۔ لیکن یہ مسئلہ اگلے روز یوں حل ہوگیا کہ اعجاز بھائی بھی نعمان کے کہنے پر اے سی لینے کے لیے رضامند ہوگئے۔ اور یوں ایک ہفتے کے اندر اندر دونوں کمروں میں اے سی لگ گئے۔ اور کولر کی طرح بھابھی کے کمرے کا اے سی بھی دن رات چلنے لگا۔

سجیلہ تو چاہتی تھی کہ اے سی چلانے کے اوقات مخصوص کرلیے جائیں۔ مگر بھابھی سے ایسی بات کہی نہیں جاسکتی تھی۔ اس لیے خاموش رہی۔ البتہ سات سالہ حسیب کو اس نے اے سی کا استعمال سکھایا۔ تاکہ اس کی اور نعمان کی غیر موجودگی میں بھی بچے سکون سے سوسکیں۔

☼ ☼ ☼

اسکول میں گرمیوں کی چھٹیاں ہونے والی تھیں۔ اس لیے ان دنوں کئی اضافی کام کرنے پڑ رہے تھے اور سجیلہ روز ہی تاخیر کا شکار ہوجاتی تھی۔ عموماً" اس کے گھر پہنچنے تک بچے گہری نیند سوچکے ہوتے تھے مگر اس روز وہ ساڑھے تین بجے کے بعد گھر پہنچی تو حسیب ابھی تک جاگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا! آپ سوئے نہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" حسیب کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس لیے اسے تھوڑی سی تشویش ہوئی تھی۔ اس نے حسیب کا ماتھا چھو کر دیکھا مگر ٹمپریچر نارمل تھا۔

"مما! تائی جان نے زرمینہ کو مارا۔" سجیلہ کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے گھٹی گھٹی آواز میں بتایا۔

"کیا؟" سجیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

حسیب نے آہستہ سے اثبات میں سرہلایا اور رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ "انہوں نے زرمینہ کو منہ پر تھپڑ مارے۔"

پیاری تھی۔ اس لیے آج جب تائی نے اسے بے دردی سے مارا تو وہ ڈر کی وجہ سے انہیں کچھ کہہ تو نہیں سکا مگر اسے تکلیف بہت ہوئی تھی۔ اس لیے سجیلہ کے آتے ہی بتا کر اس نے جیسے اپنے دل کا بوجھ کم کیا تھا۔

"مگر کیوں؟" سجیلہ نے تڑپ کر اوندھی لیٹی زرمینہ کو سیدھا کیا۔ اس کے رخسار سرخ تھے اور پلکیں ابھی بھی نم تھیں۔ شاید وہ روتے روتے ہی سوگئی تھی۔ سجیلہ کا دل پانی ہونے لگا۔ اس نے اور نعمان نے زرمینہ کو مارنا تو درکنار کبھی ڈانٹا بھی نہیں تھا۔ ایک تو وہ ویسے ہی ان کی بہت لاڈلی تھی۔ پھر وہ تھی بھی بہت فرمانبردار اور سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک۔ عام بچوں کی طرح نہ تو کبھی بے جا ضد کرتی تھی اور نہ ہی گلا پھاڑ پھاڑ کر رویا کرتی تھی۔ بلکہ اسے جو بھی بات سمجھائی جاتی ہمیشہ مان لیتی تھی۔ وہ بے اختیار ہی سوئی ہوئی زرمینہ کو چومنے لگی۔

"اس نے پچھلے صحن میں جاکر اپنا فراک گیلا کرلیا تھا۔۔۔ اس لیے۔" حسیب منہ بسورتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

سجیلہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اتنی معمولی بات پر بھابی نے اس کی پھول جیسی بچی کو مارا تھا۔ اس کا غصے سے برا حال ہونے لگا۔ اس نے سوئی ہوئی زرمینہ کو گود میں اٹھایا اور اسی وقت بھابھی کے کمرے میں جا پہنچی جو اپنے بچوں کو سلانے کے بعد بیڈ پر نیم دراز میگزین پڑھ رہی تھیں۔

"بھابی! آپ نے زرمینہ کو کیوں مارا۔ اتنی معمولی سی بات پر ذرا سی بچی پر ہاتھ اٹھاتے آپ کو ذرا بھی ترس نہیں آیا۔" بھابی کا پرسکون چہرہ دیکھ کر اس کا غصہ کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ اس لیے پہلی بار وہ بنا کسی لحاظ کے چیخ اٹھی۔

بھابی نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور میگزین بند کرتے ہوئے سیدھی ہو کر بولیں۔ "ماردیا تو

کون سی قیامت آگئی ہے [illegible] غلطی پر [illegible] اٹھی تھیں۔" ان کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"غلطی؟" سجیلہ حیرت سے چلائی۔ "ایک دو سال کی معصوم بچی نے اگر فراک گیلا کرلیا تو یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ آپ اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کردیں۔ اپنے بچوں کو تو کبھی آپ نے ایسے نہیں مارا۔ اور یہ تو اتنی چھوٹی ہے ابھی۔ میں نے تو اسے کبھی ڈانٹا تک نہیں۔" اس نے غصے سے کہا تھا۔

"دیکھو بی بی! جو بچوں کی بدتمیزیاں سارا دن برداشت کرے گا اسے غصہ بھی آئے گا اور وہ مارے گا بھی۔ خود تو تم سارا سارا دن اسکول میں مزے کرتی ہو۔ اور یہاں میں تمہاری بیٹی کے نخرے اٹھاتی ہوں۔ تو کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ اسے غلطی پر سزا دے سکوں۔" بھابی نے بے حد برا مانتے ہوئے تلخی سے طعنہ دیا اور سجیلہ جو پہلے ہی غصے کی آگ میں جل رہی تھی' ان کے اس طعنے نے اسے مزید بھڑکا دیا۔ اس لیے وہ بولی تو اس کا لہجہ بھی ازحد تلخی لیے ہوئے تھا۔

"اللہ واسطے نہیں کرتیں آپ میری بیٹی کے لیے کچھ' بدلے میں میں بھی آپ کے نالائق بچوں کے ساتھ دو گھنٹے روز سر کھپاتی ہوں۔ میں نے تو انہیں کبھی نہیں مارا۔ حالانکہ زچ کر ڈالتے ہیں وہ مجھے اور آپ نے صرف ایک فراک بدلنے کے لیے میری بیٹی کو اتنی بیدردی سے مارا۔"

"تم مہربانی کرو' میرے بچوں کو مت پڑھایا کرو۔ میں تم جیسی لائق فائق استانی کے بغیر ہی اچھی ہوں۔ خود تو دن بھر عیش کرتی ہو اور یہاں میں تمہارے بچوں کی آیا گیری کرتی رہتی ہوں۔"

بھابی کے پاس بہرحال ترپ کا پتّہ تھا اور وہ یہ پتّہ پھینکنے سے کبھی بھی ہچکچاتی نہیں تھیں۔ اس وقت بھی انہوں نے یہی کیا تھا یعنی دوسرے لفظوں میں زرمینہ کو نہ رکھنے کی دھمکی دی تھی جو ہمیشہ کی طرح کارگر رہی تھی۔ سجیلہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس نے دکھ اور بے بسی سے اپنی گود میں سوئی ہوئی زرمینہ کو دیکھا اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"بھابی! انصاف سے کام لیں۔ آپ اچھی طرح [illegible] آپ کیا کرتی ہیں۔ میں نے آج تک آپ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ مگر زرمینہ کو یوں مار کر آپ نے میرا کلیجہ ہی نوچ ڈالا ہے۔" وہ اس بار بولی تو اس کے لہجے میں غصے کی بجائے بے بسی کی آمیزش تھی۔

بھابی کی آنکھوں میں فتح مندی کی چمک لہرائی۔

"سجیلہ! میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔ بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میرے بچے سو رہے ہیں انہیں ڈسٹرب نہ کرو۔"

وہ آسانی سے معاف کرنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ اس لیے ان کے لہجے میں شدید ناراضی در آئی تھی۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ سجیلہ ان سے گلہ کرنے آئی تھی اور اب اسے ہی بھابی کو منانا پڑ رہا تھا۔

سجیلہ کے دل میں ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے ڈھیر ساری نفرت امڈی تھی۔ انہیں اپنے کیے پر ذرا بھی پشیمانی نہیں تھی۔ الٹا وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہی تھیں۔ اگر وہ اس قدر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے معذرت کرلیتیں یا کم از کم زرمینہ کو تھوڑا سا پیار ہی کرلیتیں تو سجیلہ کا غصہ ختم ہوجاتا۔ مگر وہ تو الٹا ناراض ہوگئی تھیں اور اس انتظار میں تھیں کہ سجیلہ ان سے معذرت کرے۔ کیونکہ اچھے تعلقات رکھنا ان کی نہیں سجیلہ کی مجبوری تھی اور اب تک ہوتا بھی یہی آیا تھا کہ وہ غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ صرف زرمینہ کی وجہ سے جھک جایا کرتی تھی مگر آج ایک تو اس کا دل بری طرح سے زخمی ہوا تھا دوسرے وہ بھابی سے معذرت کرکے انہیں اپنی بیٹی کو مارنے پیٹنے کا پروانہ نہیں تھما سکتی تھی' اس لیے مزید کچھ بولے بغیر پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

دل تو اس کا شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ بھابی سے دوبدو لڑ پڑے مگر مصلحت آڑے آرہی تھی۔ اس لیے خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہی اور ساری سہ پہر اپنے کمرے میں لیٹی کڑھتی اور بار بار آنسو بہاتی رہی۔ شام کو وہ بچوں کو پڑھانے بیٹھی تو بھابی نے اپنے

بچوں کو روز کی طرح اس کے پاس نہیں بھیجا۔ سجیلہ کو برا تو بہت لگا مگر حالات کی نزاکت کے پیش نظر اس نے حسیب کو بھابی کے کمرے میں بھیجا تاکہ وہ اپنے کزنز کو بلا لائے۔ مگر چند لمحوں کے بعد ہی وہ واپس آگیا اور اس نے بتایا کہ بھابی اپنے بچوں کو خود پڑھا رہی ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آئندہ بھی یہ کام وہ خود ہی کرلیا کریں گی۔

سجیلہ چپ بیٹھی رہ گئی۔ اس نے بھابی سے زیادہ بے انصاف عورت آج تک نہیں دیکھی تھی۔ زیادتی بھی ان کی طرف سے ہوئی تھی اور اکڑ بھی وہی دکھا رہی تھیں۔ سجیلہ کو معلوم تھا کہ بھابی اس سے معذرت کروائے بغیر اپنی ناراضی ختم نہیں کریں گی۔ مگر آج اس کا دل اتنا دکھا ہوا تھا کہ بھابی کے کمرے میں جانے کو آمادہ ہی نہیں ہوا۔ اس نے بچوں کو بھی بے دلی سے تھوڑا بہت پڑھایا اور اپنے کمرے میں جاکر لیٹ گئی۔

آج کھانا بنانے کی باری بھابی کی تھی۔ اس لیے بعد میں وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی۔ رات کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا۔ اور نعمان سے بھوک نہ ہونے اور سر درد کا بہانہ بنا کر جلدی سو گئی۔ اس نے نعمان کو اس سارے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور بچوں کو بھی منع کردیا تھا کہ وہ اسے کچھ نہ بتائیں۔ کیونکہ زرمینہ جتنی اس کو عزیز تھی۔ نعمان کو اس سے کچھ بڑھ کر ہی پیاری تھی۔ اس لیے وہ اسے یہ سب بتا کر دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور اپنے لیے بھی اس نے سوچ لیا تھا کہ کل اسکول سے آکر وہ دل پر پتھر رکھ کر ہی سہی بھابی کو منالے گی۔ مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔

✡ ✡ ✡

اگلے روز اسے اسکول سے کچھ زیادہ ہی دیر ہوگئی۔ پھروین بھی جاچکی تھی۔ اور اسے بس سے آنا پڑا۔ اس لیے وہ چار بجے کے قریب گھر پہنچی۔ گھر کا بیرونی دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ اسے تھوڑی سی فکر ہوئی مگر جیسے ہی اس نے لاؤنج کا دروازہ کھولا تو اندر بیٹھی کئی عورتوں کو دیکھ کر اس کی فکرمندی گہری تشویش میں ڈھل گئی۔ وہ تیزی سے اندر آئی۔ اسے آتے ہوئے وہاں موجود محلے کی عورتوں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہاں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی اور سب عورتیں آنکھوں میں ترحم لیے اسے دیکھنے لگیں۔ سجیلہ کو ایک دم ہی وحشت نے گھیر لیا۔ اس کے قدم من من بھر کے ہوگئے۔

"کک کیا ہوا ہے؟" اس کے حلق سے سرگوشی نما آواز بھی بمشکل نکلی تھی۔

"سجیلہ! تم یہاں آکر بیٹھو۔" برابر والے گھر کی نصرت باجی نے اٹھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا اور ایک صوفے پر بٹھادیا۔ پھر کوئی عورت پانی کا گلاس بھر کرلے آئی۔

"آپ لوگ بتاتے کیوں نہیں کہ کیا ہوا ہے۔" اس نے گلاس پکڑ لیا تھا مگر پینے کی بجائے وحشت بھری نظروں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میں بتاتی ہوں تم پانی تو پیو۔" نصرت باجی نے اسے محبت سے تھپکا تھا۔

اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا۔ اور بمشکل دو گھونٹ پی کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"وہ سجیلہ! زرمینہ گم ہوگئی ہے۔"

چند لمحوں کے بعد نصرت باجی نے جھجکتے ہوئے اسے بتایا۔ سجیلہ ایک لمحے کے لیے ساکت بیٹھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی پھر ایک دم سے چیخ اٹھی۔

"کہاں گم ہوگئی میری زری؟ کہاں ہے میری بیٹی۔" اس نے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی مگر چند قدم کے فاصلے پر ہی لڑکھڑا گئی۔ آنکھوں کے آگے ایک دم سے اندھیرا چھایا تھا۔ اگر پیچھے سے محلے کی ایک عورت نہ سنبھال لیتی تو وہ فرش پر گرتی۔ دو تین عورتوں نے اسے سنبھالا اور ایک صوفے پر لٹا کر چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگیں۔ کچھ دیر کی کوشش سے اس نے آنکھیں تو کھول دیں

مگر جیسے ہی اس کے دماغ نے دوبارہ سے کام کرنا شروع کیا تو وہ پھر سے چلّانے لگی۔

"کہاں ہے میری بچی، میری معصوم گڑیا۔ کون لے گیا اس کو۔" وہ بین کر رہی تھی اور اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ وہاں موجود کئی عورتوں کے آنسو نکل پڑے۔

"باہر کا دروازہ شاید کھلا رہ گیا تھا۔ زرمینہ کھیلتے کھیلتے باہر نکل گئی۔" بھابی اس وقت کچن سے نکل کر وہاں آئی تھیں اور اب اسے بتا رہی تھیں۔

سجیلہ کی آنکھوں میں انہیں دیکھ کر خون اتر آیا۔

"کیسے کھلا رہ گیا دروازہ۔ آپ کو پتا نہیں تھا کہ ایک چھوٹی بچی ہے گھر میں۔ کیسے آپ نے دروازہ کھلا رہنے دیا... میں آپ کو بتا رہی ہوں آپ سے لوں گی میں اپنی بیٹی... اپنی زری۔"

چیخ چیخ کر بولتے وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"حوصلہ کرو سجیلہ! نعمان اور کئی دوسرے لوگ ڈھونڈنے گئے ہیں۔ مل جائے گی زرمینہ ان شاء اللہ" نصرت باجی نے اسے ساتھ لگا کر تھپکتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"اور اگر کوئی میری بیٹی کو لے گیا ہو تو پھر کیا ہو گا۔"

اس نے خوف اور دہشت کے عالم میں نصرت باجی کا چہرہ دیکھا اور ان کے کندھے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ اسی وقت باہر شور اٹھا اور کئی لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ کئی عورتیں باہر کی طرف لپکیں۔ سب سے آگے سجیلہ تھی۔ آنسوؤں سے بھیگے چہرے اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ۔ نہ اس کے سر پر دوپٹہ تھا نہ پاؤں میں جوتی۔ لاڈلی بیٹی کے گم ہو جانے کی خبر نے چند منٹوں میں ہی اسے اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔

باہر کئی لوگ تھے مگر وہ سب گیٹ کے باہر ہی رک گئے تھے۔ صرف نعمان اور اعجاز بھائی تھے۔ جو کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ اور نعمان کی گود میں زرمینہ تھی۔ جو اس سے چمٹی ہوئی تھی۔ اور سہمی سہمی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"میری بیٹی۔" سجیلہ کے لبوں سے اسے دیکھتے ہی چیخ نکلی۔ اور وہ جہاں کھڑی تھی۔ وہیں سجدے میں گر گئی۔

✲ ✲ ✲

"میں حبیب اور منیب کو اسکول سے لے کر گھر پہنچا تو گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اور زرمینہ گھر پر نہیں تھی۔ بھابی سے پوچھا تو کہنے لگیں کہ تمہاری بیوی کو پسند نہیں کہ میں تمہارے بچوں پر کوئی روک ٹوک کروں۔ اس لیے میں نے دیکھا ہی نہیں کہ زرمینہ کہاں ہے۔"

زرمینہ سو گئی تھی۔ اور سجیلہ کا اضطراب بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے نعمان اس کے پوچھنے پر آہستہ آواز میں اسے بتانے لگا۔ سجیلہ ہکا بکا سی منہ کھولے اس کے لبوں سے آزاد ہوتے لفظوں کو سن رہی تھی اور اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بھابی اس قدر ظالم اور بے رحم بھی ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے کل اس کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کا بدلہ یوں زرمینہ سے لاتعلق ہو کر لیا تھا۔ صبح ان کا موڈ خراب تو تھا۔ مگر انہوں نے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ وہ زرمینہ کو نہیں رکھیں گی۔ اس لیے سجیلہ واپسی پر ان سے بات کرنے کا ارادہ کر کے اطمینان سے اسکول چلی گئی۔

"پتا نہیں زرمینہ کب سے گھر سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ وہ کالونی یہاں سے کتنی دور ہے جہاں سے وہ ہمیں ملی۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نیک دل فیملی کو وہ مل گئی جنہوں نے اسے اتنے گھنٹے اپنے پاس رکھا بھی اور اردگرد کے علاقوں میں اعلان بھی کروائے۔ اسی طرح کے ایک اعلان کی وجہ سے تو ہمیں زرمینہ کی ان کے پاس موجودگی کا پتا چلا ورنہ میں تو نہ جانے کب تک یہاں وہاں بھٹکتا اسے تلاش کرتا رہتا اور جب وہ مجھے صحیح سلامت ملی تو میری جو کیفیت تھی اسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔"

بولتے بولتے وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا

اور اس کی آنکھوں میں شاید پچھلے گھنٹوں کے تصور سے نمی در آئی تھی۔

سجیلہ کا دل بے طرح دکھا۔ اس نے آج سے پہلے نعمان کو کبھی اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو بہت باحوصلہ اور ہمت والا انسان تھا مگر آج وہ بیٹی کے مل جانے کے بعد بھی ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ اس نے ہمدردی سے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور نرمی سے بولی۔

آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔

"تم" نعمان نے تیز چبھتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

"تم برداشت کر لیتیں اتنی اذیت۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ زرمینہ کو تلاش کرتے ہوئے میں کس عذاب سے گزرا ہوں۔ ایک ایک لمحے میں سو سو بار مرا ہوں۔ بار بار اس کا معصوم چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسے ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا خوف میرے دل میں بڑھتا جا رہا تھا۔ تم اتنی تکلیف کبھی نہیں سہ سکتی تھیں۔"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔

سجیلہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور اگلے ہی لمحے وہ نعمان کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

جس سوچ کو وہ ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نعمان نے اسی سوچ کو لفظوں کا پیراہن بخش کر اس کے خوف کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ زرمینہ کے نہ ملنے کا خوف اسے ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا خوف۔ اگر خدانخواستہ وہ نہ ملتی تو کیا ہوتا؟ نعمان ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ واقعی اس تکلیف دہ صورت حال سے گزرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی جس سے نعمان گزرا تھا۔ اور نعمان نے اچھا ہی کیا تھا کہ اسے اطلاع نہیں دی تھی۔

"اچھا بس چپ کر جاؤ۔ زرمینہ ڈسٹرب ہو جائے گی۔" اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے نعمان نرمی سے اسے چپ کروا رہا تھا۔ مگر چپ ہونے کے بجائے اس کے رونے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

"دیکھو اب تو زرمینہ مل چکی ہے ناں ہمارے پاس ہے۔ اب رونے کا نہیں شکر ادا کرنے کا وقت ہے۔" وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سجیلہ نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

"اٹھو وضو کر کے آؤ اور اللہ کے حضور شکرانہ ادا کرو۔" نعمان کے سمجھانے پر وہ فوراً ہی اٹھ گئی اور وضو کر کے آئی تو وہ جھک کر سوئی ہوئی زرمینہ کا ماتھا چوم رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

میں تھوڑی دیر کے لیے دفتر جا رہا ہوں۔ جلد ہی واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں پلیز!" اس نے تیزی سے قریب آکر نعمان کا بازو پکڑ لیا۔ "آج نہ جائیں۔ میرے پاس ہی رہیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ زود رنج ہو رہی تھی۔ اس لیے اس کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

نعمان نے بے اختیار ہی اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ "ٹھیک ہے میں نہیں جاتا۔ ریلیکس ہو جاؤ۔"

اسے تھپکتے ہوئے وہ نرمی سے بولا تھا۔ سجیلہ نے پرسکون ہو کر اس کے سینے سے سر ٹکائے اپنی آنکھیں موند لیں۔

"مگر آج تمہیں میری بھی ایک بات ماننا ہو گی۔" چند لمحوں کے بعد نعمان نے کہا۔

"کیا؟" اس نے آنکھیں کھولے اور سر اٹھائے بغیر پوچھا۔

"تم جاب چھوڑ دو۔ کل ہی ریزائن کر آؤ۔"

نعمان کی آواز مستحکم تھی۔ سجیلہ نے اس کے سینے سے سر اٹھایا اور آنکھیں کھول کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور بغیر بحث کیے سکون سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں کل ہی ریزائن کر دوں گی۔" اس نے دوبارہ آنکھیں موند لی تھیں۔

آج اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ معاشی مسائل، بچوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات، معاشرے میں مقام۔ زرمینہ کو کھو دینے کے خوف نے اس کی ترجیحات کو پل بھر میں بدل کر رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دو روز وہ اسکول نہیں جا سکی۔ زرمینہ کو بخار ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے فون پر پرنسپل کو ساری

صورت حال بتا کر چھٹی کرلی اور تمام وقت زرمینہ کے ساتھ گزارا۔ بھائی کے ساتھ اس کی بول چال مکمل بند تھی اور اپنی عادت کے مطابق وہ اس سے بھی زیادہ ناراضی دکھا رہی تھیں۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی وہی ان کے پاس صلح کرنے آئے گی۔ لیکن سجیلہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بھائی نے بہت مرتبہ اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا مگر ان کو معلوم نہیں تھا کہ اب سجیلہ اس مجبوری کو ہی ختم کرنے جا رہی ہے۔

تیسرے دن وہ اسکول گئی تو نعمان نے چھٹی کرلی۔ تاکہ وہ زرمینہ کا خیال رکھ سکے۔

''آپ اتنی سینئر اور قابل ٹیچر ہیں۔ آپ کو یوں جاب نہیں چھوڑنی چاہیے۔'' اس نے اپنا استعفیٰ پرنسپل کے سامنے رکھا تو وہ حیران ہو کر کہنے لگیں۔

''میم! میرے بچوں کو میری کمائی سے زیادہ اس وقت میرے ساتھ اور توجہ کی ضرورت ہے۔ آپ پلیز اسے منظور کرلیں۔ میری بیٹی بیمار ہے۔ میں آج بھی اس کو بہت مشکل سے چھوڑ کر آئی ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ مجھے رولز کے مطابق ایک ماہ پہلے نوٹس دینا چاہیے تھا مگر حالات ہی ایسے ہوگئے کہ مجھے ایک دم سے یہ فیصلہ کرنا پڑا۔'' وہ نرمی اور لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

پرنسپل کچھ دیر سوچتی رہیں پھر انہوں نے استعفیٰ پرچے پر دستخط کردیے۔

''بچوں کی تین دن بعد گرمیوں کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ یہ تین دن آپ آجائیں تو سمر کیمپ شروع ہونے سے پہلے ٹیچرز کو جو دو ہفتے کی چھٹیاں ملتی ہیں۔ ان کی سیلری آپ کو مل جائے گی اور آپ چاہیں تو تین دن کے لیے اپنی بیٹی کو ساتھ لے آئیں۔ تب تک آپ کے واجبات کا چیک بھی تیار ہو جائے گا۔''

پرنسپل نے اسے مژدہ جانفزا سنایا تھا۔ وہ کھل اٹھی۔

''بہت شکریہ میم۔'' اس کی آواز احسان مندی سے بوجھل تھی۔

''آپ بہت محنتی اور قابل ٹیچر ہیں سجیلہ! اسکول کے لیے آپ کی بہت خدمات ہیں۔ اس لیے میں آپ کو سرٹیفکیٹ بھی دوں گی اور اگر آپ دوبارہ ہمارا ادارہ جوائن کرنا چاہیں گی تو ہم بہت خوشی سے آپ کو ویلکم کریں گے۔''

انہوں نے پندرہ روز کی اضافی تنخواہ کے بعد دوسری خوشخبری سنائی تھی۔ جس نے سجیلہ کو پہلے سے بڑھ کر خوشی دی تھی۔

جاب چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کرلینے کے باوجود وہ تھوڑی سی پریشان تھی کہ اگر کسی وجہ سے اسے دوبارہ جاب کرنا پڑی تو اسے اتنی اچھی جاب کیسے ملے گی۔ مگر اب پرنسپل کی آفر نے اس کے لیے ایک روزن کھول دیا تھا۔ اس لیے اس روز وہ اسکول سے لوٹی تو بہت خوش اور مطمئن تھی۔

اگلے تین دن وہ زرمینہ کو اپنے ساتھ اسکول لے کر جاتی رہی۔ اسکول میں سب کو اس کے ریزائن کا معلوم ہو گیا تھا۔ اس لیے نہ صرف ٹیچرز نے اسے شاندار الوداعی پارٹی اور بہت سے تحائف دیے بلکہ اس کی کلاس کے بچوں نے بھی زرمینہ کے لیے چھوٹے چھوٹے تحائف کا ڈھیر لگا دیا۔

✲ ✲ ✲

اسکول کی چھٹیاں ہوتے ہی وہ لوگ دو ہفتے کے لیے اسلام آباد چلے گئے۔ جہاں سجیلہ کی چھوٹی بہن تنزیلہ رہتی تھی۔ وہ لوگ پہلے بھی ہر سال اسلام آباد جایا کرتے تھے مگر پہلے ایک تو ان کا ٹرپ ایک ہفتے کا ہوتا تھا۔ کیونکہ سجیلہ کی چھٹیاں صرف پندرہ دن کی ہوا کرتی تھیں اور دوسرے نعمان ان کے ساتھ نہیں جاتا تھا مگر اس بار اس نے بھی دفتر سے چھٹی لے لی تھی۔ ایک ہفتہ وہ لوگ اسلام آباد میں گھومتے رہے پھر تنزیلہ کی فیملی اور وہ لوگ مری کاغان اور ناران کی سیر کو نکل گئے۔

تنزیلہ کے ساس سسر اور اس کے جیٹھ کی فیملی بھی ساتھ تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے خوب انجوائے کیا۔ اس لیے پندرہ روز کے بعد وہ لوگ گھر لوٹے تو گزشتہ ماہ ہونے والے تکلیف دہ واقعے کی پرچھائیاں بھی بھلا

چکے تھے۔ زرمینہ تو خیر بچی تھی۔ خود سجیلہ بھی بہن کے ساتھ دکھ سکھ بانٹنے اور اتنا خوشگوار وقت گزارنے کے بعد خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

اس سے پہلے اسلام آباد سے واپسی پر گھر کی تفصیلی صفائی اور کئی کام اس کے منتظر ہوتے تھے۔ کیونکہ ہفتے بعد اسے اسکول جوائن کرنا ہوتا تھا۔ مگر اس بار ایسا کچھ نہیں تھا۔ اس لیے بچے بھی خوش تھے اور وہ خود بھی مطمئن تھی۔

صبح صبح معمول کے کام نپٹانے اور نعمان کو دفتر بھیجنے کے بعد وہ بچوں کو چھٹیوں کا کام کرواتی اور انہیں پڑھاتی۔ اس دوران زرمینہ اس کی گود میں بیٹھی رہتی یا اپنے کھلونوں سے کھیلتی رہتی۔ ماں کی مستقل قربت اور توجہ سے اس کے معصوم چہرے پر بھی اب ہر وقت رونق سی رہنے لگی تھی۔

بھابی کے ساتھ اس کی بول چال تو شروع ہو گئی تھی مگر پہلے والی بے تکلفی کا نشان بھی نہیں رہا تھا۔ انتہائی ضرورت کے وقت ہی وہ دونوں ایک دوسرے کو مخاطب کرتی تھیں اور وہ بھی روکھے پھیکے انداز سے۔

شروع کے چند دن تو سجیلہ کو تھوڑی سی امید تھی کہ شاید بھابی اتنی بڑی زیادتی کے بعد معذرت کریں یا تلافی کی کوشش کریں۔ مگر ان کا انداز ہمیشہ والا تھا۔ ناراضی اور اکڑ کہ ان کو ہی منایا جائے۔ اس لیے سجیلہ نے بھی ان سے امید کرنی چھوڑ دی البتہ ان کے اسلام آباد سے آنے کے چار روز بعد بھابی نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے اس کے پاس بھیجا تھا کیونکہ اس سے پہلے ان کو پڑھانے اور چھٹیوں کا کام کروانے کی ذمہ داری اس کی ہوتی تھی۔ مگر اس نے یہ کہہ کر بچوں کو واپس بھیج دیا کہ اب وہ اپنی مما سے ہی پڑھا کریں۔

بچوں نے جا کر بھابی کو بتایا تو ان کا غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔ انہوں نے سجیلہ سے اس بارے میں کچھ کہا تو نہیں۔ مگر دوبارہ بچوں کو اس کے پاس بھیجا بھی نہیں اور ان کا رویہ سجیلہ اور اس کے بچوں کے ساتھ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا اور پہلی بار بھابی کے خراب موڈ اور ناراضی کا سجیلہ پر رتی برابر اثر نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

”بھابی! میں آئندہ سے اپنے کپڑے خود دھویا کروں گی۔ ماسی ایک تو کپڑے ٹھیک سے نہیں دھوتی۔ اوپر سے پیسے بھی بہت لیتی ہے۔ میں نے کل اسے بتا دیا تھا۔ اس لیے اب اس سے صرف آپ کو ہی کپڑے دھلوانے ہیں۔ لہٰذا پیسوں کی بات کر لیجئے گا۔“ اس روز ناشتے کی میز پر سجیلہ نے نعمان اور اعجاز بھائی کے سامنے بھابی سے کہا۔

اعجاز بھائی اور نعمان نے تو اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ البتہ بھابی ناشتہ کرنا چھوڑ کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔ جب سے اس نے جاب چھوڑی تھی۔ انہیں دھچکے پر دھچکے دیے جا رہی تھی۔ پہلے اس نے ان کے بچوں کو پڑھانے سے انکار کیا۔ پھر رات کے کھانے کی طرح ناشتے ’دوپہر کے کھانے ماسی سے صفائی کروانے اور کپڑے دھلوانے کی بھی ایک ایک دن کی باری مقرر کر دی اور اب خود کپڑے دھونے کا یہ نیا شوشا۔

ان کا دل چاہا کہ اس کا منہ ہی نوچ لیں۔ جب سے وہ گھر بیٹھی تھی۔ انہیں مسلسل زچ کیے جا رہی تھی۔ پہلے وہ صبح دیر تک سویا کرتی تھیں پھر مارننگ شو دیکھتے ہوئے سجیلہ کا بنا کر رکھا ہوا ناشتہ کرتیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے ماسی پر حکم چلاتے ہوئے گھر کی صفائی بھی کروا لیا کرتیں اور دوپہر کا کھانا تو ہوتا ہی بہت سادہ تھا۔ بلکہ اکثر تو سالن بھی رات والا ہی بچا ہوتا تھا تو ایسے میں انہیں صرف روٹیاں پکانا ہوتی تھیں۔ اور کپڑے تو نہ انہوں نے کبھی دھلوائے تھے نہ ہی تہ کیے تھے۔ بس جو استری کرنا ہوتے ’وہ ماسی کو بتا دیتیں اور وہ وہیں لاؤنج میں ہی استری لگا کر استری کر دیا کرتی۔ مگر اب کپڑے دھلوانے اور سمیٹنے کا کام بھی کرنا پڑتا اور ناشتہ بنانے کے لیے صبح صبح اٹھنا بھی پڑتا۔ اور یہ تو انہیں چند روز میں ہی معلوم ہو گیا تھا کہ ناشتہ بنانا۔ باقی دونوں وقت کا

کھانا بنانے سے زیادہ مشکل کام ہے۔

ہر کسی کی الگ پسند تھی۔ کسی کو فرائی انڈہ درکار ہوتا تو کسی کو آملیٹ، کوئی پراٹھا مانگتا اور کسی کو فرنچ ٹوسٹ چاہیے ہوتے۔ وہ ہلکان ہو کر رہ جاتیں۔ جبکہ ان کے برعکس سجیلہ اپنی باری والے دن بڑے آرام سے سارا کام کر لیتی۔ ایک تو ویسے ہی کام کرنے میں زیادہ پھرتیلی تھی۔ پھر جب سے اس کی شادی ہوئی تھی ناشتہ وہی بناتی آئی تھی۔ اس لیے اس کی خوب پریکٹس بھی تھی۔ بلکہ پہلے تو اسے ناشتہ بنانے اور کرنے کے ساتھ ساتھ تیار ہونے کی بھی فکر ہوتی تھی۔ مگر اب وہ خود بھی سکون سے ناشتہ کرتی تھی اور زرمینہ کو بھی اپنے ہاتھ سے کرواتی تھی۔ ساتھ ساتھ دونوں بڑے بچوں اور نعمان کا بھی دھیان رکھتی کہ انہیں ان کی پسند کا ناشتہ ملے اور جس روز بھابھی ان میں سے کسی کا ناشتہ بناتے ہوئے ڈنڈی مارتیں۔ وہ فوراً" انہیں ٹوک دیتی۔

پھر اگر بھابی بھولی ہوئی چیز بنا دیتیں تو ٹھیک ورنہ اگلے روز وہ ان کے بچوں میں سے کسی کی پسند کا ناشتہ بنانا بھول جاتی اور اسی کی طرح بھابی کو بھی مطلوبہ چیز خود بنانا پڑتی۔ جس پر وہ برا مان جاتیں اور اکثر دونوں میں بحث بھی ہو جاتی۔ اس لیے اعجاز بھائی نے اس روز روز کے ڈرامے سے تنگ آکر ایک روز ناشتے کی میز پر ہی آرڈر جاری کر دیا کہ وہ دونوں اپنی اپنی فیملی کا ناشتہ روز خود بنائیں۔

اب یہ ایک اور ستم تھا کیونکہ اب بھابی کو روز ہی اپنی نیند کی قربانی دینا پڑتی اور صبح ہی صبح سجیلہ کے منہ بھی لگنا پڑتا جو روز ان سے پہلے ہی کچن میں موجود ہوتی تھی۔ ان سب چیزوں کو برداشت کرتے کرتے بھابی کی ہمت جواب دے چکی تھی اور وہ اندر ہی اندر ناگن کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ اس لیے سجیلہ کے منہ سے کپڑے خود دھونے والی بات سن کر انہیں آگ ہی لگ گئی۔

ماسی کا انہیں پتا تھا کہ وہ کپڑے کم ہونے پر بھی پیسے کم نہیں کرے گی۔ اور انہیں یا تو ساری رقم اکیلے دینا ہو گی یا پھر اپنے کپڑے خود دھونا پڑیں گے۔ جو اتنے سارے کاموں کے ساتھ انہیں جوئے شیر لانے کے مترادف لگ رہا تھا۔ اوپر سے بچوں کو پڑھانے اور چھٹیوں کا کام کروانے کا مسئلہ دن بدن گمبھیر صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ نہ تو سجیلہ کے جتنی تعلیم یافتہ تھیں اور نہ ہی انہیں بچوں کو پڑھانے کا کوئی تجربہ تھا مگر سجیلہ کے انکار پر محض اس کی ضد میں بچوں کو خود پڑھا رہی تھیں حالانکہ یہ ان کے لیے بہت مشکل اور تھکا دینے والا کام تھا۔ پھر بچے بھی شکایت کرتے تھے کہ ان کا پڑھایا ہوا آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا اور وہ چاہتے تھے کہ یا تو پھر سے چچی سے پڑھنا شروع کر دیں یا پھر ان کے لیے ٹیوٹر کا بندوبست کر دیا جائے۔ بعض اوقات وہ بھابی کی کوئی غلطی بھی نکال دیتے اور ایسے میں بھابی خفت کے مارے آپے سے باہر ہو جایا کرتی تھیں۔ اور بچوں کو مارنے سے بھی گریز نہیں کرتی تھیں۔ اس لیے بھی بچے ان سے پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

"تم لوگ ایک ہی بار الگ کیوں نہیں ہو جاتے۔ ہر روز ایک نیا ڈرامہ کرنا ضروری ہے۔" سجیلہ کو گھورتے ہوئے بھابی نے طنزیہ انداز اختیار کیا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک یہ ان کی سب سے پسندیدہ دھمکی ہوا کرتی تھی۔ جسے وہ بات بہ بات استعمال کرنے کی عادی تھیں۔ اور ان کی اس دھمکی سے سجیلہ فوراً" ڈر بھی جایا کرتی تھی۔ مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ اس لیے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"وہ آپ کی مرضی ہے۔" چائے پیتے ہوئے اس نے سکون سے کہا۔

بھابی کے تن بدن میں اس کے پرسکون لہجے نے آگ سی لگا دی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ زور سے ٹیبل پر پٹخا۔ کپ میں موجود چائے اچھلی اور ٹیبل پر پڑی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں لڑھک گئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے ثمینہ!" اعجاز بھائی گرجے۔

عام حالات میں بھابی ان کے غصے سے کافی ڈرتی تھیں مگر اس وقت وہ خود اتنے غصے میں تھیں کہ انہیں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

[illegible] سے [illegible] نہیں [illegible]
یہ مجھ سے نہیں [illegible] بیگم سے پوچھیں۔
جب سے یہ نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھی ہے۔ اس نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ یہ کام اب ایسے ہو گا' وہ کام ویسے ہو گا۔ آج میں یہ کروں گی' کل آپ نے کرنا ہے۔ ہر وقت اس کی یہی چیخ چیخ رہتی ہے۔ میری زندگی اس نے عذاب کر دی ہے۔" غصے میں وہ اونچا اونچا بول رہی تھیں۔

غنیمت تھا کہ بچے ناشتہ کرنے کے بعد پچھلے صحن میں کھیلنے کے لیے چلے گئے تھے۔ صرف زرمینہ وہاں تھی اور سجیلہ کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بھابھی کے چلّانے پر وہاں سے ذرا زیادہ چپک گئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے نعمان!" اعجاز بھائی نے سوالیہ نظروں سے نعمان کی طرف دیکھا۔ "آخر اتنے سالوں سے گھر کا نظام چل ہی رہا تھا۔ پھر اب تبدیلیوں کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔"

اعجاز بھائی گھریلو حالات میں دخل اندازی کے قائل نہیں تھے مگر اب روز ہی کوئی نہ کوئی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس لیے انہیں بولنا پڑا۔

"تبدیلی کی ضرورت تو پڑنا ہی تھی بھائی! پہلے سجیلہ جاب کرتی تھی اس لیے سیٹ اپ کچھ اور تھا۔ مگر اب اس نے جاب چھوڑ دی ہے۔ اور چھوڑی بھی اسی وجہ سے ہے کہ بھابی کو ہمارے بچوں کا خیال رکھنا گراں گزرتا تھا۔ حالانکہ اسی وجہ سے سجیلہ نے کئی اضافی ذمہ داریاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ مگر اب جب یہ دونوں ہی گھر پر ہوتی ہیں اور کوئی کسی پر احسان بھی نہیں کر رہا تو دونوں میں کاموں کی تقسیم برابر ہونی چاہیے اور یہ تقسیم چاہیں تو آپ خود کر دیں۔" نعمان نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

اعجاز بھائی سوچ میں پڑ گئے۔ بھابی کے رنگ ڈھنگ سے وہ اتنے انجان بھی نہیں تھے۔ بلکہ کئی بار تو انہیں دبی زبان سے ٹوک بھی دیا کرتے تھے کہ سجیلہ پر ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں اور اسے آرام کا بالکل وقت نہیں ملتا مگر ایسی ہر بات کو بھابی ان سنا کر دیا کرتی تھیں۔

[illegible] بھلا کیسے اپنی بیوی کی زبان [illegible] ہے ایسے ہوتے ہیں زن مرید۔" بھابی نے چمک کر کہا۔ انہیں نعمان کا سجیلہ کی طرف داری کرنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"تم چپ رہو۔" اعجاز بھائی نے انہیں جھڑکا اور نعمان کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

"اس وقت تو مجھے دیر ہو رہی ہے۔ شام کو اس بارے میں بات کریں گے۔"

نعمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بھابی اب کھا جانے والی نظروں سے سجیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جو سکون سے چائے پیتے ہوئے گود میں بیٹھی زرمینہ سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر ایسا اطمینان تھا جو بھابی نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہیں اس پر بری طرح سے تاؤ آنے لگا۔

"گھنی میسنی نہ ہو تو۔"

انہوں نے زور سے اپنی کرسی پیچھے گھسیٹی اور پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ اعجاز بھائی جو خود بھی آفس جانے کے لیے اٹھ چکے تھے۔ اپنی بیگم کا یہ انداز دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

☆ ☆ ☆

اگلے کئی روز تک گھر کا ماحول کشیدہ رہا۔ اگرچہ اعجاز بھائی اور نعمان نے کئی مرتبہ بھابی اور سجیلہ کو سامنے بٹھا کر معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر ان کی ایسی ہر کوشش کو بھابی نے ناکام بنا دیا تھا۔ ان کے پاس چونکہ اپنے حق میں کوئی دلیل نہیں تھی اس لیے بات شروع ہوتے ہی وہ لڑنے جھگڑنے پر تل جایا کرتی تھیں اور سجیلہ کو برملا خود غرض اور مطلبی جیسے القابات سے نوازنے لگتی تھیں۔ جبکہ ان کے برعکس سجیلہ بالکل پرسکون رہتی تھی اور اسے کاموں کی کسی بھی طرح سے کی گئی تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بشرطیکہ وہ تقسیم برابری کی سطح پر ہوتی اور یہی برابری بھابی کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ انہیں سجیلہ پر

دونوں جملے بولے اس پر حکمرانی کرنے کی عادت پڑ گئی [illegible] ممکن نہیں رہا تھا۔ اس لیے وہ عمل کو دوسرے چڑھنے ہی نہیں دیتی تھیں۔

بالآخر روز روز کے جھگڑے سے تنگ آ کر دونوں بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا کیونکہ گھر کی تعمیر ہی اس طرح سے کی گئی تھی کہ بوقت ضرورت اسے دو حصوں میں آسانی سے تقسیم کیا جا سکے۔ اس لیے تھوڑی بہت اضافی تعمیر کے بعد یہ کام ہو گیا۔ تعمیر اور مرمت پر جو اخراجات ہوئے، وہ دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم کیے گئے اور اس معاملے میں بھابی نے کوئی دخل نہیں دیا۔ البتہ جب گھر کی چیزوں کو تقسیم کرنے کی باری آئی تو ایک بار پھر ان کا واویلا شروع ہو گیا۔ وہ سجیلہ کو اس کی خود کی خریدی ہوئی اور اس کے جہیز کی چیزوں کے علاوہ کچھ بھی دینے کو تیار نہیں تھیں۔ اس لیے نعمان کے کہنے پر سجیلہ کو ان تمام چیزوں سے دستبردار ہونا پڑا۔ جو اس کے ساس سسر کے زمانے میں گھر میں آئی تھیں یا اعجاز بھائی اور نعمان نے پیسے ملا کر خریدی تھیں۔

اس دستبرداری کی وجہ سے انہیں کافی کچھ نیا خریدنا پڑا۔ البتہ کچن میں استعمال ہونے والی زیادہ تر الیکٹرونک چیزیں سجیلہ کی تھی۔ جو اس نے اپنی سہولت اور وقت کی کمی کے پیش نظر وقتاً" فوقتاً" خود خریدی تھیں۔ اس لیے وہ اپنے سارے الیکٹرونک آئٹمز اپنے کچن میں لے آئی تو بھابی کا کچن اجڑ کر رہ گیا۔ اور انہیں بھی کئی چیزیں نئی لینا پڑیں۔

سجیلہ کو اسکول سے اپنے واجبات مل گئے تھے۔ اس لیے ان پیسوں سے انہوں نے ضروری چیزیں خریدنے کے علاوہ اپنے پورشن میں رنگ بھی کروا لیا اور سجیلہ خوشی خوشی اپنا گھر سجانے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے اپنی طرف سے ماسی کی مکمل چھٹی کر دی اور گھر کے سارے کام خود کرنے لگی۔ اسے چونکہ دن کے وقت آرام کرنے، ٹی وی دیکھنے اور فون پر لمبی لمبی کالز کرنے کا بالکل بھی شوق نہیں تھا۔ اس لیے اپنے [illegible] بھی اس کے پاس کافی وقت بچ رہتا تھا۔

سحر خیزی کی عادت تو اس کی پرانی تھی اور اتنی پختہ تھی کہ وہ اگر چاہتی بھی تو زیادہ دیر تک نہیں سو سکتی تھی۔ اس لیے اس کے بیشتر کام صبح ہی صبح نمٹ جایا کرتے تھے۔ صبح سویرے شوہر اور بچوں کی پسند کا ناشتہ تیار کر کے وہ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر اہتمام سے ناشتہ کرتی۔ پھر نعمان آفس چلا جاتا اور بچے کھیل میں لگ جاتے تو وہ گھر کی صفائی ستھرائی اور کپڑے دھونے کا کام کرتی اور دس بجے تک بچوں کو پڑھانے بیٹھ جاتی۔ روم کولر انہوں نے لاؤنج میں سیٹ کر لیا تھا۔ اور دن بھر وہ اور بچے وہیں رہتے۔ اے سی بیڈ روم میں تھا۔ اور صرف رات کو چند گھنٹوں کے لیے ہی چلایا جاتا تھا۔ اس لیے میٹر الگ ہونے کے بعد ان کا بجلی کا بل بھی پہلے کی نسبت بہت کم آنے لگا تھا۔ کیونکہ دن بھر تو صرف لاؤنج کا کولر ہی چلتا تھا۔ سجیلہ وہیں بچوں کو پڑھاتی، چھٹیوں کا کام کرواتی اور بعض اوقات ان کے ساتھ کھیلتی بھی۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے کام بھی کیے جاتی۔ وہیں سبزی بناتی۔ کپڑے استری کرتی اور اکثر سلائی بھی کر لیتی۔

جاب چھوڑنے کے بعد اس نے زرمینہ کے فراک اور دونوں بیٹوں کے لیے کرتا شلوار گھر پر ہی سینا شروع کر دیے تھے۔ خود اپنے کپڑوں کا تو اس کے پاس پورا ڈھیر تھا۔ کیونکہ اس کے اسکول میں ٹیچرز کا اچھی ڈریسنگ کرنا ضروری تھا۔ اس لیے وہ نہ صرف ہر مہینے دو، تین نئے جوڑے بناتی تھی بلکہ سارے اچھے کپڑے اسکول کے لیے رکھ چھوڑنے کی وجہ سے گھر پر اکثر ہی پرانے اور بوسیدہ کپڑوں میں نظر آتی تھی۔ مگر اب اس نے اپنے کپڑوں کی تقسیم اس طرح سے کر لی تھی کہ زیادہ نئے اور مہنگے کپڑے استری کر کے الماری میں لٹکا دیے تھے۔ جنہیں وہ کہیں باہر جاتے یا فنکشنز وغیرہ پر پہنتی اور نسبتاً" زیادہ پہنے ہوئے سوٹ گھر پر پہننا شروع کر دیے تھے۔ اس لیے اب

اس کا حلیہ بھی پہلے سے بہت اچھا ہوتا تھا۔ ویسے بھی اب وہ اپنا کافی خیال رکھنے لگی تھی۔

اس بار تنزیلہ نے اسے ایک مہنگی اور معیاری فیشل کٹ بھی گفٹ کی تھی۔ اور وہ ہر پندرہ دن کے بعد باقاعدگی سے اپنا فیشل کرنے لگی تھی۔ اس لیے دن بدن نکھرتی جارہی تھی اور نعمان اب اکثر ہی اس کی تعریفیں کرتا پایا جاتا تھا اور اس کے انداز میں **سجیلہ** کے لیے پرانی محبت اور گرمجوشی بھی واپس لوٹ آئی تھی جو **سجیلہ** کے لیے بہت خوشی کا باعث تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ خوشی اسے اپنے بچوں کو دیکھ کر ملتی تھی۔ جو ماں کی مستقل توجہ اور محبت کی وجہ سے پہلے سے کئی گناہ زیادہ خوش نظر آتے تھے۔

اب وہ ان کو پہلے سے زیادہ توجہ سے پڑھاتی ' ان کے ساتھ مختلف گیمز کھیلتی ' انہیں کہانیاں سناتی اور ان کی پسند کے نت نئے کھانے بنا کر کھلاتی تو بچے خوشی سے نہال ہو جاتے اور ان کی خوشی **سجیلہ** کا سیروں خون بڑھا دیتی تھی۔

سب سے زیادہ فرق زرمینہ پر پڑا تھا۔ جو پہلے ایک کم گو اور دبی دبائی سی بچی نظر آتی تھی۔ اب ہر وقت ماں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس میں اعتماد آتا جارہا تھا۔ اور وہ پہلے کی طرح خاموش رہنے کے بجائے ہنستی کھلکھلاتی اور شرارتیں کرتی دکھائی دیتی تھی۔ اپنے بچوں کو خوش باش دیکھ کر **سجیلہ** جہاں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی وہیں گھریلو اخراجات کا خیال کبھی کبھی اسے پریشان بھی کر جاتا تھا۔ کیونکہ ہر طرح سے کفایت شعاری اور بچت کرنے کے باوجود صرف نعمان کی تنخواہ سے سارے اخراجات پورے کرنا ممکن نہیں تھا اور انہیں ہر ماہ بینک میں موجود اپنی جمع پونجی میں سے رقم لینا پڑتی تھی۔ اور ایسا کرتے ہوئے **سجیلہ** ہمیشہ پریشان ہو جاتی تھی اور سوچتی تھی کہ جب یہ رقم ختم ہو جائے گی تو وہ کیا کریں گے۔

ابھی تو بچے چھوٹی کلاسز میں تھے۔ مگر آگے چل کر ان کے اخراجات میں اضافہ ہونا لازمی تھا۔ اس لیے بچوں کی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد جب اس کو اولیول کے تین بچوں کی ٹیوشن ملی تو اس نے پڑھانے سے انکار نہیں کیا۔ ورنہ ایسی آفرز تو اس کو پہلے بھی کالونی کے مختلف گھروں سے آتی رہتی تھیں مگر تب نہ اس کے پاس پڑھانے کا وقت ہوتا تھا اور نہ ہی اضافی آمدنی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ مگر اب اس کے پاس وقت بھی تھا اور اسے رقم کی ضرورت بھی تھی۔ اس لیے اس نے ہامی بھرلی اور شام کے اوقات میں اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ ٹیوشن کے لیے آنے والے بچوں کو بھی پڑھانے لگی۔ البتہ اس نے اس کام کے لیے صرف دو گھنٹے کا وقت مختص کیا تھا۔ اور زیادہ چھوٹے بچوں کی ٹیوشنز ملنے کے باوجود اس نے انہیں پڑھانے سے معذرت کرلی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ پھر سے کمائی کے چکر میں اتنی الجھ جائے کہ اس کا گھر ڈسٹرب ہونے لگے۔

ٹیوشنز پڑھانے سے آمدنی میں کسی قدر اضافہ ضرور ہوا تھا۔ مگر وہ اتنا نہیں تھا کہ بینک سے رقم نکالنے کی ضرورت نہ پڑے۔ کیونکہ چھٹیاں ختم ہونے کے بعد اچھی خاصی رقم اب بچوں کی اسکول فیس کی مد میں بھی جانے لگی تھی مگر اب **سجیلہ** کو اطمینان ہو گیا تھا کہ بوقت ضرورت وہ زیادہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر گھر کی آمدنی میں اضافہ کر سکتی ہے۔

✲ ✲ ✲

موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ گرمیاں اختتام پذیر تھیں اور صبح اور رات کے اوقات میں ہلکی ہلکی خنکی ہونے لگی تھی جو بہت بھلی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے اس روز نعمان اور دونوں بیٹوں کے جانے کے بعد **سجیلہ** نے ناشتے کے برتن دھوئے اور گھر کی تفصیلی صفائی میں جت گئی۔ پورا گھر آئینے کی طرح چمکانے کے ساتھ ساتھ اس نے گرمیوں والے کپڑے پیٹی اور بکسوں میں رکھ کر درمیانے موسم میں پہنے جانے والے کپڑے نکالے۔ ان سارے کاموں میں سوا ایک بج گیا۔ کام ختم کرنے کے بعد گھڑی پر اس کی نظر پڑی تو وہ گھبرا گئی۔

نعمان اور بچوں کے آنے میں پون گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ اور اس نے کھانے کی کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ غنیمت تھا کہ زرمینہ تھوڑی دیر پہلے ہی سوئی تھی۔ اس لیے وہ بھاگم بھاگ کچن میں پہنچی اور چکن پلاؤ بنانے کی تیاری کرنے لگی۔ کیونکہ اس وقت واحد یہی ڈش تھی جو جلدی بن بھی جاتی اور نعمان اور بچوں کو یکساں پسند بھی تھی۔

فریزر میں مٹر موجود تھی جو وہ ہمیشہ چھیل کر رکھتی تھی۔ ساتھ اس نے دو آلو بھی کاٹ کر پلاؤ میں ڈال دیے۔ اور آدھے گھنٹے بعد ہی وہ مزیدار چکن ویجی ٹیبل پلاؤ کو دم پر لگا رہی تھی۔ رائتہ اس نے ساتھ ہی بنا لیا تھا اس لیے چاول دم پر لگا کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وقت کم ہونے کے باوجود شوہر اور بچوں کا من پسند کھانا تیار کر لینے کی کامیابی کا احساس اور چمکتا دمکتا گھر دیکھ کر تھکن کے باوجود اس کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا۔

اس نے الماری کھول کر جارجٹ کا خوب صورت سا گلابی سوٹ نکالا۔ جس پر گہرے گلابی ریشم کی نفیس سی کڑھائی کی ہوئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے وہ سوٹ پہنا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر بال بنانے لگی۔ ایک روز پہلے کیے گئے تازہ تازہ فیشل اور اندرونی خوشی کے باعث اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کا موڈ کچھ اور خوشگوار ہو گیا۔ بال بنا کر اس نے گلابی لپ اسٹک لگائی اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے جھمکے لٹکا کر دوپٹا گلے میں ڈالتی باہر نکل آئی۔ جہاں بجتی کال بیل نعمان اور بچوں کے آنے کا اعلان کر رہی تھی۔

دروازہ کھول کر اس نے باری باری دونوں بچوں کو پیار کیا اور انہیں کپڑے بدلنے کے لیے بھیج کر خود نعمان کی ستائشی نظروں پر دل ہی دل میں خوش ہوتی کچن میں چلی آئی۔

"کیا بات ہے بیگم صاحبہ! آج تو آپ غضب ڈھا رہی ہیں۔" نعمان اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا تھا۔

گلابی رنگ میں سجیلہ اسے ہمیشہ ہی بہت حسین لگا کرتی تھی اور ان دنوں تو اسے ویسے بھی وقت بے وقت اس پر پیار آتا رہتا تھا۔

"آپ بھی ناں۔" وہ شرما کر ہنسی اور سیدھی نعمان کے دل میں اتر گئی۔

"یار! قسم سے اگر مجھے پتا ہوتا ناکہ گھر پر رہنے کا تم پر اتنا خوشگوار اثر پڑے گا تو میں کبھی تمہیں جاب کرنے ہی نہ دیتا۔" اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ محبت پاش نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سجیلہ گلابی پڑ گئی۔

"کیا کر رہے ہیں۔ ابھی بچے آجائیں گے۔" اس نے جھینپ کر کہتے ہوئے نرمی سے اپنے ہاتھ چھڑانا چاہے۔

"تو آجائیں۔" نعمان نے گرفت مضبوط کی۔

"میری جائز اور بالکل اپنی بیوی ہے۔ میری چھوٹی سی جنت کی ملکہ۔" وہ اب وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ چوم رہا تھا اور سجیلہ کو اپنی شادی کے ابتدائی دن یاد آنے لگے تھے۔

تب وہ ایسے ہی اس پر فریفتہ ہوا کرتا تھا۔ مگر پھر نہ جانے کیسے زندگی اتنی مصروف ہوتی چلی گئی کہ محبت کے رنگ پھیکے پڑنے لگے۔ سجیلہ کو چند ماہ پرانا وقت یاد کر کے جھرجھری سی آئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کس قدر دور ہو گئے تھے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ دوری بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر شکر ہے کہ وہ دور اب گزر چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔ آج آپ کچھ زیادہ ہی رومانٹک نہیں ہو رہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے نعمان سے سوال کیا۔

"آج میں بہت خوش ہوں یار! اور تم اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ تمہیں دیکھ کر میری خوشی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔" آہستگی سے اس کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے نعمان نے جواب دیا تھا۔

"اچھا وہ کیوں؟" کاؤنٹر سے ڈش اٹھا کر وہ چولہے کی طرف مڑی تاکہ چاول نکال سکے۔

"میری پروموشن ہو گئی ہے یار!" نعمان خوشی سے

چونکا۔

سجیلہ کے ہاتھ سے کفگیر چھوٹ گیا۔

"کیا واقعی؟" وہ پلٹ کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ دیکھو۔" نعمان نے اپنی قمیص کی اوپری جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"میری پروموشن کے آرڈر کی کاپی ہے۔ اور مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ پروموشن چار ماہ پرانی تاریخ سے ہوئی ہے۔ یعنی پچھلے چار ماہ کے ایریئرز بھی ملیں گے۔" وہ اسے تفصیل بتا رہا تھا اور سجیلہ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے دھندلائی جا رہی تھیں۔

نعمان کی یہ پروموشن کتنے عرصے سے رکی ہوئی تھی۔ اس نے ہر طرح کے جتن کر کے دیکھ لیے تھے۔ مگر کامیابی نہیں ملی تھی اور اب جب اس نے مایوس ہو کر اس بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا تو اچانک ہی اس کو پروموشن لیٹر مل گیا تھا۔

"یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اس نے بے حد شکر گزاری سے کچن کی کھلی کھڑکی سے نظر آتے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

بچوں کا مڈ ٹرم کا رزلٹ آیا تھا۔ اور دونوں نے ہی اپنی اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن لی تھی۔ پڑھائی میں تو خیر وہ شروع سے ہی اچھے تھے مگر اس بار ان کے گریڈز پہلے سے زیادہ اچھے آئے تھے۔ اور ایسا سجیلہ کی ان پر پہلے سے زیادہ توجہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ نعمان نے رات کے کھانے کے بعد رزلٹ کارڈز دیکھے تو وہ بھی بہت خوش ہوا۔

"یہ سب تمہاری انتھک محنت اور توجہ کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔ تمہارا بہت شکریہ سجیلہ! تم واقعی ہمارے گھر کا بنیادی ستون ہو۔" اس نے ممنونیت سے سجیلہ کا چہرہ دیکھا۔

سجیلہ جھینپ گئی۔ "ایسی باتیں نہ کریں۔ یہ سب میرا فرض ہے۔ اور میں کچھ ایکسٹرا نہیں کرتی۔ آپ بھی تو اتنی محنت کرتے ہیں ہمارے لیے تو آپ ہی گھر کا بنیادی ستون ہیں۔"

اس نے نرمی سے نعمان کے الفاظ اس کو واپس لوٹائے تھے۔ نعمان خوش دلی سے ہنس دیا۔

"پاپا! اس ویک اینڈ پہ ہم کہیں گھومنے چلیں۔" حسیب نے نعمان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ضرور چلیں گے بیٹا! اور پورا دن گھوم پھر کر گزاریں گے۔" نعمان کچھ زیادہ ہی خوش تھا اس لیے فوراً" مان گیا۔

"یاہو۔" بچے خوشی سے نعرے لگاتے باہر کی طرف بھاگ گئے اور نعمان مسکراتے ہوئے ایک بار پھر سجیلہ کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی بہت سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" نعمان نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" سجیلہ نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔

"ایسے ہی خیال آگیا تھا کہ ہم سب باہر جائیں گے تو ہمیں ٹیکسی سے جانا ہوگا اور ایسے جانے سے آؤٹنگ کی خوشی آدھی رہ جاتی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اوہ۔" نعمان فوراً" سمجھ گیا۔ سجیلہ کا عرصے سے خواب تھا کہ ان کے پاس بے شک چھوٹی سی ہو مگر اپنی کار ہو تاکہ انہیں اکٹھے کہیں جاتے ہوئے رکشے یا ٹیکسی کا سفر نہ کرنا پڑے اور اس نے اس سلسلے میں پلاننگ بھی کر رکھی تھی کہ وہ اس سال کے آخر تک بینک سے گاڑی لیز کروالیں گے۔ ڈاؤن پیمنٹ کے لیے وہ رقم جمع کر رہی تھی اور قسط اس نے سوچا تھا کہ وہ اپنی تنخواہ سے ادا کرتی رہے گی۔ مگر پھر اس کو اچانک ہی جاب چھوڑنا پڑ گئی تو ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔ پہلے پہل تو اس نے اس چیز کو بہت زیادہ محسوس نہیں کیا تھا مگر ہفتہ بھر پہلے جب اعجاز بھائی نے گاڑی خریدی تو اس کی خوابیدہ خواہش پھر سے انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی۔ لیکن فی الحال اس خواہش کے پورا ہونے کا دور دور تک

کوئی امکان نہیں تھا۔ کیونکہ نعمان کی ترقی اور اس کی ٹیوشنز کے بعد بس یہ ہوا تھا کہ ان کی ماہانہ آمدن میں گھر کا خرچ خوش اسلوبی سے چلنے لگا تھا۔ اور بینک میں جو چند لاکھ کی رقم تھی' وہ محفوظ ہو گئی تھی کیونکہ اب انہیں بینک سے رقم نہیں لینا پڑتی تھی۔ ایسے میں گاڑی لینا اور گاڑی کا خرچ اٹھانا' اس کا صرف خواب ہی دیکھا جا سکتا تھا۔

"اللہ سے دعا کیا کرو سجیلہ! جو کچھ بھی دینا ہے اس نے ہی دینا ہے اور وہی وسیلہ بھی بنانے والا ہے۔ جہاں اس نے اب تک اتنا نوازا ہے وہیں آئندہ کے لیے بھی وہی کارساز ہے۔"

اس نے نرمی سے سجیلہ کو سمجھایا تو سجیلہ اپنی اداسی پر تھوڑی شرمندہ سی ہو گئی۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ ہر چیز ملنے کا ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آتا ہے تو وسیلہ خود بخود بن جایا کرتا ہے۔" نعمان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مسکرا کر پورے یقین سے بولی تھی۔

"ویری گڈ! چلو پھر اب چائے لے آؤ۔" نعمان بھی مسکرا دیا اور ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر اپنی پسند کا چینل تلاش کرنے لگا جبکہ سجیلہ چائے بنانے کے لیے کچن کی طرف چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

بچوں کے رزلٹ کارڈ میز پر کھلے پڑے تھے اور اعجاز بھائی بری طرح سے گرج رہے تھے۔

"اتنا برا رزلٹ آج تک بچے نہیں لائے۔ پھر اب ایسا کیا ہو گیا کہ ان کے گریڈز اتنے نیچے چلے گئے۔"

بچوں کی ڈانٹ ڈپٹ سے فارغ ہو کر اب وہ بھابی کی طرف روئے سخن موڑ چکے تھے۔ جو ان کے غصے سے سہمی جا رہی تھیں۔

"مم' میں کیا بتاؤں۔" وہ منمنائیں۔ "یہ تو ٹیوٹر کو ہی پتا ہو گا۔"

انہوں نے خود کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کی اور اس کوشش نے اعجاز کا پارہ اور اوپر چڑھا دیا۔

"تم سارا دن کیا کرتی ہو۔ صفائی ماسی کرتی ہے۔ کپڑے دھلوانے استری کروانے حتیٰ کہ برتن تک دھونے کا کام تم اس سے کرواتی ہو۔ پھر بھی تمہارے پاس بچوں کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ آخر تم دن بھر کرتی کیا ہو۔ سجیلہ بھی تو ہے۔ گھر کا سارا کام بھی خود کرتی ہے اور بچوں کو پڑھاتی بھی ہے۔ تمہیں پتا ہے نعمان کے دونوں بچوں نے پہلی پوزیشن لی ہے اور اپنے بچوں کو دیکھو۔ پاس بھی مر مر کر ہوئے ہیں۔"

اعجاز بھائی اتنے غصے میں تھے کہ ان کے طعنوں اور سجیلہ کی مثال سن کر اندر ہی اندر جز بز ہونے کے باوجود بھابی کچھ بول نہیں پائیں۔ بس خفت زدہ انداز سے اپنے ہونٹ کاٹتی رہیں۔

"بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے بچے اب سجیلہ کے پاس ہی پڑھیں گے۔ تم کل ہی ٹیوٹر کو جواب دے دو۔"

اپنا غصہ اچھی طرح نکال لینے کے بعد وہ حتمی فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر چلے گئے اور بھابی خون کے گھونٹ پیتی بچوں کے رزلٹ کارڈز اٹھانے لگیں۔ وہ سجیلہ سے ہرگز اپنے بچوں کو نہیں پڑھوانا چاہتی تھیں۔ اگرچہ نعمان اور اعجاز بھائی کی وجہ سے ان کے اور سجیلہ کے درمیان بول چال شروع ہو گئی تھی اور ایک دوسرے کے گھر کبھی کبھار آنا جانا بھی ہو جاتا تھا۔ خصوصاً" بچے تو ابھی بھی پہلے کی طرح ہر وقت اکٹھے ہی کھیلا کرتے تھے۔ نعمان اور اعجاز بھائی کے تعلقات بھی پہلے جیسے تھے مگر سجیلہ اور بھابی کے درمیان بول چال اور آنا جانا شروع ہونے کے بعد بھی ایک عجیب سی سرد مہری اور اجنبیت باقی تھی۔ خصوصاً" بھابی کا اگر بس چلتا تو وہ اس کی شکل بھی نہ دیکھتیں۔ مگر اعجاز بھائی کی وجہ سے انہیں اس سے تعلق رکھنا پڑتا تھا۔ البتہ بچوں کے بار بار کہنے پر بھی وہ انہیں سجیلہ سے پڑھانے پر راضی نہیں تھیں۔ مگر اب یہ فیصلہ اعجاز بھائی نے خود کیا تھا۔ اس لیے اس سے روگردانی کی مجال نہیں تھی۔

اگلے روز اعجاز بھائی کے ساتھ وہ نعمان اور سجیلہ

کے گھر آئیں اور کئی مہینوں کے بعد انہوں نے سجیلہ سے اچھی طرح بات بھی کی ورنہ اس سے پہلے ان کا انداز بڑا لیا دیا سا ہوتا تھا۔

"بھئی سجیلہ! آج تو میں خاص طور پر تم سے درخواست کرنے آئی ہوں کہ میرے بچوں کو بھی تم ہی پڑھا دیا کرو۔ دو بار ان کا ٹیوٹر بدل چکی ہوں مگر وہ کسی اور سے ٹھیک طرح سے پڑھتے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ چچی کے جیسا کوئی نہیں پڑھا سکتا۔"

چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے انہوں نے ایسے لگاوٹ بھرے انداز سے کہا۔ کہ سجیلہ اور نعمان تو کیا خود اعجاز بھائی بھی حیران رہ گئے۔

"ہاں بھئی اگر سجیلہ کے پاس وقت ہو تو ہمارے بچوں کو بھی پڑھا دیا کرے۔ بچوں کی کارکردگی دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اس بار تو پاس بھی مشکل سے ہی ہوئے ہیں۔"

اعجاز بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ اور جو بول کر حصہ لیا تھا اس نے بھابی کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ انہوں نے بہت کوشش کر کے اپنے چہرے کے تاثرات نارمل رکھے تھے۔

"اور جو فیس ہم ٹیوٹر کو دیتے ہیں۔ وہی سجیلہ چارج کر لے۔"

اعجاز بھائی نے مزید کہا تھا۔ اس بار بھابی کوشش کر کے بھی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں۔ ان کے چہرے کے نقوش تن گئے۔ انہوں نے غصے بھری نظر شوہر پر ڈالی۔ پھر سجیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے لہجے میں مٹھاس بھر کر بولیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ! سجیلہ بچوں کی چچی ہے۔ بھلا وہ ان سے فیس لیتی اچھی لگے گی۔" ان کے لہجے میں بھرپور یقین تھا۔ جسے سجیلہ نے فوراً ہی جھٹلا دیا۔

"فیس تو میں ضرور لوں گی بھابی!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بچوں کو پڑھانا کتنا محنت طلب کام ہے۔ اس کا اندازہ تو اب آپ کو بھی ہو گیا ہو گا۔ آخر آپ نے بھی تو ایک ماہ تک بچوں کو پڑھایا ہی تھا۔" وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

بھابی کا منہ بن گیا۔ مگر فی الوقت وہ اسے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔ ورنہ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ان کے بچوں کو پڑھانے سے انکار ہی کر دیتی اور انہیں اعجاز بھائی سے وہیں جھڑکیاں کھانے کو مل جاتیں۔ اس لیے سجیلہ کو بہت کچھ سنانے کی خواہش دل میں دبائے وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئیں اور سامنے بیٹھی سجیلہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتی رہی۔ جبکہ نعمان اور اعجاز بھائی اب اپنی باتوں میں مصروف ہو چکے تھے۔

"تم کیا واقعی اعجاز بھائی کے بچوں کو پڑھانے کی فیس لو گی؟" ان لوگوں کے جانے کے بعد نعمان نے تشویش سے پوچھا۔

"بالکل لوں گی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر برتن میز سے اٹھانے لگی۔

"مگر سجیلہ! وہ میرے سگے بھائی کے بچے ہیں۔ ان سے فیس لینا کس قدر برا لگے گا۔" نعمان نے احتجاج کیا تھا۔ اسے ایسا کرنا تھوڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

"کوئی برا نہیں لگے گا نعمان! وہ فیس دینا افورڈ کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں رقم کی ضرورت ہے۔"

اس نے نرمی سے جواب دیا اور برتن لے کر کچن کی طرف چلی گئی۔

نعمان نے بھی مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ آخر اعجاز بھائی ٹیوٹر کو بھی تو فیس دیتے ہی تھے۔ اور وہ آسانی سے افورڈ بھی کر سکتے تھے۔ پھر سجیلہ اپنی محنت کا معاوضہ کیوں نہ لیتی۔ اس لیے نعمان نے بعد میں کچھ نہیں کہا اور اگلے روز سے بچے اس کے پاس پڑھنے کے لیے آنے لگے۔ سجیلہ ان کو پوری توجہ اور محنت سے پڑھاتی اور ہر مہینے کی پانچ تاریخ کو باقی بچوں کے ساتھ انہیں بھی فیس لانے کا کہہ دیتی۔ جو وہ اگلے ہی روز اعجاز بھائی سے لے بھی آتے۔

بچوں کی وجہ سے بھابی کا ان کے گھر آنا جانا بھی تواتر

سے شروع ہو گیا تھا۔ سجیلہ اگرچہ اب بھی ان کے گھر کم جاتی تھی مگر اس نے ان سے اچھی طرح بات چیت کرنا شروع کر دی تھی۔ ویسے بھی وہ کب تک ان سے سرد مہری برت سکتی تھی۔ اس شہر میں اب وہی تو ان کے قریبی رشتہ دار رہ گئے تھے۔

اس کی اپنی اکلوتی بہن اسلام آباد میں تھی اور بڑے بھائی امریکہ میں سالوں سے رہائش پذیر تھے جبکہ سال بھر پہلے چھوٹا بھائی بھی اپنی فیملی کے ساتھ دبئ شفٹ ہو گیا تھا۔

"ممّا! ہم گاڑی کب لیں گے؟" وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی جب منیب منہ لٹکائے باہر سے آیا اور اس سے پوچھنے لگا۔

"بیٹا! اللہ سے دعا کیا کرو۔ جب مناسب وقت آئے گا تو ہمیں بھی گاڑی مل جائے گی۔" اپنی مصروفیت میں اس نے منیب کی طرف دیکھے بغیر پیار سے جواب دیا تھا۔

"اتنے عرصے سے دعا کر تو رہا ہوں مگر گاڑی ملتی ہی نہیں۔ اور نگین کہتی ہے کہ میں ان کی گاڑی کو ہاتھ نہ لگایا کروں۔" وہ رو دینے کو تھا۔

سجیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اپنے بچوں کو قناعت اور تشکر کا جتنا بھی درس دیتی۔ انہیں ان کے تایا کے بچوں کے ساتھ چیزوں کی مقابلے بازی سے نہیں روک سکتی تھی۔ کیونکہ بچوں کا ہر وقت کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا اور اب ان دو گھروں کے درمیان صرف گاڑی کا فرق ہی نہیں تھا بلکہ جب سے اعجاز بھائی کی پروموشن ہوئی تھی ان کی معاشی خوشحالی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان کی تنخواہ میں نعمان کی طرح تھوڑا بہت فرق نہیں پڑا تھا۔ اس لیے اب ان کے گھر نت نئی چیزیں پہلے سے زیادہ تواتر سے آنے لگی تھیں۔ اس فرق کو سجیلہ اور نعمان بے شک محسوس نہ کرتے مگر بچے کرنے لگے تھے۔

سجیلہ کا دل بوجھل سا ہو گیا۔ منیب کو تو اس نے کسی نہ کسی طرح بہلا کر کھیلنے کے لیے بھیج دیا مگر خود رات تک پریشان سی رہی اور اس کی پریشانی کو نعمان نے بھی محسوس کیا۔

"کیا بات ہے۔ آج تم بہت چپ چپ ہو۔"

رات کے کھانے کے بعد وہ نعمان کے لیے چائے لے کر آئی تو اس نے پوچھ لیا اور سجیلہ کو تو جیسے کسی سامع کی ہی تلاش تھی اس نے فوراً ہی منیب کے ساتھ ہونے والی گفتگو من و عن اسے سنا دی اور ساتھ ہی اپنی سوچوں کو بھی لفظوں میں ڈھال دیا۔

"آپ خود دیکھ لیں نعمان! کتنے مہینے ہو گئے ہیں اعجاز بھائی کو گاڑی لیے مگر وہ ایک بار بھی ہمارے بچوں کو کہیں لے کر نہیں گئے۔ اب بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں نا" انہوں نے محسوس تو کرنا ہے۔ میں تو کہتی ہوں بینک میں جو رقم پڑی ہے۔ اس سے کوئی چھوٹی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی لے لیں۔ میں اپنے بچوں کو یوں احساس کمتری میں مبتلا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔" بات کرتے کرتے وہ روہانسی ہو گئی۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کیا کرو سجیلہ! اول تو اس چند لاکھ کی رقم سے کوئی ڈھنگ کی گاڑی ملے گی نہیں اور پھر تم یہ بھی تو سوچو کہ وہی رقم تو ہماری سیکیورٹی ہے اگر ہم نے وہ بھی خرچ کر دی اور کل کلاں کو ہمیں کوئی ضرورت پڑ گئی تو ہم کس سے قرض مانگتے پھریں گے۔ اس طرح کی باتیں نہ سوچو اور بچوں کو پیار سے سمجھایا کرو۔ انہیں بتایا کرو کہ ان کے پاس بہت کچھ ایسا ہے جو اعجاز بھائی کے بچوں کے پاس نہیں ہے۔

بچے تو معصوم ہوتے ہیں سجیلہ! جو خواہش بھی ان کے دل میں ابھرتی ہے اسے وہ پورا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر تم ان کی ہر خواہش پر یوں جذباتی ہوتی رہو گی تو ان کو کیسے مثبت سوچوں اور متوازن شخصیت کا مالک بنا پاؤ گی۔" اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے وہ اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا اور سجیلہ اس کی باتیں سنتے ہوئے شرمندہ ہو رہی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پتا نہیں مجھے کبھی کبھی کیا ہو جاتا ہے۔ بچے کسی معاملے میں حسرت میں مبتلا

ہوں تو مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔" وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں 'ایسا ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی بہت دفعہ ہوتا ہے۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ مجھے اپنے بچوں کو مضبوط انسان بنانے کی کوشش کرنی ہے' انہیں خواہشات کا غلام نہیں بنانا۔ تم بھی ایسا ہی سوچا کرو اور اس بات پر یقین رکھو کہ جو چیز ہمارے لیے بہتر ہو گی' وہ ہمیں ضرور ملے گی۔ بس ہمیں صحیح وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔" اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے وہ محبت سے بولا تھا۔

سجیلہ نے تشکر سے اس کی طرف دیکھا۔ ایک مضبوط' مثبت سوچ رکھنے والا اور اسے اندر تک سمجھنے والا شخص اس کا **ہمسفر** تھا۔ اور یہ کتنی بڑی نعمت تھی اسے بخوبی احساس ہو رہا تھا۔ وہ نعمان کا چہرہ دیکھتے ہوئے پورے دل سے مسکرائی تھی۔

موسم ایک بار پھر تبدیل ہو رہا تھا۔ بہار تقریباً رخصت ہو چکی تھی اور گرمی کی آمد آمد تھی۔ نعمان اور بچوں کے آنے کا وقت تھا۔ اس لیے **سجیلہ** کچن میں جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔ آج صبح حسیب **اسپیگیٹھی** کی فرمائش کر کے گیا تھا۔ اس لیے اسے سالن روٹی کے علاوہ **اسپیگیٹھی** بھی بنانا تھی۔ کیونکہ نعمان کو ہر صورت دوپہر کو چاول یا روٹی ہی چاہیے ہوتی تھی۔ وہ روٹیاں پکا کر فارغ ہی ہوئی تھی جب لاؤنج میں رکھے پی ٹی سی ایل کی گھنٹی بجی۔

"آپی! کہاں غائب ہیں۔ دس بار میں نے آپ کے موبائل پر کال کی ہے۔ مگر آپ نے اٹینڈ ہی نہیں کی۔" دوسری طرف تنزیلہ تھی جو اپنی عادت کے مطابق تیز تیز بول رہی تھی۔

سجیلہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ موبائل کی بیل اس نے گھنٹہ بھر پہلے ہی زرمینہ کو سلانے کے بعد بند کی تھی اور پھر موبائل پاس رکھنا بھول گئی۔

"سوری تنزیلہ! موبائل بیڈ روم میں تھا۔ مجھے تمہارے فون کا پتا نہیں چلا۔ تم بتاؤ سب خیریت ہے نا۔"

اس نے معذرت کی تھی۔ اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ تنزیلہ جلد باز ہے۔ اور اسے کسی بھی قسم کا انتظار کرنے سے کوفت ہوتی ہے۔

"ہاں ہاں سب خیریت ہے۔ میرے پاس آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔ اس لیے بار بار فون کر رہی تھی۔" دوسری طرف تنزیلہ چہکی۔

"کیسا سرپرائز؟ تم میرے پاس آرہی ہو؟" وہ فوراً ہی خوش ہو گئی تھی۔ جب سے بہن بھائی دور ہوئے تھے تب سے ان سے ملنے کا خیال ہی اسے خوش کر دیا کرتا تھا۔

"ہاں میں ملنے بھی آرہی ہوں مگر ایک اس سے بھی بڑا سرپرائز ہے۔" تنزیلہ نے سسپنس پھیلایا۔

"کیسا سرپرائز۔" اسے اچنبھا ہوا۔ "جلدی بتاؤ نا' مجھے پریشان کیوں کر رہی ہو۔" اس نے مصنوعی غصے سے تنزیلہ کو ڈانٹا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ امیر ہو گئی ہیں آپی۔" وہ ڈرامائی انداز سے بولی۔

"کیسے؟ میری کیا لاٹری نکل آئی ہے۔" اس نے مذاق اڑایا۔

"لاٹری ہی سمجھیں۔ بھائی جان' خاور اور میں نے مل کر امی والا گھر آپ کو گفٹ کر دیا ہے اور کچھ ہی دنوں میں گھر کے مالکانہ حقوق آپ کے نام منتقل ہو جائیں گے۔ بلکہ اگلے ہفتے ہی میں آپ کے پاس آرہی ہوں اور خاور بھی منگل تک پہنچ جائے گا۔ بھائی جان البتہ نہیں آسکتے۔ اس لیے انہوں نے اپنا مختار نامہ آپ کے نام بھیج دیا ہے۔ بس اگلے ہی ہفتے ساری کاغذی کارروائی مکمل ہو جائے گی۔ اور آپ صاحب جائیداد ہو جائیں گی۔" تنزیلہ پُرجوش انداز سے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر رہی تھی اور وہ حیرت کے مارے ساکت کھڑی تھی۔

یوں بیٹھے بٹھائے اتنی قیمتی جائیداد مل جانے کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ امی والا گھر اس کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا اور ابھی تین سال پہلے ہی اس کے دونوں بھائیوں نے اسے نئے سرے

سے تعمیر کروایا تھا۔ پہلے خاور یہاں رہتا تھا۔ کئی سال بھر پہلے جب وہ دبئی شفٹ ہو گیا تو گھر کو کرائے پر دے دیا گیا۔ اس کا ماہانہ کرایہ چودہ ہزار تھا۔ کیونکہ گھر نہ صرف اچھی لوکیشن پر تھا بلکہ اس کی تعمیر بھی جدید اور بہت خوب صورت انداز سے کی گئی تھی۔

"ہیلو آپی! آپ سن رہی ہیں ناں؟" اسے مستقل خاموش پا کر تنزیلہ نے پوچھا تو اس نے ہڑبڑا کر خود کو سوچوں سے آزاد کیا۔

"سن رہی ہوں تنزیلہ! مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اکیلی وہ گھر کیسے لے سکتی ہوں۔ وہ تو ہم سب بہن بھائیوں کی مشترکہ ملکیت ہے ناں اور سچ کہوں تو میں نے تو کبھی اس گھر میں اپنے حصے کے بارے میں بھی نہیں سوچا۔" وہ پریشان سی کہہ رہی تھی۔

"اچھا ہے ناں نہیں سوچا تو اسی لیے تو زیادہ خوشی ہو گی اب۔" تنزیلہ ہنس کر بولی۔

"نہیں تنزیلہ! میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھے سچ میں ایسا سوچ کر ہی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ میں تم لوگوں کا حصہ نہیں لے سکتی۔"

"افوہ آپی! ایسا کیوں سوچ رہی ہیں۔ آپ ہمارا حصہ ہتھیا نہیں رہیں۔ بلکہ ہم اپنی خوشی سے آپ کو گفٹ کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ بھی اسے خوشی خوشی قبول کریں۔ بہن بھائی کیا ایک دوسرے کو تحفے نہیں دیتے۔"

تنزیلہ اس کی کیفیت کو سمجھ رہی تھی اس لیے اسے پیار سے سمجھا رہی تھی۔

"اور تمہارا شوہر اور سسرال والے انہیں اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔" چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے نیا نکتہ ڈھونڈا۔

"نہیں انہیں بالکل بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ کو پتا تو ہے میرے سسر نے پہلے ہی کتنی جائیدادیں بنا رکھی ہیں۔ اس لیے جب خاور نے گھر بیچنے کی بات کی تو سب سے پہلے میں نے اپنا حصہ لینے سے انکار کیا پھر بھائی جان نے بھی کہا کہ ان کو اس گھر میں سے حصہ نہیں چاہیے اور خاور بھی ماشاء اللہ بہت اچھا کما رہا ہے اس لیے یہ آئیڈیا اصل میں اسی نے دیا کہ گھر آپ کو تحفے میں دے دیا جائے۔ اس لیے اب آپ کسی کے بارے میں بھی نہ سوچیں بلکہ اس سرپرائز گفٹ کی خوشی کو محسوس کریں اور ہم تینوں کو شکریے کا ایک ایک میسج بھی کریں۔"

اس کے تمام ممکنہ اعتراضات کو سوچتے ہوئے تنزیلہ نے پوری تفصیل سے جواب دیا تھا۔ وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

"شکر ہے آپ ہنسیں تو۔ ورنہ تو تب سے کیا، کیوں اور کیسے ہی کیے جا رہی تھیں۔" تنزیلہ کے سر سے جیسے کوئی بوجھ ہٹا تھا۔

"اچھا فضول نہ بولو اور اب فون بند کرو۔ کال بیل بج رہی ہے۔ شاید نعمان اور بچے آ گئے ہیں۔" اس نے تنزیلہ کو پیار سے ڈپٹا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اوکے آپی! بس چند روز میں ہمیں آپ کے پاس آ رہی ہوں ان شاء اللہ۔ آپ میرے لیے اچھے اچھے کھانے بنانے کی تیاری کر کے رکھیں۔ اللہ حافظ۔"

اس نے فون بند کیا تو سجیلہ چند لمحے ریسیور ہاتھ میں تھامے کھڑی کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھا اور خوشگوار احساسات میں گھری بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں اب اطلاعی گھنٹی تواتر سے بجائی جا رہی تھی۔

حسیب اور نعمان تو پھر بھی کچھ دیر باہر رک کر انتظار کر لیتے تھے مگر منیب بہت بے صبرا تھا۔ اس لیے دروازہ کھلنے میں ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو وہ گھنٹی پر انگلی رکھ کر بھول جایا کرتا تھا۔ سجیلہ اس کے اس انداز پر ہمیشہ چڑ جایا کرتی تھی مگر آج وہ اتنی خوش تھی کہ اسے کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

"ہمارا رزق تمہاری تنخواہ سے مشروط نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے جتنا رزق ہمارے لیے لکھ دیا ہے۔ وہ ہمیں ہر صورت ملے گا اور کیسے ملے گا۔ یہ وسیلہ بنانے والی اللہ کی ذات ہے۔"

نعمان کی کئی بار کی کہی ہوئی بات اسے یاد آ رہی تھی۔ اور وہ آنکھوں میں ڈھیروں چمک اور لبوں پر خوب صورت سی مسکراہٹ لیے دروازے کی کنڈی کھول رہی تھی۔

✡

ہم کہ مغلوبِ گماں تھے پہلے
پھر وہیں ہیں کہ جہاں تھے پہلے

اب تو ہر بات پہ رو دیتے ہیں
واقفِ سود و زیاں تھے پہلے

دل سے جیسے کوئی کانٹا نکلا
اشک آنکھوں سے رواں تھے پہلے

اب فقط انجمن آرائی ہیں
اعتبارِ دل و جاں تھے پہلے

اب تو ہر تازہ ستم ہے تسلیم
حادثے دل پہ گراں تھے پہلے

میری ہمزاد ہے تنہائی میری
ایسے رشتے بھی کہاں تھے پہلے

کشور ناہید

اب کے برس یہ رنج اُٹھانا پڑا مجھے
تجھ سے ملے بغیر ہی جانا پڑا مجھے

شہرِ گماں میں حسرتِ تعبیر کے لیے
ہر اک کو اپنا خواب سُنانا پڑا مجھے

خود ہی پلٹ کے میں کفِ ساحل پہ آگیا
ہر چند راستے میں زمانہ پڑا مجھے

شب کی یہ شرط تھی کہ دیا تک نہ ساتھ ہو
لیکن پھر اک چراغ جلانا پڑا مجھے

سوداگروں کے شہر میں اپنے وجود کو
کتنے ہی زاویوں سے بچانا پڑا مجھے

طارق نعیم یوں ہی سنورنے کے شوق میں
خود کو نئے سرے سے بنانا پڑا مجھے

طارق نعیم



آدھے راستے میں

مجھے گھر جانے دو
میں چھت کو جانے والی سیڑھی پر بیٹھ کر
رنگ برنگی پتنگوں
اور اُڑتے ہوئے سفید کبوتروں کو دیکھنا
چاہتا ہوں
مجھے گھر جانے دو
میرے گھر کی پچھلی گلی میں سرسراتی ٹھنڈی ہوا
ایک دھانی آنچل
اور کھڑکیوں میں سجے پھول میرے منتظر ہیں
میں شیشم کے تنے پر کھدا ہوا آدھا دن
چھوٹے چھوٹے خوابوں والی صندوقچی
اور مٹی کے آب خورے میں پڑا واپسی کا تعویذ
وہیں بھول آیا ہوں
مجھے گھر جانے دو!

زاہد مسعود

ہر آدمی کو خواب دکھانا محال ہے
شعلوں میں جیسے پھول کھلانا محال ہے

کاغذ کی ناؤ بھی ہے کھلونے بھی ہیں بہت
بچپن سے پھر بھی ہاتھ ملانا محال ہے

مشکل نہیں اُتارنا سورج کو تھال میں
لیکن چراغ اس سے جلانا محال ہے

اک بار خود جو لفظوں کے پنجرے میں آگیا
اس طائرِ نوا کو اُڑانا محال ہے

تا عمر اپنی فکر و ریاضت کے باوجود
خود کو کسی سزا سے بچانا محال ہے

ظہیر غازی پوری

شگفتہ جاہ

رنگارنگ پھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ (مسلمانوں کے) دو بڑے بڑے گروہ لڑیں گے۔ ان میں بڑی لڑائی ہوگی اور دونوں کا دعوا ایک ہوگا۔"

(یعنی دونوں کا دین ایک ہوگا اور دونوں یہ دعوا کریں گے کہ اللہ کے دین کے لیے لڑتے ہیں۔)

شیطان کا زور کس پر چلتا ہے،

شیطان نے ایک نبی سے کہا۔

"اے اللہ کے نبی! آخر آپ میرے داؤ سے کیسے بچ جاتے ہیں؟"

نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ "تو بتا کہ تو بنی آدم پر کس داؤ سے غالب آجاتا ہے؟"

آخر معاہدہ ہوا کہ ہر ایک صحیح بات دوسرے کو بتادے تو اللہ کے نبی نے کہا۔

"سُن! اللہ کا فرمان ہے کہ میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی اثر، زور نہیں۔ صرف اُن پر جو خود گمراہ ہوں اور تیری ماتحتی کریں۔"

اس اللہ کے دشمن نے کہا۔ "یہ آپ نے کیا فرمایا؟ اسے تو میں آپ کی پیدائش سے بھی پہلے سے جانتا ہوں۔"

نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ "اور سُن! اللہ کا فرمان ہے کہ جب شیطانی حرکت (وسوسہ) ہو تو اللہ کی پناہ طلب کرو وہ سننے جاننے والا ہے۔ واللہ! تیری آہٹ پاتے ہی میں اللہ سے پناہ مانگ لیتا ہوں۔"

(ابن کثیر، ابن جریر)

بہتری،

امام غزالی نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ جس کی بہتری چاہتا ہے اس کو ہمیشہ بلا اور بیماری کے ذریعے تنبیہہ کرتا ہے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ دین ان تین باتوں سے کبھی خالی نہیں ہوگا۔ مفلسی، بیماری اور ذلت و خواری۔"

نوبت،

جنگ عظیم دوم میں ایک مراثی کو زبردستی فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ مراثی کی ماں روتی پیٹتی انگریز افسر کے پاس آئی اور کہا۔

"پتر! اے مراثیاں دا بال کتھے لے چلاں ایں؟"

انگریز افسر نے کہا۔ "شہنشاہ برطانیہ کو جنگ میں آپ کے بیٹے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ آپ اس کو بھیج کر فخر نہیں محسوس کر رہیں؟"

مراثی کی ماں نے کہا۔ "پتر بلے جا پر شہنشاہ نوں آکھیں کہ جے نوبت ایتھوں تک آگئی اے تے فیر دشمن نال صلح ہی کرلو۔"

نمرہ عاقب۔ شیخوپورہ

تعریف،

ایک دن میمن نے یہودی سے کنواں خرید لیا۔ اگلے دن بازار میں جا رہا تھا کہ یہودی نے آواز دے کر بلایا اور کہا۔

"میمن بھائی! میں نے آپ کو کنواں بیچا ہے۔ اس کا پانی نہیں۔ اگر آپ نے اس کنوئیں کا پانی استعمال کیا تو مجھے اس کے پیسے دینا۔"

میمن نے جواب دیا۔

"یار! میں تو کل سے خود پریشان ہوں اور آج تمہارے پاس آنا ہی چاہتا تھا۔ یہ تم نے کیا مجھے کنواں بیچ کر پھنسا دیا ہے، اب یا تو جلدی سے میرے کنوئیں سے اپنا پانی نکال کر مجھے کنواں خالی کردو ورنہ مجھے میر

کنویں میں پانی رکھنے کا کرایہ دیا کرو۔"
سنا ہے وہ یہودی توبہ تائب ہو کر وہ شہر ہی چھوڑ گیا اور کسی سے بھی بزنس کرنے سے پہلے سو دفعہ پوچھتا ہے کہ کہیں تم میمن تو نہیں؟

تعلیم،

ایک دن ایک چار سالہ بچہ جو اونچا سنتا تھا۔ اسکول سے گھر آیا تو اس کی جیب میں ایک پرچا تھا جس پر لکھا تھا۔

"آپ کا بچہ اتنا بے وقوف ہے کہ کچھ نہیں پڑھ سکتا۔ اسے اسکول سے نکال لیں۔"
اس کی ماں نے جواب دیا" میرا بچہ اتنا احمق نہیں ہے۔ میں اسے خود پڑھاؤں گی۔"
اور وہ احمق بچہ تھامس ایڈیسن بنا جس نے بلب ایجاد کیا تھا۔ تھامس ایڈیسن نے صرف تین ماہ اسکول کی تعلیم حاصل کی تھی۔

روشنی لفظوں کی،

- اکثر آنکھیں وہی کھولتے ہیں جن پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا جاتا ہے۔
- پڑوسی کے بچوں کی بھوک اور فاقہ سے انجان رہنا اور اس کی بیوی اور بیٹی کی حرکتوں سے واقف رہنا ہمارے معاشرے کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔
- لوگ سیرت کا صرف رونا روتے ہیں۔ بات ہر کوئی شکل دیکھ کر ہی شروع کرتا ہے۔
- رہنے کے لیے بہترین جگہوں میں سے ایک اپنی اوقات بھی ہے۔
- وقت آنے پر لوگ ساتھ کم مشورہ زیادہ دیتے ہیں۔
- جس معاشرے میں سب چلتا ہے، وہ معاشرہ مشکل سے چلتا ہے۔
- کبھی کسی کا دل مت دکھانا کیونکہ اگر اس نے صبر کر لیا تو تیرے لیے مسئلہ بن جائے گا۔
- اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کچھ بھی نہیں تو جان لیں آپ بہت کچھ ہیں۔

رضوانہ شکیل راؤ۔ لودھراں

دل،

دل درد کا ٹکڑا ہے
اور بند گلی سی ہے
چھوٹا سا ہے اک لمحہ
جو ختم نہیں ہوتا
میں لاکھ جلاتا ہوں
یہ بھسم نہیں ہوتا

سیدہ لوبا سجاد۔ کہروڑ پکا

قانون،

دو ویل ڈریسڈ وکیل ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں گئے اور دو کپ کافی کا آرڈر دیا۔ پھر اپنے بریف کیس میں سے دو سینڈوچ کھانے کے لیے نکالے۔ ویٹرس نے انہیں ٹوکا۔
" سوری سر! آپ یہاں اپنا کھانا نہیں کھا سکتے۔ یہ رولز کے خلاف ہے۔"
وکیلوں نے اطمینان سے ایک دوسرے کو دیکھا اور اپنے سینڈوچز آپس میں تبدیل کر لیے اور انہیں کھانے لگے۔
دیکھا آپ نے، وکیل کس طرح قانون میں سے کمزوری تلاش کر کے اپنا کام بنالیتے ہیں۔

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر۔ کراچی

محبت اور اداسی،

محبت اور غم سے اداسی ضرور پیدا ہوگی۔
وہ محبت ہی نہیں جو اداس نہ کر دے۔
(اشفاق احمد)

نوال افضل گھمن۔ کراچی

تازہ خبر،

پاکستان کے ایک بک اسٹال پر ایک کتاب کا عنوان دیکھ کر امریکی ڈاکٹر کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔

کتاب کا عنوان تھا۔
"تیس دن میں ڈاکٹر بنیے۔"
توقیر ہاشمی۔منڈی بہاؤ الدین

چھوڑو نا،

لڑکا:۔ "تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔"
لڑکی:۔ "چھوڑو نا۔"
لڑکا:۔ "تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں۔"
لڑکی:۔ "چھوڑو نا۔"
لڑکا:۔ "تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔"
لڑکی:۔ "اب چھوڑو بھی نا۔"

لڑکا:۔ "اتنی دیر سے چھوڑ ہی تو رہا ہوں۔"
اقرا، تحریم۔گوجرہ

شادی،

ایک چرچ میں ایک جوڑا پادری کے سامنے پیش ہوا اور شادی کی رسوم ادا کرنے کی التجا کی۔جب پادری رسوم ادا کرنے لگا تو اسے معلوم ہو گیا کہ نوجوان نشے کی حالت میں ہے چنانچہ اس نے دونوں کو حکم دیا کہ "جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور کل آنا۔"

دوسرے دن جب وہ آئے تو نوجوان پھر پیے ہوئے تھا۔پادری نے پھر واپس کر دیا۔جب تیسرے دن بھی نوجوان خمار کی حالت میں آیا تو پادری نے لڑکی سے کہا۔
"تم اپنے ساتھی کو پینے سے منع نہیں کر سکتیں کہ گرجا میں آتے ہوئے ایسی حرکت نہ کرے۔"
"نہیں میرے روحانی باپ نہیں کیونکہ جب وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوتا تو اس وقت مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔"
عاصمہ ندیم، نمرہ عبید۔کے ڈی اے

وقت،

☆ وقت خام مسالے کی مانند ہے، جس سے آپ جو کچھ چاہیں، بنا سکتے ہیں۔
(امام غزالی)

☆ وقت کو پیچھے سے مت پکڑو، اسے آگے سے روک کر اس پر قابو پانے کی کوشش کرو۔
(نیوٹن)

☆ وقت ضائع کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ وقت بھی آپ کو ضائع کر رہا ہے۔
(ارسطو)

☆ وقت روئی کے گالوں کی مانند ہے، جس کا اسراف واجب نہیں۔یاد رکھو تم دولت کما سکتے ہو، وقت میں اضافہ نہیں کر سکتے۔
(فرینکلن)

☆ آپ مسرور ہوں یا مغموم، تکلیف اور مصیبت سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ آپ کے پاس وقت نہ ہو۔
(نپولین بوناپارٹ)
نادیہ یاسر۔کراچی

باتوں سے خوشبو آئے،

☆ بہت زیادہ کھا کر بیمار ہوتے والوں کی تعداد فاقہ کشی سے بیمار ہونے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔
☆ بری عادتوں کی طاقت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب انہیں چھوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
☆ جتنی محنت سے لوگ جہنم خریدتے ہیں، اس سے آدھی محنت سے جنت ملتی ہے۔
☆ غلطی کے بعد چہرے کو بہانے کی چادر سے نہ چھپاؤ کیونکہ ایسی چادر چہرے سے زیادہ میلی ہوتی ہے۔
☆ حیوانات میں مکھی سب سے زیادہ حریص اور مکڑی سب سے زیادہ قناعت پسند ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے مکھی کو مکڑی کی غذا بنا دیا۔
سدرہ، سعدیہ۔شریف آباد

خالدہ جیلانی

میری بیاض سے

سحر سہیل ــــ کراچی

ہم بھی اس سلسلۂ عشق میں بیعت ہیں جسے
ہجر نے دکھ نہ دیا، وصل نے راحت نہ دی

فوزیہ ثمر بٹ ــــ گجرات

جدائیاں تو مقدر ہیں لیکن اے غم ہجراں
عجب پھول سے ساتھی بچھڑ گئے اب کے

سجیلہ ظفر ــــ جڑانوالہ

آنکھیں ہیں کہ خالی نہیں رہتیں لہو سے
اور زخم جدائی ہے کہ بھر بھی نہیں جاتا

مدثرہ سلیم ــــ جملیرا

گزرے ماہ و سال بہت
دل میں آیا تیرا خیال بہت
جس کو پایا ہی نہیں اسے کھونا کیسا
پھر بھی تیرے کھو جانے کا ملال بہت

گیلانی سسٹرز ــــ کہروڑ پکا

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
تیرے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

سدرہ بتول ــــ ملتان

درد جب حد سے بڑھتا ہے تو احساس ہوتا ہے
دل بجھ کے بھی دل رہتا ہے پتھر نہیں ہوتا
ہر شخص کو نہیں ملتیں منہ مانگی مرادیں
ہر شخص مقدر کا سکندر نہیں ہوتا

سارہ نوید ــــ کراچی

آگ بجھتی نہیں آنسوؤں سے
ریت میں پھول کھلتے نہیں ہیں
پچھلی راہوں کے بچھڑے مسافر
اگلی راہوں میں ملتے نہیں ہیں

تسنیم کوثر ــــ کراچی

ہم ان کے دل میں اگر کچھ جگہ قدم رکھتے
تو اتنا سہل نہ ہوتا ہمیں بھلا دینا

سیدہ لوبا سجاد ــــ کہروڑ پکا

یہ شرط الفت بھی عجیب ہے محسن
میں پورا اترتا ہوں، وہ معیار بدل دیتا ہے

ولیجہ حبیب ــــ عبدالحکیم

درد ہے یا تیری طلب ہے
بس جو بھی ہے مسلسل ہے

عابدہ مغل ــــ بھیر کنڈ مانسہرہ

تمہارا نام کسی اجنبی کے لب پہ تھا
بات ذرا سی تھی مگر دل پہ لگی بہت

عذرا نامر، اقصیٰ نامر ــــ کراچی

نہ تو ملا ہے نہ خود ہی سے نبھ سکی اپنی
تو پھر یہ عمر کہاں ہم نے رائیگاں کی ہے

سیدہ نسبت زہرا ــــ کہروڑ پکا

اغیار سے تو خیر توقع ستم کی تھی
اپنوں سے بھی ہمیں تو شکایت وہی رہی
ناموں کا صرف ردو بدل ہے کہیں کہیں
ورنہ جو سن چکے ہیں حکایت وہی رہی

عظمیٰ شفیق ــــ جڑانوالہ

گزشتہ رت کے رنگوں کا اثر دیکھو کہ اب کے
کھلے آنگن میں اڑتی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں
یہ کہہ کر آج اس سے تعلق توڑ آیا ہوں
میری جاں مجھ کو ضدی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

نمرہ، اقرا ــــ کراچی

اس کی خوشی عزیز تھی کچھ اس سے پیار تھا
اپنی انا کو توڑ کر جھکنا پڑا مجھے

امت الصبور

آنچلوں کی ڈائری

تسنیم شریف کی ڈائری سے

کچھ لوگ کاملیت پسند ہوتے ہیں، وہ دل کے معاملات ہوں یا دنیا کے ہر کام انتہائی حد پر جا کر کرتے ہیں، انجام سے بے پروا ہو کر... ایسے ہی لوگوں میں عرفان ستار بھی ہیں۔ اس غزل میں ان کا اظہار دیکھیے۔

وہ کارِ دل ہو کہ کارِ جہاں، لگن سے کیا
فقط لگن سے نہیں، والہانہ پن سے کیا

میں بولنے کا نہیں سوچنے کا عادی ہوں
سو میں نے عشق بھی تجھ ایسے کم سخن سے کیا

پرے سے مٹ ہی گیا فرق ناقص و کامل
مذاقِ وقت نے وہ اہلِ علم و فن سے کیا

وہ جس میں حفظِ مراتب کا کچھ لحاظ نہ ہو
گریز ہم نے ہمیشہ اس انجمن سے کیا

جہاں تھے مصلحتاً چپ تمام لوگ وہاں
کلام ہم نے کیا، پورے بانکپن سے کیا

نمرہ، اقرا کی ڈائری سے

عباس تابش کی یہ غزل مجھے بہت پسند ہے آپ کی نذر۔

ہنسنے نہیں دیتا، کبھی رونے نہیں دیتا
یہ دل تو کوئی کام بھی ہونے نہیں دیتا

تم مانگ رہے ہو مرے دل سے مری خواہش
بچہ تو کبھی اپنے کھلونے نہیں دیتا

میں آپ اٹھاتا ہوں شب و روز کی ذلت
یہ بوجھ کسی اور کو ڈھونے نہیں دیتا

وہ کون ہے اس سے تو میں واقف بھی نہیں ہوں
جو خود کو کسی اور کا ہونے نہیں دیتا

حمرہ واجد کی ڈائری سے

اپنے خوابوں اور خواہشوں کو پورا کرنے انہیں پانے کی دھن میں آگے بڑھتے ہوئے انسان دوسروں کے احساسات و جذبات کو سمجھ ہی نہیں پاتا ہے۔ پھر وقت کا دھارا غموں کی دھوپ میں لا کھڑا کرتا ہے۔ خود پر گزرتی ہے تو اسے ادراک ہوتا ہے۔ ان ہی احساسات کو بیان کرتی یہ غزل آپ کی نذر۔

جو ہم پہ گزرے تھے رنج سارے، وہ خود پہ گزرے تو لوگ سمجھے
جب اپنی اپنی محبتوں کے عذاب جھیلے تو لوگ سمجھے

وہ جن درختوں کی چھاؤں سے مسافروں کو اٹھا دیا تھا
ان ہی درختوں سے اگلے موسم جو پھل نہ اترے تو لوگ سمجھے

اس اک کچی سی عمر والی کے فلسفے کو کوئی نہ سمجھا
جب اس کے کمرے سے لاش نکلی، خطوط نکلے تو لوگ سمجھے

وہ خواب ہی تھے چنبیلیوں سے، جو حاکم کی کر لی بیعت
پھر اس چنبیلی کی اوٹ سے جو سانپ نکلے تو لوگ سمجھے

وہ گاؤں کا اک ضعیف دہقان سڑک بننے پہ کیوں خفا تھا
جب اس کے بچے شہر جا کر کبھی نہ لوٹے تو لوگ سمجھے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر کی ڈائری سے

میری ڈائری میں لکھی عطاء الحق قاسمی کی یہ غزل ان کی نثر کی طرح خوبصورت اور دل نشین ہے۔ آپ بھی پڑھیے۔

دل سادہ تمہیں اب تو یہی باور کراتا ہے
جسے تم یاد کرتے ہو، اسے اب بھول جاتا ہے

کناروں سے نکل سکتی ہیں کب یہ مضطرب موجیں
انہیں ساحل سے ٹکراتا ہے اور پھر لوٹ جاتا ہے

سفر یہ واپسی کا ہولے ہولے طے کرو، اس نے
تمہیں آواز دی ہے، تمہیں واپس بلاتا ہے

سنو، نامہرباں، کچھ مہرباں لمحوں کی سرگوشی
مجھے کچھ یاد رکھتا ہے، تمہیں کچھ بھول جاتا ہے

نوال افضل گھمن کی ڈائری سے

محبت جب کسی دل میں گھر کر جائے تو وہاں زرد موسم بسیرا کر لیتا ہے۔ یک طرفہ محبت تو اور بھی ستم ڈھاتی ہے۔ خصوصاً لڑکیاں جو اظہار بھی نہیں کر سکتیں چپ چاپ سلگتی رہتی ہیں۔ فہمیدہ ریاض کی اس نظم میں ایک "محبت گزیدہ" لڑکی کے احساسات کا اظہار ہے۔

ایک ایسی لڑکی جس سے تم نے ہنس کر بات نہ کی
کبھی نہ دیکھا، چھلکے اس کی آنکھوں میں کیسے موتی
کبھی نہ سوچا تم سے وہ ایسی باتیں کیوں کہتی ہے
کبھی نہ سمجھا، ملتے ہو تو گھبرائی کیوں رہتی ہے
کیوں اس کے رخساروں کی رنگت سرسوں ایسی زرد ہوئی
تم سے ملنے سے پہلے وہ ایسی تنہا کبھی نہ تھی
مل کر آنکھ، بہانے سے وہ کب تک آنسو روکے گی
اس کے ہونٹوں کی لرزش بھی تم نے کبھی نہیں دیکھی
کیوں اس سنسان سڑک پر اسے اکیلا چھوڑ دیا
اس کا دل تو اچھا تھا جس کو تم نے توڑ دیا
وہ کچھ نادم، کچھ حیراں، رستہ ڈھونڈا کرتی ہے۔
ڈھلتی دھوپ میں اپنا بے کل سایہ دیکھ کے ہنستی ہے
اکثر سورج ڈوب گیا اور راہ میں اس کو شام ہوئی



نادرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37- اُردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

مریم یوسف خان..... کراچی

اس مرتبہ کا خواتین بہت ہی اعلا والا تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک اتنا اچھا رسالہ ہوتا ہے پڑھ کر بے ساختہ جھومنے کو جی چاہے۔

خواتین میں نمل شائع ہو رہا تھا تو رسالہ آنے پر چیخ نکلتی تھی۔ "نمل آگیا" اور اب حالم پڑھتے ہوئے بھی یہی حال ہے۔

"دشت جنوں" میں تو آمنہ ریاض نے خوش نصیب کی مت ہی ماردی ہے۔ کہاں تو کسی ایک کو بتانے میں ہی سوچ سوچ کر آدھی ہو گئی تھی اور کہاں پورے گھر کے سامنے سب بتا دیا۔ حسن المآب میں یہ قسط کچھ عجیب لگی۔ ماہ رو صاحبہ امریکہ میں کیا کر رہی ہیں اور موصوفہ کو موسیٰ سے محبت کیوں ہو گئی ہے؟ جاننا اشد ضروری ہے۔ عید الاضحیٰ کے لیے سائرہ رضا کے اسپیشل ناول کا انتظار ہے۔ پلیز کچھ "آہ!" جیسا لازمی لکھیں۔ آپ کا افسانہ "اری او جھیگری!" دل پر نقش ہے۔ فسانہ زندگی میں اتفاقات کچھ زیادہ ہی ہو گئے کہانی بہت ہی اعلا تھی۔ "پتنگ باز سجنا" میں منشا وہ رنگ نہیں جما سکیں جس کی ان سے توقع تھی۔ "ریت' پیار اور ہم" اور "تیرا انتظار امرت" دونوں میں رائٹرز نے حق ادا کر دیا۔ افسانوں میں اگر "میراث" کی بات کی جائے تو آسیہ رزاقی روایتی انداز سے الگ کچھ کہانیاں بیان کرتی نظر آئیں۔ قند مکرر (یادوں) سے سجا افسانہ اچھا تھا۔ شازیہ الطاف کا شعاع میں آیا افسانہ اور "کڑا وقت" دونوں ایک ہی ٹاپک پر لکھے گئے تھے اور معمولی سی تبدیلی کے ساتھ یکساں تھے۔

شازیہ جمال کا "قصور" اچھا تھا۔ "حقیقت" میں کیا کوئی مذاق تھا؟ اتنے اچھے رسالے کے اختتام پر یہ افسانہ پڑھ کر پتا ہے کیا محسوس ہوا؟ ایسا لگا کہ جیسے چائے میں چینی صحیح سے نہ ملائی گئی ہو اور چائے پیتے پیتے جو مزہ آتا ہے وہ تو ایسا ہوتا ہے کہ واہ! لیکن آخری گھونٹ میں مٹھاس اتنی ہو جاتی ہے کہ پورے منہ کا مزہ خراب ہو جاتا ہے۔

تبصرے اس مہینے اچھے تھے۔ لیکن جوابات زیادہ اچھے تھے اور رسالہ بند کیا تو یاد آیا کہ ٹائٹل تو رہ ہی گیا۔ ٹائٹل بھی اچھا تھا۔ اس مہینے ڈھونڈے سے بھی خامی نہیں ملی۔

ج : پیاری مریم! بہترین تبصرہ کیا ہے اور غضب کے اندازے لگائے ہیں "بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے۔" ہم تو ہر ماہ کوشش کرتے ہیں کہ اگلا شمارہ' پچھلے سے بھی بڑھ کر ہو مگر یہ "کبھی کبھی" کی بات سن کر دل کو دھچکا لگا۔

ناظمہ زیدی..... چوک اعظم

شادی سیزن کی مناسبت سے ماڈل کا ڈریس پیارا تھا۔ احادیث سبحان اللہ بینش راجا کو ہم جانتے نہیں سو تو تبصرہ۔ خطوط میں بنت جاوید سے آپ نے کہا کہ آپ بلیک میلر نہیں۔ بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کا نام چھپنا اچھا نہیں سمجھتے شاید اسی لیے (خود میرا بھائی مگر گیا شعاع میں میرا نام دیکھ کے 'لو بھلا بتاؤ)

"دشت جنوں" جیسے ٹھہر گیا ہے۔ "میراث" اچھی تھی یا تھا کہانی تو نہ تھی مضمون تھا شاید "قصور" اچھی تھی۔ "پتنگ باز" بھی اچھی اسٹوری تھی۔

"فسانہ زندگی" نعیمہ ناز جی ہم تو آپ کے بہت بڑے

نین ہیں۔ "حالم" اچھا جا رہا ہے' قدم بہ قدم آگے بڑھتا ہوا۔ سکہ مظفر شاہ کے زمانے کا ہے۔ یہ بہادر شاہ ظفر تو سنا تھا مظفر شاہ کون ہے؟

"شازیہ الطاف" اچھی کاوش "حسن المآب" بہت مشکل سے سمجھ آتا ہے۔ مجھے اب اتنا دماغ بھی نہیں رہا میرا "حقیقت" اچھی' چھوٹی سی اسٹوری تھی۔ صائمہ غم نہ کرو' شکر کرو بہن نے چپکے سے شادی ہی نہیں کرلی ورنہ تم ساری زندگی محبوب کا سامنا نہ کرپاتیں۔ "موسم کے پکوان" بہت ہیوی تھے۔

خطوط میں ملتان جانے کا مشورہ اچھا تھا۔ چونسہ کے لالچ میں پہنچ گئے۔ آم تو نہ ملے۔ البتہ کتوں نے واپسی کا ڈیڑھ گھنٹے کا سفر پندرہ منٹ میں کرادیا۔ شکر ہے جان بچ گئی۔

ج : پیاری ناظمہ! بجا فرمایا آپ نے مگر ہر خاتون اپنی ایک حیثیت' ایک شناخت' ایک وجود رکھتی ہے۔ محض نام کی اشاعت سے غیرت پر کون سا تازیانہ لگتا ہے۔ ہم اپنی تمام قارئین کو اپنا دوست سمجھتے ہیں' اس لیے بہت ساری باتیں تفنن طبع کے لیے لکھتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہماری قارئین اتنی کشادہ دل اور ذہین تو ہیں کہ سنجیدہ بات اور مزاح میں فرق محسوس کرلیتی ہوں گی۔

ہمارے ہاں افسانوں کی تین کیٹگریز ہیں (1) قابل اشاعت (2) ناقابل اشاعت (3) قابل غور۔ قابل غور وہ افسانے ہوتے ہیں جن کے بارے میں کچھ ساتھیوں کی رائے ہوتی ہے کہ شامل ہونے چاہئیں اور کچھ ساتھی اسے ناقابل اشاعت قرار دیتے ہیں آپ کے افسانے "قابل غور" کی لسٹ میں ہیں۔ امید رکھیں شامل بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ میں صلاحیت ہے۔ مزید لکھیں۔ بس کہانی پہ توجہ دینے کی ضرورت ہے انداز بیاں اچھا ہے۔

عروج یوسف..... کراچی

ویسے تو ہر ماہ ڈائجسٹ آتے ہیں تو آپ کے لیے دعائیں نکلتی ہیں مگر اس ماہ تو دل سے دعاؤں کے ساتھ ایک نعرہ بھی نکلا ہے "خوش کیتا اے بادشاہو" زبردست ماشاء اللہ اس مرتبہ تمام کہانیاں اچھی ہیں۔ بس ایسے ہی نیکی والے کام کرتی رہا کریں اور دعائیں لیتی رہا کریں۔

سائرہ رضا نے تو لائیو کوریج کے اسٹائل میں اس مرتبہ کا ایپی سوڈ لکھا' دھن دھنا دھن' یار رومینس کچھ سنسر نہیں ہو سکتا تھا' مانا کہ شادی شدہ جوڑا ہے مگر سب پڑھنے والے تو نہیں ہیں ناں اور دوسرا کڑوا بادام "حقیقت" جس کا حقیقت سے دور دور کا واسطہ نہیں "شوں" کرکے سر پر سے گزر گئی' انتہائی غیر حقیقی کہانی۔ خیر جی میں نے تو آپ کو I Love you کہنے کے لیے خط لکھا تھا۔

ج : پیاری عروج! آپ کے آئی لو یو اور تھینک یو نے تو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ ویسے بندے کو اتنا شریف نہیں ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تمام ہدایات پر عمل کرے اور آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے عمر شریف' بابرہ شریف یا راحیل شریف' بات یہ ہے کہ ہر انسان تھوڑا تھوڑا نیک ہے تھوڑا بے ایمان ہے۔ تھوڑا خود غرض' تھوڑا بے لوث' تھوڑا جھگڑالو تھوڑی سی محبت کرنے والا۔ اور اس "تھوڑے" کو بھی غنیمت جانیے یہ دنیا ہے' یہاں انسان بستے ہیں' فرشتے نہیں۔

ثمینہ اکرم..... لیاری کراچی

آج کل موسم بہت سہانا ہو رہا ہے۔ ہر روز اللہ کی رحمت پھوار بن کر برس رہی ہے۔ اگست میں ہمیں اللہ نے تحفہ میں پاکستان دیا۔ یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے۔ "نفسیاتی الجھنیں" ہمیشہ سے ہی میری توجہ کا مرکز بنتا ہے' اس بار تو بہن نسرین (لیہ) کے حالات پڑھ کر حقیقتاً آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہمارے معاشرے کی عورت بہت مظلوم ہے اب تک اپنے جائز مقام سے محروم بھی.... یہی اس معاشرے کا المیہ ہے کہ عورت پر ظلم بھی عورت ہی کرتی ہے "دشت جنوں" میں آئے کت کا کردار سرے سے غائب کردیا گیا ہے' کچھ تو پتا چلے کہ آخر وہ گئی کہاں؟

میرا چھوٹا بیٹا اسود تینوں ڈائجسٹ (کرن' شعاع' خواتین) میں سب سے پہلے لطائف پڑھتا ہے۔ اس کی تجویز ہے' لطائف کے لیے الگ سے صفحات پر یہ سلسلہ دیا جانا چاہیے۔

ج : پیاری ثمینہ! آئے کت جہاں بھی گئی ہے' ہمیں بتا کر نہیں گئی۔ آئے گی تو بہت ڈانٹیں گے تاکہ آئندہ یوں غائب نہ ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسی نے تو اعتراف کیا کہ خواتین ہی خواتین پر ظلم کرتی ہیں۔ (مرد حضرات خواہ مخواہ خوش نہ ہوں)۔ "رنگا رنگ پھول" تو اپنے عنوان سے ہی

واضح ہے۔ اب اتنے لطائف کہاں سے لائیں۔ اسود سے کہیں روزانہ اخبار میں سیاسی خبریں پڑھا کرے پھراسے کمی محسوس نہیں ہوگی۔ شعاع میں آپ کا سروے شامل ہے۔

رابعہ تحسین..... ممتاز آباد ملتان

ٹائٹل کچھ خاص نہیں لگا' سب سے پہلے اپنے پسندیدہ ناول "دشت جنوں" کو پڑھا بہت سارے بھید لیے ناول آگے بڑھ رہا ہے اور کہانی کچھ کچھ سمجھ بھی آنے لگی ہے۔ لیکن ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ خلاصہ میں شفیق احمد کے بیٹے کا نام شاہ میر ہے۔ لیکن شاہ میر تو مہمان ہے؟ یہ کیا بات ہوئی۔

آسیہ رزاقی کی میراث پڑھ کر ہنسی آئی۔ کیسے کیسے نمونے دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ "قصور" ہلکے پھلکے موضوع پر اچھا افسانہ ہے۔

نعیمہ ناز کا "فسانہ زندگی" پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ واقعی تمام معروف ڈائجسٹ ہیروئنوں کا بیڑہ غرق ہو گیا ہے۔ شکر ہے حسنل اس میں موجود نہیں ورنہ اللہ جانے اس کا کیا حال ہوتا۔

منشا محسن علی اچھا لکھتی ہیں۔ "پتنگ باز سجنا" نے متاثر کیا۔ "تیرا انتظار امرت" بھی خوب ہے۔ ایسے بوڑھے سنکی بھی عجیب ہوتے ہیں۔

"حسن المآب اور....." ہمیشہ کی طرح فنٹاسٹک' آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ سائرہ آپ کا قلم لکھتا ہے یا جادو کرتا ہے۔ ایک بات بتائیں۔ جولائی کے شمارے میں اسی کہانی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ قرآن پاک 24 سالوں میں نازل ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک 23 سال کے عرصے میں نازل ہوا ہے۔ پلیز اس کی وضاحت ضرور کیجیے گا۔

ریت' پیار اور ہم اور حقیقت نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا' معذرت کے ساتھ کہانیوں میں عجیب بچکانہ پن تھا۔ خاتون کی ڈائری میں امجد اسلام امجد کی نظم دل میں بے ساختہ اتر گئی۔

حالم کے لیے ہم سپریم کورٹ کو کاپی کریں گے۔ یعنی رائے اور فیصلہ محفوظ ناول مکمل ہونے تک۔

ج : پیاری رابعہ! یہ ناموں نے آپ کو الجھن میں کیوں ڈالا ہے۔ کیا دنیا میں ہم نام لوگوں کی کمی ہے۔ قرآن پاک 22 سال 8 ماہ اور 14 دن میں نازل ہوا ہے۔ اس سہو کی معذرت چاہتے ہیں۔ سپریم کورٹ کو ضرور کاپی کریں مگر کیس نیب کے حوالے مت کیجیے گا۔

سونیا یاسین..... ٹامیوالی

نمرہ احمد نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ بہت باکمال اور بے مثال لکھتی ہیں۔ اللہ نے ان کی تخلیقی صفت کو کتنی وسعت دی اور حیرانی اس کی کہ ان کا ایک ناول دوسرے سے میل نہیں کھاتا۔ سائرہ رضا کے حسن المآب میں ہمیں حسنل کا کردار ذرا نہیں بھایا اور نہ ہی حلیمہ کا۔ ہمیں پہلے ہی شک تھا کہ "میری" ہی ماہ رو فیاض ہے اور ہمیں یہ کردار بہت اچھا لگا۔ باقی کہانی کچھ خاص متاثر نہیں کر رہی۔

آمنہ ریاض "دشت جنوں" کو بہت خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں مگر یہ حقیقت سے دور معلوم ہوتا ہے۔ کرن کرن روشنی' ہمارے نام' نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور آپ کی بیاض سے' یہ تمام سلسلے ہمیں بے حد محبوب ہیں۔ باقی ڈائجسٹ روایتی کہانیوں سے بھرا ہوتا ہے جو کہ ہمارے مزاج پہ گراں گزرتا ہے۔ "میری ڈائری سے" سلسلہ تو ٹھیک ہے مگر غزلیں کچھ خاص متاثر نہیں کر رہیں۔ اب اجازت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیے گا کہ خط فرنٹ پیج کے ساتھ بیک پیج پہ بھی لکھا جا سکتا ہے۔

ج : پیاری سونیا! روایتی کہانیوں کو ہمارے قارئین کا ایک وسیع حلقہ پسند کرتا ہے مگر ہم ایسی کہانیاں بھی ضرور منتخب کرتے ہیں جو وکھری مزاج کے لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ خاص طور پر سمیرا احمید کی کہانیاں ہمیشہ عام روش سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ آپ کو کس مزاج کی کہانیاں پسند ہیں؟ بتایا کیوں نہیں۔ خط کے لیے بھی آپ صفحے کے ایک جانب ہی لکھیں۔

اقراء ممتاز..... سرگودھا

اس دفعہ ٹائٹل گرل کا ڈریس بہت خوب صورت تھا۔ مکمل ناول تیرا انتظار امرت' سارہ عرفان کی اچھی کاوش تھی۔ اس تحریر نے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

ناولٹ "پتنگ باز سجنا" منشا محسن علی کی تحریر بھی بیسٹ تھی۔ منشا نے لکھا ہے کہ مسٹر چیپس ایک رومانوی کہانی ہے جب کہ میری فرینڈ نے کہا ہے کہ مسٹر چیپس تو خود

تو مر کھپ گیا لیکن ہمارے لیے جان کا عذاب چھوڑ گیا۔ ناولٹ ریت پیار اور تم سدرہ حیات کی تحریر اچھی تھی۔ شاہین رشید جی سجل کا انٹرویو ضرور لیں۔ عمیرہ احمد جی جلدی جلدی انٹری دیں۔

ج : پیاری اقراء آپ کی فرینڈ مسٹر چیں سے کیوں ناراض ہیں۔ یہ بات ہم سمجھ نہیں سکے۔ سجل علی کا انٹرویو شائع ہو چکا ہے۔ شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔

زارا ڈوگر..... گوجرانوالہ

سب سے پہلے دشت جنوں پڑھا۔ کچھ بھی خاص نہیں ہو رہا اس میں۔ بہت ست روی کا شکار ہے ناول۔ اٹھارھویں قسط ہو گئی مگر اب تک کوئی قابل قدر بات نہیں ہوئی۔ پلیز آمنہ آپی سے کہیں، کچھ سپیڈ پکڑیں۔ حالم تو جان ہے اپنی۔ بہت اچھا جا رہا ہے۔ نمرہ آپی ویل ڈن۔ قارئین کے خط ضرور پڑھتی ہوں۔ تبصرے پڑھ کر مزہ آجاتا ہے۔

آپی! آپ سے پوچھنا تھا' میں نے "شعاع کے ساتھ ساتھ" سروے لکھ کر بھیجا تھا کیا وہ آپ تک پہنچا نہیں تھا؟ دوبارہ بھیجوں میں۔

ج : پیاری زارا! محکمہ ڈاک کی مہربانی سے آپ لوگوں کی تمام نگارشات' تاخیر سے ہی سہی مگر ہمیں مل جاتی ہیں۔ بس ان کے شائع ہونے کی باری کا ذرا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

خوشی..... سرانوالی سیالکوٹ

میں تیرہ سال سے خواتین باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ اور خواتین سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے۔ نمرہ احمد میری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں "حالم" بہت اچھا جا رہا ہے تالیہ کا کردار سب سے زبردست "دشت جنوں" بہت زبردست موڑ اختیار کر چکا ہے پلیز تیزی سے آگے بڑھائیں۔ "حسن المآب" نے تو دعاؤں پر اعتقاد اتنا پختہ کر دیا ہے کہ خود سے شرمندگی ہوتی ہے کہ ہم اللہ سے اتنا پختہ یقین رکھ کر کیوں نہیں مانگتے۔

اب پرچے پہلے سے تاخیر کے ساتھ موصول ہوتے ہیں' پتا کروا کروا کر تھک جاتی ہوں۔

ج : خوشی! ہمیں احساس ہے کہ پرچے آپ کو تاخیر سے ملتے ہیں۔ ہر ماہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ پرچا وقت پر آپ تک پہنچ جائے لیکن قسطوں کا تاخیر سے ملنا ہماری تمام کوششوں کو ناکام بنا دیتا ہے۔

نور آمنہ درانی..... لاہور

مجھے یقین ہے کہ آپ خط سارے ہی پڑھتے ہیں اور جو آپ کے معیار کے مطابق ہو شائع بھی کرتے ہیں۔ مگر مجھ پر یہ نظر کرم کیسی! کہ میرے لکھے کو شائع کرتے ہیں مگر میرا نام نہیں لکھتے؟ کیا میرا نام بھی لینا آپ کو گوارا نہیں۔ مانتے ہیں جانتے ہیں کہ ہمارے نامہ اعمال کی تاریکی آپ کی زلف میں حسن کہلاتی ہے۔ آپ روایتی محبوب نہ بنیے۔ محبوب کا تو ادا عشوہ غمزہ حق ہے۔ مگر ایسا بھی کیا تغافل کہ نام بھی نہیں لیتے۔ ہم ہیں مشتاق آپ ہیں بیزار! اگست میں خواتین میں رنگا رنگ میں "غلطی" چھپا۔ جولائی شعاع میں غلط ہجے چھپا۔ شعر چھپا مگر نام نہیں۔ آپ کو احساس ہونا چاہیے۔ اپنا نام دیکھ کر ہمیں کتنی خوشی ہوتی ہے جب ہمارا نام شائع ہو تو اس مہینے ہم بہت سارے شمارے خریدتے ہیں اور اپنے سب جاننے والوں کو دکھاتے ہیں جو پڑھنے کو لے جاتے ہیں اور کبھی واپس نہیں کرتے۔ میرا نام نور آمنہ درانی ہے میں ایک بڑے ادارے میں سپیشل بچوں کے۔ میں سائیکولوجسٹ ہوں بڑی مصروف' مشکل اور تلخ زندگی ہے۔ چھوٹی چھوٹی خوشی کی متلاشی رہتی ہوں۔ کبھی تفصیل سے رسالے کی کہانیوں پر تبصرہ کروں گی۔ سارہ عرفان کا تیرا انتظار امرت بہت پسند آیا۔ دادا جی کا کردار' میرے دادا جانی آغا جی سے ملتا ہے۔ بہت مزہ آیا۔

ج : پیاری نور! ہم روایتی محبوب کیسے بن سکتے ہیں۔ ہم تو خود محبت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ ہمیں اپنے تمام محبت کرنے والے بہت عزیز ہیں۔ ان ہی کے لیے ہم محنت کرتے ہیں۔ پرچا سجاتے سنوارتے ہیں۔ اگر آپ لوگ ہی نہیں پڑھیں گے تو یہ ساری محنت کس کام کی۔ یوسف بے کارواں ہو کر رہ جائیں گے ہم تو۔

آپ بہت قابل قدر کام کر رہی ہیں۔ اسپیشل بچوں کو سنبھالنا واقعی بہت مشکل ہے۔ اس کام کو خالص اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے کریں ثواب ملے گا ان شاء اللہ۔ آئندہ پرچے پر تبصرے کے ساتھ شرکت کیجئے گا۔ آپ کا نام شامل نہیں ہو سکا۔ یہ جان کر ہمیں واقعی شرمندگی ہوئی ہے۔ آئندہ خیال رکھیں گے۔

تنزیلہ یوسف..... لاہور

تالیہ مراد بھلے کرمنل مائنڈ ہے مگر نہ چاہتے ہوئے بھی دل میں اس کے لیے نرم گوشہ ہی ہے۔ اللہ کرے آگے چل کر تالیہ یہ سب چھوڑ دے۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ تالیہ جیسی پر اعتماد لڑکی سمیع سے اب بھی ڈرتی ہے۔ دشت جنوں کہاں جا رہا ہے۔ "آئے کت" غائب ہوئی تو پچھلے کئی ماہ کے شماروں میں اس کا ذکر تک نہیں' دشت جنوں میں کچھ ہے جو پہلے سطر سے ہی اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے اور پھر یہ سحر اس وقت ٹوٹتا ہے جب آخر میں لکھا ہوتا ہے کہ باقی آئندہ ماہ۔ اب آتے ہیں سائرہ رضا کی حسنل کی طرف۔ حسنل جیسی لڑکی کو تصور ہی میں ڈانس کرتے اور سلیولیس پہنے دیکھ ہی حیرت ہوئی۔ اللہ کرے وہ پھر سے ویسی ہی ڈھکی چھپی حسن اکاب بن جائے۔ ماہ نور کہاں گئی؟ پوری قسط میں اس کا ذکر خیر تک نہیں۔ باقی تمام سلسلے کرن کرن روشنی آپ سے کیا پردہ' میری بیاض سے غرض سب ہی سلسلے میرے پسندیدہ ہیں اور پتنگ باز سجنا منشا محسن علی کی پڑھ کر لگا کہ جبیں سسٹرز کو پڑھ رہی ہوں۔ لاجواب تحریر۔ نعیمہ ناز کا فسانہ زندگی پڑھ کر مزہ آگیا۔ آسیہ رزاقی کو پڑھا مزہ آگیا ______ شکر ہے قصور میں مشکوۃ کو زبیدہ چچی کی سمجھ آگئی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آج کی دنیا میں جب بہو گھر کے کام کاج نپٹا رہی ہوتی ہے تو اس کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ کوئی بچوں کو سنبھال لے تاکہ کام جلد از جلد پورا ہو مگر حیرت ہے کہ ابھی بھی کچھ ایسی ہیں جو ساس کے ساتھ اس قسم کا سلوک روا رکھتی ہیں۔

ج : پیاری تنزیلہ! خواتین کتنی ہی مردمار قسم کی کیوں نہ ہوں۔ وہ مزاجاً" نرم مزاج اور نرم خو ہی ہوتی ہیں' اس لیے تالیہ اگر سمیع سے ڈرتی ہے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ دوسرا کرداروں کا غائب ہونا اور مخصوص حالات میں ظاہر ہونا بھی کہانی کا تقاضا اور حسن ہوتا ہے۔ وقت پر آئے کت سمیت تمام کردار ظاہر ہوں گے بس ذرا انتظار۔

اور ــــ کچھ خواتین' بہت تنگ دل ہوتی ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے بچے دادی اور پھوپھی سے محبت نہ کریں۔ ان سے مانوس نہ ہوں۔ اسی لیے وہ اس قسم کی حرکتیں کرتی ہیں۔ زبیدہ چچی کی بہو کا شمار اسی قسم کی خواتین میں ہوتا ہے۔

عائشہ صدیقہ راجپوت..... چیچہ وطنی گگو شالہ

جب ہم کسی کو اپنے ذہن میں بہت اونچا مقام دے دیتے ہیں تو پھر اس سے توقعات بھی اسی حساب سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ اس لیے جب وہ اپنے معیار سے تھوڑا بہت بھی اوپر نیچے کام کرتا ہے تو ہمیں بہت شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ (بہت معذرت کے ساتھ) نمرہ احمد کا ناول "حالم" ان کے دوسرے ناولز "جنت کے پتے" "مصحف" اور "نمل" کے معیار تک نہیں پہنچ سکا۔ یہ محض میری اپنی رائے ہے۔ اس لیے کسی بھی قاری بہن کا مجھ سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ سائرہ رضا کا ناول پر فیکٹ چل رہا ہے ان کے باقی تمام ناولز کی ہی طرح۔ آمنہ ریاض کا ناول بھی بہت دلچسپ جا رہا ہے لیکن اس کی اسپیڈ بہت آہستہ جا رہی ہے۔

ج : پیاری عائشہ! ہم کسی قاری کی رائے سے متفق ہوں یا نہ ہوں اس کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ آپ کو اپنی رائے رکھنے اور اس کا اظہار کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

رضوانہ سحر ناز..... ضلع اوکاڑہ

خواتین اگرچہ میری طبیعت کے برعکس رسالہ ہے۔ مگر کچھ مخصوص سوچ والی لڑکیوں کے لیے اکلوتا و بہترین ہے۔ میرے خیال میں یہ خاتون نہیں' پاک ڈائجسٹ نامی رسالہ ہونا چاہیے اور ہاں' کیا آپ خواتین ڈائجسٹ کی طرح مرد ڈائجسٹ نکال سکتے ہیں۔ جس میں مردوں کے مسائل پر کہانیاں شائع کی جائیں۔
عمران ڈائجسٹ دیکھا مگر افسوس! اس کا اتا پتا معلوم نہ ہو سکا کہ میں بھی اس میں کچھ تحریریں بھیج کر خوش قسمت بن سکتی۔

ج : پیاری رضوانہ! عمران ڈائجسٹ بھی ہمارے ہی ادارے کی کاوش ہے مگر وہ صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں' وہ گھر بھر کے تمام افراد کے لیے ہے۔ خواتین ڈائجسٹ صرف مخصوص سوچ رکھنے والی لڑکیوں کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ خواتین ڈائجسٹ کو حضرات کی بھی ایک بڑی تعداد پڑھتی اور پسند کرتی ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں ان کے بھیجے گئے خطوط سے ہوتا ہے مگر بوجوہ وہ شائع نہیں کیے جاتے۔ مگر ہم انہیں پڑھتے ضرور ہیں اور ان کی تجاویز و آرا

سے مستفید ہوتے ہیں۔ آپ اپنی تحریریں "عمران ڈائجسٹ" کے لیے بھیج دیں۔ ایڈریس یہ ہے عمران ڈائجسٹ '37 اردو بازار کراچی۔

نوشابہ' تبسم 'سحرش' عائشہ اور خدیجہ..... نامعلوم شہر

"دشت جنوں" بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ ہمیں تو "آئے کت" ہی آیوشمتی لگتی ہے۔ سائرہ رضا ہماری موسٹ فیورٹ رائٹرز میں شامل ہیں۔ "حسن المآب" بہت اچھی تحریر ہے۔ ناولز دونوں ہی اچھے تھے۔ ناولٹ ابھی پڑھے نہیں۔ افسانے ایک دو ہی 'پڑھے اچھے لگے۔ ٹائیٹل اچھا تھا۔ آپی آپ سے جو سوال کر رہے ہیں ان کے جواب لازمی دیجئے گا۔ ایک تو آمنہ ریاض کے ناول "دشت جنوں" میں بشام کا ذکر ہے کیا یہ جگہ پاکستان میں ہے؟ اگر نہیں تو پھر کہاں ہے اور دوسرا آپ نمرہ جی کے ناول "نمل" کا "روبرو" کیوں نہیں لے کر آئیں۔ اور آپی کچھ عرصہ پہلے "خواتین" یا "شعاع" میں ایک کہانی آئی تھی۔ اس کے کرداروں کے نام "فجر اور اثر" تھے۔ اس کہانی میں دادی اور نانی کا ذکر بھی بہت تھا۔ اس کہانی کا نام ضرور بتایئے گا۔

ج : پیاری بہنو! فلک بوس اور بشام پاکستان میں ہیں۔ روبرو میں نمرہ کو ضرور لے کر آتے مگر انہوں نے نمل جیسا طویل ناول پھر فوراً ہی "حالم" پر کام شروع کر دیا اس لیے "روبرو" کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا۔

کہانی کا نام تو ہمیں یاد نہیں' اتنا یاد ہے کہ نایاب جیلانی کا ناول تھا۔ شاید نایاب کو یاد ہو' وہ بتا سکیں۔

حرا ملک..... وہاڑی

"حالم" نمرہ آپی کا ناول ہر بار کی طرح عمدہ اور پرفیکٹ ہے۔ "حسن المآب" ویری ویری بیوٹی فل سٹوری۔ مگر آپی ایسا صرف کہانیوں اور ڈراموں میں ہوتا ہے کہ انسان کی سوچ کے مطابق سب کچھ ہو۔ حسین اور خوب صورت اتفاقات۔ "دشت جنوں" بڑی انٹرسٹنگ اسٹوری ہے اور آیوشمتی جیسے واقعات تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

آپی پوچھنا تھا کہ "کرن اور دستر خوان" جو کہ کرن میں نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے' اس میں جو جو حصہ لیں گے ان سب کو 3 ماہ کے لیے کرن ملے گا یا پھر قرعہ اندازی۔ میری بڑی سسٹر آپی ثمینہ نے (99 - Radio FM) کے R.J فہد عباسی' ذیشان ناصر اور حیاء خان (Power) کے انٹرویوز کی فرمائش کی ہے۔ براہ مہربانی آپ شاہین رشید تک پہنچا دینا۔

ج : پیاری حرا! خواتین کے لیے ہمیں آپ کے خطوط لازماً "22" تاریخ تک مل جانے چاہئیں۔ اگر آپ کو پرچا تاخیر سے ملتا ہے تب بھی پڑھ کر تاخیر سے ہی سہی مگر اپنا تبصرہ ضرور لکھا کریں۔ ہمارے لیے آپ کی رائے جاننا اہم ہے۔ کہانیاں ہمارے خوابوں اور خواہشوں کا ملغوبہ ہوتی ہیں۔ اسی لیے وہ کبھی کبھی حقیقت سے بعید لگتی ہیں۔

مگر خواب تو پھر خواب ہیں نا۔

کرن دستر خوان میں جن بہنوں کا سلسلہ منتخب ہو کر شائع ہو گا۔ انہیں تین ماہ کے لیے کرن مفت دیا جائے گا۔ آپ سلسلے کے ساتھ اپنا مکمل پتا بھی تحریر کریں۔

بنت مریم..... دیناپور

عرصہ دراز سے ہم لوگ یعنی بہن بھائی ان رسالوں کے رسیا ہیں۔ کتنی دفعہ اپنی خاموشی توڑی اور محنت و مشقت سے خط لکھے منتیں ترلے کر کے پوسٹ کروائے مگر وائے ناکامی۔

شادی سے پہلے بھی مطالعے کا انتہا کی حد تک شوق تھا اور اب شادی کے بعد اور بچوں کی پیدائش کے بعد یہ شوق اور جذبہ اور ہی طریقے سے پروان چڑھا ہے۔ جیسے شادی کے بعد میکہ' یا کالج وسکول کی دوستیں ان سے بندہ اپنا ہر مسئلہ شیئر کر لیتا ہے۔ دو تین مہینے پہلے ایک قاری بہن کا خط پڑھا رشیقہ کلثوم کا' پڑھ کر بڑا رونا آیا۔ یہ دعا لکھ رہی ہوں خاص طور پر فوت شدہ والدین کے لیے پڑھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا ہے ــــ "رب ارحمھما کما ربنی صغیرا" (پارہ 15' سورۃ بنی اسرائیل) آیت کی صحیح ادائیگی کے لیے قرآن پاک میں دیکھ لیں۔

اگست کا شمارہ پڑھ کے سکون مل گیا۔ سب کہانیاں ہی زبردست تھیں نفسیاتی الجھنوں میں نسرین لیہ کا خط پڑھ کر دل غم سے بھر گیا۔

میری شادی دیناپوری (دبئی) میں ہوئی ہے یہاں کا ڈاک سسٹم بس سبحان اللہ ہی کہہ سکتے ہیں اسی لیے آپ لوگوں سے آدھی ملاقات کے لیے مجھے سفر کرنا پڑے گا یعنی کہ..... ملتان جا کے لال ڈبے کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ دیکھ لیں آپ کی

محبت ہمیں کس طرح بے حال رکھتی ہے۔
ج : پیاری اور معصوم بنت مریم! آپ کی محبت کے دل سے قدر دان ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہماری محنتوں کو آپ کی طرف سے پذیرائی ملتی ہے اور ہم آپ کی دعاؤں میں شامل ہیں۔

سدرہ بتول..... ملتان

سرورق اس دفعہ بھی بس ٹھیک ہی تھا۔ ہائے بے چاری خوش نصیب کے ساتھ اب کیا ہوگا؟ حسن المآب پڑھ کر دل اش اش کر اٹھتا ہے۔ حالم اس دفعہ بھی مزے کی قسط تھی۔ منشا محسن کا ناول بھی مزے کا تھا لیکن ان کا اسٹائل ہر کہانی میں ایک جیسا ہے مطلب ایکسپریشن کے لیے ان کے الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں ایک ہی ٹون میں۔ سارہ عرفان کا ناول بھی اچھا تھا۔ سدرہ حیات کا ناولٹ بھی اچھا تھا خاص طور پہ لفٹ میں پھنسنے والا واقعہ۔ "کڑا وقت اور حقیقت بھی اچھی تھیں۔ نعیمہ ناز کا ناول بھی اچھا تھا "قصور" ایک اچھا موضوع تھا۔ ہر محلے میں ایک ایسی بے چاری چچی ضرور ہوتی ہے اور کم و بیش سب کے ساتھ محلے کی لڑکیوں کے یہی رویے اور خیالات ہوتے ہیں۔ اندر کی اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر ناظمہ زیدی کا خط پڑھ کر 15 منٹ کی بھی تاخیر کیے بغیر پین اور پیپر اٹھا لیا کہ ان کی غلط فہمی دور کر دوں۔ بے ہوش سے مطلب یہ نہیں تھا کہ اینتھیسیزیا تھا اور آپ کا نام میں نے نمرہ احمد کے حوالے سے لکھا تھا۔ جون کے شمارے میں آپ نے لکھا تھا کہ سمیرا حمید جی معذرت کے ساتھ آپ کی اسٹوری مجھے اچھی نہیں لگی۔ میرا مطلب یہی تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سمیرا حمید متاثر نہ کرسکیں آپ کی اپنی چوائس لیکن میں نے صرف مذاق میں ایک بات کہی مقصد آپ کو ہرٹ کرنا یا بہتان لگانا ہرگز نہیں تھا اور اچھا ہوتا آپ ملتان آجاتیں تو میں اپنا پوائنٹ آف ویو زیادہ اچھے سے کلئیر کر دیتی لیکن پھر بھی آپ کو برا لگا تو میں کان پکڑ کر آپ سے سوری کہتی ہوں۔ نمرہ کا ناول 'آمنہ حسین کو پسند نہیں آیا تھا (آمنہ جی آپ سے بھی پیشگی معذرت۔ کیا پتا کل کو آپ بھی ناراض ہو جائیں' آئی ایم رئیلی ویری سوری) تو آپ کا اور ان کا نام ملا کر لکھنے سے آپ کو لگا۔ آپ کا نام نمرہ احمد کے ناول کی وجہ سے لکھا گیا۔ باقی آپ سروے کن لوگوں سے کرتی ہیں
ج : پیاری سدرہ! ہم سروے چھپ چھپا کے نہیں بیانگ دہل کرتے ہیں اور آپ جیسی پیاری پیاری قارئین سے ہی کرتے ہیں۔ بس اس دفعہ ہم نے محفوظ رکھے سروے شائع کرنے کا پلان بنایا تھا۔ آئندہ محفوظ نگارشات کو محفوظ ہی رہنے دیں گے۔

شازیہ رفیق..... رحیم یار خان

میں آٹھویں کلاس میں تھی جب سے میں یہ پڑھ رہی ہوں اور اب ماشاء اللہ میرے بچے جوان ہیں۔ ناولٹ "پتنگ باز سجنا" منشا محسن علی اور "ریت' پیار اور ہم" سدرہ حیات کا بہت اچھے لگے۔ افسانے "میراث" کے علاوہ بہت اچھے تھے۔ مکمل ناول اور ناول بھی اچھے ہیں۔ بینش راجا کی باتیں اچھی لگیں۔ "موسم کے پکوان" "آپ کا باورچی خانہ" سب کچھ اچھا تھا۔
ج ۔ پیاری شبانہ! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے پچھلے خط شامل نہ ہو سکے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ملے نہ ہوں یا تاخیر سے ملے ہوں۔ ایک طویل رفاقت نبھانے کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

طاہرہ ظفر..... فیصل آباد

تقریباً "بیس سال سے خواتین' کرن' شعاع کی خاموش قاری ہوں' کئی بار خط لکھنے کو دل چاہا' مگر رد ہونے سے ڈرتی تھی' ابھی کسی کہانی پہ کوئی تبصرہ نہیں کروں گی' ابھی مقصد صرف آپ کے اسکول میں داخلہ ہے' اگر وہ مل گیا تو آئندہ بھی بشرط زندگی ان شاء اللہ حاضری لگواتی رہوں گی' ورنہ اس بیس سالہ خاموش قاری کو پھر خاموش ہی سمجھیے گا۔
ج ۔ پیاری طاہرہ! اپنی بیس سالہ خاموش قاری کو ہم مزید خاموش نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس لیے آپ کا خط شامل ہے۔ آپ میں صلاحیت ہے۔ اپنی کوئی اور نظم یا غزل بھجوائیں۔

خبریں وبریں

واصفہ سہیل



اعزاز

ارفع کریم ہو یا ستارہ اکبر دونوں نے بہت کم عمری میں پاکستان کا نام روشن کیا۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں خواتین کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ ان کے لیے یہ ایک مثال ہے۔ چنیوٹ کی رہائشی ستارہ بروج اکبر نے سترہ سال کی عمر میں دنیا کی سب سے کم عمر اینٹی منی لانڈرنگ اسپیشلسٹ ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا ہے (واہ بھئی ہمارے ملک کے لیے تو یہ.....؟) اس کورس میں بینکنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والے افراد ہی شامل ہوتی ہیں۔ ستارہ بروج نے یہ کورس امریکن آرگنائزیشن ACAMS سے مکمل کیا ہے۔ اس سے قبل اس ادارے سے بتیس پاکستانی یہ کورس کرچکے ہیں۔

ستارہ اس سے پہلے او لیول (کیمسٹری' بائیولوجی اور انگلش) کا امتحان پاس کرنے والی دنیا کی کم عمر ترین خاتون ہونے کا اعزاز بھی حاصل کرچکی ہیں۔ ستارہ نے 2011 میں برٹش کونسل کے تحت آئی لیٹس کے امتحان میں بھی نو میں سے نو بینڈ حاصل کرکے شہرت پائی تھی۔ ستارہ بروج اکبر بائیو کیمسٹری میں ملک کی ٹاپ ریسرچر بننا چاہتی ہیں۔

آلوچہ

آلوچہ' آڑو اور چیری کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے شمالی علاقوں میں کئی قسم کے ذائقے دار آلوچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں وٹامنز اور منرلز کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ آلوچے کھانے سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ہارمونز اور ذہنی دباؤ کو بہتر کرنے کے علاوہ دل اور ہڈیوں کو صحت مند رکھتا ہے۔ آلوچہ قدرتی طور پر قبض کشا پھل ہے۔ اس میں وٹامن بی 6 کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جو فالج اور دل کے درد سے محفوظ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ وٹامن سی بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے خون کی کمی کا شکار افراد اس کا استعمال زیادہ کریں تو ان کا دوران خون بہتر ہوجاتا ہے۔ آلوچہ تازہ یا خشک دونوں صورتوں میں فائدہ مند ہے۔

متاثر

حمیما ملک نے بھارت میں پہلی فلم جو سائن کی تھی وہ "دشیر" تھی جس میں سنجے دت ان کے ہیرو تھے۔ وہ سنجے دت کی اہلیہ کا کردار ادا کررہی تھیں۔ (بھئی فلم میں) پھر سنجے دت چلے گئے جیل اور **حمیما** واپس۔ (بھئی پاکستان اور کہاں) اب سنجے دت رہا ہوگئے ہیں تو **حمیما** نے سنجے دت کو ان کی سالگرہ پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا ہے کہ "آپ کا دل سونے کا ہے۔ (اسی لیے تو بار بار جیل جانا پڑتا ہے) اور آپ بہت خالص روح کے مالک ہیں جس طرح آپ کے دل میں اپنی والدہ کے لیے محبت ہے۔ وہ مجھے بہت اچھا



لگتا ہے(لیکن والدہ سے محبت تو بہت سے لوگ کرتے ہیں تو۔۔۔؟) آپ بہترین آدمی ہیں(آدمی یا انسان۔۔۔؟) آپ نے جو مشکل وقت دیکھا ہے۔ اس نے آپ کو مضبوط کیا۔(جی یہ تو حقیقت ہے) میری دعا ہے کہ اچھا وقت جلد آئے(کس کا۔۔۔؟) میں خوش نصیب ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ کام کیا۔(کیا نجے دت بھی یہی سمجھتے ہیں)۔

محنت

ارسلان راجہ مختلف ڈراموں میں کام کررہے ہیں انہیں شوبز میں آئے دس سال ہوگئے ہیں لیکن ابھی تک وہ اپنے آپ کو منوا نہیں سکے۔ ارسلان راجہ کہتے ہیں کہ 2007 سے 2017 تک کا یہ سفر بہت کٹھن رہا۔ مجھے کراچی میں کام کرتے ہوئے تین سال ہوگئے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ کراچی میں کام ملنا حلوے کی طرح ہے لیکن ایسا بالکل نہیں (ارسلان ٹیلنٹ ہر جگہ خود کو منوا لیتا ہے) جب کراچی آیا تھا تو مجھے بڑی جدوجہد کرنا پڑی' ہر پروڈکشن ہاؤس کے دھکے کھائے۔ تب جا کر کام ملا۔ وہ میرا لرننگ پریڈ تھا۔ میرا تعلق کراچی سے نہیں پنڈی سے ہے۔ پنڈی سے لاہور پہنچا' وہاں پر کام کیا۔ دھکے کھائے اور محنت کی۔ ہمت نہیں ہاری۔ اسلام آباد گیا پھر کراچی آگیا۔ اب لوگ مجھے میرے کام کی وجہ سے پہچانتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے۔ ہماری انڈسٹری میں ہوائی روزی والا کام ہے۔ کبھی آپ چار چار ماہ مصروف رہتے ہیں اور کبھی مہینوں گھر بیٹھے رہتے ہیں۔(تو کوئی اور کام بھی کریں ناں!)

☆ نواز شریف کے تیس برس تک مقبولیت کے عروج پر بیٹھنے کا واحد سبب یہی ہے کہ قوم انہیں صاحب کردار سمجھتی ہے۔ نیک بھلا مانس اور مظلوم گردانتی ہے اور جب بھی موقع ملتا ہے انہیں موقع دے دیتی ہے۔ غیبی طاقتیں سرتوڑ کوششیں کریں۔ سیاست کے صفحہ ہستی سے نیستی تک لے جائیں لیکن جو عوامی تاثر بن گیا ہے' اسے دور نہیں کر سکتیں۔ کر سکتیں تو ڈاکٹر عبدالقدیر خان والے معاملے میں کر لیتیں۔ وہ تو ایک تنہا آدمی تھا' ان کے پیچھے فوج تھی نہ جماعت۔ حکومت تھی نہ ادارے۔ لیکن عوام کے دلوں پر وہ تب بھی راج کرتے تھے۔ اب بھی کرتے ہیں۔

(واقعہ نگار خصوصی امت)



آپ کا باورچی خانہ

اقرا عبدالجبار

لو جی ہم بھی آپہنچے ہیں آپ کا باورچی خانہ میں شرکت کرنے۔ اب جب ہم نے بھی کچن کو رونق بخشی ہے اور بہت سی ڈشوں میں طاق ہو گئے ہیں تو بن بلائے مہمان کی طرح آٹپکے ہیں آپ کی بزم میں۔

جب میں کچن میں ہوتی ہوں تو بہت دھماکے ہوتے ہیں (اصلی والے نہیں) بہت برتن توڑے ہیں۔ گھر والوں کو پتا ہوتا ہے اب کچن میں اقرا ہے۔ پوچھتے ہیں کیا توڑا ہے اب؟

گھر میں زیادہ تر کھانا امی جی اور چچی بناتی ہیں اور میں نئی ڈش تیار کرتی رہتی ہوں۔

اور اگر کوئی دعوت ہو تو امی جی اور چچی جان ہی کھانا بناتی ہیں۔ میرے حصے میں رائتہ اور سلاد آتا ہے۔ (اب ہنسیے گا نہیں)

اب آپ کے سوالات کی طرف چلتے ہیں۔

1- کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں' پسند ناپسند' غذائیت' گھر والوں کی صحت؟

ہمارے گھر میں پسند اور غذائیت دونوں کا خیال رکھا جاتا ہے اور سب سے اہم تو صحت ہے۔ دادا ابو مرچ نہیں کھاتے اور دادی امی نمک' بی پی کی مریضہ ہیں۔ سالن کم نمک کا اور پھیکا بنتا ہے پھر نکال کر اور نمک مرچ ڈال کر سالن کو تھوڑی دیر اور پکا لیتے ہیں۔ زیادہ مسالوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

2- گھر میں اچانک مہمان آگئے ہیں۔ کھانے کا وقت ہے۔ کسی ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری تیار کرکے تواضع کر سکیں؟

ہمارے گھر میں ماشاء اللہ' اللہ کی رحمت ہے' مہمان بہت آتے ہیں اور ہم مہمانوں کے آنے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

میری چچی جو چکن کڑاہی بہت مزے کی بناتی ہیں۔ اب میں نے بھی ان سے سیکھی ہے فٹافٹ تیار ہو جاتی ہے۔

چکن کڑاہی
(اسے مٹن یا بیف سے بھی بنا سکتے ہیں)

اجزا :

مرغی	ڈیڑھ کلو
ٹماٹر	ایک کلو
ہری مرچیں	دس عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو بڑے چمچے

نمک' سرخ مرچ' ہلدی' گرم مسالا حسب ضرورت

ترکیب :

تیل گرم کرکے اس میں چکن ڈال کر پانچ منٹ پکالیں پھر اس میں ٹماٹر اور ہری مرچیں باریک کاٹ کر ڈال دیں پھر باقی سارا مسالا بھی۔

ٹماٹروں کے پانی میں مرغی گل جائے گی جب ٹماٹروں کا پانی خشک ہو جائے تو پندرہ منٹ ڈھکن ڈھک کر دم پر رکھ دیں پھر باریک کٹا ہوا ہرا دھنیا اور باریک پسا ہوا زیرہ ڈال دیں مزیدار چکن کڑاہی تیار ہے۔

3- کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے' آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟

جب کھانا کھا کر ہم بہنیں کچن میں برتن رکھ کر آجاتی ہیں تو امی جی کو غصہ آجاتا ہے۔ امی جی کہتی ہیں' برتن دھو کر رکھا کرو یا پھر سنک میں جمع کر دیا کرو' پھیلا کر نہ آیا کرو۔ امی ہمیشہ کچن کو صاف چمکتا ہوا رکھتی ہیں۔

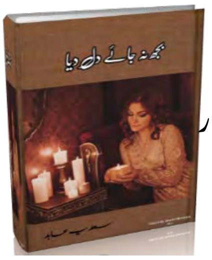
4- ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟ ایسی خصوصی چیز کی

عہدِ وفا



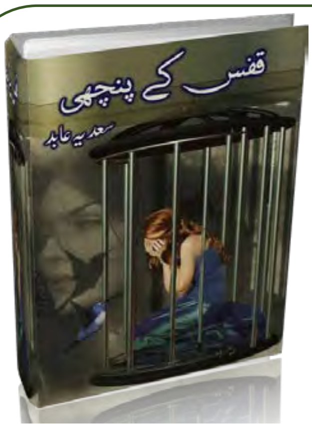
ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا منفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا



سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

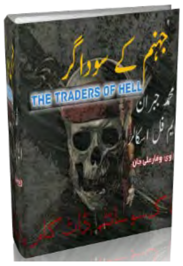
قفس کے پنچھی



سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

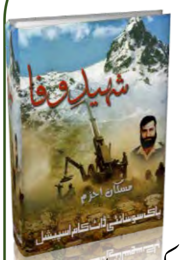
آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر



مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا



مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ **مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

ترکیب جو آپ اچھی بناتی ہوں؟
ناشتا ابھی تک امی جی کے ہاتھ کا کرتے ہیں۔ مزے دار پراٹھا ساتھ رات کا بچا ہوا سالن اور چائے۔ جس دن میں پراٹھے پکاتی ہوں تو پتا نہیں کیوں اکڑ جاتے ہیں۔
نرم پراٹھا پکانے کے لیے کوشش جاری ہے۔ صبح ناشتا ہی آنکھیں ملتی ہوئی کرتی ہوں بنانا کیا ہے۔

5۔ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھانے جاتی ہیں؟
مہینے میں؟ (ہائے ہماری ایسی قسمت کہاں)
ہم باہر کا کھانا گھر منگوا کر کھاتے ہیں اور جب شاپنگ کے لیے اور رشتے داروں کے ہاں دوسرے شہر جاتے ہیں تو ہوٹلنگ کرتے ہیں اور یہ موقع سال بھر بعد ہی آتا ہے۔

6۔ کھانا پکانے کے انتخاب میں موسم کا خیال رکھتی ہیں؟
بالکل جی موسم کے حساب سے ہی کھانا بنتا ہے۔ گرمیوں میں امی جی سے فرمائش کرکے کڑھی پکواتی ہوں۔ سردیوں میں ساگ بنتا ہے اور کبھی کبھار ساگ کے ساتھ باجرے کی روٹیاں بنتی ہیں۔ سردیوں میں رات کو ہم مونگ پھلی کی لائی بھی بناتے ہیں۔ اور برسات کے تو کیا ہی کہنے۔
جیسے ہی بارش کی پہلی بوند گرتی ہے۔ سب بچے صحن میں اور ہم کچن میں۔ چچی گڑ والے چاول بناتی ہیں۔ میں پکوڑے بناتی ہوں۔ بارش ہو تو چاچو میٹھے پکوڑے بناتے ہیں' جنہیں بارش کے موسم میں کھانے کا اپنا ہی مزہ ہے۔

7۔ اچھا کھانا پکانے میں کتنی محنت کی قائل ہیں؟
یہ سوال پوچھ کر تو آپ نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ جب سالن پکاتی ہوں تو سبزی ڈال کر سالن دم پر رکھ کر رسالہ لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ امی جی آتی ہیں اقرا! اگر میں سالن نہ دیکھتی تو جل جانا تھا اور بہت دفعہ تو جلا بھی ہے۔
ہاں جب بریانی بناتی ہوں تو بہت محنت سے بناتی ہوں۔

8۔ کچن کی کوئی ٹپ جو بتانا چاہیں؟
اگر چاولوں یا سالن میں نمک تیز ہو جائے تو آٹے کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر ڈال دیں' نمک کم ہو جائے گا۔ آزمودہ ہے۔

☼

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

توا کلیجی

اجزاء :

کلیجی — آدھا کلو
ثابت دھنیا — ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچ — دس عدد
زیرہ — ایک کھانے کا چمچہ
لہسن کے جوئے — دس عدد
ہلدی — آدھا چائے کا چمچہ
دہی — ایک پیالی
لیموں کا رس — دو کھانے کے چمچے
پسی لال مرچ — ایک کھانے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
گھی یا تیل — تلنے کے لیے
ٹماٹر — دو عدد
پیاز — ایک عدد
قصوری میتھی — ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

ثابت دھنیا ' ثابت لال مرچ ' زیرہ کو بھون کر موٹا موٹا کوٹ لیں۔ کلیجی کو اچھی طرح دھولیں پھر اس میں کٹا مسالا ' پسا ہوا لہسن ' ہلدی ' دہی ' لیموں کا رس ' پسی لال مرچ اور نمک ڈال کر مکس کریں۔ توے پر تھوڑا گھی گرم کرکے دو کٹے ٹماٹر اور ایک پیاز ڈال کر ہلکا سا بھون لیں پھر اس میں کلیجی اور بقیہ گھی یا تیل شامل کر کے پکائیں ' اتنا کہ مسالا اور گھی الگ ہو جائیں۔ آخر میں ایک چائے کا چمچ قصوری میتھی ڈال کر تھوڑا مزید بھون لیں۔ ہرا دھنیا سے گارنش کریں۔ توا کلیجی پراٹھوں کے ساتھ خوب مزا دے گی۔

کڑاہی کلیجی

اجزاء :

بکرے کی کلیجی — آدھا کلو
ہری مرچ — آٹھ سے دس عدد
ٹماٹر — تین سے چار عدد
ادرک لہسن پسا ہوا — ایک کھانے کا چمچہ
ادرک باریک کٹی ہوئی — ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس — حسب ذوق
تیل — پکانے کے لیے

ترکیب :

کلیجی کو اچھی طرح صاف کر کے دھولیں ' پھر اس میں پسا ہوا ادرک لہسن لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ تیل گرم کر کے کلیجی بھون لیں ' اب ادرک لہسن ' ٹماٹر اور ہری مرچ شامل کر دیں ' جب پانی خشک ہو جائے تو مزید بھون لیں۔ آخر میں ہری مرچ ' کٹی ادرک ' لیموں سے سجا کر پیش کریں۔

چنیوٹی کنّا

اجزاء :

بکرے کا گوشت — آدھا کلو
گھی — ایک پیالی
ادرک ' لہسن پسا ہوا — دو کھانے کے چمچے
دھنیا (پسا ہوا) — ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پسی ہوئی — ایک کھانے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
پیاز — ایک عدد
یخنی — آدھا لیٹر
کالا زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
جاوتری پسی ہوئی — آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا — آدھا چائے کا چمچہ
ادرک باریک کٹا ہوا — کھانے کے دو چمچے
آٹا — آدھی پیالی

ترکیب :

مٹی کی ہانڈی یا ایک دیگچی میں گھی گرم کرکے اس میں بکرے کا گوشت ڈال کر بھون لیں۔ اب اس میں ادرک، لہسن، دھنیا، ہلدی، پسی لال مرچ، نمک اور پیاز شامل کریں اور دو سے تین منٹ تک بھونیں، اب اس میں یخنی اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے ڈھکن ڈھانک کر گلنے دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں کالا زیرہ، جاوتری، گرم مسالا اور نمک شامل کر کے پانچ سے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں پھر آنچ تیز کر دیں اور آٹے کو پانی میں گھول کر تھوڑا تھوڑا کر کے شامل کریں، جب سالن میں ابال آجائے اور آٹا پک جائے تو ڈش میں نکال کر ادرک سے گارنش کر کے سرو کریں۔

نمکین گوشت

اجزاء :

گوشت	دو کلو
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ (پسی ہوئی)
ثابت کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک کٹی ہوئی	دو چائے کے چمچے
سبز مرچیں کٹی ہوئی	چار سے آٹھ عدد
ٹماٹر	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب :

گوشت کے ساتھ نلی کی ہڈی اور چربی بھی دو پیالی کے قریب ہونا چاہیے چربی کو دیگچی میں ڈھانک کر گرم کریں پھر سبز مرچوں اور ادرک کو اس میں ایک منٹ کے لیے تل لیں اور گوشت ڈال کر کچھ دیر بھونیں اس کے بعد ٹماٹر اور کالی مرچ ڈال کر تیز آنچ پر انہیں کچھ دیر تک پکائیں اور چمچہ اس وقت تک چلاتی رہیں کہ روغن اوپر آجائے۔ نمک آخر میں شامل کریں تاکہ دوسرے مسالے اچھی طرح گوشت میں جذب ہو سکیں، اب ڈھانک کر ہلکی آنچ پر اس وقت تک پکائیں جب تک گوشت نرم ہو کر ہڈیوں سے الگ نہ ہو جائے۔

بہترین ذائقے کے لیے ہلکی آنچ پر پکائیں اور ممکنہ حد تک کوشش کریں کہ پانی نہ ڈالیں، تاہم ضرورت پڑنے پر تھوڑی مقدار میں پانی ڈالا جا سکتا ہے۔

لذیز بریانی

ضروری اشیاء :

گوشت	ڈیڑھ کلو
چاول (باسمتی)	ایک کلو

(15 منٹ بھگو کر ایک کنی رکھ کر ابال لیں)

لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	تین عدد
پسا کچا پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
پسی سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ (بھون لیں)	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا (بھون لیں)	1 چائے کا چمچہ
سبز الائچی پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
دہی (پھینٹ لیں)	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک بڑے پیالے میں گوشت، نمک، پسی ہوئی سرخ مرچ، پسا ہوا گرم مسالا، کچا پپیتا پسا ہوا، بھنا ہوا زیرہ، بھنا ہوا ثابت دھنیا، سبز الائچی پاؤڈر، ادرک لہسن پسا ہوا اور دہی ڈال کر اچھی طرح ملا کر کے دو گھنٹے میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔

دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز ڈال کر سنہرا کر لیں۔ میرینیٹ کیا ہوا گوشت شامل کر کے دو منٹ تک بھونیں اور حسب ضرورت پانی ڈال کر پکائیں، گوشت گل جائے تو مسالا بھون لیں۔

الگ بڑی دیگچی کو ذرا سا گھی یا تیل لگا کر گوشت اور چاولوں کی تہہ لگائیں دس منٹ دم پر رکھ کر چولہے

سے اتار لیں۔ مکس کر کے سرونگ ڈش میں نکال کر دہی کے رائتے اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

چاکلیٹ فج کیک

ضروری اشیاء :

میدہ	ایک کپ
کیسٹر شوگر	آدھا کپ
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
آئل	ایک کپ
دودھ	ایک کپ (بالائی نکالا ہوا)
گولڈن سیرپ	دو کھانے کے چمچے
مکھن (پھیکا)	پانچ کھانے کے چمچے
آئسنگ شوگر	175 گرام
کوکو پاؤڈر	تین کھانے کے چمچے
دودھ	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

میدے میں بیکنگ پاؤڈر اور کوکو پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور چھلنی سے دو مرتبہ چھان لیں اس کے بعد اس میں کیسٹر شوگر ایک کپ دودھ انڈے آئل اور گولڈن سیرپ ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کریں اور آمیزے کو مکھن سے چکنے کیے ہوئے ٹن کیک (ٹن نہ ہو تو چھوٹی سلور کی دیگچی لے لیں) میں ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 180.c پر رکھ کر 30-25 منٹ تک بیک کریں اس کے بعد نکال کر کیک کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ اگر اوون نہ ہو ـــــ تو ایک بڑے برتن میں اسٹینڈ رکھ کر کیک ٹن اس پر رکھ کر چولہے پر رکھ دیں اور ڈھکن سختی سے بند کر دیں۔

ایک پیالے میں مکھن ڈال کر پھینٹیں اور پھینٹنے کے دوران اس میں آئسنگ شوگر (پسی ہوئی چینی) اور کوکو پاؤڈر شامل کر کے پھینٹتی جائیں اور تھوڑا تھوڑا دودھ بھی شامل کرتی رہیں۔ آئسنگ ہموار شکل اختیار کر لے تو تیار کیے ہوئے کیک کو درمیان میں کاٹ کر اس کی دونوں اطراف میں آئسنگ لگائیں اور گارنش کر کے ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

لاہوری ہریسہ

ضروری اشیا

پیاز (چوپ کرلیں) ایک عدد
گوشت آدھا کلو
پسا ہوا ادرک اور لہسن ایک کھانے کا چمچہ
دلیہ (بھگودیں) ایک کپ
دہی آدھا کپ
نمک حسب ذائقہ
پسی ہوئی لال مرچ ایک کھانے کا چمچہ
پسا ہوا دھنیا ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ہلدی ایک چائے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا ایک چائے کا چمچہ
ثابت گرم مسالا ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ ایک چائے کا چمچہ
تیل، حسب ضرورت
پیاز (چھوٹی) ایک عدد
گھی یا تیل، دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا، ہری مرچ، لیموں، ادرک، پودینہ گارنش کے

سوس پین میں تیل گرم کر کے پیاز کو سنہرا کرلیں۔ اس میں گوشت لہسن، ادرک، نمک پسی لال مرچ، پسا ہوا دھنیا، سفید زیرہ، ثابت گرم مسالا اور پسی ہوئی ہلدی ڈال کر بھونیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو دہی، دلیہ اور تین کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں تیار ہو جائے تو ڈش میں نکال کر پیاز کا بگھار دیں۔ ہرے مسالے سے سجاوٹ کر کے پیش کریں۔

☼

عدنان

نفسیاتی و ذہنی الجھنیں

نفسیاتی بیماریوں کے جتنے مریضوں سے میرا واسطہ پڑا ان میں سے اکثر مریض نہ تھے بس انہیں اصل بیماری یا اصل تکلیف کا علم نہ تھا اور نتیجے کے طور پر انہوں نے خود کو نفسیاتی مریض سمجھنا شروع کر دیا۔ مثلاً" ایک لڑکی تین سال سے ذہنی مریضہ تھی۔ وہ بے حد کمزور تھی۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے اور وہ ڈر اور خوف کا شکار تھی۔ ماں باپ نے اس کا علاج کروایا۔ مہنگے سے مہنگے ڈاکٹروں کو دکھایا لیکن آرام نہ آیا۔

جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ دن بھر میں کیا کھاتی ہے تو اس نے کہا کہ کچھ کھایا ہی نہیں جاتا' صرف دوائیاں کھاتی ہوں۔ مزید معلومات کرنے پر پتا چلا کہ اس نے پچھلے تین دن میں دو ٹوسٹ اور تین چار کپ چائے کے علاوہ کچھ نہیں لیا۔ اصل میں لڑکی ذہنی مریضہ نہ تھی بس کسی وجہ سے بھوک لگنی بند ہو گئی تو اس نے کھانا کم کر دیا۔ کئی کئی دنوں تک کچھ نہ کھایا' نتیجے کے طور پر کمزور سے کمزور ہوتی چلی گئی۔ جب کمزوری نے گھیرا تو ذہنی مریضہ بن گئی۔

سب سے پہلے اس کی دوائیاں بند کروائی گئیں اور خوراک ٹھیک کروائی گئی۔ خوراک ٹھیک ہوئی تو اس کی کمزوری دور ہو گئی۔ کمزوری دور ہوئی تو اسے اپنے جسم میں نقاہت کی کمی کا احساس ہوا اور اس نے محسوس کرنا شروع کیا کہ تندرست ہو رہی ہے۔ جسم میں اور طاقت آئی تو وہ ذہنی طور پر بھی ٹھیک ہو چکی تھی۔

ن۔ م۔ ڈیرہ

عدنان بھائی! کچھ مسئلے ہیں جن کا حل آپ سے درکار ہے۔ ہمارے اردگرد کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہم سے حسد کرتے ہیں۔ ہماری صلاحیتوں سے یا پھر ہماری خوب صورتی کی وجہ سے' ہم ان سے اچھائی کریں پھر بھی یہ لوگ ہمارے لیے برا ہی سوچتے ہیں۔ اور یہ اتنے قریبی رشتے ہوتے ہیں کہ انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے اگر چھوڑ دیں تو مزید دشمنی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذہن میں آتا ہے تو اور بھی ڈر لگتا ہے کہ حسد کی آگ بہت بری ہوتی ہے۔ یہ بتائیں کہ اس طرح کے حالات میں انسان کیا کرے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ اتنے خود غرض ہوتے ہیں کہ دوسروں سے کام نکلواتے رہنا چاہتے ہیں اور جو کرتے ہیں ان کا احسان بھی نہیں مانتے۔ بہن کے رشتے میں ایسا ہو تو وہ بھی چلو برداشت ہو جائے' اگر بھابھی ایسی آجائے تو دل کتنا جلتا ہے' یہ مت پوچھیں۔ میری بھابھی کے ذمہ ایک ہی کام ہے پھر بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا کر دے حالانکہ اپنے گھر سارے کام کر کے آئی ہیں۔ جھوٹ بولتی ہیں کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ ایسے میں کیا کریں۔

ج۔ اچھی بہن! بہت سی باتیں ہم خود ہی فرض کر لیتے ہیں۔ یہ محض ہمارا خیال ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ ایک بہت عام سوچ جو بہت سارے لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ذہن میں یہ بٹھا لیتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی خوبصورتی' ان کے پیسے یا ان کی ذہانت سے جلتے ہیں' ان سے حسد کرتے ہیں' ان کو خوش دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ یہ بدگمانی ہے۔ ہمیں اچھے گمان رکھنا چاہیے۔ اسی لیے ہمارے مذہب میں بدگمانی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ہو سکتا ہے جن لوگوں کے متعلق یہ آپ سوچ رہی ہیں کہ وہ آپ سے حسد کرتے ہیں' آپ کی خوشیوں سے جلتے ہیں یہ محض آپ کا وہم ہو۔ اپنے ذہن کو صاف کرلیں۔ دوسروں کے متعلق اچھا گمان رکھیں۔ بالفرض وہ حسد کرتے بھی ہیں تو حاسد کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' اس کے لیے یہ ہی سزا کافی ہے کہ وہ اپنی آگ میں جلتا رہتا ہے۔

جہاں تک آپ کی بھابھی کا تعلق ہے اگر انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور وہ کوئی کام نہیں کرتیں تو آپ صبر و برداشت سے وقت گزار لیں۔ آپ کو ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہنا۔ ایک دن اپنے گھر چلے جانا ہے۔ آپ نے خود لکھا ہے کہ بہن ایسی ہو تو چلو برداشت ہو جائے۔ انہیں بہن ہی سمجھ لیں۔ اگر آپ نے ان سے بحث و تکرار کی یا زبردستی کام کرنے کو کہا تو صرف گھر کی فضا مکدر ہوگی' لڑائی جھگڑا ہوگا اور دوسرے لوگ تماشا دیکھیں گے۔ جو لوگ فطرتاً "کام چور اور کاہل ہوں۔ ان کو خواہ کچھ بھی کہہ لیں' ان پر اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ فطرت کبھی نہیں بدلتی۔

ویسے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کی بھابھی گھر میں کوئی کام نہ کرکے آپ کا نہیں اپنا نقصان کر رہی ہیں۔ جو لوگ گھر کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتے' کوئی کام نہیں کرتے' ان کی حیثیت ہمیشہ گھر میں ایک بن بلائے مہمان کی سی رہتی ہے۔ وہ گھر میں اپنا مقام' اپنی جگہ نہیں بنا پاتے۔ وہ گھر میں رہیں یا چلے جائیں ان کی غیر موجودگی سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب آپ سوچیں کہ آپ کی بھابھی اپنا کتنا نقصان کر رہی ہیں۔

سلمٰی ابراہیم۔ کراچی

پانچ سال پہلے ہمارے پڑوس میں نئے لوگ آئے۔ متوسط درجے کے لوگ تھے۔ باپ کی کہیں دکان تھی' تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ہمارے گھر میں لڑکیوں کو محلے میں کسی کے گھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں اس وقت میٹرک کی طالبہ تھی۔ ایک آدھ دفعہ ان کے گھر سے لڑکیاں آئیں' لیکن دوستی یا تعلق والی کوئی بات نہ ہو سکی۔ کبھی ان کے گھر میں کوئی اچھی چیز پکتی تو وہ ہمارے گھر بھجواتیں۔ امی برتن خالی نہ بھیجتیں' بھائی کے ہاتھ ان کے گھر کچھ نہ کچھ ضرور بھجواتیں۔

ایک دن بھائی گھر پر نہ تھا' امی نے بریانی بنائی تھی۔ مجھ سے کہا "تم جا کر دے آؤ۔ دروازے سے ہی دے کر پلٹ آنا۔" یہاں میں ایک بات بتا دوں۔ امی کی ان لوگوں کے متعلق اچھی رائے نہ تھی کیونکہ ان کے گھر سے اکثر لڑنے جھگڑنے' گالیاں دینے کی آوازیں آتی تھیں۔ محلے میں بھی ان کا ایک بیٹا اکثر لوگوں سے جھگڑتا رہتا تھا۔ دو بیٹے تو پڑھتے تھے' جھگڑالو بیٹا گھر پہ ہی رہتا تھا' میں دینے گئی تو دروازہ اسی لڑکے نے کھولا۔ میں نے ڈش بڑھائی تو اس نے ڈش لینے کے بجائے مجھ سے اندر آنے کو کہا۔ میں نے انکار کیا تو وہ غصہ میں آگیا' اصرار کرنے لگا کہ میں اندر آؤں۔

تب ہی پیچھے سے اس کی والدہ آگئیں تو میں جلدی سے انہیں پکڑا کر آگئی' لیکن اس لڑکے کا رویہ' اس کا درشت انداز دیکھ کر میں بہت ڈر گئی۔ دوسرے دن میں کالج جانے کے لیے نکلی تو وہ باہر کھڑا تھا۔ میرے پیچھے کالج تک آیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں۔ چھوٹی بہن میٹرک میں تھی' میں اس کے ساتھ ہی کالج جانے کے لیے نکلتی یا پھر بھائی سے کہتی کہ وہ مجھے چھوڑ کر آئے۔ واپسی پر پھر کالج کے گیٹ پر کھڑا ہوتا۔ کلاس کی دو لڑکیاں واپسی پر میرے ساتھ ہوتیں' اس لیے اس کو موقع نہ ملتا۔

مجھے اس کا حلیہ اور انداز دیکھ کر وحشت ہوتی تھی۔ سرخ آنکھیں' بکھرے بال' میلے کپڑے' کہیں سے بھی نارمل نہیں لگتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے بھائی کو کسی کام سے جانا تھا۔ وہ صبح سویرے نکل گئے۔ چھوٹی بہن کو بخار تھا' میں

اکیلی تھی۔ اس نے مجھے ایک لفافہ تھمانے کی کوشش کی' اس ڈر سے کوئی دیکھ نہ لے میں نے لفافہ تھام لیا۔ محلے کا معاملہ تھا' سب ہی ہمیں جانتے تھے۔ اس لفافہ میں انتہائی فضول سا خط تھا۔ جس میں انتہائی گھٹیا انداز میں اظہار عشق کیا گیا تھا۔ میرا غصے کے مارے برا حال ہو گیا۔

دوسرے دن میں نے اس کو دکھا کر وہ خط پرزے پرزے کر دیا۔ وہ اس وقت تو خاموشی سے چلا گیا۔ دو دن بعد کالج سے نکلی تو میرے پیچھے آ گیا اور کہا تم مجھ سے بات نہیں کرو گی تو میں اپنی جان دے دوں گا۔ میں نے غصہ میں کہا۔ ''تمہارا جو دل چاہے کرو' میرا پیچھا چھوڑ دو' میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔''

کہنے لگا۔ ''اس کا خمیازہ تم ساری زندگی بھگتو گی۔'' میں اسے خالی خولی دھمکی سمجھی' میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ کیا کرنے والا ہے۔

دوسرے دن ان کے گھر میں ہنگامہ برپا تھا۔ اس نے رات میں نہ جانے کس وقت اپنی کلائی کی رگیں کاٹ لی تھیں۔ ایک خط اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا جس میں میرا نام لے کر لکھا تھا کہ وہ میری وجہ سے خودکشی کر رہا ہے۔

اس کے گھر والوں نے تو مجھے ہی مورد الزام ٹھہرانا تھا۔ اس کی ماں نے پورے محلے کے درمیان بیٹھ کر مجھے کوسنے دیے۔ محلے میں بھی جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔ شکر ہے کہ پولیس میں معاملہ نہیں گیا ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دوسرے تو کیا خود میرے گھر والے مجھ پر یقین نہیں کرتے۔ بی اے کے بعد گھر بٹھا لیا ہے۔ امی بار بار مجھ سے کرید کرید کر پوچھتی ہیں کیا ہوا تھا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا' کیا کہوں پھوپھی کا ہمارے گھر رشتہ کرنے کا ارادہ تھا۔ کئی بار دبے لفظوں میں ارادہ ظاہر کر چکی تھیں۔ انہوں نے بھی اس واقعہ کے بعد چپ سادھ لی۔ اب سنا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا رشتہ اپنی نند کی بیٹی سے کر رہی ہیں' سمجھ میں نہیں آتا مجھے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ میرے دل پر اس لڑکے کے مرنے کا بھی بہت بوجھ ہے۔ بار بار خیال آتا ہے کہ میری وجہ سے ایک لڑکے کی جان گئی۔ مجھے لگتا ہے کہ میں ہی اس کی قاتل ہوں۔

ج۔ اچھی بہن! سب سے پہلے آپ اپنے دل سے اس خیال کو نکال دیں کہ آپ کی وجہ سے اس کی جان گئی۔ آپ نے خود لکھا ہے کہ وہ محلے میں سب سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ اس کے گھر سے بھی چیخنے چلانے اور جھگڑنے کی آوازیں آتی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ دونوں بھائی پڑھ رہے تھے تو یہ کیوں گھر پر بے کار پڑا رہتا تھا' پھر معمولی معمولی باتوں پر غصہ کرنا' یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ کسی صورت نارمل نہیں تھا۔ یقینی طور پر وہ کسی ذہنی مرض کا شکار تھا۔

دوسری بات یہ کہ محبت میں کوئی جان نہیں دیتا نہ ہی محبت کوئی ایسا آفاقی جذبہ ہے۔ اس لیے محبت کی بات تو جانے دیں اور اپنے دل سے اس بات کو نکال دیں کہ اس نے آپ کی محبت میں جان دی ہے۔ وہ ذہنی مریض تھا۔ اس کے گھر والے بھی یہ بات جانتے ہیں۔ آپ کو الزام دے کر زیادتی کر رہے ہیں۔

کچھ وقت گزرے گا تو لوگ اس بات کو بھول جائیں گے۔ اپنی امی کو سمجھائیں کہ وہ آپ کی تعلیم میں رکاوٹ نہ بنیں۔ آپ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھیں۔ لوگ جو کہتے ہیں کہنے دیں۔ انسان خود مطمئن ہو' اس کا ضمیر مطمئن ہو تو پھر کسی ناجائز الزام کی پروا نہیں کرنا چاہیے۔ ایک بات یاد رکھیں ہمارے معاشرے میں اچھے لوگوں پر ہی الزام لگائے جاتے ہیں۔ برے لوگوں کو تو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔

بیوٹی بکس

امتِ صبور



راشدہ گلنار..... لاہور

س : مجھے چہرے کے دانوں نے پریشان کر رکھا ہے۔ کبھی ہونٹ کے پاس، تو کبھی پیشانی پر، کبھی ٹھوڑی پر تو کبھی ناک پر، رخسار کا تو کوئی حال ہی نہیں، یہ نہیں کہ ایک دم سے نکلتے ہیں۔ کبھی ایک، کبھی اکٹھے دو۔ لیکن ہر وقت ایک ضرور موجود رہتا ہے۔ اور وہ بھی ریشے والا۔ میری جلد بھی چکنی ہے۔ ٹھوڑی پر اور ناک کے ارد گرد بہت تیل ہوتا ہے۔

ج : آپ کا مسئلہ آپ کی چکنی جلد ہے۔ دانے بھی اسی وجہ سے نکلتے ہیں۔ آپ چہرے کی صفائی پر خاص توجہ دیں۔ عام صابن کے بجائے میڈیکیٹیڈ صابن استعمال کریں۔ دن میں کم از کم تین بار صابن سے منہ دھوئیں۔ چہرے پر کسی قسم کی کریم یا لوشن نہ لگائیں۔ قبض بالکل نہ ہونے دیں۔ پھل اور سبزیاں زیادہ استعمال کریں۔ چکنی، تلی ہوئی اور بیکری کی اشیاء کیک پیٹیز وغیرہ سے مکمل پرہیز کریں۔

گاجروں میں خون صاف کرنے اور جلد کو شفاف کرنے کی قدرتی صلاحیت ہے۔ گاجر کا استعمال جلد میں حیرت انگیز دلکشی پیدا کرتا ہے۔ آپ صبح نہار منہ ایک گلاس گاجر کا جوس پئیں۔ ایک ماہ میں نمایاں فرق محسوس کریں گی۔

چہرے اور بازوؤں کے بالوں کے لیے آپ تھریڈنگ کرائیں، اس سے جلد خراب نہیں ہوتی۔

سلمٰی..... راولپنڈی

س : میں نے آپ کے ایک شمارے میں پڑھا تھا کہ کیسٹر آئل پلکوں کو لمبا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مجھے یہ پوچھنا تھا کہ "کیسٹر آئل کا کوئی سائیڈ ایفیکٹ تو نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نہ ہو کہ میری جو پلکیں ہیں، کیسٹر آئل کے استعمال سے وہ بھی گر جائیں۔ یہ بھی بتائیں کہ کیسٹر آئل کو پلکوں پر کس طرح لگانا چاہیے۔

ج : سلمٰی بہن! کیسٹر آئل لگانے سے پلکیں لمبی اور گھنی ہو جاتی ہیں۔ اس سے کوئی سائیڈ ایفیکٹ یا نقصان نہیں ہوتا۔ پلکوں پر کیسٹر آئل نرم برش سے لگائیں اگر برش نہ ہو تو تھوڑی سی روئی کو کیسٹر آئل میں ڈبو کر اس کو پلکوں پر لگایا جا سکتا ہے۔

ارجمند ناز..... راولپنڈی

س : میری عمر ۳۵ سال ہے، لیکن چہرے کی جھریوں کی وجہ سے اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی نظر آتی ہوں۔ آنکھوں کے گرد اور پیشانی پر جھریاں زیادہ ہیں۔

ج : خشک جلد پر جلد جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ رات سونے سے پہلے کوئی اچھی کولڈ کریم ضرور لگائیں۔

یہ کریم اس طرح لگائیں کہ پیشانی پر نیچے سے اوپر کی طرف مساج کریں۔

آنکھوں کے نیچے گالوں پر کریم لگاتے ہوئے ہاتھ کا رخ گالوں سے کانوں کی طرف ہو۔

دس تولہ شہد میں ایک لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لیپ کریں۔ پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں۔ پھر چہرہ دھو ڈالیں۔

ہفتے میں دو بار یہ عمل کریں۔ ایک ماہ میں جھریاں غائب ہونا شروع ہو جائیں گی۔

☼